سلسلۂ ندوۃ المصنفین
(۶۷)

قصص الاولین عبرۃ للآخرین

وسیلۃ الظفر لآل مظفر

یعنی

تاریخ گجرات

جس میں کرشن مہاراج کے عہد سے محمود تغلق شاہ اور ظفر خاں آخری ناظم گجرات
تک کے سیاسی و جغرافی حالات درج ہیں

مؤلفہ
پروفیسر سید ابو ظفر ندوی ریسرچ اسکالر (پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ)
گجرات ودیا سبھا احمد آباد
رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

قیمت مجلّد آٹھ روپے

قیمت غیر مجلّد سات روپے

صفر المظفر ۱۳۷۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۸ء

مطبوعہ

الجمعیۃ پریس دہلی ۶

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افسوس ہے کہ کوشش کے باوجود یہ قابل قدر تالیف مرحوم کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی حالانکہ اس کی کتابت پچھلے سال مئی میں ختم ہو گئی تھی اور معمول کے مطابق اس کو ۵۸ء ہی میں چھپ جانا چاہئے تھا مگر کچھ ایسے حالات پیش آتے رہے کہ کتابت شدہ کاپیاں یوں ہی رکھی رہیں اور ان کی طباعت کی نوبت نہیں آئی۔ اواخر مارچ ۵۸ء میں مرحوم کا آخری خط آیا تھا جس میں پراویڈنٹ فنڈ اور پنشن وغیرہ سے متعلق متعدد فقہی استفسارات تھے، خط اور سوالات کا جواب اسی وقت دیدیا گیا تھا، اور یہ کہ تفصیلی باتیں بوقت ملاقات ہوں گی، کیا معلوم تھا کہ مرحوم اس قدر جلد رخصت ہونے والے ہیں۔ اور اب نہ کوئی خط آئے گا نہ ملاقات ہو گی، اس وقت ان کا نورانی چہرہ آنکھوں میں پھر رہا ہے اور رہ رہ کر یہی خلش قلب میں ابھر رہی ہے کہ یہ کام اُن کی زندگی میں کیوں پورا نہ ہوا، بہر حال ویأبی اللہ الا ما یشاء۔

ہماری زبان مورخہ ۱۵ر جولائی ۵۸ء میں سید صاحب مرحوم کی زندگی کے حالات عبدالقوی صاحب دسنوی کے قلم سے شائع ہوئے ہیں، یہ تعارف نامہ مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے یہاں اُس کے ضروری اجزاء کو شامل کیا جا رہا ہے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

۷ر ستمبر ۱۹۵۸ء

علامہ سید سلیمان ندوی کے بڑے بھائی سید ابو حبیب بڑے عالم اور شریعت کے پابند بزرگ تھے، عربی اور فارسی زبان پر کافی عبور حاصل تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی ابتدائی تعلیم انھیں بزرگ کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس مدرسہ حبیبیہ نے انھیں مذہب سے محبت اور مذہبی احکام کی طرف رجوع کیا جس نے آگے چل کر سید سلیمان کو علامہ سلیمان ندوی کے مرتبے پر پہونچا دیا۔ سید ابوظفر ندوی انھیں بزرگ سید ابو حبیب صاحب کے اکلوتے لڑکے تھے ان کی پیدائش ۳ر ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ میں دیسنہ میں ہوئی تھی۔ مولوی مقصود صاحب ان کے پہلے استاد تھے، بعد میں اپنے ماموں صغیر الحق صاحب کے ساتھ کچھ دنوں تک پٹنہ میں قیام کیا اور ان کے زیر نگرانی اُردو اور فارسی کی تعلیم پائی، عربی تعلیم کیلئے دیسنہ آئے اور اپنے والد ابو حبیب صاحب سے اس زبان کی اچھی تعلیم پائی۔ اس کے بعد تقریباً بارہ برس کی عمر میں دار العلوم ندوہ بھیج دیئے گئے جہاں علامہ شبلی جیسا استاد انھیں ملا جس میں خام کو کندن

بنانے کی صلاحیت تھی۔ ابوظفر ندوی صاحب نے بھی ان سے علمی فیض حاصل کیا، ۱۹۱۱ئ میں ندوہ کی تعلیم تکمیل کو پہنچی۔ اسی زمانے میں انھیں مضمون نویسی کا شوق پیدا ہوا۔ سب سے پہلا مضمون جو تاریخی حیثیت رکھتا تھا وہ "ابوالعتاہیہ" شاعر کی سوانح عمری سے متعلق تھا۔ اور اس کے بعد تاریخی مضامین کا سلسلہ شروع ہوا جو آخر دم تک جاری رہا۔

ملازمت کا زمانہ جب آیا تو درس گاہوں نے اُن کا خیر مقدم کیا، ابتدا میں مکتبوں میں تعلیم دیتے رہے، ملتان سب سے پہلی جگہ تھی جہاں سے اُن کی ملازمت کی ابتدا ہوئی کچھ عرصہ تک رنگون میں بھی قیام کیا، رنگون کا سفر سیر و سیاحت کی پہلی منزل تھی۔ ارادہ ساری دنیا کی سیر کا تھا اسی غرض سے وہ وطن سے نکلے بھی تھے، رنگون میں قیام کا مقصد ملازمت کے ذریعے سفر کے اخراجات کے لئے روپے مہیا کرنا تھا چنانچہ اس کی تیاری بھی وہاں شروع کر دی تھی۔ اور ملازمت کے ذریعے کچھ سرمایہ بھی جمع کر لیا تھا لیکن کچھ ایسی رکاوٹیں سامنے آئیں جنھوں نے انھیں واپسی پر مجبور کیا۔ واپسی پر قیام بمبئی میں رہا۔ کچھ عرصے کے بعد احمد آباد چلے گئے جہاں "ودیا پیٹھ" میں ملازمت مل گئی، اس کے بعد "شانتی نکیتن" میں لکچرر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کے بعد پھر احمد آباد واپس چلے گئے اور "ودیا سبھا" احمد آباد کے پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ میں ایم۔ اے کی تعلیم اور تحقیقی کاموں میں لگ گئے اور زندگی کے آخری ایام تک اس سے منسلک رہے۔ اس دوران میں ملک کے مختلف رسائل اور اخبارات ندیم، معارف، برہان وغیرہ میں سیکڑوں مضامین شائع ہوئے جو تاریخی تحقیق سے متعلق ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ تقریباً ۲۰ کتابیں تصنیف کیں۔

علمی زندگی سے ہٹ کر ان کی نجی زندگی بھی بڑی خوبصورت تھی جیسا ان کا چہرہ صاف اور بھولا تھا۔ ویسا ہی دل بھی صاف اور بھولا بھالا پایا تھا، باتیں بڑی نرمی سے مسکراتے ہوئے کرتے تھے۔ وہ زیادہ تر تاریخی موضوعات پر باتیں کرتے تھے۔

گزشتہ موسم گرما میں تعطیل گزارنے کے لئے اپنے وطن دیسنہ تشریف لائے تاکہ وطن میں سکون اور قرار نصیب ہو، ابھی کچھ دن ہی قیام کرنے پائے تھے کہ اچانک ۲۸ مئی ۵۸ء کو شام کے وقت رحلت فرما گئے — اور زندگی بھر کی بیقراری کو قرار آ گیا۔

دیباچہ

۱۹۲۱ء میں جب میں گجرات مہا ودیالے (کالج) احمد آباد آیا تو اس کے کچھ دنوں کے بعد وہاں پُراتتو مندر (محکمۂ آثار قدیمہ) قائم کیا گیا۔ اور اس کے ارکان کی طرف سے یہ تجویز قرار پائی کہ گجرات کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اُردو، فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت، ہندی گجراتی، مرہٹی، فرنچ، پرتگیزی، انگریزی زبانوں سے اس کا مواد مہیا کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی زبانیں میرے حصہ میں آئیں۔ میں نے اس کا مواد جمع کرنا شروع کیا، اور اس کام کے لیے ہندستان کے علاوہ عرب، شام اور قسطنطنیہ کے معزز اہل قلم سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ قسطنطنیہ کے بعض احباب نے متعدد اخباروں میں اس پر مضامین شائع کیے۔ تاریخ کے بعض پروفیسروں نے براہ راست مجھ سے خط وکتابت کی لیکن ۱۹۲۸ء میں یہ محکمہ مالی مشکلات کے سبب آگے قدم نہ بڑھا سکا۔ اس عرصہ میں تاریخ گجرات کی جتنی کتابیں میری نظر سے گزریں، میں نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک مصنف نے اپنے زمانہ تک کے حالات درج کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اُردو زبان میں آج تک کی گجرات کی کوئی مکمل تاریخ نہیں لکھی گئی ہے، اس لیے قدرتی طور پر مجھے اس کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا۔ اس خیال کے آتے ہی خانگی مشکلات اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے باوجود اس طرف متوجہ ہو گیا۔ اور الحمد للہ کہ آج اس کی پہلی جلد شائع کر کے ہدیۂ ناظرین کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ جلد دوم میں شاہان گجرات کا حال[1]، اور سوم میں سلطنت مغلیہ اور مرہٹوں کے بعد سلطنتِ

---

[1] یہ جلد بھی مکمل تیار ہو گئی، اور تیسری جلد اختتام سلطنت مغلیہ تک تحریر ہو گی۔

برطانیہ کا آج تک کا حال درج ہوگا۔

جلد اوّل میں اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے ایک مقدمہ ہے جس میں جغرافی حالات کے علاوہ متعدد مفید باتیں درج ہیں۔ زبان گجراتی کی درجہ بدرجہ ترقی پر ایک مستقل مضمون ہے جو میرے عزیز شاگرد مسٹر نرہری لال بھٹ سنا تک (بی اے) کا لکھا ہوا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اردو زبان پر بھی ایک مضمون اس میں شامل ہو، مگر مجھے افسوس ہے کہ اس وقت تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ عہد موجودہ کے اصول تاریخ کو مدنظر رکھ کر ہر ضروری شئے کو درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گو تاریخ گجرات کی ابتدا راجا دو خاندان سے شروع کی گئی ہے لیکن اصل تاریخ گوجروں کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ ولبھی پور کا حال مفصل لکھا ہے اور ولبھی پور کی تباہی اور عربوں کے حملوں کی پوری پوری تحقیقات کی ہے، عرب سیاحوں کے قدیم سفرناموں سے جو حالات مل سکے ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

غیر مسلم حکمرانوں کا حال میں نے قصداً مختصر لکھا ہے کہ یہ میرا اصل مقصود نہ تھا۔ البتہ اسلامی فتوحات کا حال تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ بعض غیر متعلق چیزیں بھی آگئی ہیں۔ جو تاریخی معلومات کے خیال سے حاشیہ میں درج کردی گئیں۔ خسرو خاں گجراتی اور دیول دیوی کا حال ذرا تفصیل سے اس لیے لکھا ہے کہ یہ دونوں گجراتی تھے۔

عہد خلجی کی کوئی عمارت اس وقت تک گجرات میں نہیں ملی۔ مگر تغلق کے عہد کی متعدد عمارتیں موجود ہیں۔ سکوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے اور ہر بادشاہ کے عہد کا سکہ کتاب میں موجود ہے۔ متعدد مقامات اور جنگوں کے نقشے بھی شامل کردیے گئے ہیں۔ گجراتی سلطنت اور عہد مغلیہ کے تمدنی و معاشرتی حالات سب یکجا آخری جلد کے تکملہ میں ہونگے۔ (گجرات کے تمدنی و معاشرتی حالات مکمل ہوکر زیر طبع ہیں جس میں تمام سکے بھی درج کردیے گئے ہیں)

میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ تاریخ مکمل ہے اور غلطیوں سے پاک ہے، بلکہ اغلب ہے کہ

کہ میری بعض تحقیقات غلط ہوں۔ ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ حتی الامکان واقعات اور سنین کی صحت کا حد درجہ خیال رکھا ہے۔ پھر بھی میں انسان ہوں اور کم علم طالب علم۔ اس لیے اہل نظر سے مستدعی ہوں کہ جہاں کہیں اُن کو میری غلطی محسوس ہو، ازراہ علم نوازی مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ طبع میں اس کو درست کرسکوں۔

وما توفیقی الّا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب

جنوری ۱۹۳۱ء
مطابق رمضان ۱۳۴۹ھ

سید ابوظفر ندوی
خان پور، سیدواڑہ۔ احمد آباد

نذرِ عقیدت

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو عمِ مکرم استاذ محترم مولائی و مقتدائی علامہ سید سلیمان ندوی ادام اللہ فیوض برکاتہ کے نذر کرتا ہوں جن کی رہنمائی سے اس کتاب میں ہمیشہ اس ناچیز نے فائدہ اُٹھایا۔

اُن کتب کی فہرست جن سے اس تاریخ میں مدد لی گئی ہے

تاریخ پالن پور۔ اُردو
مرأۃ محمدی۔ اُردو
طبقات اکبری۔ فارسی
فرشتہ۔ فارسی
تاریخ عفیف سراج۔ فارسی
تاریخ ضیاء برنی
تاریخ رنچھوڑجی قلمی۔ فارسی
ریاض السلاطین۔ فارسی
تاریخ ہند ذکائی۔ اُردو
مولفہ ذکاء اللہ صاحب
مسالک الابصار جلد دوم۔ عربی
سفرنامہ ابن بطوطہ۔ عربی
آئین اکبری۔ فارسی
ظفر الوالہ۔ لندن۔ عربی
سفرنامہ مارکوپولو۔ اُردو
تاریخ بدایونی فارسی
تنترنجی تیرتھ پربندھ سنسکرت
تاریخ مسعودی، مصری عربی
مقدمہ دول رانی خضرخاں اُردو
صبح الاعشیٰ مطبوعہ مصر۔ عربی

کرن گھیلا گجراتی۔ گجراتی
طبقات ناصری۔ فارسی
جامع الحکایات عوفی قلمی۔ فارسی
راس مالا گجراتی
خلافت اور ہندستان۔ اُردو
تاریخ ہاشمی۔ اردو
پرچین اتہاس۔ گجراتی
کتاب الہند بیرونی مطبوعہ لیڈن
حیات سعدی اردو
شعر العجم۔ اردو
تمدن ہند اُردو
مرأۃ احمدی۔ فارسی
سفرنامہ سلیمان سیرافی پیرس۔ عربی
تاریخ بلاذری مصر۔ عربی
بمبئی گزیٹیر۔ انگریزی
گجرات کی قدیم تاریخ گووند
بھائی دیسائی۔ گجراتی
کاٹھیاواڑ گزیٹیر۔ انگریزی
تاریخ ایران جان مالکم۔ فارسی
الیٹ صاحب کی تاریخ ہند انگریزی

رسائل شبلی اردو
یاد ایام اردو
کشف الظنون۔ عربی
بودھ مت ہند اردو
ارض القرآن اُردو
تاریخ عرب قدیم اُردو
تاریخ گوجران اردو
کتاب الہند والصین ابو زید
سیرافی مطبوعہ پیرس۔ عربی
مختصر الدول مطبوعہ بیروت عربی
سفرنامہ ابن حوقل لیڈن۔ عربی
سفرنامہ اصطخری مصر۔ عربی
عجائب الہند۔ پیرس۔ عربی
کتاب الفہرست لابن ندیم عربی
ابن خلدون مصر۔ عربی
تاریخ طبری مصر۔ عربی
سفرنامہ ہونگ شیانگ
چینی سیاح اردو
گزیٹیر آف گجرات
رن مل۔ سنسکرت

مقدمہ

حدودِ اربعہ

شمال میں مارواڑ، میواڑ، سروہی، کچھ کارن اور اراولی پہاڑ
جنوب میں کھانہ اور ناسک (مہاراشٹر)
مشرق میں وانسواڑہ، خاندیس (اور مالوہ)
مغرب میں بحرِ عرب، خلیج کچھ، سندھ

تشریح

گجرات کا صوبہ مغربی ہندستان میں واقع ہے، اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ جزیرہ نما، جس کے تین طرف پانی، ایک طرف خشکی ہے۔ اسی کو سورٹھ یا کاٹھی وار کہتے ہیں اور دوسرے حصہ کے چاروں طرف خشکی ہے۔ جزیرہ نما کا حصہ بحرِ عرب میں واقع ہے، اور عرب کے صوبہ عمان کے تقریباً مقابل اور مکران وسندھ کے نیچے ہے۔

حصہ دوم کی جنوبی حد دانگ (ریاستہائے وانسوا) تک ہے۔ کیونکہ گجراتی زبان یہاں بولی جاتی ہے۔ لیکن اب وزیرِ اعظم بمبئی جناب مرارجی صاحب نے مرہٹہ دیس میں شامل کر دیا ہے ساحل نربدا سے شمال تک ایک سلسلہ پہاڑوں کا چلا جاتا ہے، جو اَرْولی اور بندھیاچل پہاڑ کو ملاتا ہے وہ گجرات کی مشرقی وشمالی سرحد ہے، اس کو مالوہ، میواڑ اور مارواڑ سے علیٰحدہ کرتا ہے۔ خلیج کچھ اور اس کا نمک زار رن اس کی شمالی مغربی اور مغربی سرحد ہے۔ بحرِ عرب اور خلیج

کھنبایت اس کے جنوب مغربی حدود ہیں۔ کوہستان جو گجرات کو شمال مشرق کی طرف سے محدود کرتا ہے، اس کی شاخیں اندرونِ ملک پھیلتی ہیں اور انہوں نے ملک کے حصوں کو پست و بلند کر دیا ہے۔ کوہستان اور وادی جنگلوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ ان جنگلوں سے کئی دریا نکلتے ہیں جن کے کنارے کنارے کئی عمیق غار پیچدار گھاٹیاں اور پہاڑ ہیں۔ یہ ملک گجرات کے اس زمانہ (۱۹۲۱ء) کے حدود اربعہ ہیں۔ گجرات کے راجاؤں اور بادشاہوں کے وقت میں اس کی ملکی وسعت میں جو کمی بیشی ہوتی رہی وہ آئندہ ہر بیان کے ضمن میں ان شاء اللہ بیان ہوگی۔

مجمل آبادی | فی الحال (۱۹۲۱ء) اس ملک کی آبادی ۹۶۶۰۰۴۲ ہے۔ اس میں چالیس بڑے شہر اور پانچ ہزار گاؤں ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی ۱/۶ سے کچھ زائد ہے، یعنی پندرہ لاکھ ہے۔

رقبہ و طول و عرض | بہتر ہزار مربع میل رقبہ ہے۔ اتر سے دکھن ۳۲۰ میل طول، پورب سے پچھم ۳۶۰ میل تک عرض ہے۔

گجرات کے موجودہ سواحل | گجرات کا ساحل کچھ سے لے کر تھانہ تک ہے۔ اس میں کئی خلیجیں ہیں، اور کئی بندرگاہ ہیں جو فی الحال بھی بکار آمد ہیں، ان کے نام یہ ہیں:۔

مانڈوی، دوارکا، جام نگر، پوربندر، مانگرول، ویراول، دیو، جعفر آباد، بھاؤنگر، کھنبایت، بھروچ، دمن اور ڈمس۔ اگرچہ ان میں سے اکثر جگہ صرف چھوٹے چھوٹے جہاز جاتے ہیں۔ اور معمولی کشتیاں آمد و رفت رکھتی ہیں، باقی تمام بندر جو زمانہ ماسبق میں تھے، گورنمنٹ انگلشیہ نے مصالح ملکی کی بنا پر بند کر دیے۔ خلیجیں مندرجہ ذیل ہیں۔

خلیج کھنبایت، اور خلیج کچھ۔

داخلہ گجرات کے سات راستے | (۱) کوہ آبو کا درہ جہاں سے عموماً فاتحان گجرات مثلاً آرین، گوجر، محمود غزنوی وغیرہ آئے۔

(۲) خلیج کچھ، جہاں سے یونانی آئے۔

(۳) خلیج کھنبایت، جس طرف سے عرب تجار آئے۔
(۴) کچھ کارن، جس جانب سے محمود غزنوی کی واپسی اور غوری کی آمد ہوئی۔
(۵) خاندیش، اس جگہ سے محمد تغلق دکن سے گجرات میں داخل ہوا۔
(۶) نربدا۔ مرہٹے یہیں سے گجرات آئے۔
(۷) ڈونگرپور کے درّے سے ہوکر موڑاسا ہوتے ہوئے جہاں سے الغ خاں بعہد علاءالدین خلجی داخل گجرات ہوا۔

راس | صوبۂ گجرات میں متعدد راسیں ہیں، لیکن سب سے بڑی راس جو قابلِ ذکر ہے راس دوارکا ہے۔

جزیرے | صوبۂ گجرات کے جیساکہ اوپر ذکر ہوا دُو حصّے ہیں، ایک وہ حصّہ جس کا تعلق خشکی سے ہے، اور دوسرا وہ حصّہ جو سمندر سے ملا ہوا ہے، اس آخری حصّہ کی حد دراصل کسی زمانہ میں دور تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کو سمندر نے کاٹ کر اس موجودہ حد تک پہنچا دیا ہے جس کے سبب سے چھوٹے بڑے کئی جزیرے اور جزیرہ نما پیدا ہو گئے ہیں۔ آج کل گجرات کے جزیرے حسب ذیل ہیں :-

جزیرہ سریم یا سرم (پیرم) جزیرہ سلطان پور، جزیرہ قطب پور، جزیرہ دیو، جزیرہ سن کھودوا، جزیرہ سنکھو تریشھ، جزیرہ سیال پیٹھ، جزیرہ وندالنج پوت، جزیرہ دمن، ان میں سے دیو اور دمن پرتگیز (فرنگی) کے پاس ہیں اور سنکھودوار، بڑودہ راج کے ماتحت، جزیرہ دیو آٹھ میل طویل اور دُو عریض واقع ہے جس میں آٹھ گاؤں ہیں، رنگ کا کام اچھا ہوتا ہے۔ دمن میں گیہوں، چاول، تمباکو خوب خوب ہوتا ہے۔ باقی جزیرے گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں، کاٹھیاواڑ کا پورا علاقہ جزیرہ نما ہے اور مغربی گجرات یہی سب سے بڑا جزیرہ نما ہے۔ سورت اور بھڑوچ میں بھی چھوٹے چھوٹے کئی جزیرہ نما ہیں جن کا حال انداز کرتا ہوں

پہاڑ | جس طرح گجرات کا مغربی حصّہ پانی سے گھرا ہے، اسی طرح شمال مشرقی حصّہ پہاڑوں سے بھرا ہے، جن کی مختلف شاخیں اندرونِ ملک پھیلی ہوئی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے،

(۱) کوہ اریداچل، یا آبو (۲) کوہ بندھیاچل (۳) کوہ جمیل یا گیر (۴) کوہ برڈا (۵) کوہ سدواچل یا شترنجہ (۶) کوہ ایڈر (۷) کوہ پادہ گڑھ (چانپانیر) (۸) کوہ لوناواڑہ (شاخ بندھیاچل) (۹) کوہ راج بیپلہ (۱۰) کوہ چوٹی لا (۱۱) کوہ مور دھار یا مانڈھودار (۱۲) کوہ گرنار (۱۳) کوہ اراسو (۱۴) کوہ ست پڑا۔

مرآۃ احمدی میں ذواور پہاڑوں کے نام دیے ہیں۔ کوہ اوسم اور کوہ کوفہ، مگران دونوں کا پتہ نقشہ میں نہیں ملتا۔ شاید چوٹی لا اور مور دھار کو کہتے ہوں۔ کیونکہ مراۃ احمدی میں ان دونوں کے نام نہیں ہیں۔ بعض پہاڑوں کی تشریح حسب ذیل ہے:-

(۱) کوہ آبو شمالی گجرات میں ۵۶۰۰ فٹ بلند واقع ہے۔ دیلواڑہ کا ڈیرہ (جین مندر) قابل دید ہے۔

(۲) اراسو۔ یہ بھی شمال مشرق گجرات میں واقع ہے، اور انباجی (بھوانی) کا دیول مشہور چیز ہے۔ اس جگہ سے سنگ مرمر نکلتا ہے۔

(۳) پاوہ گڑھ یا پون گڑھ پنج محل ضلع میں ۲۵۰۰ فٹ بلندی پر ہے۔ "کالی کا" (کالکا ماتا) کا دیول زیارت گاہ عوام ہے۔ اس جگہ سے لوہا نکلتا ہے اور مینگنیز بھی برآمد ہوتا ہے جو شیشہ بنانے میں بہت کارآمد ہے۔

(۴) راج پیپلہ کوہ ست پڑا کی ایک شاخ ہے۔ اس کے جنگلوں سے زمانہ سابق میں ہاتھیوں کے گلّے بہت کثرت سے گرفتار کیے جاتے تھے عقیق کے پتھر اسی جگہ سے برآمد کیے جاتے ہیں۔

(۵) سیادھری یا ایڈر۔ یہ بھی شمالی جانب بندھیاچل کی شاخ ہے

(۶) شترنجہ۔ کاٹھیاواڑ میں ہے، اس جگہ جینیوں کا دیول ہے۔ پالیتانہ کے پاس ۲۵۰۰ فٹ بلند ہے۔

(۷) گرنار۔ جوناگڑھ اسی پر واقع ہے جینیوں کا ایک مندر یہاں بھی ہے ۳۵۰۰ فٹ

بلند ہے اسی کے نیچے راجا اشوک کا ایک بڑے پتھر میں کتبہ ہے۔

(۸) کوہ گیر۔ کاٹھیاواڑ میں ہے۔ شیر ببر کے لیے مشہور ہے، جو یہاں کے سوا کسی اور جگہ ہندوستان میں نہیں ہوتے

(۹) برڈا۔ پوربندر کے پاس ہے، یہ سب چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ یہاں سے بھی لوہا نکلتا ہے۔ یہاں بانس کا بہت بڑا جنگل ہے اور عمارتی پتھر بکثرت برآمد ہوتا ہے۔

شمال مشرق کوہ ہائے گجرات:۔

کوہ آبو، کوہ پاواگڑھ (چاپانیر)، کوہ آراسو، کوہ لوناواڑ، کوہ ایڈر، کوہ بندھیا چل، کوہ راج پیپلا، کوہ ست پڑا۔

مغربی جنوبی گجرات یعنی کوہ ہائے کاٹھیاوار:۔

کوہ چوٹی لا، کوہ برڈا، کوہ گرنار، کوہ گیر، کوہ موردھار، کوہ شترنجہ

دریا | چونکہ گجرات کے پہاڑ شمال مشرق کی طرف ہیں، اس لیے قدرۃً گجرات کے جس قدر دریا ہیں وہ جنوب مغرب کی طرف بہتے ہیں اور بحر عرب میں جا کر مل جاتے ہیں۔ ان کے چھ سلسلے ہیں۔ ہر ایک سلسلہ کی تفصیل معہ معاون دریاؤں کے ذیل میں لکھی جاتی ہے:۔

(۱) دریائے سرسوتی (سرس وتی) یہ دریا شمال گجرات میں کوہ آراسو (اراولی) سے نکل کر کچھ کے رن میں غائب ہو جاتا ہے۔

(۲) دریائے بناس۔ کوہ اراولی سے نکل کر ریاست پالن ہوتے ہوئے کچھ کے رن میں گر کر غائب ہو جاتا ہے۔ بناس ہی کے کنارے ریاست رادھن پور واقع ہے اور سرسوتی کے کنارے سدھ پور اور پٹن ہے۔

(۳) سابرمتی ندی۔ اراولی سے نکل کر خلیج کھنبایت میں گرتی ہے۔ اس کے کنارہ احمد آباد اور شاہ درا آباد ہے۔ اس کا طول دو سو میل ہے۔

(۴) دریائے مہی (مہندری یا ماہی) کوہ مہند یعنی مالوہ کی پہاڑی سے نکل کر خلیج

کھنبایت میں گرتا ہے، ۳۲۵ میل طویل ہے۔ لوناواڑہ اور کھنبایت اس کے کنارہ پر آباد ہیں اس میں سیاہ پتھر زیادہ نظر آتے ہیں۔

(۵) دریائے نربدا۔ یہ دریا بندھیاچل کی شاخ امرکنڈک سے نکل کر خلیج کھنبایت میں گرتا ہے۔ تمام گجرات میں یہ سب سے بڑا دریا ہے۔ ۷۰۰ میل طویل ہے اس کے کنارہ پر چانود نادود، شنود، شکل تیرتھ، بھروچ آباد ہیں۔ اسی دریا میں سریان کا دودھ یعنی آبشار واقع ہے۔ نربدا کا دوسرا نام "رے واجی" ہے۔ اس میں سو میل تک جہاز رانی ہوسکتی ہے۔

(۶) دریائے تاپتی یا تاپی، ست پڑے سے نکل کر خلیج کھنبایت میں گر کر بحر عرب میں مل جاتا ہے، چارسو پچاس میل طویل ہے، سورت اور راندیر اس کے کنارہ پر واقع ہیں اس میں ۳۲ میل تک جہاز رانی ہوسکتی ہے۔ یہ سب دریا گجرات کے ہیں۔ ان دریاؤں کے بہت سے معاون بھی ہیں۔ جیسے دریائے سابرمتی کا معاون ہات متی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا بھی ہیں جیسے دریائے امیکا وغیرہ۔

کاٹھیاواڑ میں کوئی بڑا دریا نہیں مگر پہاڑی ملک ہونے کے سبب چھوٹی چھوٹی ندیاں بکثرت ہیں۔ گجرات اور کاٹھیاواڑ کی کچھ ندیوں کے نام دیتا ہوں۔ کھیم (کیم) جان مودر، چڈبس کھنڈ، جان مواد، اودر، بھوگاوا، واترک، میشوو، سیری، ماجھ، چہکو چہ برانسی، شیطر گجی (سو میل طویل) دھرما، مچھو، بھادر (۱۲۰ میل طویل)، ناگ متی، رنگ متی، سون ریکھا، چھنولی، کھاری، لونی، ڈھاڈھر، دمڑگنگا، وشوامتری، اسامی وغیرہ شئے ڈھی رپانم، اناس معاون دریائے مہی ہیں، ہات متی کے علاوہ کھاری، ہنیش، دونم شیرٹوا، رندھاری ندیاں بھی سابرمتی کی معاون ہیں۔

جھیلیں اس صوبہ میں مندرجہ ذیل جھیلیں :-

کھیڑا ضلع کے مقام واڈا میں ایک جھیل ہے جس میں ایک ٹیلہ صرف گرمیوں میں نظر آتا ہے، باقی ایام میں وہ غرق رہتا ہے۔

دوسری جھیل "پران تیج" میں ہے جو ۲۸۰ مربع میل ہے اور تیس فٹ گہری ہے، یہاں
کی مچھلیاں احمد آباد اور دیگر شہروں میں بکثرت جاتی ہیں۔
(۳) صحرائے کچھ اور کھنبایت کے درمیان ایک جھیل "نل" نامی ہے جو ۴۹ مربع
میل ہے۔ مرغابیوں اور بطوں کا شکار کرنے اکثر لوگ اسی جگہ آتے ہیں۔

صحرا صوبۂ گجرات میں بہت زیادہ نہیں ہیں۔ ریگستان تھار کے جنوب میں ایک
عجیب خطہ واقع ہے جس کو "کچھ کا رن" یعنی صحرائے کچھ کہتے ہیں۔ یہ بالکل مسطح زمین
تقریباً نو ہزار مربع میل ہے، غالباً یہ حصہ پہلے دریا کا جزو تھا جو خشک ہو گیا ہے۔ اس
رن کے دو حصے ہیں، شمال میں بڑا حصہ، مشرق سے مغرب تک ۱۶۵ میل طویل ہے اور
شمال سے جنوب تک اسی میل ہے، یہ حصہ سات ہزار مربع میل ہے۔ ڈاکٹر لیبان اپنی
کتاب میں اس صحرا کی بابت مندرجہ ذیل معلومات بہم پہنچاتا ہے۔
مشرقی جانب جو چھوٹا رن ہے وہ ۱۶۰۰ مربع میل ہے، مشرق سے مغرب تک طولاً
اسی میل اور عرضاً شمال سے جنوب تک دس سے چالیس میل تک۔ بڑے رن کے جنوبی
کنارہ کئی بڑے بڑے ٹیلے ہیں۔ اور ماہ اپریل سے اکتوبر تک جنوب سے بڑی آندھیاں آتی
ہیں اور کبھی بارش بھی ہوتی ہے۔ بوقتِ مد دریا کا پانی ایک سے تین فٹ تک چڑھ آتا
ہے۔ کبھی دریائے لونی یا بناس کی طغیانی بھی اس کو سیراب کر دیتی ہے۔ جہاں کہیں بعد
خشکِ آب تری رہ جاتی ہے، کچھ سبزی و شادابی ہو جاتی ہے۔ اس رن میں کبھی کبھی کوئی
پرندہ نکل آتا ہے۔ گدھوں اور ہرنوں کا ریوڑ اتفاقاً نظر آتا ہے، یا اونٹوں کا قافلہ چلا
آتا ہے، ورنہ ادھر آنے کی کوئی ہمت نہیں کرتا۔
اس رن کی سطح گرمیوں میں بالکل خشک اور مثل برف کے چمکتی ہے۔ اس کے
اور سمندر کے درمیان کچھ کا جزیرہ واقع ہے جو کسی قدر بلندی پر ہے۔ اس رن کی چکنی سطح

---

[1] بمبئی گزیٹیر جلد پنجم صفحہ ۱۱-۱۲

پر جس وقت آفتاب کی عمودی شعاعیں پڑتی ہیں تو اس میں سراب کا منظر پیدا ہو جاتا ہے جو مسافر کو پریشان اور بالآخر دیوانہ بنا دیتا ہے، اس سراب کی وجہ سے اور نیز آفتاب کی سخت چمک کے باعث جو ریتی اور اتھلے مقام پر پانی پڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ کچھ کے رن سے دن کو گزرنا محال ہے۔ صرف اسی وقت جبکہ آفتاب غروب ہو جائے، انسان اس عجیب اور سنسان میدان کو طے کرنے کا ارادہ کر سکتا ہے[۱]

گجرات کی آب و ہوا اور موسم اس ملک کی آب و ہوا صحت افزا اور اچھی ہے، لیکن جنگلی علاقہ مرطوب ہے، قرب سمندر کے سبب سردی کم پڑتی ہے، بارش معقول ہوتی ہے۔ جون کے آخر سے بارش ہوتی ہے اور ستمبر کے مہینہ تک رہتی ہے۔ نومبر، دسمبر، جنوری تک معمولی سردی پڑتی ہے۔ آخر ماہ فروری سے گرمی شروع ہو جاتی ہے اور جولائی تک ۱۱۵ ڈگری گرمی اور سردی کے موسم میں ۴۰ ڈگری تک سردی ہو جاتی ہے گجرات کے شمال میں کچھ اور اس کے رن میں سخت گرمی پڑتی ہے۔ وسط کاٹھیاواڑ میں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔

بارش باوجود بارش ہو جانے کے بھی خاصی گرمی ہوتی ہے، ہندستان کے دوسرے صوبوں کی طرح یہاں بھی بارش اچھی ہوتی ہے اور مختلف جگہوں میں کم و بیش بارش ہوتی ہے۔ ضلع احمد آباد میں بارش متوسط طور پر ۳۰ انچ ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ بارش ضلع سورت میں ہوتی ہے۔ کاٹھیاواڑ اور کچھ میں بارش کم ہوتی ہے۔ تمام گجرات میں تقریباً اوسطاً تیس انچ بارش ہوتی ہے۔

صحت افزا مقام ڈومس عموماً لوگ راندیر ہوتے ہوئے جاتے ہیں، کیونکہ اسی کے متصل ہے۔ صحت افزا مقام خیال کیا جاتا ہے، سمندر کے ساحل پر واقع ہے، اکثر امرا اور تجار کی کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں، گرمیوں میں ایک آباد مقام ہو جاتا ہے۔

آبو مشہور پہاڑ ہے۔ ۵۶۰۰ فٹ بلند مقام ہے۔ گرمیوں میں معمولی سردی ہوتی ہے۔ میواڑ

---

[۱] تمدن ہند صفحہ ۴۰۔

مارواڑ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے نواب اور راجگان، تمام سول اور ملٹری افسر موسم گرما میں مقیم رہتے ہیں، عوام بھی بکثرت جاتے ہیں، ہندوؤں کے لیے دھرم شالہ اور مندر میں قیام کا بندوبست ہے، مسلمانوں کے لیے بھی ایک مسجد ہے، اسٹیشن سے موٹر کے ذریعہ پہاڑ کے مرتفع پر جانا ہوتا ہے، متعدد چشمے بھی ہیں جن کا منظر قابل دید ہے۔

جزیرہ اور ویراول | یہ دونوں مقامات ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ متوسط طبقہ کے لوگ صحت افزا مقام سمجھ کر جاتے ہیں۔ ویراول میں ایک مختصر سی جامع مسجد اور متعدد چھوٹی مسجدیں ہیں۔ ایک سرکاری مدرسہ اور دوسرا عربی مدرسہ موجود ہے جس کا نام تقویۃ الاسلام ہے۔ مدرسہ تو معمولی پیمانہ پر ہے، مگر عمارت ٹھیک ہے اور اس سے زیادہ اس کا کتب خانہ اس جوار میں بے نظیر ہے۔ ہر قسم کی کتب وہاں موجود ہیں۔ لاکھوں روپیہ خرچ کرکے نواب جوناگڑھ نے اس کا کنارہ بندرگاہ کی شکل میں تبدیل کیا ہے اور اب اس قابل ہو گیا ہے کہ بڑے جہازات آسکیں۔ مگر مجھے اُمید نہیں ہے کہ برٹش گورنمنٹ فائدہ اُٹھانے دے، کیونکہ اس کا فوری اثر بمبئی کی تجارت پر پڑیگا۔ فی الحال اس کا اثر سومنات اور مانگرول پر بڑا زبردست پڑرہا ہے۔ ان دونوں کی ترقی اس کی بدولت محدود ہوگئی ہے جوناگڑھ ریاست کے ماتحت یہ شہر ہے۔ جامع مسجد میں امام کے سامنے جو محراب ہے اس کا کتبہ افسوس ہے کہ نہیں پڑھا گیا۔ سمندر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس پر محمود شاہ کے وقت کا ۹۲۰ھ کا کتبہ ہے۔

جزیرہ (سورت) کے نزدیک ایک جزیرہ ہے جہاں لوگ تبدیل آب و ہوا کے لیے جاتے ہیں

آبپاشی | کھاری کا کنال (نہر کھاری) گجرات میں یہی نہر ہے جس سے زیادہ تر چاول کی فصل میں فائدہ اُٹھاتے ہیں، دوسری نہر ہاتمتی کی ہے، لوگ زیادہ تر بارش کے بعد باولی اور کنوؤں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بدیں سبب آج سے پہلے ملک میں لاکھوں کنوئیں تھے۔

پیداوار | گجرات میں ہر قسم کی کم وبیش پیداوار ہوتی ہے، جن میں سے بعض مشہور چیزوں کی فہرست مندرجۂ ذیل ہے:-

نباتات | گنا، وریالی (سونف)، تمباکو، افیون، گلاب، کیوڑہ، چمپا، بانس، ببول، پیپل، برگد، کھاکرا، ساج، شیشم، نیم، اڑوسا۔

پھل | سیتا پھل، امرود، انار، انگور، سیب، آم، کھرنی، خربزہ، ناشپاتی، تربوز، کھیرا، کیلا، ککڑی، پپیتہ، نارنگی، مھوا، بیر، املی لیکن آم اور کھرنی گجرات میں بکثرت ہے۔ مشہور ہے کہ سلطان محمود نے بتیس لاکھ درخت ان دونوں کے گجرات میں لگوائے تھے۔ امرود (جام پھل) انار دھولکا میں بکثرت ہوتے ہیں۔ اور براتیج کے پاس موضع اوران[1] میں خربزہ نہایت شیریں، خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ ضلع پنچ محال میں مھوہ زیادہ ہوتا ہے۔ سورت کے علاقہ میں آم، کٹھل، تاڑ اور کھجور بہت ہوتے ہیں۔

[1] اوران ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ضلع پران تیج میں تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے تجارت کا مرکز اور غلہ کی منڈی تھی۔ مرہٹوں کی لوٹ مار سے اس کو زوال آیا، آج کل ایک زمیندار مسلمان کے قبضہ میں ہے، جس کا نام سید انور علی اصغر علی ہے، انگریزی میں میٹرک کے علاوہ اُردو گجراتی سے بھی واقف ہیں۔ اس ملک کی اصطلاح میں ان کو دربار صاحب کہتے ہیں۔ یہ پُر فضا مقام ہے۔ ممکن ہے عہد قدیم میں بھی ایسا ہی ہو۔ یہ گاؤں لب دریا واقع ہے موسم گرما میں اس کا اکثر حصہ خشک ہو جاتا ہے اور گھٹنا پانی رہ جاتا ہے۔ خشک شدہ حصہ میں واگری قوم خربوزہ کی کاشت کرتی ہے، اس موسم میں بڑی کثرت سے پیداوار ہوتی ہے اور اکثر شیریں ہوتے ہیں۔ لوگ پران تیج، نڑیاد اور احمد آباد وغیرہ لے جاتے ہیں۔ اس قصبہ کی آبادی بلند بلند ٹیلوں پر واقع ہے۔ یہ ٹیلے پہاڑوں کی طرح خاصے بلند ہیں۔ اکثر مقامات سے چشمے بہتے ہیں۔ اس میں سے صاف، شیریں اور ہلکا پانی نکلتا ہے۔ تمام مخلوق یہی پانی استعمال کرتی ہے۔ یہاں کوئی کنواں نہیں ہے۔ اور فی الواقع اس قدر بلند مقامات پر کنواں کھودنا بھی کوہ کندن کے مرادف ہے۔ چشموں کی موجودگی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ نیچے پتھر ہونگے۔ جو پتھر اکثر مقامات پر ظاہر ہوئے ہیں وہ سنگ ریزوں کے ہیں اور بڑے مضبوط ہیں۔ چنانچہ جو پتھر ندی کے اندر موجود ہیں وہ عرصۂ دراز (باقی برصلا)

یہاں مندرجہ ذیل اشیار پیدا ہوتی ہیں:-

غلہ | گیہوں، باجرا، جوار، تورا، تل، باوٹا، مکی، چاول، مونگ، موٹھ، ماش، چنا، کپاس،
سرسوں لیکن ان میں باجرا، جوار، چاول، کپاس، یہاں کی خاص پیداوار ہیں۔ چاول کھیڑا
ضلع میں بہترین پیدا ہوتا ہے۔ اس چاول کا نام کمود ہے۔ باجرا اور جوار زیادہ تر کاٹھیاواڑی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵)

سے وہاں ہے۔ سابرمتی کا پانی احمد آباد میں بھاری اور غیر ہاضم ہے۔ بلکہ کسی برتن میں کئی دن رہنے سے سفید کھار کنارہ پر نمایاں ہوجاتا ہے۔ برخلاف اس کے یہاں اس ندی کا پانی ہلکا، شیریں اور ہاضم ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ان چشموں کے ملنے سے خاصیت بدل جاتی ہے۔ بیر اور آم بھی اپنے موسم میں خوب ہوتے ہیں ندی کے اس پار گانکواڑ کی زمین ہے، وہاں مندر قدیم طرز کا قابل دید ہے۔ مندر تو آگے اور درمیان سے شکستہ ہوگیا ہے، مگر بڑی بڑی چٹانوں کو کس طرح اُنھوں نے اُٹھایا، یہ ایک قابل غور امر ہے۔

یہاں اردو اور گجراتی کا ایک مدرسہ بھی ہے۔ ایک مسجد بھی تھی جو شکست ہوگئی تھی، اب جدید تعمیر ہورہی ہے سطح زمین تک اس کی بنیاد آگئی ہے۔ مسلمانوں کی نااتفاقی کے سبب تکمیل کو نہیں پہنچتی ہے۔ یہاں کی آبادی اس طرح سے ہے کہ ندی کے کنارے مسلمان آباد ہیں۔ اور پھر ہندو بنیا اور پھر کولی قوم۔ عہد قدیم میں لوٹ مار زیادہ تھی اس لیے ہندوؤں کی حفاظت کے خیال سے اس طرح سے آبادی بسائی گئی۔ اب چونکہ مرکز تجارت یہ شہر نہیں رہا، اس لیے بنیے بھی ادھر اُدھر آباد ہو گئے ہیں۔ دو ڈھائی سو گھر اب بھی ہیں۔ مندر قدیم غالباً بودھوں کے وقت کا ہے۔ بنیے عموماً جینی ہیں۔ آج کل ان کے مندر میں جدید مورتی رکھنے کے لیے مندر جینی عالم آئے ہوئے ہیں۔ افواہ ہے کہ بدھ تاجروں نے اس کی تعمیر کرائی تھی، اس کے متصل ایک تہ خانہ بھی تھا، جہاں اس مندر کا خزانہ رہتا تھا، جب یہ ویران ہوگیا تو عرصہ کے بعد بعض سادھوؤں نے کھود کر خزانہ نکال لیا۔

قصبہ کے آس پاس کی زمین نیچی غار کی طرح اور اونچی پہاڑ کی مثل ہے۔ اس کا سلسلہ ایڈر کے پہاڑوں سے ملتا ہے۔ اسی لیے اس کے دروں میں کبھی کبھی شیر آجاتا ہے۔ دربار صاحب نے اس کے لیے انعام مقرر کر رکھا ہے جو اس کی خبر دیتا ہے۔ پھر بندوق اور لاٹھیوں سے مار ڈالتے ہیں۔ پہلے یہاں ایک اژدہا بھی تھا، جو ایک بکری مسلم چٹ کر جاتا تھا، اور اسی حال میں ایک دفعہ تھا کہ لوگوں نے دیکھ کر مار ڈالا۔ اس کے چمڑے کی دربار صاحب کے برادر نسبتی کے پاس ہے۔ یہاں کے اکثر مکانات سفالیں ہیں، مگر اب ٹین کا استعمال ہونے لگ گیا ہے۔ ندی کے راستہ پر ایک مکان جو دربار صاحب کی کچہری ہے وہی بستی کا (باقی برصفحہ ۱۷)

میں ہوتا ہے اور وہیں زیادہ استعمال میں آتا ہے اور کپاس کے لیے سورت اور بھروچ کے ضلعے مشہور ہیں۔ ہندستان کی بہترین روئی یہاں پیدا ہوتی ہے۔ عموماً یہ کالی مٹی میں بوئی جاتی ہے۔ افسوس کہ اس کا بیشتر حصہ ہندستان سے باہر یورپ چلا جاتا ہے۔

گجرات کے حیوانات | گجرات میں ہر قسم کے جانور ہوتے ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: شیر ببر، چیتا، باگھ، ریچھ، بھیڑیا، بندر، لنگور، ہرن، بارہ سنگھا، گیدڑ، گھوڑا، گدھا، گائے، بیل، بھینس، بکرا، بھیڑ، کتا وغیرہ اونٹ۔ ہاتھی شاہجہاں کے عہد تک یہاں ہوتے تھے، اب نہیں ہوتے۔ شیر ببر تمام ہندستان میں صرف ایک ہی جگہ پایا جاتا ہے، اور وہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶) مہمان خانہ بھی ہے۔ کیونکہ جب کوئی معزز آدمی آتا ہے تو اس کو اسی جگہ مقیم کرتے ہیں۔ قصاتی یعنی سپاہیوں کی آبادی یہاں خاصی ہو گئی ہے۔ لمبا کرتا، پائجامہ، دوپٹہ ان کی عورتوں کا لباس ہے۔ مرد کرتا، پائجامہ، شیروانی یا کوٹ اور سر پر پگڑی باندھتے ہیں۔ یہاں گردی بھی کافی ہے۔ ہندوؤں کا بھی ایک مندر ہے۔ یہاں مسلمانوں میں کافی نااتفاقی ہے، اسی لیے کوئی اصلاحی کام جو مفید قوم ہو نہیں ہوتا۔ یہاں کی وادیوں میں کیوڑے کا درخت بکثرت ہے، لیکن باقاعدہ اس کا کوئی انتظام نہیں۔ مسجد کے مولوی صاحب سرحدی علاقہ کے معمولی لیاقت کے آدمی ہیں، لیکن بااخلاق ہیں۔ یہاں لوگ بھینس زیادہ پالتے ہیں۔ باربرداری کے لیے اونٹ کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ دربار صاحب ادھیڑ عمر کے آدمی ہیں، خیالات اصلاحی رکھتے ہیں۔ مگر عمل میں لانا دشوار ہے۔ آپ کے خاندان کے لوگ بڑے زور آور ہوتے ہیں۔ مرہٹوں کے وقت سے حکومت ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اکثر گاؤں ان کے چھین لیے۔ ایک عرصہ تک یہاں کا راج عورتوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔ تیس ہزار کی آمدنی ہے لیکن ۶۰ فیصدی مختلف ٹکسوں کے ذریعہ سرکاری خزانہ میں جاتا ہے۔ سورت کے قریب مشہور جگہ مانگرول کے سجادہ نشین موٹا میاں کی یہاں سسرال ہے۔

آورا ن کے ان چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر اگر صحت اور ہواخوری کے لیے بنگلے بنائے جائیں تو بکثرت لوگ آئیں۔ یہاں سے کوس بھر پر ایک گاؤں لاکھ روڑا ہے، یہاں کا خربزہ بھی بڑا شیریں ہوتا ہے۔ یہاں بھی مسلمانوں کی ایک زمینداری ہے۔ باقی آس پاس تمام کولی اور ہندو ہیں، جن سے عہد قدیم میں بہت جنگ ہوتی رہی۔ اوسط عمر اس جگہ ستر سال ہے۔ کل آبادی تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو ہے آٹھ نو سو ہندو باقی کولی ہیں۔ عام مسلمان اس جگہ غریب ہیں، مگر کاہل اور سست۔ مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے کارخانے اگر قائم کیے جائیں تو آسانی سے ان کی گزر بآرام ہو سکتی ہے اور دربار صاحب کو بھی کافی آمدنی ہو۔ ابتدائی تعلیم ۷۰ فیصدی ہے۔ مسلمانوں میں صرف تین انڈر گریجویٹ ہیں۔ ہندوؤں میں بیداری زیادہ ہے۔ یہاں کے مسلمان شادیوں کی فضول خرچی میں تباہ ہو گئے۔ اب کچھ نوجوان اصلاح کی سعی کر رہے ہیں۔

کاٹھیاواڑ کے کوہ گرنار کے پاس گیر کے جنگل میں ہے، اس کا شکار ممنوع ہے۔ کیونکہ اس کی نسل ہندوستان سے ضائع ہو چکی ہے، صرف اسی جگہ رہ گئی ہے۔ بڑے بڑے امرائے انگلستان کو باجازت نواب جونا گڑھ شکار نصیب ہوتا ہے۔ چیتا اور باگھ جھیل نل کے پاس یا مُٹرا سا میں دستیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ جھیل کے سبب اکثر جانور مثلاً ہرن وغیرہ وہاں رہتے ہیں۔ لنگور احمد آباد میں سابرمتی کے کنارے بکثرت ہیں۔ مہاجنوں کی طرف سے چنے کھانے کے لیے ملتے ہیں، کاشتکاروں کو بڑا ستاتے ہیں۔ گھوڑا کچھ اور کاٹھیاواڑ میں بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ عراقی اور عمانی ایک عرصہ دراز تک عربی گھوڑے یہاں لاکر فروخت کرتے رہے ہیں، یہ اُنہی کی نسل ہے[1]۔ یہاں کے بیل دونوں قسم کے اچھے ہوتے ہیں۔ اوّل بڑے قد آور جن کے جثہ کے ساتھ ان کی سینگیں بھی بڑی شاندار ہوتی ہیں۔ دوسرے پست قد چھوٹے چھوٹے مضبوط اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے رتھ ٹائر گیوں میں جُتے ہوئے بڑے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو گھوڑوں کے ساتھ دوڑانے کی مشق کراتے ہیں اور احمد آباد میں ۱۲ بجے رات کے بعد مقابلہ کی دوڑ بھی ہوتی ہے۔

گجرات کے معدنیات | سونا، عقیق، موتی، سنگ مرمر، لوہا، سیسہ، مینگ نیز، ابرک، کھار، نمک، سنگ پٹھانی، سونا بھاؤنگر کے پہاڑوں سے ابھی حال ہی میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ اور مہی کانٹا ایجنسی کے پہاڑوں میں قدیم ایام سے سونا نکالا جاتا ہے۔ گو آج کل بند ہے۔ ابرک پنج محال، سابر کانٹھا اور ریوا کانٹھا ایجنسی سے نکالا جاتا ہے۔

عقیق ضلع سورت میں نکلتا ہے۔ لیکن کھنبایت میں آکر جلا پاتا ہے۔ ہندو مسلمان دونوں کاریگر بہترین قسم کی اشیاء بناتے ہیں۔ مثلاً کف کے بٹن، کوٹ کے بٹن انگوٹھی کے نگینے، کان کے دُر جس کو ایرن کہتے ہیں، گلے کا ہار۔ کاغذ کٹ کے دستے، گھڑی کے چین صلیب، ہلال وغیرہ وغیرہ۔ یہ سامان فرانس، امریکہ اور مصر وغیرہ میں بکثرت جاتا ہے۔ ہندوستان میں پارسی اور بوہرے اس کے بڑے قدر دان ہیں۔ موتی خلیج کچھ اور جام نگر کے پاس سے نکلتا ہے،

[1] مقدمہ خلاصۃ التواریخ قلمی ۱۲

کھارراد ھن پور کے پاس ہوتا ہے۔

سمندر کے سبب سے نمک بڑی کثرت سے تیار ہو سکتا ہے، مگر گورنمنٹ برطانیہ ہر جگہ سے برباد کر دیتی ہے۔ اور اس کے لیے اُس نے ایک بڑا محکمہ قائم کر رکھا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ نقصان کھنبایت کے نواب کا ہوتا ہے۔ جہاں اس قدر نمک تیار ہو سکتا ہے کہ سارا گجرات کھا سکتا ہے، مگر نہ تو بندرگاہ کھول کر آمدنی میں اضافہ کرنے دیتی ہے اور نہ نمک ہی تیار کرنے۔ بارہا اسٹیٹ والوں نے اس کے متعلق خط و کتابت گورنمنٹ سے کی، مگر بے سود۔ گورنمنٹ خود چونکہ اس کا بیوپار کرتی ہے اس لیے اس کو سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ گورنمنٹ کو اس تجارت سے چھ کروڑ سالانہ ملتا ہے۔

لوہا گھوگھا میں ہوتا ہے، اور اس سے قبل کپڑ ونج میں سے نکالا جاتا تھا مگر ان دنوں بند ہے۔ میگ نیز ہالول سے ایک یورپین کمپنی آج کل نکالتی ہے۔

سنگ پٹھانی ایک قسم کا چونا ہے جو کوہستان ایڈر سے نکلتا ہے اور اس کو پالش (صیقل) کر کے اس قدر مصفا اور چمکدار بناتے تھے کہ بالکل آئینہ نظر آتا تھا۔ قلعہ معلّٰی (دہلی) کی عمارت میں شاہجہاں بادشاہ نے اسی کی استرکاری کرائی تھی۔ تاج محل کے اندرونی حصہ میں بھی اسی کی پالش تھی۔ لوگ اس میں اپنی صورت دیکھتے تھے۔ پہلی دفعہ جب میں آگرہ ۱۹۰۸ء میں گیا تھا تو بچشم خود دیکھا تھا لیکن اب لوگوں نے ہاتھ لگا لگا کر میلا کر دیا ہے۔ تاہم سایہ اب بھی نظر آتا ہے۔ شاید اس کا استعمال ترک کر دیا گیا کیونکہ انگلستان کے سمنٹ نے ہر قسم کے چونے کا بیوپار تباہ کر دیا ہے۔

گجرات کی صنعت و حرفت | کپڑا، کاغذ، صابون، لوہے کا صندوق عقیق کی مختلف چیزیں، قفل، دیا سلائی (ماچس) زری اور ریشم کا کپڑا بہت اچھا تیار ہوتا ہے۔ بھروچ میں "دوتہی چوتہی" شیشہ کا کارخانہ ہے۔ گجرات میں مطابع اور آٹا پیسنے کی چکیاں بھی بہت قائم ہو گئی ہیں۔ پالن پور میں کیوڑا، چمپا کا عطر اور تیل بہت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور ہندوستان میں بکثرت

جاتا ہے۔ کیوڑے کا بڑا جنگل ہے۔ اس میں اکثر سانپ لپٹے رہتے ہیں۔ اور لنگیاں، رومال، سوسی، دوہر، سلیمانی چادریں، گاڑھا، دری خوب تیار ہوتی ہیں، اور زیادہ تر عرب جاتی ہیں۔ موم چھاپ، چھری، نیزہ، کٹار، تلوار، چرمی و باناتی چار جامہ اچھا تیار ہوتا ہے۔ اور پٹن میں مٹی کے برتن اچھے بنتے ہیں اور ریشمی منقش، مصور کپڑے قیمتی ہوتے ہیں ۱۹۳۲ء میں بچشم خود اس کارخانہ میں جا کر دیکھا، بیحد حیرت ہوئی۔ صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ لطف یہ ہے کہ ہر دو جانب کپڑے کا رنگ الگ ہوتا ہے جس کو پٹولا کہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یورپ کے کارخانوں نے ہماری اس عجیب صنعت کو لب گور کر رکھا ہے۔

کپڑا احمد آباد میں بکثرت تیار ہوتا ہے۔ صرف کپڑے کے تقریباً اسی کارخانے چل رہے ہیں۔ یہ گویا ہندوستان کا مانچسٹر ہے۔ ہر قسم کے کپڑے یہاں تیار ہوتے ہیں۔ بعض کارخانے سوت اور کپڑے دونوں تیار کرتے ہیں اور بعض میں سوت انگلستان سے خرید کر صرف کپڑے تیار کیے جاتے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ گورنمنٹ اسی نمبر سے زیادہ کا سوت تیار نہیں کرنے دیتی۔ اس کے علاوہ دیرم گام، نڑیاد، بڑودہ، بھڑوچ، پٹلاد، بھاؤنگر، ویراول وغیرہ میں بھی کپڑے کے کارخانے ہیں۔ تمام گجرات میں ۱۰۵ کل کارخانے ہونگے[1]۔

کاغذ عموماً باہر یعنی یورپ سے آتا ہے، یا اُن کارخانوں سے جو خود ہندوستان میں ہیں جیسے بمبئی، کلکتہ وغیرہ اور اس لیے بیچارے کاغذی کچھ نہیں کر سکتے۔ صرف ایک قسم کا موٹا سفید یا بادامی کاغذ خاص احمد آباد میں ہاتھوں سے اور پُرانے طریقے سے بناتے ہیں جو زیادہ تر مہاجنوں کے حساب کے لیے۔ اس کی کاپیاں بڑی تعداد میں تیار کی جاتی ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی مصرف نہیں ہے[2]۔

صابون زیادہ تر پران تیج میں تیار ہوتا ہے جو کپڑا دھونے کے کام میں آتا ہے، مگر اب گودھرا میں بدن دھونے کا صابون بہت ہی اچھا بنایا جاتا ہے۔ اسی گودھرا میں لوہے کا

---

[1] اب تو بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ [2] اب احمد آباد میں بھی کاغذ کا ایک کارخانہ کھل گیا ہے۔

صندوق جسے "تجوری" کہتے ہیں۔ نہایت خوبصورت اور بڑی مضبوط تیار ہوتی ہے۔ اس کا خاص وصف یہ ہے کہ اگر مکان میں آگ لگ جائے تو بھی اس کے اندر جو کاغذات ہوں ان کو آنچ نہیں لگتی ہے۔ تمام ہندستان میں بہترین تجوری اسی جگہ بنتی ہے، گورنمنٹ بھی اسی جگہ سے خریدتی ہے دیا سلائی "ماچس" کا کارخانہ جو ایک مسلمان کا احمد آباد میں ہے اس میں زیادہ تر رنگین دیا سلائی بنتی ہے جو عموماً تہواروں میں استعمال کی جاتی ہے۔ چند سال سے معمولی دیا سلائی بھی بننے لگی ہے، جو زیادہ تر پنجاب میں فروخت ہوتی ہے۔ کھنبایت میں دو کارخانے مسلمانوں کے ہیں جو کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔

عقیق کے متعلق میں اُدھر تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ ویراول میں قفل اچھے بنتے ہیں سورت میں زری اور ریشم اور کمخواب اچھا تیار ہوتا ہے اور دور دور جاتا ہے۔ ہاتھی کے دانت کا کام بھی خوب ہوتا ہے۔ کچھ میں سونے چاندی کی نقاشی عمدہ ہوتی ہے۔ موم کے ذریعہ مختلف قسم کے کپڑے جو چھاپے جاتے ہیں وہ دور دور جاتے ہیں۔ پوربندر اور اوکھا میں سیمنٹ بنانے کے کارخانے ہیں۔ ایڈر میں رنگین چوبی کام عمدہ ہوتا ہے۔

تجارت گجرات میں مندرجہ ذیل اشیاء کی درآمد ہوتی ہے :۔

درآمد اشیاء:۔ سونا، چاندی، ولایتی کپڑا، لوہا اور اس کی مصنوعات، شکر، دوائیں۔ کانچ کے برتن، مشینیں، کھلونے، مٹی کا تیل، رنگ، لکڑی، دھات، غلہ کی بعض چیزیں، ناریل، کوئلہ، کاغذ، گھڑیاں، موٹر، سائیکل۔

برآمد اشیاء اور مندرجہ ذیل اشیاء کی برآمد:۔

غلہ، تلہن، روئی، سوت، کپڑا، تمباکو، مکھن، چمڑا، مصالحہ

سلسلہ آمد و رفت گجرات

بحری راستہ:۔ گجرات کا بحری راستہ اس وقت قریب قریب مسدود ہے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیمر (لانچ) اور بادبانی کشتیاں آتی جاتی ہیں۔ کھنبایت سے بھاؤنگر، ڈومس، جعفر آباد، سومنات، ویراول، پوربندر،

دوارکا، مانڈوی وغیرہ جاتی ہیں لیکن یہ سب مقامات معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ اصلی بندر گاہ نہ صرف گجرات وکاٹھیاواڑ کا بلکہ کل بحر عرب کا صرف بمبئی ہے اور سندھ بلکہ کل مغربی شمالی ہند کا کراچی ہے۔ حال میں بھاؤنگر، جام نگر اور ویراول میں بڑے پورٹ بنائے گئے ہیں۔

کاروان اور ڈاک کبھی کبھی کچھ کے رن سے اونٹوں کا کارواں آتا جاتا ہے۔ ورنہ ریل اور جہازوں کے سبب اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ریلوے کی طرح ڈاک اور تار کا بھی اسی طرح انتظام ہے جس کا مرکز ہر صوبہ کا پایہ تخت ہوتا ہے اور ہر شہر قصبہ اور گاؤں میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں جس کے ذریعہ خطوط پارسل روپیہ اور تار پہنچائے جاتے ہیں گجرات کا مرکز بمبئی ہے۔

بری سفر ریلوے لائن ریلوے لائن گجرات میں جال کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ بڑی لائن کے علاوہ چھوٹی چھوٹی لائنیں بہت ہیں۔ اس لیے صرف ایک فہرست بعض ضروری معلومات کے ساتھ دیتا ہوں تاکہ ناظرین کو بیک نظر معلوم ہو جائے کہ یہ چھوٹی لائنیں زیادہ تر راجاؤں اور نوابوں کی ذاتی ملکیت ہیں اور یہی سبب ہے کہ انتظامی حالت ہندستان کی دوسری لائنوں مثلاً ای آئی آر کی طرح بہتر نہیں ہے

نمبر شمار	نام ریلوے	کہاں سے کہاں تک	بڑے بڑے اسٹیشنوں کے نام	میل
۱	بی بی اینڈ سی آئی	ویرم گام تا بمبئی	سانند، احمد آباد، محمود آباد، نڑیاد، آنند بھروچ، سورت، نوساری، ول ساڑ بمبئی سنٹرل	۳۵۰
۲	آر۔ ایم۔ آر	احمد آباد تا دہلی	احمد آباد، کلول، میسانہ، سدھ پور، پالنپور آبو، مارواڑ جنکشن، اجمیر۔ دہلی	۵۳۹
۳	اے بی آر	احمد آباد تا بوٹاؤ	سرخیز، سابرمتی، باوڑا، دھولکا، کوٹ گانگر	۸۰

نمبر شمار	نام ریلوے	کہاں سے کہاں تک	بڑے بڑے اسٹیشنوں کے نام	میل
			دھن دھوکہ، بوٹاڈ، تا بھاونگر	
۴	کلول کڑی آر	کلول تا بیچ چراجی		۳۹
۵	کلول بیجاپور آر	کلول تا بیجاپور		۳۰
۶	پی ڈی آر	پالن پور تا ڈیسا		۱۷
۷	میسانہ ویرم گام	میسانہ تا ویرم گام		۴۱
۸	ویرم گام۔ وڈھوان	ویرم گام تا وڈھوان		۲۹
۹	دھرال گدھ رام برانچ	وڈھوان تا بڑود		۴۰
۱۰	میسانہ پاٹن آر	میسانہ تا کاکوسی میٹ رانا		۵۰
۱۱	مڑند روڈ	تا بیچ راجی (بیچ واجی)		۲۱
۱۲	مڑند روڈ	تا ہارج		۳۱
۱۳	میسانہ	تا رنگاہل	اودیسی نگر، ورنگر، کھیڑا ڑو	۳۵
۱۴	وڈھوان	تا راج کوٹ		
۱۵	ویرم گام	تا کھاری گھوڑا		۲۳
۱۶	وڈھوان	تا بھاؤنگر		
۱۷	راج کوٹ	تا جام نگر		
۱۸	جام نگر	تا دوارکا		
۱۹	راج کوٹ	تا جوناگڑھ		
۲۰	وڈھوان	تا موربی		
۲۱	وا	تا پوربندر		
۲۲	نڑیاد	تا کپڑونج	کٹلال وغیرہ	۲۸

نمبر	نام ریلوے	کہاں سے	کہاں تک	بڑے بڑے اسٹیشنوں کے نام	میل
۲۳	انند گودرا		تا گودرا	امرٹھہ، ڈاکور۔ لوا	۴۹
۲۴	احمد آباد		پرانتیج		
۲۵	انند		کھنبایت	پٹلاد، تاراپور	۳۳
۲۶	پٹ لاد		سوجترا		
۲۷	گودھرا		لوناواڑ		۲۶
۲۸	بڑودہ		گودھرا	داہود۔ چاپانیر	۴۶
۲۹	چاپانیر		پانی	پاواگڑھ، شیوراج پور	۳۱
۳۰	بڑودہ		چان دود		
۳۱	بھروچ		جم بوسر		
۳۲	راج پیپلا اسٹیٹ کی ریلوے		انکلیشور تا نادوت	جھگڑیا وغیرہ	۴۱
۳۳	بلی مورا		تا گنڈیوی		
۳۴	تاپتی وے لی ریلوے		سورت تا نندروار	بارڈولی ویارا	۱۰۰

قوموں کا مختصر خاکہ معہ جائے قیام

گجرات میں آج بھی مختلف قسم کی قومیں آباد ہیں جو نسل اور ذات کے لحاظ سے ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ پہلے زمانہ میں باہر کی قومیں بھی بکثرت آتی رہتی تھیں اور سال کا اکثر حصہ یہیں بسر کرتی تھیں۔ مگر جب سے گجرات کی بندرگاہیں بند ہوئیں۔ آمدورفت بھی بند ہوگئی۔ اور اب مندرجہ ذیل قومیں مستقل طور پر گجرات میں رہتی ہیں۔ بھیل، کاٹھی، کاچھپا، کالی پرج، راجپوت، رباڑی، مغل، خوجہ، میمن، پٹھان، پارسی، بوہرے، رشیدی (حبشی) کولی، گراسیہ، سید، شیخ، مومن، چھتری یا کھتری، (دربہک چھتری) کایستھ، بنیا، کنبی، بھاٹ، ناگر، ڈھیڑ (چمار) بھنگی، واگری، بلوچی، مکرانی، عرب، مولی اسلام، راٹھور، پرمار۔

ان میں سے بھیل زیادہ تر پنچ محال میں۔ کاٹھی کاٹھیاواڑ میں۔ کاچھیا کچھ میں۔ کالی پرج خاندیس اور سورت میں آباد ہیں۔ رباڑی تمام گجرات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خوجہ (آغا خانی) ہر جگہ مقیم ہیں، مگر ان کا مرکز آنند، احمد آباد اور لیمڑی ہے۔ میمن کچھ اور کاٹھیاواڑ میں بستے ہیں۔ پٹھانوں کا مرکز کپڑونج میں ہے۔ جہاں ان کی ایک بڑی قوم آباد ہے۔ بوہرے دو قسم کے ہیں۔ اول سُنّی دوسرے اسماعیلی (شیعہ) سورت اور احمد آباد میں ان کی آبادی زیادہ ہے۔ خصوصاً اسماعیلی بوہروں کا مرکز سورت ہے۔ ان کے مقتدائے اعظم تقدس مآب جناب سیدنا طاہر سیف الدین صاحب سورت ہی میں مقیم ہیں۔ ناگر قوم زیادہ تر کاٹھیاواڑ اور خصوصاً جوناگڑھ میں آباد ہے۔ راجپوت آبو اور کاٹھیاواڑ میں رہتے ہیں۔ پارسی یوں تو ہر جگہ رہتے ہیں۔ مگر نوساری میں ان کی کثیر آبادی ہے کیبنی کی بڑی تعداد ضلع احمد آباد میں آباد ہے یہ لوگ زراعت پیشہ ہیں ان کی تعداد اس جگہ ایک لاکھ ہے۔

گجرات کی زبان اور اُس کا ادبی سرمایہ

اس صوبہ میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں:۔ اُردو مرہٹی کچھی، کاٹھیاواڑی، بھیل کی زبان۔ گجراتی، انگریزی

گجراتی زبان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سورتی، دوسری چروتری۔ بھروچ سے لیکر دمن تک سورتی زبان مستعمل ہے اور احمد آباد سے لے کر بڑودہ تک چروتری زبان میں لوگ باتیں کرتے ہیں۔ گجراتی بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سات لاکھ ہے تمام ہندوستانی زبان بولنے والوں میں گجراتی کا نمبر تین فیصدی ہوتا ہے۔ اُردو زبان کو بھی اب ترقی ہو رہی ہے، اس صوبہ میں ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے۔ جابجا اُردو مدارس قائم ہیں، متعدد دفعہ رسالے اور اخبار اُردو میں نکالے گئے۔ گو مقبولیت نہ حاصل کر سکے۔

تاریخ گجرات کے طالب علموں کے لیے اور اُن کے لیے جو گجرات کے باشندوں کو اور ان کے رسوم و رواج اور خصوصیات کو جاننا چاہتے ہیں گجراتی زبان کی تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے ہر پرانی قوم کی تاریخ کی طرح گجرات کی قدیم تاریخ اور اس کا لٹریچر بھی گمنامی میں رہا ہے، اور یہ کہنا بہت دشوار امر ہے کہ ایام قدیم اور متوسط زمانوں میں گجرات میں کوئی لٹریچر موجود بھی تھا اور اگر کوئی تھا تو وہ کس قسم کا تھا۔ جب "آریہ" ہندوستان کی طرف ہجرت کرکے آئے تو پہلے پہل وہ گجرات میں نہیں آئے۔ مگر ایک بڑی مدت کے بعد یہ ہوا کہ وہ جنوب کی جانب پھیلے بعد میں گجرات کی طرف۔ زمنہ متوسط میں بہت سی قومیں مثل آریوں کے گجرات پر حملہ آور ہوئیں۔ ان میں سے خاص خاص قومیں ہنس، گرجز (گوجر) عرب، پٹھان وغیرہ تھیں۔ پارسیوں نے بھی جو مسلمانوں کے عہد میں ایران سے بھاگ کر آئے تھے[ا] گجرات میں پناہ لی تھی۔ یہ تمام اجنبی قومیں اور جماعتیں رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے ملتی جلتی گئیں اور اپنے رسوم اور تہذیب و تمدن کو گجراتی سوسائٹی میں داخل کردیا اور گجراتی سوسائٹی نے اپنا بہت کچھ اثر ان پر ڈالا۔ اس طرح سے وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کے ملنے جلنے سے ایک جماعت کی خصوصیات کو دوسری جماعت نے اختیار کرلیا۔ یہ مختلف جماعتیں ایک طریقہ پر متحد ہوگئیں۔ ان کے طریقے اور رسوم مشترک ہوگئے۔ ان کا تمدن ایک ہوگیا اور ان کی سوسائٹی متحد ہوگئی اور اس طرح ان کی تاریخ، زبان اور لٹریچر سب نے باہم مل کر ترقی کی۔

اناریا (غیر آریہ) کی زبان کو چھوڑ کر ایسا یقین کیا جاتا ہے کہ صرف سنسکرت ہی تمام ہندوستان کی مشترکہ زبان ہونی چاہیے۔ بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانیں اس وقت کی سنسکرت کے ساتھ مل جل گئیں اور یہ تمام زبانیں آپس میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئیں۔ اس طرح سے ان زبانوں میں سے ہر ایک زبان نے کچھ اپنا کھویا کچھ دوسری زبان سے لیا اور جس کو جذب نہ کرسکے چھوڑ دیا۔ برہمنوں اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو خاص کر

[ا] یہ قطعاً غلط ہے بلکہ ایرانی لوگ مسلمانوں سے پہلے ملک گجرات میں تجارتی آمد و رفت رکھتے تھے مسلمانوں کے ایران پر قابض ہوجانے کے بعد وہ تجارتی سلسلہ ٹوٹ گیا تو یہیں رہ پڑے ۱۲۔ ابوظفر

سنسکرت پڑھنے کا عام طور سے حق حاصل تھا۔ اور یہ تکلیف وہ امر ہے کہ اس طرح جماعتوں کا اس بڑے تمدن کی زبان کے ساتھ تصادم نہیں ہو سکا تعلیم اور تمدن کا فقدان تلفظ کی دشواریاں اور ادنیٰ جماعتوں کی جہالت بعض وہ وجوہ ہیں جن سے سنسکرت عوام میں دخل نہ پا سکی اور مستقل اور عام طور پر مقبولیت نہ حاصل کر سکی۔ تہذیب و تمدن کے طالب علم سنسکرت کا مطالعہ کرتے تھے اور شائستہ سوسائٹی کی زبان بھی ایسے وقت میں سنسکرت تھی جبکہ سوسائٹی کے بعض اشخاص ٹوٹی پھوٹی سنسکرت پراکرت بولتے تھے۔ اب سنسکرت نے اپنی ممتاز جگہ کو کھونا شروع کیا۔ ایسے موقع پر آریہ قوم کا قیام ہندوستان کے شمالی حصہ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بلکہ وہ گجرات اور دیگر جنوبی صوبوں میں چلے گئے تھے۔ آریوں کے دور دراز صوبوں مثل گجرات اور بنگال میں چلے جانے، آمد و رفت کی سہولتیں نہ ہونے مختلف آب و ہوا، اور ملکی اور غیر ملکی جماعتوں کے آپس میں ملنے جلنے سے نتیجہ یہ ہوا کہ سنسکرت کی مختلف شاخیں نکل آئیں۔ پراکرت، پالی، مگدھی، اردھ مگدھی وغیرہ، پراکرت کی مختلف شاخیں ہیں۔ علاوہ اس کے پراکرت خود خراب ہو گئی اور اس سے ایک اور زبان "اپابھرنش" پیدا ہوئی "اپھابراہمنست" ازمنۂ متوسطہ میں گجرات کی زبان تھی۔ سدھ راج جے سنگھ کے زمانہ کے پنڈت ہیمچندسوری نے اپھابراہمنست زبان کے قواعد اُس وقت لکھے تھے جب کہ ہندوستان کے دیگر صوبہ وار زبانوں میں کسی زبان کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔ "اپابراہمنست" میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ہر ایک صوبہ کو اپنی خاص زبان رکھنے کا فخر تھا۔ ہندی (درج) مارواڑی، بنگالی، مرہٹی اور گجراتی زبانیں وجود میں آئیں، مارواڑی زبان یا تو گجراتی زبان کی شاخ یا اسکی مختلف شکلیں یا ہندی اور گجراتی دونوں ملی ہوئی زبانیں ہیں۔ ان زبانوں میں بھی صوبہ وار زبان کی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ ہر ایک زبان صاف اور مہذب ہونے لگی۔ اس طرح سے ہماری موجودہ متمول گجراتی زبان جو قریباً ایک کروڑ انسانوں کی مادری زبان ہے وجود میں آئی۔ اس نے اپنی بعض اصلی خصوصیات کو قائم رکھا ہے اور نئی خصوصیات

اور دوسری زبانوں کی خاص خاص باتیں اُن سے وقتاً فوقتاً ملنے جلنے سے حاصل کرلی ہے۔ سنسکرت گجراتی کا مخرج ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ گجراتی زبان سنسکرت زبان کی خصوصیات اور دیگر اوصاف سے پُر ہے۔ گجراتی کی لغت میں بہت سے سنسکرت کے الفاظ ہیں، اور یہ الفاظ دو قسم کے ہیں، ان میں سے بعض وہ الفاظ جو قسم اوّل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی اصلی سنسکرت کی شکل میں ہیں اور باقی ماندہ الفاظ دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ گو علم اللغت کے قواعد کی وجہ سے ان میں قدرے تبدیلی واقع ہوگئی ہے لیکن پھر بھی وہ الفاظ سنسکرت سے لیے گئے ہیں۔ جو الفاظ قسم اول سے تعلق رکھتے ہیں بہت ہیں اور ہم ان میں سے بعض الفاظ مثال کے طور پر ذیل میں دیتے ہیں۔ ان تمام الفاظ کا شمار کرنا اتنا ہی دشوار امر ہوگا جتنا کہ ایک ڈکشنری کا تیار کرنا لیکن ان میں سے بعض الفاظ جو عام طور پر داخل ہوگئے ہیں انہیں انتخاب کرلیا ہے۔ اور وہ ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

سنگیت، ودیا، بُدھی، سُکھ، شریر، آنند، منشو، ایشور، پُشو، پکنتی، شاستر، ٹھاک النکار، سنسکار، آنیب، ناری، ندی، لکشمی، پستک، مستک، جنم، نام، ودوان، پنڈت سرنا سور، گوک، بھگتی، شِسنت، دنیتی، اِندر پد، وغیرہ۔ ان میں سے بہت سے الفاظ میں ایک حرف دوسرے سے تبدیل ہو جاتے ہیں جیسے "یا" کو "جا" میں بدل دیا گیا ہے۔ یا دو جا دو بن جاتا ہے، اور یتی جتی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

علم اللغت کے قواعد کے مطابق بہت سے الفاظ میں تغیر و تبدل واقع ہوا ہے۔ سنسکرت سے ان کو پراکرت میں لیا گیا تھا۔ اور پراکرت سے انہیں "اپابرا ہنست" میں داخل کیا گیا تھا۔ اور وہاں سے انہیں گجراتی میں شامل کرلیا گیا تھا۔ ان تمام الفاظ کو جن میں تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں۔ اس مختصر مضمون میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن ایک عام قاعدہ کا بیان کردینا کافی ہوگا جس سے یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے جب سنسکرت لفظ کے آخر میں "آک" واقع ہو وہ پراکرت یا "اپابرہنست" میں "آ، اُو" میں تبدیل ہوجاتا ہے اور پھر وہ گجراتی "اُو"

میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً

سنسکرت	پراکرت یا اپابھرنست	گجراتی
دنتک	دنتوُ	دانتو
مرکٹک	مکڈوُ	ماکڈو
پرسترک	پتھروُ	پتھرو
کرنک	کرنوُ	کانو
راسک	راسوُ	راسو
بھارک	بھاروُ	بھارو وغیرہ

جس سنسکرت لفظ کے آخر میں "ھ" واقع ہو۔ وہ گجراتی میں "آ" سے بدل جاتا ہے مثلاً

سنسکرت	پراکرت یا اپابھرنست	گجراتی
دنتھہ	دنتو	دانت
کرنھہ	کنتوُ	کان
ہستھہ	ہتھو	ہاتھ
راسہ	راسوُ	راس

اس طرح سے گجراتی لفظ کا مخرج عام طور پر سنسکرت میں ملتا ہے۔ اور گجراتی لغت کا زیادہ تر حصہ ایسے الفاظ کا ہوتا ہے جو یا تو سنسکرت ہوتے ہیں یا جو سنسکرت سے لیے جاتے ہیں اور جن میں علم اللغت کے قواعد کے مطابق تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ گجراتی زبان پر سنسکرت کا اثر بہت زیادہ ہے۔ اس سے ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ سنسکرت کا اثر گجراتی پر بہت مضبوط ہے اور اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ گجراتی اور دیگر صوبہ وار زبانیں اپنی اصلی زبان سنسکرت سے نکلی ہیں لیکن بوجہ زمانہ گزر جانے کے اور غیر ملکی لوگوں کے ساتھ بہت عرصہ تک میل جول رکھنے کے اور غیر ملکی زبانوں کو ان کی اصلی غیر تبدیل شدہ

حالت میں جذب کرنے کی قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی تبدیلیاں واقع ہو
اور نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ صوبہ وار بول چال کی دو زبانیں بن گئی ہیں۔
دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھنے سے اور علم اللغت کے دوسرے عام قاعدہ کو
مذکورۂ بالا حقیقت اور زیادہ صاف طور سے معلوم ہوتی ہے۔ کوئی زبان بغیر تبدیل ہ
نہیں رہ سکتی۔ ہر سو سال میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور ہوتی ہیں اور یہ تبدیلیاں کچھ ا
معمولی طریقہ سے ہوتی رہتی ہیں کہ وہ آسانی سے نظر نہیں آسکتی ہیں۔ مزید یہ کہ وہ
کے ساتھ ہوتی ہیں کہ وہ شخص بھی جو جانتا ہے اور زبان کی تنقید کرتا رہتا ہے اُن کی غیر م
پر قہقہہ لگانے میں پس وپیش نہیں کریگا۔ اس طریقہ سے تمام صوبہ وار زبانیں مثلاً گجرا
ہندی، مرہٹھی وغیرہ سنسکرت سے مختلف اور علیحدہ ہیں اور دوسری طرف نظر ڈالنے
کو مشترکہ ہونے کا کچھ انداز ہو جاتا ہے۔ گجراتی، بنگالی، ہندی، مرہٹھی وغیرہ تمام خاص ط
ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ ایک صوبہ کا باشندہ دوسرے صوبہ کی بات چیت
نہیں سمجھ سکیگا لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ یا تو لغت یا صوبوں کی زبانوں کے قواعد میں اث
ضرور معلوم ہوگا۔ اس سے ایک صوبہ کے باشندے کو دوسرے صوبہ کی زبان کا
کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق دنیا کی تمام زبانیں خواہ وہ کتنی
مختلف اور جدا ہوں تمام ایک دوسرے سے ان طریقوں پر وابستہ کردی گئی ہیں۔
ان غیر معمولی حالات کے ماتحت زبانوں کے علم اللغات کا ارتقا ہوا ہے۔ گجراتی
سنسکرت کی بہ نسبت زیادہ تر نازک ہوگئی ہے۔ کیا ماں کے حُسن اور نزاکت کے ورث
اس کی لاڈلی بیٹی ہمیشہ محروم رہ سکتی ہے۔ اس بحث کو کہ گجراتی کا سنسکرت کے سا
رشتہ تھا۔ طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہم یہ دیکھینگے کہ گجراتی زبان دوسری ز
کی کہاں تک زیر بار احسان ہے۔ ہندوستان کی اصلی زبان "دیشیا" کہلاتی تھی۔
زبان کے بعض الفاظ چند تبدیلیوں کے بعد گجراتی میں داخل کرلیے گئے ہیں۔ ان میں

بعض یہ ہیں :-

گجراتی	دیشیا	گجراتی	دلیشیا
کوئیل	کوئیلا	کڈیو	کڈایو
پناچ	پدن چا	ڈونگرو	ڈنگارو
اُکھیوں	اوکھیا	اوسری	اوسریا
		نکون	مکاؤ

ان کے علاوہ کھابو، شانہ، ڈالبھو، بامیان، نیستی، بھانڈے، ڈھانکے، کھانڈے چابانی، ڈھیکوں وغیرہ تمام دیشیا الفاظ ہیں۔

گجراتی کا مرہٹھی زبان کے ساتھ رشتہ بھی بہت قدیم ہے۔ مرہٹھی زبان کا اثر قدیم گجرات کے قدیم ترین شاعر نسیاح میں بھی پایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی وہ مرہٹھی لفظ "چا" جو اسم جنس کے آخر میں واقع ہوتا ہے، بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ اس کی نظموں میں سے ایک نظم میں ہیں چار یا پانچ سطریں خاص مرہٹھی کی ملتی ہیں مسلمانوں کی حکومت کے بعد مرہٹھوں نے گجرات پر کچھ وقت تک حکومت کی اور اس سے مرہٹھی کا اثر گجرات پر اور زیادہ ہوگیا۔ اس وقت بھی شہر بڑودہ کی تقریباً نصف آبادی مرہٹھوں اور دکنیوں کی ہے۔ کاٹھیاواڑ کے گجراتی بولنے والے "کاٹھی" اور "اہیر" جب کبھی وہ ادب کے ساتھ کسی معزز خاتون سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ لفظ آئی کو جو ماں کے لیے مرہٹھی لفظ ہے بے دریغ استعمال کرتے ہیں گجراتی شاعر پریانند نے جس نے مرہٹھوں کی حکومت کی ابتدا میں ترقی کی بعض وقت اپنی نظموں میں لفظ "دُرِل" استعمال کرتا تھا، جو خالص مرہٹھی زبان کا لفظ تھا۔ ان کے سوا الفاظ مثل اٹایو، نائی وغیرہ بہت زیادہ عام ہوگئے ہیں۔ گجراتی مرہٹھی کی نسبت ہندی سے زیادہ صاف طور پر مناسبت رکھتی ہے۔ ہندی اور وراج کا گجراتی پر اتنا مضبوط قبضہ تھا کہ دیارام، پریانند، نرسینھ اور میراں جیسے بڑے شاعر بھی

اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ دیارام کا دیوان شاید ہندی میں گجراتی کی نسبت
زیادہ ہے۔

ہندستان بحیثیت مجموعی عدم تشدد کے مسلک پر کاربند ہے اور گجرات زیادہ
کاربند ہے۔ گجرات کی زبان بھی اس صوبہ کے لوگوں کی طرح نازک واقع ہوئی ہے۔ کہا
جاتا ہے کہ گجراتی زبان اس قدر نرم اور نازک ہے کہ اس زبان میں کوئی شخص غصہ کا
اظہار کافی طور سے نہیں کرسکتا ہے۔ جب کبھی کسی گجراتی کو غصہ آتا ہے تو وہ جان بوجھ
کر یا بغیر جانے ہندی میں غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ گجرات کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ بھی
تھا جب کہ گجراتی میں نظم لکھنا ذلیل کام خیال کیا جاتا تھا۔ بہترین (اعلیٰ تہذیب یافتہ) شاعر
وہ شاعر ہوتا تھا جو یا تو ہندی یا سنسکرت میں نظمیں لکھتا تھا۔ اس دھبہ کو گجرات کے
بڑے شاعر پریمانند نے دور کردیا۔ اور اس نے اپنی مادری زبان کی ترقی کے لیے مصمم
ارادہ کرلیا، مگر وہ بھی ابتدا میں اس دھبہ سے بچ نہ سکا۔ ہندی کا تسلط گجراتی پر اس قدر
تھا کہ اس زبان کا گجراتی پر اثر ہونا لازمی امر تھا خود پریمانند نے ہندی لٹریچر کی نقل میں نظمیں لکھنے
کا کام اپنے لڑکے اور اپنے خاص شاگرد دولبھ کے سپرد کردیا۔ بعض "مارڈک لٹریچر" اور بڑی
نظمیں نیم تاریخی لٹریچر کی ہندی کی نقل ہیں۔

گجرات کا صوبہ تجارتی میدان کے لیے مشہور ہے۔ ہندوستان تمام دنیا کی تجارت کا
مرکز سمجھا جاتا تھا اور دنیا کو اپنا مال واسباب مہیا کرتا تھا۔ ہندوستان کا دوسرے ملکوں کے
ساتھ تعلق عام طور پر سمندر کے راستوں کے ذریعہ تھا اور گجرات ان راستوں کی کڑی تھا
بھڑوچ، سورت اور کھمبایت گجرات کے خاص اور قدیم ترین بندرگاہ تھے۔ نہ صرف
گجرات بلکہ ہندوستان کا تجارتی کاروبار انہی بندرگاہوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ قدیم ترین
غیر ملکی سوداگر جنہوں نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنی شروع کی وہ عرب تھے۔ ہندوستان
اور عرب کے سوداگروں کے درمیان تجارتی رشتہ مسیح سے پہلے (بی سی) موجود تھا۔ اس لیے

بعض عرب سوداگروں نے کھنبایت اور گجرات کی بندرگاہوں پر سکونت اختیار کرلی کھنبایت عربوں کا خاص مرکز تھا، اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ گجراتی زبان پر اس کا اثر ہوا اور یہ اتصال مسلمانوں کی حکومت کے بعد اور زیادہ مضبوط ہوگیا۔ ساتویں صدی عیسوی کے بعد مسلمان ہندوستان کے بہت سے مختلف حصوں میں اور زیادہ بستے چلے گئے۔ پٹھان مغل ترک، عرب اور بہت سی دیگر مسلم قومیں ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں اس کا اثر گجرات پر ہوا اور وہ اس اثر سے بچ نہیں سکتا تھا۔ محمود غزنوی نے ہندو بادشاہ بھیم دیو کے زمانہ میں گجرات پر حملہ کیا لیکن وہاں سکونت اختیار کرنے کے بجائے وہ سومناتھ دیو کے بڑے مندر کو لوٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد شہاب الدین غوری نے چھوٹے بھیم دیو کے زمانہ میں گجرات کو لوٹنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن گجرات کو دراصل علاء الدین خلجی نے آخری ہندو بادشاہ کرن دیو سے بوجہ خانگی مناقشات کے فتح کیا۔ اس وقت گجرات کی راجدھانی کو "انہل واڑا یا پاٹن" سے احمد آباد قدیم اساول کے قریب منتقل کردیا، اور اس کی بنیاد احمد شاہ نے ۱۴۱۱ء ۸۱۴ھ میں رکھی، اس وقت سے احمد آباد گجرات کی راجدھانی رہی ہے۔ محمود بیگڑہ نے محمد آباد کی بنیاد ڈالی اور جوناگڑھ اور چمپانیر (چاپانیر) کے قلعوں کو فتح کیا۔ اب مسلمانوں نے بغیر کسی رکاوٹ کے تمام گجرات اور کاٹھیاواڑ پر حکومت کرنا شروع کردی۔ یہ پہلے ہی سے بتادیا گیا ہے کہ سوسائٹی اپنا اثر لٹریچر پر ڈالتی ہے۔ لٹریری اور سیاسی تاریخیں دونوں میں کچھ نہ کچھ اشتراک ضرور ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں نے مسلسل صدیوں تک گجرات پر حکومت کی اور اس وجہ سے آج کل کی انگریزی زبان کے اثر کی طرح فارسی اور عربی کا بھی بہت کچھ اثر گجراتی پر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ گجراتی کی لغت میں فارسی اور عربی کے الفاظ پائے جاتے ہیں اور معمولی طالب علم کے لیے ان الفاظ میں جو بہت زیادہ عام ہوگئے ہیں فرق معلوم کرنا قدرے دشوار ہے۔ ان میں سے بعض الفاظ مخلوط نہیں ہوئے ہیں اور دوسرے الفاظ نے علم لغت کے قواعد کے مطابق اپنی اصلی شکل ترک

تاریخ گجرات (۱)

کردی ہے۔ اور وہ گجراتی الفاظ بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم انہیں آج پاتے ہیں۔ ایسے فارسی اور عربی الفاظ میں سے چند الفاظ ہم ذیل میں ان کی اصلی اور مخلوط شکلوں میں دیتے ہیں۔

مشکل، قول، تیجانو، حیران، غیر عیب، حاضر، انامت (امانت) پردو، اثر، مہار، خزانو، ڈگلہ، پیرہن، باغ، بغیچہ، غلیچہ، کھانا، دیوانو، نالو، زنانو، خریطو، جامو، دانو، نگاروں، مجلو، کاوا (قہوہ) تکیو، شیشو، حصو، محلو، ہپتو، غریب (گریب) غلام (گلام) سال وغیرہ۔ یہ تمام الفاظ اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ گجراتی بولنے والے ان الفاظ کو اپنی روزمرہ کی بات چیت میں بے دریغ استعمال کرتے ہیں اور ان فارسی اور عربی الفاظ کو جو بول چال میں اور تحریروں میں بھی اتنے عام ہو گئے ہیں کہ ترک کر دینا قطعی بے سود اور عملاً ناممکن ہے۔ ایسی تباہ کن تجویز کا تصور کرنا بھی محض مضحکہ انگیز ہے۔ مزید یہ کہ خود گجرات کے مسلمان بھی اپنے گھروں میں گجراتی بولتے ہیں۔ اُن کی اُردو بہت ہی زیادہ خراب ہے، اور وہ ایک گجراتی اُردو بن گئی ہے۔ اس طرح سے گجرات کے ہندو اور مسلمان دونوں قومیں ایک مشترکہ زبان بولنے لگی ہیں اور اُنھوں نے بہت سی مشترکہ تمدنی رسوم و رواج اختیار کر لیے ہیں۔ اس اتحاد نے ان کی بہت سی قومی تمناؤں کی پرورش کی ہے۔ ایرانی خصوصیات گجرات کی سوسائٹی اور زبان میں پائی جاتی ہیں۔ ضمیر انصالیہ "کہ" فارسی "کہ" سے لیا گیا ہے۔ قریباً تمام اصطلاحات جو گجرات کی عدالتوں اور کچہریوں میں استعمال ہوتے ہیں وہ یا تو عربی یا فارسی سے لی گئی ہیں

یہ ایک قاعدہ ہے کہ جب کوئی غیر ملکی قوم دوسری قوم پر حملہ کرتی ہے تو حملہ کرنے والی قوم انصاف کے نظم و نسق میں بہت سے اپنی ہی زبان کے الفاظ داخل کرتی ہے۔ ایس طرح سے ہوتا ہے کہ پہلے پہل نئی حکومت کی نگرانی کا دارومدار محض اس کی فوج اور عدالتوں پر ہوتا ہے۔ وہ الفاظ بھی جو پہننے کے متعلق استعمال ہوتے ہیں وہ بھی یا تو فارسی سے لیے گئے ہیں یا عربی سے، اس زمانہ کا عدالتی لباس خالص اسلامی لباس تھا۔ اس کی ایک

ملہ اس کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھی جا چکی ہے اور کئی ہزار لغت اس میں تحریر کیے گئے۔ مطبوعہ گجرات ودیا سبھا بھدر احمد آباد

وجہ اوپر بتائی جا چکی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لباس جو کمر تک پہنا جاتا ہے وہ مسلمانوں ہی کے زمانہ کا تحفہ ہے مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں جو ہندو وزیر اور پردھان کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے وہ "ناگر" اور "کالیستھ" جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے ~~ہندو اچھے حساب داں~~ تھے۔ ناگر اور کالیستھ جماعتوں کی طبیعت کا رُجحان چونکہ سیاسی تھا اس لیے وہ عدالتوں اور درباروں سے میل جول رکھتے تھے۔ اُس زمانہ کی عدالتی زبان فارسی تھی اور ان کو یہ زبان سیکھنا پڑتی تھی۔ اور وہ اس کو سیکھتے تھے، اس لیے دوسرے ہندوؤں نے بھی فارسی سیکھنا شروع کر دی۔ اور اس غیر ملکی زبان کے اتصال کا اثر ان کی مادری زبان کو مالدار بنانے میں فائدہ مند ثابت ہوا۔ ناگروں میں فارسی زبان میں گفتگو کرنا ایک فیشن تھا اور آج بھی ہم اُن ناگروں اور کالیستھوں کو اس زبان سے خوب واقف پاتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی حکومت کا اثر تھا کہ بہت سے فارسی اور عربی کے الفاظ گجراتی میں داخل کر لیے گئے تھے۔ اب ہم یہ دیکھینگے کہ دوسری قسم قوم اور زبان نے گجراتی زبان پر اثر ڈالا ہے؟

انگریزوں کے آنے سے پہلے فرانسیسی اور ڈچ ہندستان میں تجارتی اغراض کے لیے بس چکے تھے۔ ڈچ زیادہ مدت تک نہ رہ سکے لیکن پرتگیز اور فرانسیسوں نے ہندستان کے ساتھ اپنے تعلقات بہت مدت تک قائم رکھے۔ انھوں نے اپنے تجارتی مرکز قائم کیے گووا اور دمن اب تک پرتگیزوں کے قبضہ میں ہے۔ گجرات کا تجارتی تعلق ان لوگوں کے ساتھ تھا اور اس وجہ سے بہت سے تجارتی الفاظ پرتگیزی سے لیے گئے تھے۔ ان میں سے حسب ذیل الفاظ ہیں:۔

آپوس (آم)، پائری (آم)، اناناس، کافی، کاجو، اسکوپڑا، پڈری، بٹاٹا، ٹماٹا، تمباکو، انگریز، اجنبیر (انجنیر) وغیرہ وغیرہ۔

اس کے سوا گجراتی زبان نے بہت سے ملکوں اور صوبوں کی خصوصیات اختیار کرلی ہیں۔ گلّی ڈنڈا گجرات کا خاص کھیل ہے۔ اس کھیل کی اصطلاحات ٹامل زبان سے

لی گئی ہیں مثلاً وکات، لین، ملھ، نار وغیرہ الچی (الائچی) کنڑی لفظ ہے۔ اس طرح سے تامل
کنڑی اور دیگر جنوبی دور دراز ملکوں کی زبانوں سے بھی گجراتی زبان کی لغت نے بہت
کچھ حصہ لیا ہے۔ ان کے علاوہ بنگالی زبان کا بھی اثر گجراتی زبان پر ہو رہا ہے۔ اگر کسی
صوبہ کی زبان نے گجراتی زبان پر زیادہ اثر ڈالا ہے تو وہ یقیناً بنگالی زبان ہے۔ فی الحال
بہت سے بنگالی زبان کے ناولوں اور کھیلوں کا ترجمہ گجراتی میں ہو رہا ہے۔ کلکتہ کی تجارتی
جماعت کا بہت بڑا حصہ گجرات کے لوگ ہیں۔ گجرات میں بھی ہم بہت سے آدمیوں کو بنگالی
زبان کا مطالعہ کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ گجراتی لفظ "مہاشے" جو انگریزی لفظ "سر" کے برابر
ہے، خالص بنگالی زبان کا لفظ ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری موجودہ "کورٹ لینگویج" (عدالتی زبان) یعنی انگریزی
زبان کا گجراتی زبان پر کہاں تک اثر ہوا ہے۔ انگریز ہندوستان پر ڈیڑھ صدی سے حکومت
کر رہے ہیں۔ انگریزی تعلیم کے متعلق بعض قوانین ہندوستان میں ۱۸۳۳ء میں نافذ کیے گئے تھے
ہندستانیوں کو انگریزی تعلیم دینے کی اسکیم تیار کی گئی تھی، اور ان کو کلرک اور غلام بنانے
کے لیے یونیورسٹی اور سیکنڈری (ثانوی) تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ دیا جانا تجویز کیا گیا
تھا۔ اور یہ طریقہ تمام تعلیم گاہوں میں اب تک جاری و ساری ہے۔ لارڈ میکالے نے جس
نے انگریزی زبان کو تعلیمی ذریعہ قرار دینے کے متعلق اپنے خیال کا اظہار کیا تھا، ابتدا
ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ اس اسکیم سے ہندستانی ذہنیت عیسائی خیالات میں تبدیل
ہو جائیگی۔ اور فی الواقع حالت یہی ہے۔ تعلیمی ذریعہ کے لیے حکمراں کی زبان کو مادری زبان
پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور اس طرح سے جبراً اُسے ملکی زبان پر غالب کر دیا گیا ہے۔ اس طرح
سے انگریزی کے بہت سے الفاظ بول چال تقریر، سائنس، تاریخ اور جغرافیہ کے گجراتی
ڈکشنری میں داخل کر لیے گئے ہیں۔ یہی حالت انجنیرنگ کے متعلق الفاظ کی ہے۔ یہ اس لیے
ہے کہ تمام سائنس مغرب ہی سے متعلق ہے۔ ان موجودہ اختراعات کے لیے گجراتی زبان میں

اُردو الفاظ نہیں ہیں ۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ ڈکشنری کے الفاظ میں اضافہ ہو گیا ہے ۔ میں ان میں سے بعض وہ الفاظ درج کرونگا جو روزانہ استعمال ہوتے رہتے ہیں مثلاً ٹیبل، کوٹ، پوسٹ آفس، پوسٹ کارڈ، کورٹ، جج، مسٹر، ماسٹر، سائنس، اسکول کالج، اسٹیشن، ریلوے، ٹرین، کلاس، برج، پیپر، گلاس، مشین، بائیسکل، موٹر کار، انجن، انجنیر، الیکٹرسیٹی، پولیس، گیٹ، انجن، یونیورسٹی، گیٹر، نیکٹائی، بیل وغیرہ وغیرہ ۔

رسم، رواج، آداب، نیز پوشاک کے لیے بھی انگریزی الفاظ لیے گئے ہیں ۔ یہیں فوج، عدالت، ملکی نظم ونسق، تعلیم اور مغربی تہذیب کی چیزوں کے لیے بھی انگریزی الفاظ گجراتی میں ملتے ہیں ۔ ایک وقت وہ تھا کہ تمام گجرات بلکہ تمام ہندستان میں انگریزی زبان مروج ہو چلی تھی ۔ لیکن خوش قسمتی سے قومیت کے جذبہ کے بیدار ہونے سے متذکرہ بالا حالت بہت تیزی کے ساتھ بدل رہی ہے، اور مادری زبان کے ساتھ محبت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنسکرت کے الفاظ بھی بنائے جانے لگے ہیں ۔ ہم نے یہ اکثر دیکھا ہے کہ سوسائٹی اور علوم وفنون ہمیشہ دونوں باہم منسلک رہے ہیں اور لوگ جان بوجھ کر یا بغیر جانے بوجھے اپنی ضروریات کے مطابق نئے الفاظ بنا لیتے ہیں، گویا نئی تحریک نے[1] نئے دو یا تین الفاظ کو باہم ملا کر نئے الفاظ، یا پُرانے الفاظ کو نیا جامہ پہنا کر بنا لیے ہیں ۔ چونکہ آج کل تحریک عدم تعاون خوب زور پر ہے ۔ زبان اور لٹریچر بھی نئے قالب اختیار کر رہے ہیں ۔ گو پہلے لفظ کاپریشن (تعاون) ان نیا لفظ نان کواپریشن (عدم تعاون) مروج ہو گیا ہے اور سول ڈِس اوبیڈینس (تحریک سول نافرمانی) ستیہ گرہ خاص مفہوم رکھتا ہے ۔ مزید براں تحریک عدم تعاون نے زبان کو بہت کچھ بدل دیا ہے ۔ پہلے الفاظ کو اہمیت دی جاتی تھی اور اب اس کی جگہ خیالات نے لے لی ہے ۔ گجراتی زبان اب زوردار، سادی، ستھری، خیالات سے مملو، مضبوط اور با اثر ہو گئی ہے ۔ الفاظ کی پہیلیاں اب شاید جا چکی ہیں ۔ گجراتی زبان شیریں زبان ہے ۔ خیالات

---

[1] نئی تحریک سے مراد جناب گاندھی جی کی عدم تعاون کی تجویز ہے ۔

کی گہرائی اس زبان میں سنسکرت زبان سے لی گئی ہے۔ اس میں نہ ٹامل زبان کی سختی اور نہ مرہٹی زبان کی سنگدلی ہے۔ جس طرح گجرات میں چھوٹے سیرچھوٹے گھر، تنگ گلیاں، چھوٹے پلاٹ، چھوٹے شہر، چھوٹی سڑکیں ہیں، اسی طرح سے زبان بھی چھوٹی، نازک معصوم شیریں حسین مثل معصوم بچے کے ہے۔ دنیا نے گجراتی لٹریچر کو زنانہ لٹریچر اور زبان بتایا ہے۔ گو اس میں اس قدر حسن ہے کہ جب کبھی کوئی غیر ملکی آکر "گربا پارٹی" کو دیکھتا ہے تو وہ درحقیقت گجرات کے حسن و نزاکت اور اس کی زبان سے ششدر و حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ "گربا" ہندو خواتین آشا (آشو) مہینے کی پہلی نوراتوں میں گجراتی زبان میں گاتی ہیں وہ ایک حلقہ بنالیتی ہیں اور وہ گاتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے تالیاں بجاتے ہوئے اور پاؤں کو زمین پر ٹھیکتے ہوئے چکر لگاتی ہیں۔

گربا لٹریچر کی نوعیت گانے والا یا پڑھنے والا دیوی کی طاقتوں اس کے حسن۔ اس کے لباس، اس کے زیور کی تعریف کرتا ہے اور اس کی مہربانی کے لیے التجا کرتا ہے گجرات کی اس نوعیت کا لٹریچر ناظرین کو بنگال میں بھی ملیگا۔ جہاں متوسط زمانہ کے بنگالی لٹریچر (نظم) کے ہر شاعر نے ہمیشہ کالی کی تعریف کا راگ گایا ہے کہ وہ ماتا ہے محافظ ہے اور کبھی کبھی تباہ کرنے والی بھی ہے۔ آسویں مہینے کے پہلے نو دن خاص طور سے دیوی کی پوجا کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، اور اس زمانہ میں ان گربوں کو بہت کثرت کے ساتھ کاٹھیاواڑ میں مرد اور گجرات میں عورتیں گاتی ہیں۔ ان عورتوں کا حلقہ بنا کر گھومنا اور تالیاں بجا بجا کر تال دینا اور نصف جسم کو جھکا جھکا کر ان گربوں کو رات کے وقت دیر تک گاتے رہنا بہت پیارا نظارہ ہے۔ سورت بڑودہ، احمد آباد اور بمبئی جیسے مقامات میں ان عورتوں کا رقص مردوں کے رقص سے بہت زیادہ پر لطف ہوتا ہے۔ مرد تو محض کودتے اچھلتے اور چیختے چلاتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ جب دوسرے صوبہ کا آدمی ان عورتوں کو بے پردہ پورے ساز و سامان اور مکمل آزادی کے ساتھ گجرات کے شہروں اور قصبہ کے

گلی کوچوں میں "گربا" جھومرا گاتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اس حسین منظر سے محو حیرت ہو جاتا ہے۔ گجرات کے گربوں میں خاص لٹریچر ہوتا ہے۔ گربوں کا نفس مضمون دیوی ماتا کی تعریف میں راگ الاپنا ہے۔ ولبھ ڈھولا نے "بھاچارا" ماتا کی تعریف میں گربے لکھے ہیں۔ اس کے بعد اس مضمون کا بہترین شاعر دیارام تھا۔ اُس نے اپنے گربوں میں رادھا اور کرشن کے حسن و عشق کے قصے دکھائے تھے۔ یہ بہت زیادہ مقبول ہیں اور بہت سی عورتیں ان گربوں کو دل سے چاہتی ہیں۔ آج کل کے زمانہ میں نانالال، راس اور گربا کا بہترین لکھنے والا ہے[1]۔ اس نے روحانی عشق میں جو اب تک گربوں کا مضمون ہوتا تھا، دنیاوی عشق کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔ گربے گجرات کی خصوصیات ہیں۔

گجراتی کی تقسیمات

تمام گجرات میں گجراتی زبان ایک ہی طریقہ سے نہیں بولی جاتی ہے بلکہ مختلف مقامات کے لیے مختلف تلفظ مخصوص ہیں گجراتی زبان تین خاص قسموں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

(۱) احمد آبادی، یعنی وہ گجراتی زبان جو خاص احمد آباد اور اس کے گرد و نواح اور بمبئی میں بولی جاتی ہے۔ یہ ادبی زبان ہے، بولی اور لکھی جاتی ہے۔

(۲) کاٹھیا واڑی۔ گو یہ گجراتی بولی ہے، مگر اس کے تلفظ کے طریقہ میں فرق ہے۔ کاٹھیاواڑ کے لوگوں کا تلفظ بہت وسیع ہے وہ س کے بجائے ح بولتے ہیں۔

(۳) کچھی۔ گو کچھ گجرات میں ہے لیکن اس کی بولی گجراتی زبان سے بالکل جدا ہے اس پر سندھی زبان کا زیادہ اثر پڑا ہے۔ احمد آبادی یا کاٹھیاواڑی کچھی زبان کو سمجھ نہ سکیگا لیکن باوجود اس اختلاف کے تمام لوگوں کی تجارتی زبان وہی ہے جو احمد آباد میں بولی جاتی ہے۔ لٹریچر بھی مشترک ہے۔ کچھی گجراتی زبان کی ایک شاخ ہے اور وہ ایک ایسی بولی ہے جو صرف بولی جاتی ہے لیکن کبھی لکھی نہیں جاتی۔

---

[1] افسوس ہے گزشتہ ۱۹۴۶ء میں انتقال ہو گیا۔

احمد آبادی کی ایک اور شاخ ہے، اور وہ سورتی زبان ہے یعنی وہ زبان جو سورت میں بولی جاتی ہے۔ یہاں "شا" "ہا" بولا جاتا ہے۔ جیسے نشاڑ کے بجائے نہاڑ بولتے ہیں۔

زبان گجراتی کے قواعد

زبان اور قواعد ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ گرامر (قواعد) زبان کی کُنجی ہے اس مختصر مضمون میں ہم گجراتی زبان اور گجراتی لٹریچر کا ذکر کر رہے ہیں اور اگر ہم اس کی گرامر کے متعلق کچھ لکھیں تو بیجا نہ ہوگا۔ ابتداء میں گجراتی زبان کی کوئی گرامر نہ تھی۔ بہت پرانے زمانہ میں سدھ راج جے سنگھ کے زمانہ میں ہیمچندر نے گرامر لکھی تھی لیکن وہ پرانی گجراتی زبان یا اپابھرنسا کے لیے تھی۔ اس کا موجودہ گرامر سے بہت کم تعلق ہے۔ گجرات میں ہم توسیع تعلیم کے لیے پادریوں یعنی مشنریوں کے ممنون ہیں۔ پرانی کتابوں کا جمع کرنا۔ اور ان کی طباعت و اشاعت یہ سب انہی لوگوں کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہے۔ گجراتی زبان کی سب سے پہلی گرامر بھی ایک انگریز مشنری کی محنت کا نتیجہ ہے۔ گجراتی ابجد کے حروف سنسکرت سے لیے گئے ہیں۔ پہلے حروف پر لکیر کھینچی جاتی تھی۔ جیسا کہ دیوناگری میں کرتے ہیں مثلاً आ गाए कालो छे آ گاۓ کالی چھے (یہ گاۓ کالی ہے) الفاظ تک بھی جدا جدا نہیں لکھے جاتے تھے۔ لکیر کھینچنے کی عادت رفتہ رفتہ غائب ہوتی گئی لیکن بنیوں کی اب تک یہ عادت ہے کہ وہ تجارتی حروف اور بہی کھاتوں میں لکیر کھینچتے ہیں۔ گجراتی ابجد کے حروف علت اور صحیح حسب ذیل ہیں:-

اَ۔ آ۔ اُ۔ اُو ۔اِ ۔اِی۔ اِ۔اَے ۔او۔ اَو۔ اَن۔ اَہ

حروف صحیح: کَ، کھَ گَ گھَ انگ۔ چَ چھَ جَ جھَ ۔ٹَ ٹھَ ڈَ ڈھَ ڑاں

تَ تھَ دَ دھَ ناں۔ پَ پھَ بَ بھَ مَ۔ یَ رَ لَ وَ۔ شَ سَ ہَ

حروف علت ۲ دو قسم کے ہیں۔ طویل اور مختصر۔ اَ اُ اِ اَن اَہ مختصر حروف علت ہیں۔ اور باقی طویل ہیں۔

گجراتی زبان کی شاعری

گجراتی میں شاعری کا بھی بڑا حصہ ہے اور پندرہویں صدی عیسوی سے لے کر آج تک بہت سے گجراتی کے شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ گجراتی کے قدیم شاعروں کے نام نرسنیھ، میراں، اور بھالاں ہیں۔

نرسنیھ کے "سرینگر" کے بعض مقامات قابل اعتراض ہیں اور میراں کی نظمیں زیادہ تر اخلاقی ہیں۔ میراں اور نرسینھ کا ایک اور ہمعصر بھالان نامی تھا، یہ گو اتنا مشہور نہ تھا جتنا کہ وہ دونوں تھے۔ تاہم وہ بڑا عالم تھا۔ ایسے زمانہ میں جبکہ ہندستان کے کسی صوبہ کی زبان کو سنسکرت تصانیف کے ترجمہ کا فخر حاصل نہ تھا۔ بھالان نے سنسکرت کے مشہور و معروف اومان۔ بانا۔ بھاٹ کی کا دمبری کا ترجمہ گجراتی نظم میں کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سنسکرت نثر کا ترجمہ گجراتی نظم میں کرنا۔ بہت دشوار کام تھا۔ بھالان کی تصانیف بہت ہیں۔ اس عہد کے چند اور شاعر بھی ہیں۔ مثلاً بھیما (۱۴۸۵ء) اور پدمنا بھا وغیرہ۔ پدمنا بھا نے ایک تاریخی نظم لکھی ہے جسے "کھا ندے پربھاندھا" کہتے ہیں اور گجراتی لٹریچر میں بہت بے نظیر ہے۔ یہ تصنیف حال ہی میں دستیاب ہوئی ہے اور شائع کردی گئی ہے۔ اس میں علاءالدین خلجی کا گجرات پر حملہ کرنا، کھانادکا اس کو اپنے ملک میں سے گزرنے دینے سے انکار کرنا اور اس کے بعد جنگ کا ہونا۔ کھاناد کے لڑکے ویرام اور شہزادی کے عشق کی ابتدا، اور فوجوں کے کوچ کرنے کی تفصیلات شہر کا فتح ہونا۔ مسلمان عورتوں کا اپنی شکست پر آہ وزاری کرنا شہزادی فیروزہ کی ناکامی۔ یہ تمام واقعات تفصیل وار اور پرجوش طریقہ پر بیان کیے گئے ہیں۔ زبان بھالان سے زیادہ پرانی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصنیف مقبول ہونے سے اس کی اصل شکل ایک دوسرے سے بیان کرنے میں گم نہ ہونے پائی یہ تصنیف حال ہی میں دستیاب ہوئی ہے[1]

[1] اس میں واقعات سب فرضی ہیں۔ ابوظفر

سولھویں صدی کا زمانہ مقابلتاً ایسا زمانہ ہے جس میں کوئی لٹریری تصنیف نہ تھی سولھویں صدی گجراتی لٹریچر میں ضعیف ترین اور بدترین زمانہ ہے لیکن اس کے بعد سترہویں صدی کا زمانہ گجراتی کی تاریخ میں بہترین زمانہ سمجھا گیا ہے۔ فلاسفر آکھو۔ پریمانند اور شراس قصہ گو جیسے بڑے شاعروں نے اسی صدی میں ترقی کی ہے۔

آکھو احمد آباد کے ایک مالدار سنار (زرگر) نے سوسائٹی سے تنگ آکر اپنی تمام زندگی اصلی گرو کی جستجو کے لیے وقف کردی۔ جب کبھی اور جہاں کہیں وہ سادھوؤں کی جماعتوں میں گیا اُس نے اُن کو ذلیل ترین حالت میں پایا۔ اور اُسے کوئی "اصلی گرو" نہ مل سکا اس کی جو کچھ آرزو تھی، وہ یہ تھی کہ اُسے ایسا نیک اُستاد ہاتھ لگے جو اُسے صحیح راستہ دکھلائے اور وہ اسی تلاش میں روانہ ہوا۔ بنارس اور الہ آباد کی جاترا کو جاتے ہوئے راستہ میں اُس نے جے پور میں گوکل ناتھ کے یہاں قیام کیا۔ جو وشنو کے ولبھ چاریا مندر کے سردار تھے۔ چونکہ مالدار تھا اُس کی آؤبھگت (خاطر تواضع) خوب ہوئی لیکن یہ عالم بزرگ نقلی بادشاہوں سے دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ اس کی روحانی خواہشیں تشنہ لب تھیں، وہ وشنو نقطۂ نظر کے سادھوؤں سے خوب واقف تھا۔ اُسے ایک قابل گرو کے نہ ملنے سے مایوسی ہوئی۔ ایک دفعہ بنارس کے قریب ایک جھونپڑی میں اُس نے ایک سنیاسی کو صرف ایک ہی طالب علم کو ویدانتا فلاسفی کے اصول بیان کرتے ہوئے سُنا۔ ایک ایسے پوتر (مقدس) شہر میں جہاں چھوٹے سے چھوٹا گرو بھی ایک سو چیلے جمع کر سکتا ہے۔ یہ بہت ہی غیر معمولی واقعہ تھا۔ آکھو تعلیم کے وقت جھونپڑی کی پتلی دیواروں کے پیچھے چھپ کر اس کے لکچر (وعظ) کو بہت توجہ کے ساتھ سننے لگا۔ اس طرح سے کئی دن گزر گئے، اس کے شاگرد کا یہ معمول تھا کہ پڑھنے والے کے الفاظ کا جواب گنگنا کر یا سر ہلا کر دیدیا کرے۔ اور اس طرح سے اس کی ہمت افزائی ہو اور اُسے یہ بتایا جائے کہ اس کا شاگرد بیدار ہے اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اُسے وہ سُن اور سمجھ رہا ہے اُس کی تمام کوششوں کے باوجود یہ خاص سامع (شاگرد) روز سوجایا کرتا تھا اور چونکہ یہ ضروری تھا کہ پڑھنے والے کی

دلچسپی کو قائم رکھا جائے "آکھو" دیوار کے پیچھے سے اس کا جواب دے دیا کرتا تھا۔ اس حرکت نے گرو کو چوکنا کر دیا اور تلاش کرنے پر اُس نے دیکھا کہ "آکھو" ہے۔ اُس سے اس عجیب حرکت کی وجہ دریافت کی گئی اور اس نے جو کچھ واقعہ تھا بیان کیا اور درخواست کی کہ اُسے شاگرد بنا لیا جائے۔ اپنی اس خواہش کے ثبوت میں اس نے وہ تمام کتھا (قصہ) کہہ سُنایا جو اُس نے گزشتہ بارہ مہینوں تک سُنا تھا۔ سوامی کو اس کا یقین ہو گیا کہ اس سے اُس کو عقیدت بہت ہے اُس نے اُس کو چیلہ بنا لیا۔ آکھو نے ویدانتک فلاسفی پر ملکہ حاصل کر لیا۔ احمد آباد واپس لوٹتے وقت وہ اپنے پُرانے گرو گوکل ناتھ سے جو ایک متمول وشنو مہاراج تھا ملنے گیا۔ اس ملاقات سے اُس کا مقصد یہ دیکھنا تھا کہ اب جبکہ وہ دنیاوی دولت سے جُدا ہو چکا ہے اور صرف تعلیم ہی کی دولت اس کے پاس تھی اس کی آؤ بھگت کیسی ہوتی ہے۔ اس کا خیر مقدم پہلے جیسا نہیں کیا گیا۔ اور مہاراج نے تو اُسے پہچانا تک بھی نہیں کہ وہ آکھو ہے آکھو اس سے بہت ہی برہم ہوا، اور اس نے حسب ذیل نظم لکھی:۔

"میں نے گوکل ناتھ کو اپنا گرو بنایا۔ اور یہ ایسا تھا جیسے پُرانے بیل پر لگام لگانا۔ جو کھانا ضرور ہے لیکن اس آنکس کا جواب نہیں دیتا جو اُسے لگایا جاتا ہے۔ گرو تمہاری دولت کو تم سے لے لیتا ہے، مگر تمہارے قلب کی بےچینی و بیقراری کا کوئی علاج نہیں کرتا ہے ایسے گرو سے کیا نیکی کا کام ہو سکتا ہے"

وہ اس دنیا کی مکاری اور فریب سے تنگ آ گیا تھا۔ اُس نے اس دنیا کو حقیقی ہستی کی تلاش کرنے کے لیے ترک کر دیا۔ اُس نے بہت سے پاڑے لکھے ہیں جن میں اس نے دنیا اور اس کے طریقوں کے متعلق بہت سے مفید سبق سکھائے ہیں۔ اس نے ویدانتک فلاسفی کے اصولوں کو نظم کرنے کی کوشش کی۔ یہ دراصل ایک بہت مشکل کام تھا اس کے مضمون کو نظم کرنے سے مشکل سے اس کے طرز ادا میں کوئی دلفریبی پیدا ہوئی ہو۔ اس کی زبان تو شستہ ہے نہ مسجع۔ اس کی زبان میں نزاکت و لطافت نہیں ہے، اُسے زبان سے

کوئی خاص انس نہیں ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسے کوئی شاعر کہے۔

۱۷۶۳ء اور ۱۸۴۳ء میں بڑودہ میں گجراتی کا ایک اور فدائی گزرا ہے گجرات کی زبان اور لٹریچر کو گمنامی کی دلدل سے نکالنے والا دراصل وہی ہے۔ نرسنھ کی طرح یہ بھی چودہ یا پندرہ سال کی عمر تک ان پڑھ تھا، اس کا نام پریمانند تھا۔

ابتدا میں پریمانند اپنے مضامین کو ہندی زبان میں لکھتا تھا۔ ہندی اس وقت کے زمانہ کے عالموں اور تہذیب یافتہ لوگوں کی مانی ہوئی زبان تھی۔ اس کے گرو رامچرن نے اُسے اپنی مادری زبان گجراتی میں نظمیں لکھنے کی ہدایت کی۔ یہ اُسے بہت ناگوار گزرا اور اس وقت اس نے یہ عہد کر لیا کہ جب تک وہ گجراتی زبان "چار ٹکے کی زبان" کے دھبّے کو اپنی مادری زبان کے سر سے مٹا نہ دیگا، اور اس کو ترقی نہ دے لیگا سر پر پگڑی نہ رکھیگا۔ اُن ایام میں برہمنوں کے لیے پگڑی سر پر نہ رکھنا بہت بد تہذیبی تھی۔ پریمانند کو اپنی زبان کو ترقی دینے کا عشق ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنا اس عہد پر ہر حالت میں پابند رہنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جو کام پریمانند نے گجراتی لٹریچر کے لیے کیا۔ وہ آج تک بہت قیمتی اور بے نظیر ہے۔ اس نے ایک ادبی مجلس قائم کی اور خود اس کا صدر بنا۔ اس مجلس کے ہر ایک ممبر کے ذمہ خاص کام تھا۔ ہندستان کی ہر ایک زبان کی خصوصیات کو شامل کرنے کے لیے اس نے ملکی زبانوں کے مطالعہ کا کام اپنی جماعت کے چیدہ چیدہ ماہروں کے سپرد کیا۔ چند عورتیں بھی جو ہمدردی کا مادہ رکھتی تھیں اس مجلس کی ممبر تھیں۔ ان کام کرنے والوں میں سے چھ اشخاص اپنا نام کر گئے ہیں۔ ان میں سے ایک خود شاعر کا لڑکا ویر ولبھ تھا۔ باپ اور بیٹے دونوں کو اپنی مادری زبان کو ترقی دینے کا بہت ہی عشق تھا۔ ولبھ اپنے باپ کو اپنا گرو سمجھتا تھا۔ اور اپنی تصانیف کی افتتاحیہ نظموں میں شکریہ میں اس کا نام درج کرتا تھا۔ وہ اپنے باپ اور گرو کی مدح سرائی اس قدر کرتا تھا کہ وہ اس کو نہ صرف ایک بڑا بلکہ افضل ترین شاعر کہتا تھا۔ ولبھ کے سپرد ہندی زبان کی خوبیوں کو شامل کرنے کا کام تھا۔

اس کے شاگردوں میں سے دوسرا شاگرد تنبیشور تھا جو سنسکرت زبان کا مطالعہ کرنے اور اس کی خصوصیات کو گجراتی زبان میں شامل کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے بعض سنسکرت تصانیف کا ترجمہ کیا ہے۔ آکھا (آکھو) کی طرح پریمانند بھی نہیں چاہتا تھا کہ لوگ اُسے شاعر کہیں اس نے اپنی نظموں میں کبھی اپنے کو شاعر نہیں لکھا۔ وہ اپنے کو سادہ طور پر صرف بھٹ پریانند کہتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ پریانند نے اپنی آخری عمر میں (بھگوت گیتا کا دسواں باب "وساما اسکندھا" کے ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا، چونکہ اُسے یہ اندیشہ تھا کہ اس کے قوا روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہیں اور یہ کام ناتمام رہیگا، اس لیے اس نے اپنے چار بہت زیادہ ترقی یافتہ شاگردوں کو بلاکر باقی حصّہ کے ترجمہ کرنے کا کام اُن کے سپرد کیا۔ ان کا امتحان لیا گیا۔ تمام شاگردوں نے اپنے اپنے ترجمے شاعر کو پیش کیے لیکن ترجمہ کے آخر میں اُن میں سے ہر ایک نے سوائے سندر کے اپنے تئیں شاعر لکھا۔ کیونکہ اس وقت کے نظم لکھنے والوں کی ہمیشہ یہی عادت تھی۔ سندر کے حق میں فیصلہ ہوا، گو کہ اس کا ترجمہ بہت کم درجہ کا تھا۔ اس کے مشہور و معروف استاد کی دمِ مرگ وصیت ترجمہ کی تکمیل کا کام اُس کے سپرد کیا گیا۔ ان ایام میں جیسا کہ آج بھی ہے لیکن اتنی اچھی حالت میں نہیں، پُران پڑھنے والوں کی ایک جماعت تھی۔ جو "گاگریا بھٹ" یا "مان بھٹ" کہلاتی تھی۔ یہ پڑھنے والے برہمن ہوتے ہیں۔ جو پڑھتے وقت تال دینے کے لیے ایک تنگ گلے کے تانبے کے برتن کو جسے گاگریا مان کہتے ہیں بجاتے ہیں۔ ایسی کتھا یا بیان شرحوں اور مثالوں کے ساتھ سادہ اور دلچسپ زبان میں بڑے مجمع کے سامنے گلیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ عوام پران کتھاؤں کا اثر بہت ہوتا تھا۔ ان پڑھ عوام کو پُران کی تعلیم اسی طرح دی جاتی تھی۔ مہابھارت اور رامائن کا جو کچھ تھوڑا بہت علم عوام کو ہے وہ مان بھٹ ہی کی شخصیت کا نتیجہ ہے۔ پریمانند خود مان بھٹ تھا۔ وہ کتھا کے لیے نظمیں لکھتا تھا اور بڑے مجمع کے روبرو انہیں پڑھتا تھا۔ وہ مہابھارت اور بھگوت گیتا سے مضامین انتخاب کرکے خود اپنے آکھیان یا کتھا نظم کرتا تھا۔ سانا یاگوا، آرکھا، ہرن، نژاکھیان وغیرہ اس

کی بعض اس قسم کی تصانیف ہیں جن کے مضامین پُران کی کتھا میں سے انتخاب کیے گئے ہیں
اس کی تمام تصانیف میں سے نالاکھیاں بہت زیادہ مقبول عام تصنیف ہے۔ نہ صرف یہی
کردہ مقبول عام ہے، بلکہ گجراتی شاعری کی تصانیف میں سے بہترین تصنیف ہے۔ چیتر
مہینے میں "اوکھاہرن" کے پڑھنے کی آوازیں اگر ہر ایک میں نہیں تو قریب قریب ہر ایک قصبہ
اور گاؤں میں سنائی دیتی ہیں مختلف مقامات، سوسائٹی کے رسوم و رواج حرکت کرنے
والی اور غیر حرکت والی دونوں چیزوں کی تصویر لفظوں میں کھینچنا اور مردوں اور عورتوں کے کیرکٹر
کی تشریح کرنے کے متعلق پریمانند کے جو بیانات ہیں وہ تمام تشبیہات اور استعاروں سے جڑے
ہوئے اور "النکار" بدائع سے پُر ہیں۔ اُس میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اور وہ گجراتی
زبان پر مستقل طور پر حکمرانی کرتا ہے۔ پریمانند کی زبان نہایت ہی شیریں اور نازک ہے۔ اب تک
کوئی شخص اس کی طرز تحریر کی نقل اُتارنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے۔ اس نے خدا کی حمد
اور بہت سے بزرگوں کی تعریف میں نظمیں لکھی ہیں۔ اس نے نرسنھ کی زندگی کے متعلق
بہت کچھ لکھا ہے۔ پریمانند بہترین شاعروں میں سے اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے۔ سامل بھٹ جو
پریمانند کا حریف اور ہمعصر تھا، وینگ نگر (جسے اب گومتی پور کہتے ہیں) جو احمد آباد کے قرب و جوار
میں ہے باشندہ تھا۔ بحیثیت شاعر کے وہ پریمانند کے مقابلہ میں دوسرے درجہ کا شاعر ہے۔ یہ
دونوں شاعر ایک دوسرے کے بڑے حریف تھے۔ پریمانند کی یہ عادت تھی کہ وہ پُرانے
"پرانوں" سے مضامین انتخاب کرتا تھا اور سامل خود اپنے خیالی قصوں کو نظم کیا کرتا تھا۔
ان دونوں شاعروں کے درمیان ادبی بحث و مباحثے ہوا کرتے تھے۔ پریمانند خود تو ان
میں حصہ نہ لیتا تھا۔ مگر اس کے لڑکے ولبھ کو ان سے بہت دلچسپی تھی۔ سامل ہی نے گجراتی
لٹریچر میں قصہ نویسی کا طریقہ جاری کیا ہے۔ یہ بیجا نہ ہوگا اگر ہم اُسے گجرات کا سوفٹ (Swift)
کہیں، قصے ناول کے پیش خیمہ ہوتے ہیں، سامل کے مضمون کی خواتین کا کیرکٹر نازک علانیہ
اور ظریفانہ ہے۔ سامل کے قصوں میں رقاصہ عورتوں کا بہت کچھ حصہ ہے۔ وہ مذہبی جماعتوں

کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتا ہے اور سوسائٹی کے آپس کے رشتوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن وہ اس قابل ہے کہ اخلاقی قواعد کی سختی کے ساتھ پابندی کرے۔ ایک بنیا بغیر روک ٹوک کے کسی رقاصہ سے شادی کر سکتا ہے، اور اس پر بھی اس کے کیرکٹر اور چال چلن میں کوئی دھبہ نہیں آتا وہ اپنی چاروں بیویوں کا مساویانہ طور پر خیال رکھتا ہے اور وہ اس کی خدمت بہت اچھی طرح کرتی ہیں۔ چاروں بیویاں آپس میں ایک دوسری کو بہن خیال کرتی ہیں۔ وہ مردوں کی طرح بہادر اور نڈر ہوتی ہیں۔ عورتوں کے کیرکٹر میں مردوں کی اصلی فطرت دکھائی گئی ہے۔ سامل کی عورتیں گو جوان ہیں مگر بوڑھوں کی سی عقل رکھتی ہیں۔ اس کے مرد اور عورتوں کے ویسے ہی جذبات ہوتے ہیں۔ جب کہ وہ ایک دوسرے کے عاشق ہوتے ہیں۔ اور ان کے عشق کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کی شادی ہو جاتی ہے اور وہ جب شادی کرتے ہیں تو یا تو محض ذوق کی خاطر یا حسن یا سچے عشق کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں لیکن وہ اکثر والدین کی مرضی کے خلاف ایسا کرتے ہیں۔ انگدوستی، پدماوتی، نند بتریسی، سنھاسن بتریسی۔ یہ اس کی بعض بہت مقبول کتابیں ہیں۔ اس کی زبان سادہ ہے لیکن بہت ہی پُراثر ہے اس نے گجراتی زبان پر گہرا نقش چھوڑا ہے۔ اس کے چھپّوں (ایسی نظم جس میں چھ مصرعے ہوتے ہیں) نے اس کی یاد کو ہمیشہ کے لیے قائم کر دیا ہے۔ اس کی طرز تحریر خود اس کی طرز تحریر ہوتی ہے یعنی اس کی زبان سادہ، مصرعے سادہ۔ نیک عادات کے متعلق سادہ کہانیاں۔ وہی سچا شاعر ہے جو سادہ زبان میں تعلیم دے سکتا ہے۔ ایک مالدار کنبی بلٹیل رکھیل داس نام سامل کا مربی تھا۔

اُس صدی کے چھوٹے چھوٹے شاعروں کی تعداد اس قدر تھی کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں ایک شاعر گزرا ہے جس کا نام ولبھ بھٹ تھا اور جو مہادیوی کا فدائی تھا۔ اس نے "سبھی چارا تھا" کے نام سے بہت سے گربے لکھے ہیں۔ وہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مہادیوی اس کے پرخلوص عقیدت سے

اس قدر خوش ہوئی کہ اُس دیوی نے اپنی دیوی شکتی سے اُسے علم کی نعمت سے سرفراز کر دیا اُس صدی میں کوئی مشہور و معروف شاعر نہیں ہوا ہے۔

بھوجا بھگتا ایک بھگت شاعر تھا جو انیسویں صدی میں گزرا ہے۔ اس کا جنم بٹے داریا کُنبی گھر میں ہوا ہے جو علم سے بے بہرہ تھا، وہ بھگت تھا۔ اس نے بہت سے صوفیانہ بھجن لکھے ہیں۔ اس نے اپنے زمانہ کے تمدنی رسم و رواج پر بہت ہی سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔ سامل کے چپّے، پریتم داس کے بارٹے، نرسنگھ کے صبح کے ترانے (پربھاتیاں) اور بھوج کے بھجن یہ سب بہت شہرت رکھتے ہیں۔ اس نے تجرد اور کلرکی کو بہت ہی بیدردی کے ساتھ بدنام کیا ہے۔ اس کی زبان شہریوں کی طرح شائستہ نہیں ہے لیکن پرخلوص ضرور ہے۔ وہ نہ تو پڑھا لکھا تھا نہ شائستہ و مہذب تھا۔

ایک اور شاعر گردھار ہے وہ ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۵۲ء میں مرگیا۔ راماین کو گجراتی زبان میں لکھنے والا وہی ایک مقبول شخص مانا جاتا ہے اور اس کی اس گجراتی زبان میں راماین کو بہت سے لوگ پڑھتے ہیں۔

سچانند سوامی نے جو جماعت گجرات اور کاٹھیاواڑ میں قائم کی اور (جو دراصل اجودھیا سے آئی تھی) گو وہ بہت پرانی جماعت ہے لیکن دونوں صوبوں میں اس کے بہت زیادہ پیرو ہو گئے تھے۔ سچانند کے عقیدے کے اس صدی میں ہمیں بہت لوگ ملتے ہیں اور ان میں دو اشخاص برھمانند اور نشکولانند بہترین لوگوں میں سے ہیں۔ برھمانند کی قوالی کو آج بھی لوگ بہت ذوق و شوق کے ساتھ گاتے ہیں۔ گجراتی لٹریچر کو دو خاص عہدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) عہد جدید (۲) عہد قدیم۔ عہد قدیم کا زمانہ پندرہویں صدی سے انیسویں صدی تک ہے اور عہد جدید کی ابتدا بیسویں صدی سے ہوتی ہے۔ عہد قدیم کی خصوصیت یہ ہے کہ جو شاعر اس زمانہ میں گزرا وہ ایک خاص مذہبی خیال کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا جو طالب علم ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے اُس کو چاہیے کہ سب سے پہلے وہ مختلف جماعتوں کا مطالعہ کرے اور ان کے مختلف عقائد کو سمجھے۔ ان شاعروں کا پوری طور سے

مطالعہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم اُن مختلف جماعتوں سے پوری طور پر واقف ہو جائیں
جن سے وہ متعلق تھے۔ اگر ہمارے پاس اس کے متعلق کامل معلومات نہ ہوں تو ہم ان شاعروں
میں سے کسی شاعر کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے قدیم شاعروں کا مناسب
طریقہ سے مطالعہ اُسی وقت کر سکتے ہیں، جبکہ ہم شاعر کو سمجھیں اور اس کی جماعت کے عقائد
پر احتراماً غور کریں۔ اگر ہم کسی تعصب کے ماتحت ایسا کام کریں تو ہم ضرور ان کے ساتھ
بے انصافی کرینگے۔ نرسنھ کو سمجھنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ وشنو جماعت کے متعلق واقفیت
حاصل کریں۔ اور میراں کی پیروی کرنے کے لیے ہمیں میراں جیسا بننا چاہیے۔

عہد قدیم کا سب سے آخر شاعر اور گجرات کا ایک بہترین شاعر ہمارا رنگیلا دیا رام شاعر
تھا۔ دیارام کی زندگی کے متعلق مختلف روایات ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ اخلاقاً کمزور تھا اور
اس کی شہادت اس کی تصانیف سے ملتی ہے جن میں وہ عشق کے جذبات کو علانیہ بغیر
اخلاق کے معمولی قواعد کی پابندی کے بیان کرتا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جوانی میں
وہ بہت شریر تھا۔ وہ چاندود کا رہنے والا تھا۔ چاندود ہندوؤں کی جاترا کی جگہ ہے اور نرمدا
کے کنارے واقع ہے۔ دیارام کو اس سے خاص مسرت ہوتی تھی کہ وہ ان عورتوں پر جو نرمدا کے
کنارے پانی لینے آتی تھیں پتھر پھینکے او شرارت کرے۔ ایک روز اس نے ایک سنار کی
عورت کو چھیڑا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے تیر کر پاس کے گاؤں کرنالی میں بھاگ جانا پڑا۔ وہاں
ایک سادھو کسوانند سے ملاقات ہوئی۔ اور وہ ایسے شریر اور بدمعاش کو اپنا چیلا نہیں بنانا
چاہتا تھا۔ مگر آخر کار کسوانند نے اُسے اپنا چیلا بنا لیا۔ دیارام اس سے بہت خوش ہوا اور اس
نے یہ "پاڈا" گایا۔ "گرو بڑا ہے گرو بڑا ہے"۔ دیارام فطری شاعر تھا۔ وہ بچپن ہی سے چھوٹی نظمیں لکھ
لیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جوانی کے زمانہ میں چند "پاڈے" نظم کیے تھے جو اخلاق
سے گرے ہوئے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا یہ بات صحیح ہے، اس نے کبھی شادی نہ کی اور بوڑھا
ہو کر مجرد حالت ہی میں مر گیا۔ ہندوستان کے مقدس مقامات کی پیدل جا کر زیارت کی جس سے اُسے

مختلف تجربات حاصل ہوئے۔ بنارس میں اس میں کاشی وشونیشور کی تعریف میں ایک کتاب لکھی۔ وہ ہندستان کے تمام صوبوں کی زبان سے واقف تھا۔ وہ بہت حسین اور دلفریب تھا، اس کی آواز میں شیرینی تھی، وہ وشنو جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے گربے بہترین اور مقبول گربے کا مضمون نسوانی جذبات کے ذریعہ سری کرشن کی پرارتھنا ہے۔ دیارام کے گربے میں عشق کے جذبات کا غلبہ ہوتا ہے لیکن چونکہ گربے کا مضمون عبادت ہے اس لیے اُسے لڑکی اپنی ماں کے سامنے بغیر روک ٹوک کے گا سکتی ہے۔ دیارام کے گربے مشہور و معروف ہیں۔ یہ دیکھنا مناسب نہیں ہے کہ اس کا چال چلن بے داغ تھا یا نہیں لیکن خدا کے ساتھ اس کا عقیدہ بہت زیادہ تھا۔ اُس کا گرو اچھا کا رام بھٹ اُسے نرسنھ کا دوسرا اوتار کہتا تھا۔ اس کی تصنیف کئی ہیں۔ اس کی زبان شیریں اور دلفریب ہے، اس کا طرز تحریر بہت صاف ہے، وہ خود مختار اور صداقت شعار تھا۔ اس کی فطرت کی جھلک اس کی نظموں میں پائی جاتی ہے۔ وہ گجرات کا بائرن کہلاتا تھا۔ اور عہد قدیم کا بہترین شاعر تھا۔ عہد جدید کا آغاز دیارام کے بعد سے ہوتا ہے۔ اس عہد کے بعد برطانوی حکومت مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکی تھی۔ تنوریڈ سر مرہٹے گجرات سے چلے گئے تھے، مغربی تعلیم کی ابتدا ہو رہی تھی، بمبئی یونیورسٹی قائم کی گئی تھی گجرات کے پایۂ تخت احمد آباد میں بھی تعلیم پھیل چلی تھی۔ بعض لٹریری ریسرچ (تحقیقات) بھی کی گئی تھی۔ انگریز مشنریوں کی مدد سے گجراتی زبان کے قواعد لکھے گئے تھے۔ احمد آباد میں گجرات ورنیکلر سوسائٹی قائم کی گئی تھی[1]۔ شاعر دلپت رام ڈایا بھائی اس سوسائٹی کا خاص تنظیم کرنے والا تھا وہ عہد جدید کا پہلا اور خاص شاعر ہے۔ مذہب جو شاعری کا مرکز تھا بدل دیا گیا تھا۔ اب شاعری کے مضمون میں انسانی زندگی کے تمام مختلف پہلو دکھلائے جاتے تھے۔ نرمداشنکر جو دلپت رام کا ہمعصر تھا، سورت شہر میں ۱۸۳۳ء ۔ ۱۸۸۶ء میں گزرا تھا۔ یہ دونوں شاعر لٹریچر کے میدان میں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ ادبی مباحثے تھے جو سامل اور ولبھ جیسے تو

[1] یہ سوسائٹی آج بھی اچھے پیمانہ پر موجود ہے اور اب اس کا نام تبدیل کر کے گجرات ودیا سبھا کر دیا گیا ہے۔

نہ تھے لیکن کچھ کچھ ویسے ہی تھے۔ ان بحث و مباحث سے سوسائٹی کو بہت فائدہ ہوا۔ دلپت رام پرانے سخت مذہبی نظام سے تعلق رکھتا تھا، اور نرمداشنکر ایک نوجوان بت شکن اور سوسائٹی کی اصلاح کرنے والا تھا۔ اس نے کچھ انگریزی تعلیم حاصل کرلی تھی۔ نرمداشنکر کو ہر ایک پرانی چیز سے نفرت تھی۔ یہ دو برابر کی لیکن ایک دوسرے کی رقیب قوتیں ایک دوسرے سے جنگ کرتی تھیں۔ ان شاعروں کے مزاج اور فطرت کا عکس ان کی تصانیف میں نمایاں ہے۔ دلپت رام ارتقاپر عقیدہ رکھتا تھا اور نرمداشنکر سوسائٹی کی اصلاح اور بہبودی کے کام میں انقلابی خیال رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ ذات پات کے نظام کا ایک ہی وار میں کام تمام کردے۔ دلپت رام اس بات کا سبق دیتا تھا کہ سوسائٹی کی ترقی کے کام کو آہستہ آہستہ اور بتدریج کرنا چاہیے۔ اس دیرپا جنگ سے لٹریچر پر بہت فائدہ مند اثر ہوا۔

نرمداشنکر اور دلپت رام گجراتی لٹریچر کے قابل احترام شاعر کہلائے جانے لگے۔ دلپت رام نے ہمارے لٹریچر میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ اس کی زبان سنجیدہ، متین، معمولی ظریف اور پُرمعنی ہے۔ اس کے "دھرے" اور "چھند" اس بات کے ثبوت ہیں۔ اس نے ہمیں چند گربے بھی دیے ہیں۔ اس پر خدا کی طرف سے ایک عجیب بخشش تھی کہ وہ "پاڈوں" کو فی البدیہہ کہہ لیا کرتا تھا۔ بحیثیت ایک آدمی کے وہ سادہ مزاج اور وفادار تھا اور حکومت اور عوام دونوں اس سے محبت کرتے تھے۔ نرمداشنکر خود سر، مضطرب اور تخیل رکھنے والا اور مصلح تھا۔ اور بحیثیت ایک شاعر کے نوجوان طبقہ اُسے بہت پسند کرتا تھا۔ اس کی شاعری میں زور ہے اور اس کے "ویرراس" میں شجاعت کے جذبات ہمیں بہادر بناتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ کام کو شروع کرنے کے بعد بہرحال اُسے ختم کرنا چاہیے۔ نرمداشنکر ہی پہلا شخص ہے جس نے گجراتی لٹریچر میں نثر کی ابتداء کی۔ مادر وطن سے اُسے بہت محبت تھی۔ اس کی نظم بر عنوان "اے باوقار گجرات تیری فتح ہو" بطور ایک قومی ترانہ کے پیش کی جاسکتی ہے۔ نرمداشنکر پہلا شخص تھا جس نے گجراتی ڈکشنری (لغت) لکھی تھی۔ بھولا ناتھ۔ سارابھائی نے گجراتی لٹریچر میں "ایشور بھگتی" (خدا کی عبادت) کی نظیر

لکھنے کی پہلے پہل بنا ڈالی تھی۔

کیا کوئی ایسا گجراتی ہے جس نے "لاٹھی" (واقع کاٹھیاواڑ) کے ٹھاکر صاحب شری سورسنگھ گوہی کا نام نہیں سُنا؟ صرف وہی ایک ایسی مثال ہے جو بادشاہ بھی تھا اور شاعر بھی۔ اس کا تخلص "کلاپی" تھا۔ اس کی موسیقی کی آواز ایسی ہی شیریں تھی جیسے برسات کے موسم میں کسی مست اور بے رنیق طاؤس کی۔ اس کے زمانہ میں بہت سے نئے اور مختلف عناصر گجراتی لٹریچر میں داخل کیے جا رہے تھے۔ گجرات میں انگریزی تعلیم کے جاری ہونے سے رفتہ رفتہ انگریزی زبان کی خصوصیات بھی ہمارے لٹریچر میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اب تک شاعری کا نفس مضمون عشق الٰہی تھا۔ کلاپی نے اپنی نظموں میں دنیاوی عشق داخل کر دیا۔ کلاپی نوجوانوں اور طالب علموں کا مقبول شاعر ہے۔ اس کی نظمیں عشقیہ جذبات (پریم رس) سے پُر ہوتی ہیں۔ ان خطوط میں جو اس نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں ادبی چاشنی ہے اور وہ بہت اچھے ہیں۔ وہ شاعر کی بہ نسبت عاشق مزاج زیادہ ہے۔ اس کی نظمیں ذاتی تجربہ کے حسن سے رنگی ہوئی ہیں۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے حلقۂ احباب میں بہترین لٹریری اشخاص تھے۔ منی لال، ناتھو بھائی، دوویدی سامل داس کالج بھاؤنگر میں سنسکرت کا پروفیسر تھا۔ اس نے بہت سے مضامین لکھے ہیں۔ اور ان میں سے ایک مضمون جو اس نے کیرکٹر پر لکھا ہے قابل توجہ ہے۔ پریا نند کے تماشوں کو چھوڑ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب تک گجراتی میں ڈراموں کا لٹریچر نہ تھا۔ اس کا ڈرامہ "کانتا" گجراتی ڈراموں میں سے ہے۔ اس نے بہت سے سنسکرت ڈراموں مثلاً "اتر رام چرتر" "شکنتلا" وغیرہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اُس نے بہت سے فلسفیانہ مضامین بھی لکھے ہیں۔ وہ گو سنسکرت کا پروفیسر تھا لیکن اس نے غزل لکھنے کی تتبع فارسی الفاظ کو گجراتی الفاظ میں استعمال کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ کی ہے، مثلاً اُمید لاکھوں ناکامیوں کے اندر پوشیدہ ہے۔ رحم معشوق کے خنجر کے اندر چھپا ہوا ہے۔ میں نے جدائی کے ایام آہ و زاری اور اشک بہا بہا کر گزار دیے ہیں اگر میرے حلق پر خنجر بھی چل جائے پھر بھی وصال کی تمنا مجھ سے جُدا نہ ہوگی۔

گووردھن مادھورام تربیدی گجراتی لٹریری کانفرنس کا پہلا پریسیڈنٹ گجراتی مصنفوں میں نہایت ممتاز جگہ رکھتا ہے۔ وہ ایل ایل بی اور ناڈیاد (نڑیاد) کا ناگر برہمن تھا۔ وہ گجراتی سنسکرت اور انگریزی کا بہت ہی پرشوق طالب علم تھا۔ اُس وقت گجراتی زبان عجیب حالت میں سے گزر رہی تھی متین اور عالم اشخاص کی تو یہ کوشش تھی کہ گجراتی کو سنسکرت کے ساتھ ملا دیا جائے اور نئے تعلیم یافتہ نوجوان اس بات کے لیے انتہائی کوشاں تھے کہ گجراتی کو انگریزی کے زیر اثر لے آئیں۔ گووردھن نے اس رسہ کشی کو بہت کامیابی کے ساتھ طے کر دیا۔ اس نے خوبصورتی کے ساتھ تینوں زبانوں سنسکرت، انگلش اور گجراتی کی خصوصیات کو اختیار کر کے ان کو باہم ملا دیا۔ اُس کا آخری ناول "سرسوتی چندر" گجراتی لٹریچر میں بہترین تصنیف ہے۔ وہ چار حصوں میں شائع کی گئی ہے۔ گووردھن نے اپنے علم کے خزانہ کو اُسی تصنیف میں ختم کر دیا ہے۔ اس کے کیرکٹر نہایت اعلیٰ ہیں۔ وہ ایک بڑے متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ خاندان کا معاشرتی ناول ہے۔ ہم اس کے نمو داور (ہیروین) کُسُم (اُس کی بہن) اس کے سرسوتی چندر (ہیرو) وشنوداد، بدھی دان وغیرہ کو ہم اپنی باطنی نظر کے سامنے دیکھتے ہیں۔ اس ناول کا گجراتی سوسائٹی پر بہت ہی اچھا اثر ہوا ہے۔ المختصر گجراتی سوسائٹی مثل سرسوتی چندر بن گئی ہے۔ اس نے گجراتی کے بڑے بڑے شاعروں کی زندگی پر انگریزی میں بعض مضامین لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں اُس نے اپنی نظموں کا مجموعہ شائع کیا ہے جس کا نام محبت کی انگشتری (سنہ مدرا) رکھا ہے۔ اس کی نثر کا تتبع بہت کیا جاتا ہے۔ ۱۹۰۷ء میں وہ مر گیا۔

اب ہم اپنے زمانہ میں پہنچ گئے ہیں۔ اس زمانہ کے موجودہ گجراتی شاعروں اور مصنفوں کی نسبت اگر کچھ لکھا جائے تو شاید ہمارا مضمون قابل اعتراض بن جائے۔ اس لیے ہم اس کو آئندہ مورخ کے حوالہ کرتے ہیں، تاہم ختم کرنے سے پہلے گجراتی لٹریچر کی موجودہ حالت کے متعلق مختصر طور پر ضرور کچھ کہیں گے۔ گجراتی زبان کو بہت ترقی کر گئی ہے، کئی ماہواری رسالے شائع ہوتے ہیں۔ کالجوں میں بھی گجراتی پڑھائی جاتی ہے۔ گجراتی لٹریچر کے تمام شعبوں پر کئی عالم لکھنے والے

ہیں۔ناول بھی لکھے جاتے ہیں۔کنہیا لال منشی اور نرائن ٹھکر مہذب ناول لکھتے ہیں نثر کا لٹریچر بھی بہت صاف، سادہ اور شائستہ ہے۔آج زبان کی سادگی نے لٹریچر میں مستقل جگہ حاصل کرلی ہے تصنع کے بجائے سادگی ہے عدم تعاون کی تحریک نے بہت قابل لکھنے والے پیدا کر دیے ہیں۔یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ اس تحریک نے ہمارے لٹریچر پر نئی روشنی ڈالی ہے۔اس نئی طرز کے خاص لکھنے والے تحریک کے روح و رواں۔ہمارے بزرگ اور محترم مہاتما گاندھی جی ہیں۔آج کل کے نثر لکھنے والوں میں یہ سب سے اول ہیں جس طرح ان کی زندگی پاک، سادہ، اور عبادت گزار ہے۔اسی طرح ان کی زبان بھی پاک و صاف سادہ اور شگفتہ ہے۔انہوں نے گجراتی نثر میں ایک نئی شاخ لگائی ہے شاعری بھی اعلیٰ بلندی پر پہنچ گئی ہے۔دلپت رام شاعر کا قابل فرزند ننھا لال آج کل لٹریری آسمان کا چاند ہے جس سے بہت سے مبتدی مستفید ہوتے ہیں، وہ بہترین شاعروں میں سے ہے اس کی نظمیں چاندنی رات کے مانند حسین اور دلفریب ہیں۔اس نے بھی شاعری میں نئی شاخ لگائی ہے۔اس کی نظموں کی خصوصیات "بلینک ورس" ہے۔اس کے ڈرامے بھی اسی طرز میں لکھے جاتے ہیں اس کے "گربے" گجرات میں بہت مشہور ہیں۔

آردشیر فرامجی خبردار[۱] ایک اور شاعر ہے۔جو گو پارسی ہے، مگر اس کی نظمیں پاکیزہ اور ادبی ہوتی ہیں۔حب وطن پر اس کی نظموں نے گجراتیوں کے قلوب میں جگہ کرلی ہے۔پروفیسر بلونت رائے کلیان رائے ٹھاکر کی عالمانہ اور فلسفیانہ نظمیں اعلیٰ سوسائٹی میں پڑھی جاتی ہیں۔نرسنھ راؤ، بھولا ناتھ ڈی وے ٹیا کو جدید انگریزی کو گجراتی شاعری کے ساتھ مدغم کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔اس کی وہ نظمیں جو فطرت کی تعریف میں لکھی گئی ہیں بہت خوشی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ان ناموں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شاعروں کی ایک کثیر تعداد گجرات کے گلستاں میں چہل قدمی کرتے ہیں تراجم سے بھی گجرات کے لٹریچر میں دوسری زبانوں کی خصوصیات کا اضافہ ہو رہا ہے۔دیوان بہادر کیشو لال۔ہرشد لال دھرو کے "مرود شک" شکونتل وغیرہ سنسکرت کے بعض عالمانہ تراجم ہیں۔ پروفیسر دھرو ایک بہت بڑا نقاد اور "فائیلولاجسٹ" ہے۔(بنارس ہندو یونیورسٹی کے) پروفیسر آنند شنکر

[۱] اول نام آردشیر فرامجی خبردار ہے اور خبردار تخلص ہے۔

دھروبھی سنسکرت کے ایک بڑے عالم تھے۔ وہ ادبی رسالہ "وسنت" کے مدیر اور مشہور نقاد تھے۔

مختلف صوبوں کی زبانوں مثلاً بنگالی، مرہٹی وغیرہ کے مطالعہ کا رواج گجرات میں ہو چلا ہے۔ ان زبانوں کی خصوصیات بھی گجراتی میں داخل کی جا رہی ہیں۔ علاوہ ازیں سائنس اور تاریخ کے علوم میں بھی کافی تحقیقات اور جد و جہد کی گئی ہے۔ ابھی حال میں ایک انسائیکلوپیڈیا بھی لکھی جا رہی ہے جس سے زبان کو بے انتہا فائدہ پہنچیگا۔

مندرجہ ذیل شعراء گجراتی زبان کے پیدا ہوئے جن کو گجرات میں کافی مقبولیت ہوئی۔

(۱) نرسنیہ مہتا جوناگڑھی متولد سنہ ۱۴۱۴ء (۲) میراں بائی (میواڑ) سنہ ۱۴۰۳ء / ۱۴۷۰ء (۳) بھالنٹر سنہ ۱۴۳۹ء / ۱۵۲۹ء (۴) اکھا سنہ ۱۶۱۵ء / ۱۶۷۵ء (۵) پریمانند۔ بڑودہ کا باشندہ تھا سنہ ۱۶۳۶ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۳۴ء میں انتقال کر گیا (۶) سامل۔ احمد آباد کا رہنے والا تھا۔ سنہ ۱۶۷۵ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۳۵ء میں فوت ہوا۔ (۷) دیارام ڈبھوئی میں قیام رکھتا تھا سنہ ۱۷۶۷ء میں پیدا ہوا، بڑا فاضل تھا۔ چودہ زبان کا عالم تھا سنہ ۱۸۵۲ء میں انتقال کیا۔ (۸) دلپت رام۔ اصل وطن آباؤ اجداد کا بھلیان تھا۔ پھر کاٹھیا واڑ میں آکر بسے اس کے بعد احمد آباد چلے آئے سنہ ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۸۹۸ء میں اس فانی دنیا کو خیرباد کہا۔ ان کا لڑکا بھی اس وقت گجرات کا بہترین شاعر ہے (۹) نرمداشنکر۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوا۔ سورت ان کا مسکن تھا۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں چل بسے (۱۰) نندشنکر سنہ ۱۸۳۵ء میں اس جہان میں آئے اور سنہ ۱۹۰۵ء میں یہاں سے کوچ کر گئے یہ سورت کے باشندے تھے۔

(۱۱) نول رائے۔ آپ کی ولادت سورت میں ہوئی سنہ ۱۸۳۶ء (۱۲) رنچھوڑ بھائی سنہ ۱۸۳۷ء میں تولد ہوا۔ اور سنہ ۱۹۲۳ء میں انتقال کیا (۱۳) بھگوان لال اندرجی ڈاکٹر سنہ ۱۸۳۸ء میں اس کی ولادت ہوئی سنہ ۱۸۸۸ء میں وفات پائی (۱۴) من سکھ رام سنہ ۱۸۴۰ء میں اس باکمال نے دنیا میں قدم رکھا یہ گجرات کا فردوسی ہے۔ اپنے اشعار میں غیر ملکی زبان سے بے حد احتراز کرتا ہے اور خالص گجرات کی زبان استعمال کرتا ہے۔ فارسی عربی وغیرہ کے الفاظ مشکل سے اس کے اشعار میں ملینگے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں اس نے دنیا کو وداع کیا۔ (۱۵) کیخسرو کابراجی سنہ ۱۸۴۲ء کی پیدائش ہے۔

اور ۱۹۰۱ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔ (۱۶) واگ جی ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۹۷ء میں وفات پائی۔ (۱۷) نارائن ہیم چندر ۱۸۵۵ء (۱۸) گوردھن رام ۱۸۵۵ء میں پیدائش ہوئی۔ اپنے وقت کے اہل کمال میں ان کا شمار ہے ۱۹۰۷ء میں اس جہان سے رخصت ہوئے۔

(۱۹) ہری لال۔ متولد ۱۸۵۶ء متوفی ۱۸۹۶ء (۲۰) منی لال نبھو بھائی ۱۸۵۸ء متوفی ۱۸۹۸ء

(۲۱) بالا شنکر ۱۸۵۹-۹۸ء (۲۲) انبالال شاکرلال ۱۸۴۴ء (۲۳) نتھورام ۱۸۶۲ء-۱۹۲۳ء

(۲۴) تری بھون داس ۱۸۶۳ء (۲۵) امرت لال پڈھی یار ۱۹۰۷ء (۲۶) بھوگندر راؤ ۱۸۷۵ء-۱۹۱۵ء (۲۷) رنجیت راؤ (۲۸) ڈایا بھائی ناٹک لکھنے میں وقت صرف کیا ۱۹۰۶ء

(۲۹) نہالال کوی ابن دلپت رام کوی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۵۵ سال ہوگی مگر بہ لکھنے میں آپ کو کمال ہے۔ یہ ایم اے ہیں اور فارسی سے بھی آشنا ہیں۔ ان کے علاوہ اس عہد میں نرسی راؤ۔ بلونت رائے ٹھاکر۔ کلاپی۔ منی شنکر متوفی ۱۹۲۴ء اور بوٹاڈکر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نوٹ: مجھے افسوس ہے کہ مسلمان گجراتی شعراء کے نام دستیاب نہیں ہوئے۔ حالانکہ اکثر احباب سے میں نے طلب کیے مگر نہ مل سکے۔ اگر کوئی صاحب اطلاع دینگے تو بیحد شکرگزار ہونگا۔

تقسیم ہند سے قبل نقشہ آبادی باعتبارِ تعلیم

م مقام	مجموعی آبادی	تعلیم یافتہ		غیر تعلیم یافتہ		انگریزی تعلیم یافتہ	
		مرد	عورت	مرد	عورت	مرد	عورت
مدآباد	۸۹۰۹۱۱	۱۰۸۱۶۰	۲۱۳۳۴	۳۶۸۱۰۶	۳۹۳۳۱۱	۱۲۴۴۲	۱۱۱۹
مروج	۳۰۷۷۷۴	۴۴۳۷۱	۵۲۰۲	۱۱۴۲۱۷	۱۴۳۹۵۵	۲۲۷۸	۱۶۸
ھیڑا	۷۱۰۹۸۲	۷۴۴۹۶	۱۰۳۸۴	۳۰۵۲۳۹	۳۲۰۸۶۳	۵۳۴۰	۱۶۹
محال	۳۷۴۸۶۰	۲۱۹۹۶	۲۹۰۵	۱۷۱۳۱۴	۱۷۸۵۵۵	۱۳۷۱	۷۴
ورت	۶۷۴۳۵۱	۹۵۵۰۴	۱۹۰۴۱	۲۴۱۸۸۳	۳۱۷۹۲۳	۹۹۲۲	۸۱۳
ھانہ	۷۵۹۹۱۶	۳۴۳۳۶	۶۲۰۸	۳۵۵۶۸۵	۳۶۳۶۸۷	۵۹۹۰	۷۶۵
نبایت	۷۱۶۶۲	۸۲۶۰	۱۷۹۱	۲۹۰۴۲	۳۲۶۶۹	۵۹۲	۱۳
چھ	۴۸۴۵۴۷	۳۵۷۸۱	۵۸۷۹	۱۹۹۵۸۲	۲۴۴۳۰۵	۱۶۰۳	۲۵
ٹھیاواڑ	۲۵۲۸۴۹۷	۲۲۸۳۱۴	۴۴۱۱۱	۶۳۰۴۰	۷۹۳۸۶	۱۵۵۷	۸۵
نگرجام نگر	۴۴۵۳۵۴	۲۶۶۵۱	۴۵۵۵	۱۴۷۶۲۴	۱۶۶۵۲۳	۲۰۵۵	۸۱
ناگرھ	۴۶۵۴۹۳	۳۷۱۰۵	۵۱۷۱	۲۰۰۱۵۹	۲۲۳۰۵۸	۳۱۲۴	۱۰۹
اؤنگر	۴۲۶۴۰۴	۴۵۸۷۵	۱۰۲۷۷	۱۷۴۷۲۸	۱۹۵۸۲۴	۶۲۹۴	۲۵۷
نڈل	۱۶۷۰۷۱	۱۹۹۵۵	۴۶۹۰	۶۳۰۴۰	۷۹۳۸۶	۱۵۵۷	۸۵
نپو ایجنسی	۵۱۸۵۶۶	۲۳۰۸۳	۱۹۰۸	۲۶۴۷۴۱	۲۴۶۸۳۴	۱۷۴۹	۴۹
پالنپور	۳۳۶۶۹۴	۱۰۷۹۱	۸۹۹	۱۱۱۵۹۲	۱۱۳۴۱۲	۱۱۵۰	۲۰
ی کانٹھا	۴۵۰۴۷۸	۲۲۷۸۰	۲۰۴۴	۲۰۴۱۹۴	۲۲۱۴۶۰	۶۰۲	۲۱
ایڈر	۲۲۶۳۵۱	۸۷۴۴	۶۸۰	۱۰۳۳۳۳	۱۱۳۵۹۴	۲۲۸	۵
یواکانٹھا	۷۵۳۰۵۸	۳۰۸۸۰	۴۹۹۵	۳۵۵۸۷۲	۳۶۱۳۵۷	۱۳۹۰	۱۲۳
رج پیپلا	۱۶۸۴۲۵	۱۱۶۳۴	۲۵۲۴	۷۴۸۸۴	۷۹۳۸۳	۵۴۹	۱۰۴
ورت ایجنسی	۱۷۹۷۵۴	۷۲۶۸	۱۳۶۳	۸۵۱۱۳	۸۶۰۱۰	۷۰۲	۴۵

کاٹھیاواڑ کی مسلم تعداد تعلیم یافتہ

کل مسلم	۱۶۱۱۰۲	غیر تعلیم یافتہ مرد	۱۱۹۷۷۰
اناث تعلیم یافتہ	۳۶۸۲	غیر تعلیم یافتہ عورتیں	۱۶۷۷۸۰
مرد تعلیم یافتہ	۴۵۰۱۴		
انگریزی تعلیم یافتہ	۱۹۳۱		
انگریزی تعلیم یافتہ عورتیں	۵۹		

نوٹ: یہ اعداد ۱۹۳۱ء کی مردم شماری سے اخذ کیے گئے ہیں۔

تقسیم ہند سے قبل گجرات و کاٹھیاواڑ کا تعلیمی نقشہ

نام	فی ہزار مرد	فی ہزار عورت	مجموعہ
۱۔ بڑودہ	۲۴۰	۴۷	۲۸۷
۲۔ کاٹھیاواڑ	۲۱۳	۴۱	۲۵۴
۳۔ برٹش گجرات	۲۵۴	۴۹	۳۰۳
۴۔ ضلع احمد آباد	.	.	۱۰۳
۵۔	۳۴۲	۱۱۰	۴۵۲

باعتبار مذہب کے تعلیم یافتوں کی تعداد

	ہندو	مسلم	جینی	پارسی	عیسائی
برٹش گجرات	۸۱ فی ہزار	۵۴ فی ہزار	۳۱۱ فی ہزار	۷۳۲ فی ہزار	۳۵۰ فی ہزار
تمام گجرات و کاٹھیاواڑ مرد	۱۹۸	۲۹۶	۸۵۵		۲۳۲
عورت	۳۲	۳۲	۳۰۴		۳۸

گجرات کی مفصل آبادی مندرجہ ذیل ہے سنہ ۱۹۲۱ء

نمبر	نام ضلع	رقبہ مربع میل	شہر	گاؤں	آبادی	مرد	عورت
۱	احمد آباد	۳۸۲۴	۱۲	۸۵۹	۸۹۰۹۱۱	۴۷۶۲۶۶	۴۱۴۶۴۵
۲	کھیڑا	۱۵۹۶	۱۰	۵۶۹	۷۱۰۹۸۲	۳۷۹۷۳۵	۳۳۱۲۴۷
۳	پنچ محال	۱۶۰۶	۵	۶۶۳	۳۷۴۸۶۰	۱۹۳۰۰۴	۱۸۱۴۶۰
۴	بھروچ	۱۴۶۸	۴	۴۰۰	۳۰۷۷۴۵	۱۵۸۵۸۸	۱۴۹۱۵۷
۵	سورت	۱۶۵۱	۵	۷۷۷	۶۷۴۳۵۱	۳۳۷۳۸۷	۳۳۶۹۶۴
۶	کھنبایت	۳۵۰	۲	۸۴	۷۱۷۶۳	۳۷۳۰۳	۳۴۴۶۰
۷	کچھ	۸۱۶۷	۹	۹۳۱	۴۸۴۵۴۷	۲۳۵۳۶۳	۲۴۹۱۸۴
۸	بھاؤنگر	۲۸۶۰	۱۱	۶۴۷	۴۲۶۴۰۴	۲۲۰۳۰۳	۲۰۶۱۰۱
۹	گونڈل	۱۰۲۴	۵	۱۷۰	۱۶۷۰۷۱	۸۲۹۹۵	۸۴۰۷۶
۱۰	جام نگر	۳۷۹۱	۳	۶۸۳	۳۴۵۳۵۳	۱۷۴۲۷۵	۱۷۱۰۷۸
۱۱	جوناگڑھ	۳۲۸۴	۷	۸۶۴	۴۶۵۴۹۳	۲۳۷۲۶۴	۲۲۸۲۲۹
۱۲	بقیہ کاٹھیاواڑ	۹۹۵۲	۲۶	۱۹۲۷	۱۱۳۴۱۷۶		
۱۳	پالن پور	۱۷۶۶	۱	۵۴۰	۲۳۶۶۹۴	۱۲۲۳۸۳	۱۱۴۳۱۱
۱۴	پالنپور ایجنسی	۶۳۹۳	۳	۱۲۳۸	۵۱۸۵۶۶	۲۶۹۸۲۴	۲۴۸۷۴۲
۱۵	مہی کانٹھا ایجنسی	۳۱۲۴	۷	۱۸۹۴	۴۵۰۴۷۸	۲۲۶۹۷۴	۲۲۳۵۰۴
۱۶	ایڈر	۱۶۶۸	۳	۱۰۱۰	۲۲۶۳۵۱	۱۱۲۰۷۷	۱۱۴۲۷۴
۱۷	راجپیپلا	۱۵۱۷	۱	۶۹۴	۱۶۸۴۲۵	۸۶۵۱۸	۸۱۹۰۷
۱۸	ریوا کانٹھا ایجنسی	۴۹۵۶	۶	۲۸۹۵	۷۵۳۰۵۸	۳۸۶۷۵۶	۳۸۶۳۰۲
۱۹	سورت ”	۱۹۵۷	۲	۶۶۴	۱۷۹۷۵۴	۹۲۳۸۱	۸۷۳۷۳
۲۰	بڑودہ	۸۶۰۰			۲۱۳۰۰۰۰		
	کل کاٹھیاواڑ	۲۰۹۱۱	۵۵	۴۲۹۱	۲۵۳۸۴۹۷	۱۲۹۰۶۵۴	۱۲۴۷۸۴۳

(گورنمنٹ کی کتاب مردم شماری سنہ ۱۹۲۱ء)

نوٹ:۔ اب تمام ریاستیں یعنی کھنبایت، بڑودہ، جوناگڑھ وغیرہ اور تمام ایجنسیاں بھارت کے صوبوں سے ملحق ہوگئیں اور ان ریاستوں کے راجاؤں اور نوابوں کی پنشن مقرر کردی گئی ہے۔

خاص احمد آباد شہر کی آبادی قبل تقسیم ہند

ہندو	مسلم	حیاتی	یہودی	لامذہب	عیسائی	جینی	بودھ	پارسی	سکھ	کل آبادی
۱۹۸۵۹۶	۵۳۸۲۸	۶۷	۲۱۷	۱۴	۲۴۰۵	۱۷۳۱۲	۱	۱۵۶۲	۵	۲۷۴۰۰۷

باشندگان گجرات کا مذہب

اس ملک کے لوگ جس طرح مختلف النسل ہیں اسی طرح مختلف المذاہب بھی ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل مذاہب عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

مسلم، پارسی، کرسچن، یہودی، جین، بودھ، سناتنی، آریہ سماجی، شیو یا سمارت رلنگائت وشنو، سوامی نارائن، برھمو سماج، پرارتھنا سماج، کبیر پنتھ، ولب اچاریہ، رامانند لیکن زیادہ تعداد وشنو اور سوامی نارائن، ولب آچاریہ اور رامانند کے مقلدین کی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہر مذہب کے متعلق مختصر معلومات ناظرین کے لیے بہم پہنچاؤں۔ مگر قصداً میں نے اس سے احتراز کیا ہے اور اپنے کو اس خار دار مقام سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ میری کتاب میں اگر کوئی جملہ ایسا مل جائے جو کسی مذہب کے خلاف ہو، تو اس کو برائے مہربانی ناواقفیت یا نیک نیتی پر محمول کریں کہ ہرگز میرا منشاء ایسا نہ ہوگا۔ مذہب کے لحاظ سے ان کی تعداد مندرجہ ذیل ہے[1]

---

[1] تعداد کے متعلق تمام اعداد و شمار کے لیے میں اپنے برادر عزیز پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم۔اے اسماعیل کالج بمبئی کا مشکور ہوں جنھوں نے اس معاملہ میں میری کافی دستگیری کی۔

نمبر	نام مقام	مجموعی تعداد	ہندو	مسلمان	عیسائی	بودھ	جین	سکھ	پارسی	یہودی	جنگلی	دیگر اعتقادات	
۱	احمدآباد	۳۶۵۳۰۱	۲۵۹۴۰۵	۷۶۷۹۴	۲۸۳۶	۱	۲۴۳۰۹	۵	۱۶۰۸	۲۱۸	۱۱۱	۱۴	یہ چھ ضلع گجرات کے سرکاری شمالی حصہ ہیں۔
۲	بھروچ	۷۰۰۹۶	۴۷۷۶۱	۱۷۷۷۳	۷۵۷	۴	۱۶۱۹	۴	۱۸۷۶	۱	۳۰۵	۶	
۳	کھیڑا	۱۱۶۵۳۴	۸۵۷۰۴	۲۳۵۲۹	۳۶۸۱	۰	۳۴۶۶	۱۸	۸۳	۴	۴۹	۰	
۴	پنچ محال	۵۴۷۵۸	۳۱۶۶۳	۲۰۷۲۶	۴۲۲	۰	۱۱۵۰	۰	۲۰۱	۱۲	۵۲۴	۰	
۵	سورت	۱۵۸۹۷۷	۱۱۳۸۳۲	۳۲۲۲۴	۱۲۷۸	۶	۴۸۵۶	۳	۶۵۵۸	۵۸	۱۴۸	۱۹	
۶	تھانہ	۷۱۹۲۴	۵۲۹۰۱	۱۲۲۷۳	۵۳۰۵	۴	۳۸۸۸	۳	۳۹۵۴	۲۳	۱۳۳	۱۴	
۷	کچھ	۷۹۶۷۲	۴۳۵۶۲	۲۷۴۳۲	۳۱	۰	۵۲۸۹	۰	۶۸	۱	۲۸۹	۰	
۸	کھنبایت	۳۱۴۳۴	۲۲۱۴۸	۶۵۴۴	۷۲	۰	۲۵۵۵	۰	۱۱۵	۰	۰	۰	
۹	کاٹھیاواڑ	۹۱۳۳۸۶	۳۹۰۷۸۴	۱۶۷۷۷۷	۶۹۷	۰	۵۲۶۱۳	۰	۶۵۶	۸۱۵	۴۴	۰	
۱۰	مہی کنٹھا ایجنسی	۳۰۸۵۷	۲۴۵۱۸	۳۷۲۶	۲۲	۰	۲۵۹۰	۰	۱	۰	۰	۰	
۱۱	پالن پور ایجنسی	۳۳۹۶۳	۱۸۷۸۹	۱۱۷۷۳	۱۶۹	۰	۳۰۵۴	۵۶	۱۰۷	۴	۱۱	۰	
۱۲	ریوا کنٹھا ایجنسی	۴۳۳۳۴	۳۲۱۳۵	۱۰۱۰۲	۱۰۲	۰	۴۵۴	۳	۱۳۲	۸	۳۹۸	۰	
۱۳	سورت ایجنسی	۱۰۷۷۵	۸۸۸۶	۱۶۷۰	۱۷	۰	۹۶	۰	۱۰۰	۰	۷	۰	

زمانہ قدیم میں گجرات کی تقسیم

مختلف زمانوں میں مختلف سلطنتوں کے ماتحت رہنے کے سبب گجرات کے حدود اور انتظامی تقسیم (ضلع وار) میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ زمانہ قدیم میں گجرات کی جو تقسیم کی گئی تھی اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) پاٹن واڑہ (۲) چون وال (۳) میواس (۴) بھال (۵) چروتر (۶) کانم (۷) پال۔

بعض لوگوں نے اس کی تقسیم اس طرح پر کی ہے:-

(۱) کانم بھروچ سے بڑودہ تک کا علاقہ (۲) چروتر۔ بڑودہ سے محمود آباد تک (۳) بھال دھولکا اور دھن دھولکا کا علاقہ (۴) بڈھیار۔ رادھن پور اور پنچاسر کا علاقہ (۵) ایڈر (۶) پرانتیج۔

لیکن فی الحال گجرات مغربی ہند میں ملک ہندستان کا ایک حصہ ہے جو صوبہ بمبئی کے اندر گورنر بمبئی کے ماتحت ہے۔ سہولت کے خیال سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے تمام ملکی تقسیم کا حال لکھوں۔ ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء سے ہندوستان میں جو جدید تقسیم ہوئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:-

(۱) شمالی مغربی سرحدی صوبہ	صدر مقام پیشاور
(۲) صوبۂ پنجاب	" لاہور
(۳) دہلی کا صوبہ	" دہلی
(۴) صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ	" الہ آباد (اب ۱۹۲۱ء میں لکھنؤ ہو گیا)
(۵) صوبہ بہار و اُڑیسہ	" عظیم آباد پٹنہ (اور اب ۱۹۳۶ء میں اُڑیسہ الگ صوبہ ہو گیا)
(۶) صوبہ بنگال	" کلکتہ

(۷) آسام　　　　　صدر مقام گوہاٹی

(۸) ممالک متوسط و برار　　〃　ناگپور

(۹) ریاست راجپوتانہ و مارواڑ 〃 اجمیر

(۱۰) صوبہ مدراس جس میں شمالی ارکاٹ جنوبی ارکاٹ، نظام میسور وغیرہ شامل ہیں　〃 مدراس

(۱۱) صوبہ بمبئی جس میں بمبئی، گجرات، کچھ کاٹھیا واڑ، مہاراشٹر اور سندھ شامل ہیں　〃 بمبئی　اب ۱۹۳۶ء میں سندھ بمبئی سے الگ کر کے مستقل صوبہ بنا دیا گیا ہے۔

(۱۲) برھما　　〃 رنگون　اب برھما ہندستان سے الگ کر دیا گیا۔

ہندستان کے صوبہ گجرات کی یہ قدیم تاریخ جو ۱۹۳۰ء میں تحریر کی گئی تھی، بعض اسباب کی بنا پر زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ اس پر جغرافی حالات کا اضافہ ضروری سمجھ کر ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۱ء تک کے حالات اور اعداد و شمار تحریر کیے گئے لیکن ۱۹۴۷ء میں اچانک ہندستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ مغربی جانب سرحد، بلوچستان، سندھ اور نصف حصہ پنجاب کا، اور مشرقی جانب نصف حصہ بنگال اور کچھ ضلعے آسام کے ملا کر ایک نیا ملک تجویز کیا گیا جس کا نام "پاکستان" رکھا گیا۔ اور ہندوستان کے باقی صوبوں کا نام "بھارت" ہوا لیکن اس تقسیم سے خود صوبہ گجرات پر کوئی جغرافی اثر نہیں پڑا، سوائے اس کے کہ کچھ ہزار مسلمان یہاں سے پاکستان چلے گئے اور کچھ ہزار سندھی گجرات آکر آباد ہو گئے۔

البتہ سیاسی اعتبار سے بھارت کے تمام دوسرے صوبوں کی طرح صوبہ بمبئی میں بھی ریاستیں، زمینداریاں اور جاگیرداریاں سرکار ہند نے ختم کر دیں۔ نوابوں، راجاؤں کو پنشن دیدی گئی، اور تمام ریاستیں صوبہ میں ملحق ہو کر ایک گورنر (راج پال) کے ماتحت ہو گئیں۔

پھر ۱۹۵۶ء میں بھارت کے تمام صوبوں کی جدید حد بندی کی گئی، اور بھارت کو چودہ

صوبوں میں تقسیم کیا گیا اور بجائے صوبوں کے ان کا نام اسٹیٹ رکھا، ہر صوبہ میں ایک گورنر رہیگا لیکن قانونی اختیارات عوام کے منتخب ممبروں کی مجلس کو حاصل ہونگے۔ انہی میں سے وزیروں کا انتخاب ہوگا جو اپنے اپنے محکمہ کا چارج لے کر ملک کا انتظام کرینگے اور انہی میں سے وزیراعظم منتخب ہوگا۔

ان چودہ صوبوں کے علاوہ ملک کے چند چھوٹے چھوٹے حصے بھی ہیں جو براہ راست مرکزی سرکار کے ماتحت ہونگے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

جزائر انڈمان ونکوبار، دہلی، ہماچل، جزائر لکادیپ وامین دیپ، منی پور، تری پورہ وغیرہ۔

چودہ صوبوں کی جدید حد بندی مندرجہ ذیل ہے:۔

صوبے	مربع میل	آبادی دس لاکھ میں	پایۂ تخت
(۱) آندھرا (تلنگانہ)	۱۱۰۲۵۰	۳۲٫۲	
(۲) آسام	۸۴۹۲۴	۹٫۰	گوہاٹی، شیلانگ
(۳) بہار	۶۷۸۳۰	۳۸٫۹۳	پٹنہ
(۴) بمبئی	۱۸۸۲۴۰	۴۷٫۸	بمبئی
(۵) جموں و کشمیر	۹۲۷۸۰	۴٫۴	سری نگر
(۶) کیرالا	۱۴۹۸۰	۱۳٫۶	تری وندرم
(۷) مدھیہ پردیس	۱۷۱۳۷۰	۲۶٫۱	بھوپال
(۸) مدراس	۵۰۱۷۰	۳۰٫۱	مدراس
(۹) میسور	۷۲۷۳۰	۱۹٫۰	میسور، بنگلور
(۱۰) اڑیسہ	۶۰۱۴۰	۱۴٫۶	کٹک
(۱۱) پنجاب	۴۶۶۱۶	۱۶٫۰	

صوبے	مربع میل	آبادی دس لاکھ میں	پایۂ تخت
(۱۲) راجستھان	۱۳۲۳۰۰	۱۶٫۰	جے پور
(۱۳) اُتر پردیش (اودھ)	۱۱۳۴۱۰	۶۳٫۲	لکھنؤ
(۱۴) مغربی بنگال	۳۳۲۷۹	۲۶٫۶	کلکتہ
(۱۵) دہلی			دہلی
(۱۶) منی پور			منی پور
(۱۷) تری پورہ			تری پورہ
(۱۸) جزائر انڈمان و نکوبار			پورٹ بلیر
(۱۹) ہماچل			
(۲۰) جزائر لکادیپ			

اس حدبندی سے اس میں شک نہیں کہ صوبہ بمبئی پہلے سے بہت زیادہ بڑا ہوگیا ہے لیکن اس سے گجرات کے جغرافی حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ ڈانگ کا ضلع جو سورت سے متصل تھا وہ اب مرہٹوں کو دیدیا گیا۔ اس وقت صوبہ بمبئی وسعت کے اعتبار سے ناگپور سے بمبئی تک (مشرق سے مغرب) اور بھج (کچھ) سے لیکر حیدرآباد (کی سرحد) تک پھیلا ہوا ہے۔ ملک کے اعتبار سے ناگپور، برار، حیدرآباد کے ڈو مرہٹی صوبے، خاندیس، کرناٹک، مہاراشٹر، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ سب صوبہ بمبئی میں شامل ہیں۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے انگریزی گورنمنٹ سے قبل گجرات ایک مستقل صوبہ تھا جس کا پایۂ تخت احمدآباد تھا۔ بمبئی، خاندیس، سرحد سندھ اور مالوہ تک اس کا علاقہ پھیلا ہوا تھا۔ کوہ آبو کا علاقہ اس کا باج گزار تھا۔ لیکن برٹش گورنمنٹ نے بمبئی کو پہلے بندرگاہ، پھر صوبہ کا پایۂ تخت بنا ڈالا اور پھر آہستہ آہستہ جس قدر ملک ان اطراف کے فتح ہوتے گئے، صوبہ بمبئی میں شامل کرلیے، جو آج تک قائم ہیں۔

راقم الحروف کو چونکہ صرف گجرات کی تاریخ لکھنی ہے اس لیے جدید اعداد و شمار
کے دیے جاتے ہیں جو ۱۹۵۱ء کی رپورٹ مردم شماری سے منقول ہیں:۔
گجرات نے ۱۹۴۷ء (آزادی کے بعد) سے تعلیمی، صنعتی، زراعتی، معاشرتی کس قدر ترقی کی
مفصل بیان تو تیسری جلد میں ہوگا لیکن یہاں میں صرف تعلیمی ترقی کا مختصر بیان کر دینا
سمجھتا ہوں۔
۱۹۴۷ء سے گجرات نے تعلیم میں کافی ترقی کی ہے۔ آزادی سے قبل یہاں چند کالج
ہائی اسکول تھے لیکن جب سے یہاں یونیورسٹی قائم ہوئی ہے تعلیم میں بیحد اضافہ ہوگیا
سے پہلے احمد آباد میں "گجرات یونیورسٹی" قائم ہوئی جس کا دائرۂ اثر گجرات، کاٹھیاواڑ اور
ہے۔ اس کے بعد دوسری یونیورسٹی بڑودہ میں قائم کی گئی اور تیسری ولبھ نگر (آنند
مؤخر الذکر دونوں یونیورسٹیاں مقامی ہیں جن کا اثر صرف شہر تک محدود ہے۔ کاٹھیا
چند ہائی اسکول اور دو کالج تھے لیکن اب تقریباً دس کالج اور ہر بڑے شہر میں ہائی
ہو گئے ہیں۔ یہی حال گجرات کا ہے کہ کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے جہاں پرائمری اسکول
چھوٹا بڑا کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں ایک یا متعدد ہائی اسکول نہ ہوں۔ اسی طرح گج
ہر بڑے شہر میں ایک کالج موجود ہے لیکن ولبھ نگر، بڑودہ، اور احمد آباد میں یونیورسٹی
سبب سے متعدد کالج ہیں۔ چنانچہ ذیل کے نقشے اور فہرست سے ناظرین کو اندازہ ہو
گجرات نے تعلیمی لحاظ سے کس قدر ترقی کی ہے۔

صوبۂ گجرات کے ضلعوں کے اعداد و شمار

ضلع کا نام	رقبہ	شہر	گاؤں	آبادی	مرد	عورت
احمدآباد	۳۴۰۰ مربع میل	۲۱	۷۴۱	۱۶۸۵۶۳۰	۹۱۱۸۶۹	۷۷۳۷۶۱
کھیڑا مع کھنبایت	۲۵۶۴ "	۳۸	۲۵۶۴	۱۶۱۲۴۲۶	۸۴۳۲۵۰	۷۶۹۱۷۶
پنچ محال	۳۴۹۹ "	۸	۱۹۳۶	۱۱۴۸۴۳۲	۵۹۳۵۲۱	۵۵۴۹۱۱
بھروچ	۲۹۳۴ "	۷	۱۱۸۰	۷۰۶۰۲۵	۳۶۳۱۳۵	۳۴۲۸۹۰
سورت	۴۰۶۶ "	۱۵	۱۹۳۸	۱۸۲۷۸۴۲	۹۱۸۲۷۷	۹۰۹۵۶۵
کاٹھیاواڑ و سورٹھ	۱۳۶۵۴۵۹ ایکڑ	۴۴۲۷		۴۱۳۷۳۵۹	۲۰۹۴۴۴۲	۲۰۴۲۹۱۷
کچھ	۱۰۸۶۳۶۱۶ "	۹۷۴		۵۶۷۶۰۶	۲۷۲۹۷۷	۲۹۴۶۲۹
میسانہ	۴۱۲۵ مربع میل	۲۷	۱۲۳۸	۱۴۷۱۶۶۲	۷۳۸۵۲۸	۷۳۵۱۳۴
سابرکانٹھا	۲۳۰۴۷ "	۶	۱۶۴۴	۹۸۴۰۱۷	۳۴۶۷۷۴	۳۳۷۲۴۳
بناس کانٹھا	۳۹۰۸۵ "	۵	۱۳۳۱	۷۴۸۷۹۶	۳۸۴۰۸۲	۳۶۴۷۱۴
بڑودہ	۲۷۸۸ "	۱۰	۱۷۰۰	۱۱۹۴۷۴۶	۶۲۴۳۵۹	۵۷۰۳۸۷
امریلی[۱]	۱۵۳۶ "	۱۰	۳۴۵	۳۱۷۲۰۳	۱۶۰۹۷۴	۱۵۶۲۲۹
ڈانگ[۲]	۶۵۷ "	۰	۳۱۰	۴۷۲۸۲	۲۵۱۹۶	۲۲۰۸۶
شہر احمدآباد	۳۰ "	۰	۰	۸۷۰۰۰۰		

گجرات یونیورسٹی کے کالجوں کی تعداد ۴۲   گجرات یونیورسٹی ہائی اسکول کی تعداد ۲۸۴

وطب ودیانگر " " ۴   وطب نگر " " " ۴

بڑودہ یونیورسٹی " " ۹

خاص احمدآباد میں مندرجہ ذیل کالج ہیں:۔ (۱) گجرات کالج (۲) اس ال ڈی کالج (۳) راما نند کالج (۳) سینٹ زیویرز کالج (۵) لا کالج (۶) منی نگر کالج (۷) کامرس کالج (۸) لا کالج کی کمیٹی کے ماتحت آرٹ کالج (۹) اور کامرس کالج (۱۰ و ۱۱) لڑکیوں کے کالج (۱۲) ٹیچر کالج (۱۳) میڈیکل کالج

[۱] ۱۹۵۶ء سے اب یہ کاٹھیاواڑ میں شامل کر دیا گیا   [۲] اب یہ مہاراشٹر میں شامل کر دیا گیا۔

(۱۴) فارمیسی کالج (۱۵) انجینیرنگ کالج -

اور مندرجہ ذیل پوسٹ گریجویٹ اور ریسرچ ورک کی کلاسیں جاری ہیں -

(۱) اٹیرا احمد آباد میں سائنس کی ودیا سبھا اور گجرات یونیورسٹی میں آرٹ اور واڑی لال احمد آباد میں میڈیکل کی -

خاص احمد آباد کے متعلق

اس کا رقبہ بیس مربع میل ہے - بارش کا اوسط ۳۲ - انچ سالانہ ہے اور آبادی آٹھ لاکھ ستر ہزار ہے - بڑے بڑے کارخانوں کی تعداد اکھتر[۱] ہے - اور چھوٹے کارخانے پچاس ہیں - کارپوریشن کے ماتحت ابتدائی مدرسوں کی تعداد (۱۹۹) ہے - ابتدائی مدرسوں میں تعلیم پانے والوں کی تعداد ایک لاکھ تئیس ہزار ہے - اور ہائی اسکولوں میں تعلیم پانے والوں کی تعداد چالیس ہزار ہے اور کالج کے طلبا کی تعداد سات ہزار ہے -

اور احمد آباد خاص شہر میں مسلمانوں کی کل آبادی ایک لاکھ چار ہزار ہے[۱]

کاٹھیاواڑ اور کچھ کے منظور شدہ مدرسے

کاٹھیاواڑ کے اسکول	۵۲-۱۹۵۱ء	۱۹۵۲-۵۳ء		۵۲-۱۹۵۱ء	۱۹۵۲-۵۳ء
لڑکوں کے	۲۶۱۶	۲۷۴۵	لڑکوں کی تعداد	۲۲۸۸۹۳	۲۴۲۱۵۱
لڑکیوں کے	۲۵۱	۲۵۷	لڑکیوں کی تعداد	۵۵۲۰۳	۵۸۱۴۶
کچھ کے اسکول					
لڑکوں کے	۲۵۰	۲۹۰	لڑکوں کی تعداد	۱۹۴۰۱	۲۱۲۴۵
لڑکیوں کے	۳۸	۴۴	لڑکیوں کی تعداد	۳۶۱۱	۴۰۳۰

---

[۱] یہ تمام اعداد و شمار رپورٹ مردم شماری ۱۹۵۱ء اور سالانہ رپورٹ کارپوریشن آف احمد آباد سے ماخوذ ہیں - اور اس کے لیے جناب پٹھان والا صاحب ایم ہیڈ ماسٹر ری پبلک ہائی اسکول احمد آباد کا شکر گزار ہوں -

کاٹھیاواڑ میں غیر منظور شدہ سرکاری کوئی مدرسہ نہیں ہے لیکن کچھ میں مندرجہ ذیل ہیں:-

	سنہ ۵۲-۱۹۵۱ء	سنہ ۱۹۵۳ء		سنہ ۵۲-۵۱	سنہ ۱۹۵۳ء
لڑکوں کے مدرسے	۳۵۵	۱۳۳	لڑکوں کی تعداد	۱۴۴۸۹	۵۳۹۵
لڑکیوں کے مدرسے	۱۳۵	۵۰	لڑکیوں کی تعداد	۸۰۰۰	۲۴۰۰

ان اعداد سے معلوم ہوا کہ غیر سرکاری مدرسے روز بروز کم ہو رہے ہیں اور اسی حساب سے طلبہ کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے۔

کاٹھیاواڑ کا سالانہ تعلیمی خرچ مندرجہ ذیل ہے:-

	سنہ ۵۲-۱۹۵۱		سنہ ۱۹۵۳
لڑکوں پر	۱۱۸۸۱۷۳۰		۱۲۷۵۰۵۷۶
لڑکیوں پر	؍؍ ۱۸۷۵۹۲۶	؍؍	۲۰۱۲۲۴۵

کچھ کے سالانہ تعلیمی اخراجات مندرجہ ذیل ہیں

	سنہ ۵۲-۱۹۵۱		سنہ ۱۹۵۳
لڑکوں پر	۱۰۴۲۳۱۹		۱۰۵۹۸۵۳ [1]
لڑکیوں پر	؍؍ ۱۳۱۱۸۵	؍؍	۱۷۱۸۱۱

گجرات کی ملکی تقسیم

میری اوپر کی تحریر سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ گجرات موجودہ زمانہ میں سابق کی طرح کوئی مستقل صوبہ نہیں ہے بلکہ صوبہ بمبئی کا ایک حصہ ہے پس اس وقت گجرات کے مختلف حصے ہیں جن پر مختلف قسم کے حکام حکمراں ہیں۔ اول وہ حصہ جس پر خاص برٹش گورنمنٹ قابض ہے۔ دوسرا وہ خطہ جس پر بڑودہ ریاست کا قبضہ ہے۔ تیسرے ملک کے وہ چھوٹے بڑے قطعات جس پر چھوٹے بڑے راجگان اور نواباں حکمراں ہیں۔ ان کی حیثیت درحقیقت تعلقہ داران اودھ کی جیسی ہے لیکن گورنمنٹ نے والیاں کی فہرست میں داخل کر کے اُن کے حقوق اور اختیارات تسلیم کر لیے ہیں۔ سب سے پہلے

---

[1] یہ اعداد و شمار "ایجوکیشن ان انڈیا سنہ ۵۳-۱۹۵۲ء گورنمنٹ آف انڈیا" سے ماخوذ ہیں۔ اور اس کے لیے پروفیسر ڈاکٹر چھوٹو بھائی نائک ایم اے کا شکر گزار ہوں۔

میں مقبوضات برٹش گورنمنٹ کے اضلاع کو بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد ریاستوں اور بڑودہ کے ضلعوں کو بتاؤنگا۔ گورنمنٹ مقبوضہ گجرات چھ ضلعوں پر منقسم ہے۔

(۱) احمدآباد (۲) کھیڑا (۳) بھروچ (۴) سورت (۵) پنچ محال (۶) تھانہ۔ اس میں سے تھانہ ضلع درحقیقت مرہٹہ دیس (مہاراشٹر) کا علاقہ ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے اپنے مصالح ملکی کی بنا پر اس کو گجرات میں شامل کر دیا ہے۔ پس اس حساب سے اصلی ضلع گجرات جو مقبوضہ برٹش گورنمنٹ ہے وہ صرف پانچ رہے

احمدآباد۔ اس ضلع میں نو تحصیلیں ہیں (۱) شمالی دسکروئی (۲) جنوبی دسکروئی (۳) پران تیج (۴) ویرم گام (۵) دھولکا (۶) دھن دھولکا (۷) سانند (۸) مڑاسا (۹) گھوگھا۔ اور یہی مقامات اپنی اپنی تحصیلوں کے صدر مقامات ہیں، جہاں تحصیلدار رہتا ہے اور ہر تحصیلدار کے ماتحت بہت سے چھوٹے بڑے گاؤں ہیں، جہاں سے مالگزاری وصول کر کے صدر مقام کو بھیجتے ہیں۔ اور اس کے لیے ہر گاؤں میں ایک "پٹیل" اس عہدہ پر کسی کو مقرر کر رکھا ہے۔ اسی طرح کھیڑا ضلع ہے جس کے ماتحت مندرجہ ذیل تحصیلیں ہیں:۔

(۱) کپڑونج (۲) ٹھاسرا (۳) آنند (۴) نڑیاد (۵) محمودآباد (۶) ماتر (۷) بورسد

ایسا ہی پنچ محال کے متعلق ذیل کی تحصیلیں ہیں۔

(۱) گودھرا (۲) دوحد (داہود) (۳) کالول (۴) ہالول (۵) جالود

بھروچ میں ذیل کی تحصیلیں ہیں۔

(۱) بھڑوچ (۲) واگرہ (۳) آمود (۴) جمبوسر (۵) انکلیشور (ہان سوٹ)

سورت ضلع میں نو تحصیلیں ہیں

(۱) چوراسی (۲) اورپاڑ (۳) مانڈوی (۴) بارڈولی (۵) جلال پور (۶) ول ساڑ (۷) چکھلی (۸) پارڈی (۹) والوڈ۔

جزیرہ نما کاٹھیاواڑ کو پانچ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(۱) جھالا واڑ (۲) ہلار (۳) کاٹھیا واڑ (۴) گوہیل واڑ (۵) سورٹھ یا ناگھر[1]
ان میں چھوٹی بڑی بہ تعداد کثیر ریاستیں ہندو مسلم کی ہیں، جن کا ذکر پھر آگے چل کر بہ تفصیل کروں گا
بڑودہ راج کا علاقہ بھی بہت بڑا ہے۔ راجہ کا خاندانی مرہٹی نام گائیکواڑ ہے انتظام ریاست کے
لیے علاقہ کو چار حصوں پر تقسیم کیا ہے یعنی چار تحصیلیں بنائی ہیں۔ جہاں ایک فوجدار (یعنی کمشنر) رہتا
ہے۔ بڑودہ۔ کرٹی (اب اس کی جگہ میسانا ہو گیا ہے) نوساری، امریلی (۱) اسی امریلی کے نزدیک
کوڈی نار ہے۔ جہاں کی کل آبادی آٹھ ہزار ہے۔ اس میں سے چار ہزار مسلم ہیں، ایک مکتب بھی مسلمانوں
کا ہے۔ جناب پیر اصغر علی غلام محمد کا خاندان بحیثیت مشائخ کے اس دیار میں مشہور ہے۔ امریلی کی
طرف سے نائب صوبہ دار یہاں کا حاکم ہوتا ہے۔

جزیرہ نما کاٹھیا واڑ کے شمال مغرب میں "کچھ" کا علاقہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان خلیج کچھ
اور ریگستان خورد واقع ہے۔ کچھ کا دار السلطنت بھج ہے اور اس کا بندرگاہ مانڈوی مشہور جگہ ہے۔
کچھ کے معنی ساحل سمندر کی زمین کے ہیں۔ یہاں سے سنگ مرمر نکلتا ہے اور لوہے کا کام اچھا
ہوتا ہے، چھری خوب بنتی ہے۔ پھٹکری اور کھار بھی یہاں سے نکلتا ہے۔ چاندی کی نقاشی یہاں بہت
اچھی ہوتی ہے۔

(۱) ضلع احمد آباد میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے یعنی ۸۴ فیصدی اور مسلمان ۱۱ فیصدی
۵۴۰۳ عیسائی ہیں۔ اس ضلع کے لوگ زیادہ کُنبی کاشتکار ہیں جن کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ اس
ضلع کے قدرتی تین حصے ہیں (۱) پرانتیج (۲) ویرم گام، سانند، سکروئی، دھولکا، دھن دھوکا،
گھوگھ۔ اس ضلع کی زمین کالی اور کھوری دو طرح کی ہے۔ کالی زمین زیادہ تر روئی پیدا کرتی ہے
اور دوسری غلہ۔ ۲۲۸ مربع میل میں گندم۔ ۳۸۰ میں جوار۔ ۲۲۸ میں باجرہ اور ۴۸۰ میں روئی
پیدا ہوتی ہے۔ کمود چاول تحصیل ڈسکروئی میں پیدا ہوتا ہے اور دھولکا میں اچھا انار و امرود

---

[1] عہد قدیم میں تقسیم اس طرح تھی (۱) جھالا واڑ۔ رقبہ ۴۲۰۰ میل (۲) مچھوکانٹا رقبہ ۸۷۰ میل (۳) ہلار رقبہ ۶۲۰۰ میل
(۴) برڈہ ۵۰۰ میل (۵) سورٹھ ۴۰۰۰ میل (۶) بابریا واڑ رقبہ ۷۵۰ میل (۷) گوہیل واڑ ۲۸۶۰ میل (۸) اونڈ
سرویہ ۱۶۰۰ میل (۹) کاٹھیا واڑ ۴۰۰۰ میل (۱۰) اوکھا منڈل ۳۰۰ میل

ہوتا ہے دھن دھوکا کی گائے خوب دودھ دیتی ہے۔ خاص احمد آباد میں کاٹھیا واڑ، سندھ۔ کچھ کے گھوڑے زیادہ فروخت ہوتے ہیں۔ احمد آباد میں چونا بہت عمدہ ہوتا ہے۔ گھوگھہ تحصیل میں لوہا ہوتا ہے رنگ، ماچیں، تیل، صابن۔ کپڑے کے کارخانے بکثرت ہیں۔ کاغذ دیسی بھی یہاں تیار ہوتا ہے ریشم کے بیوپاریوں کا چیمبر اپنے حسن انتظام کے لیے مشہور ہے۔ ابھی حال میں المونیم کا کارخانہ اور پیتل کے برتن کا کارخانہ بمقام کالورپور کھولا گیا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں خاص احمد آباد میں وبائے عام کا ظہور ہوا جس میں کثیر تعداد نذر اجل ہوئی۔ ضلع احمد آباد کی کل آبادی ۸۹۰۹۱۱ ہے۔ اس میں سے خاص احمد آباد کی تقریبًا تین لاکھ اور پھر خاص مسلم آبادی ۵۳۸۲۸ ہے۔ جین لوگوں کی تعداد ۱۷۷۳۱۲ ہے[1] اور ان کے دیول ۱۲۰ ہیں۔ احمد آباد میں احمد شاہ کی مسجد نیز ہیبت خاں، سید عالم، ملک عالم سیدی شیدی سعید، قطب شاہ، سید عثمان، میاں خاں حبشی، شیدی بشیر، محافظ خاں، اچھوت بی بی، دستور خاں اور محمد غوث خاں کی جامع مسجدیں قابل دید ہیں۔ احمد شاہ کا مقبرہ، رانی کا حجیرہ (حضیرہ) دریا خاں کا گنبد۔ اعظم خاں کا مقبرہ، میر ابو کی قبر۔ شاہ وجیہ الدین کی درگاہ، سرخیز کی درگاہ۔ بٹوہ۔ شاہ عالمؒ اور پیر محمد شاہؒ کی درگاہ مشہور زیارت گاہیں ہیں۔ سوامی نارائن کا مندر ہٹے سنگھ۔ شانتی داس ہندؤں کی مشہور پاک جگہ ہے۔ ہری ہر (داداہری) کی باوڑی۔ ماتا بھوانی کی باولی کنکریا (کانکریہ) تالاب۔ تین دروازہ، شاہی باغ۔ اعظم خاں کا محل، ملک شعبان کا تالاب، چندولا کا تالاب جس کا دور بارہ میل ہے مشہور مقامات ہیں۔ اس کے علاوہ "نرڑ" احمد آباد سے ۳۰ میل دور جنوب مغرب میں ۴۹ میل مربع بڑا تالاب ہے لیکن پانی کھاری ہے۔ دھولکا میں ملاؤ۔ ویرم گام میں منسر بڑا تالاب ہے

(۳) کھیڑا۔ اس کا دور ۱۵۹۶ مربع میل ہے۔ اس کے شمال میں سابر کانٹھا ایجنسی مغرب میں احمد آباد اور مشرق وجنوب میں بڑودہ راج ہے اور مہی (ماہی) ندی بھی ہے۔ اس ضلع کا زمینی مرکز چروتر بہت سرسبز ہے۔ اور وہاں بیشمار میوہ دار درخت ہیں۔ مہی، واترک، سابرتی، شیڈھی، کھاری، میسوہ، مھور ندیاں اس ضلع کو سیراب کرتی ہیں۔

مہوہ، نیم، آم، سیتا پھل، کھرنی، اڑوسا اس ضلع کے میوہ جات ہیں۔ بجو، سیار، سؤر، ہرن

[1] یہ مردم شماری گزشتہ کے زمانہ کی ہے۔

خرگوش، بط، زہریلے سانپ، مچھلی اس ضلع میں بکثرت ہیں۔ ۳۴ انچ بارش۔ اوسط گرمی ۱۱۶ ڈگری اور سردی ۴۳ ڈگری انتہا درجہ پر ہوتی ہے۔ سید مبارک کا روضہ سجانی میں ہے۔ خاص کپڑونج میں ایک خوبصورت محراب، ایک کنڈ، ایک مسجد۔ مہادیو کا ایک مندر موجود ہے۔ جین کا ایک نیا مندر بھی ہے۔ اس ضلع کی کل آبادی ۱۰۹۸۲۷ ہے لیکن اب ۱۹۴۱ء میں ۱۱۰۰۰۷ ہے۔ اس کے متعلق گیارہ شہر اور ۵۹۸ گاؤں ہیں۔ ۸۵ فیصدی ہندو اور ۹ فیصدی مسلمان ہیں۔ ۳۶۸۱ عیسائی ہیں اور جین ۳۴۶۶ ہیں۔ مسلمانوں میں ۱۶۰۰۰ پٹھان اور دس ہزار بوہرہ ہیں۔ اس ضلع میں ۶۷ فیصدی کاشتکار ہیں۔ یہاں بھی بھوری، کالی بلکہ کئی طرح کی زمین ہے لیکن سب سے زیادہ شاداب ساحلی زمین ہے۔ ۱۳۰ مربع میل میں باجرہ ۱۶۲ مربع میل کودرا۔ ۱۱۵ مربع میل چاول ۹۱ مربع میل جوار۔ ۱۸ مربع میل گندم کی پیداوار ہے اور ۲۴ مربع میل میں تمباکو پیدا ہوتا ہے۔ ۱۸۳۷ء کے قبل یہاں نیل کی بڑی پیداوار تھی۔ تین فیصدی مربع میل نہری ہے۔ ۱۰۸۸۶ چاہ ہیں اور ۱۳۹۱ تالاب۔ لیکن موسم گرما میں اکثر خشک ہو جاتے ہیں۔ کپڑونج میں لوہا ملتا ہے۔ مگر آج کل نکالا نہیں جاتا ہے۔ یہاں ایک خاص قسم کا پتھر ہوتا ہے جو سل بٹہ کے لیے بہت مفید ہے اور اس کے پاس ماجم ندی سے عقیق نکلتا ہے۔ احمد آباد کی ملوں سے پہلے یہاں کپڑے خوب بُنے جاتے تھے اس ضلع کا پانی رنگوں کے لیے بہت مفید تھا۔ یہاں صابون اور شیشے کے کارخانے ہیں غلہ تمباکو، مکھن، تیل۔ مہوا کی برآمد اس سے ہوتی ہے۔ اور کپڑے، رنگ، ادویہ، وغیرہ کی درآمد ہوتی ہے مکھن اور گھی کے لیے یہ ضلع مشہور ہے۔ اس ضلع میں ۱۶۶ میل طویل پختہ سڑک ہے ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۴ء میں زلزلہ آیا تھا۔ اس ضلع کے مشہور گاؤں یہ ہیں: کپڑونج، محمود آباد، ڈھاسرا، ماتر، نڑیاد۔ کھیڑا، آنند، بورسد۔ ڈاکور۔

(۳) ترنج محل (مہال) اس ضلع کا رقبہ ۱۶۰۶ مربع میل ہے۔ ریوا کانٹھا ایجنسی نے اس کے دو حصے کر ڈالے ہیں۔ مشرقی اور مغربی۔

حدود اربعہ :۔ شمال میں لوناواڑہ۔ مشرق میں وانس واڑہ، جان بوا۔ جنوب بڑودہ، ریوا کانٹھا ایجنسی۔ مغرب میں بڑودہ، مہی ندی، کھیڑ ضلع۔ پانم اور اناس معاون دریائے مہی اس ضلع میں ہیں۔ اور واڈا میں ایک جھیل واقع ہے۔ جس میں ایک ٹیلہ ہے جو صرف گرمیوں میں معلوم ہوتا ہے۔ اسی ضلع میں کوہ پاواگڑھ ہے جو ۲۵۰۰ فٹ بلند واقع ہے۔ پاواگڑھ کا سلسلہ دکن کے پہاڑوں سے ملتا ہے، جو اب الگ ہو گیا ہے، گودھرا سے پچیس میل پر واقع ہے۔ پاوا کے معنی آتش کے

ہیں۔ پہلے یہ پہاڑ آتش فشاں تھا۔ اسی لیے اس کو پاوہ گڑھ کہتے ہیں۔ کیونکہ آتش فشاں پہاڑوں کے جیسے پتھر اس میں سے دستیاب ہوتے ہیں۔ گودھرا سے دس میل پر مقام لوواہیں سرد و گرم پانی کے چشمے ہیں۔ نباتات میں آم مہوا، املی، کھرنی، برگد، پیپل، ساج، بیر شریفہ، کنول وغیرہ ہیں۔ ۱۸۶۱ء میں جب انگریزوں نے اس پر قبضہ کیا تو اس وقت ہرن بہت تھے۔ گودھرا میں سانپ بکثرت ہیں۔ اوسط درجہ ۸۳ ڈگری موسم کا ٹمپریچر رہتا ہے۔ اور بارش اس ضلع میں ۳۰ سے ۴۰ انچ تک ہوتی ہے۔ پاواگڑھ کے پاس قلعہ چاپانیر ۸۰۰ء میں انہلواڑہ کے راجاؤں نے بنایا پھر ۱۲۰۰ء میں تون وار کے لوگوں نے قبضہ کیا۔ ۱۳۰۰ء میں پھر چوہانوں نے لیا۔ ۱۴۸۴ء میں محمود بیگڑہ نے فتح کیا۔ ۱۴۸۴ء سے ۱۵۳۶ء تک گجرات کا دوسرے نمبر پر پایۂ تخت رہا۔ ۱۵۳۵ء میں ہمایوں نے اس کو فتح کیا۔ ۱۵۷۳ء میں اکبر شاہ کے قبضہ میں آیا۔ ۱۷۲۷ء میں کرشنا مرہٹہ اور ۱۷۶۱ء میں سندھیا نے لیا۔ ۱۸۰۳ء میں کرنل وڈنگٹن صاحب نے قبضہ کرکے ۱۸۰۴ء میں سندھیا کو واپس کردیا۔ اور ۱۸۵۳ء میں سندھیا نے انگریزوں کو واپس کردیا۔ پاواگڑھ میں سات منزلہ ایک مکان ہے جہاں سے شاہی محلات کی بیگمات شکار کا تماشا دیکھتی تھیں اور اسی پر مکئی کوٹھار تھا۔ سب سے اوپر کالی ماتا کا مندر ہے۔ جہاں لوگ بکثرت درشن کو جاتے ہیں۔ پاواگڑھ کی جامع مسجد مشہور ہے لیکن مقبرے اور مسجدیں بے مرمتی سے زیر زمین ہو رہی ہیں۔ اس ضلع میں چار شہر اور ۶۶۳ گاؤں ہیں آبادی تین لاکھ سے زیادہ ہے[1]۔ ۸۰ فیصدی ہندو ہیں اور ۵ فیصدی مسلمان۔ ایک لاکھ بھیل ہیں، پچاس ہزار کولی جو زیادہ تر چوری اور لوٹ مار کا کام کرتے ہیں مسلمانان چاپانیر جو زیادہ تر فوجی اور زمیندار لوگ تھے۔ کاشتکاری اور لکڑہارے کا کام کرتے ہیں۔ سات ہزار سنی مسلمان اور پانچ ہزار بوہرے ہیں ۱۸۷۲ء میں ۴۴ عیسائی تھے اور ۱۹۰۱ء میں ۸۹۴ ہوگئے۔ دوحد میں ان لوگوں نے اپنا مرکز قائم کیا ہے۔ زمین یہاں کی کالی ہے اور کہیں کہیں سرخ بھی ہے۔ مکئی ۱۶۱ اسباجرا ۱۸۱ اچاول ۶۷ چنا ۶۵ اور تل ۶۵ مربع میل میں ہوتا ہے۔ بیل کی نسل اچھی نہیں ہوتی ہے۔ گھوڑے بھی پست قد ہوتے ہیں۔ دو ہزار پانچسو بیاسی کوئیں اور تین تالاب ہیں۔ اس ضلع میں جنگل بکثرت ہیں جہاں ساج (ساگوان) کی پیداوار بہت ہے۔ انگریزوں نے قبضہ کرکے اس کی تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ صرف ۱۹۰۳ء میں ڈیڑھ لاکھ کا نفع حاصل کیا۔ اس ضلع میں لوہا، سیسہ، میگنیز بکثرت ہوتا ہے۔ ہالول کی تحصیل میں شیوراج پور

---

[1] آج کل (۱۹۴۳ء میں) اس کی آبادی ۴۲۰۲۵۰ ہے۔

اور جامبو گھوڑا میں لوہے کی ریت بہت پائی جاتی ہے مگر افسوس کہ کوئی نہیں نکالتا۔ ہاں ہالول سے میگنیز ایک یوروپین کمپنی نکال کر خوب نفع اٹھا رہی ہے۔ پہلے دہلی تک جانے کا یہی راستہ تھا۔ مگر عرصہ سے رُخ بدل گیا ہے۔ درآمد اس ضلع کی تمباکو، نمک، لوہا، کپڑا۔ ناریل ہے اور برآمد غلّہ، ساگوان (ساج) تیل کے بیج کی ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل سالوں میں یہ ضلع قحط زدہ رہا۔

سنہ ۱۸۳۵ء سنہ ۱۸۵۳ء سنہ ۱۸۵۷ء سنہ ۱۸۶۱ء سنہ ۱۸۶۴ء سنہ ۱۸۷۷ء سنہ ۱۸۹۹ء سنہ ۱۹۰۳ء سنہ ۱۹۰۴ء چھپن کا قحط جو سنہ ۱۸۹۹ء میں ہوا اور گجرات میں بڑا مشہور قحط ہے سرکار نے کھیڑا اور پنچ محال میں بطور امداد اٹھاسی لاکھ روپیہ خرچ کیا۔ اور ۳۵ لاکھ روپیہ معاف کر دیا۔

چونکہ چاپانیر کے پاس چمپا کا درخت بہت ہے اس لیے اس کا نام چانپانیر (چمپا نگر ہوگا) ہو گیا بعض لوگوں نے یہی وجہ بتلائی ہے۔ اور بعض لوگوں نے چاپا نامی وزیر کی طرف آبادی کو منسوب کیا ہے چانپا نگر سے چانپانیر ہو گیا۔ سنہ ۱۴۸۳ء میں محمود آباد بسایا گیا۔ یہاں ریشم کا کپڑا بنا جاتا تھا اور لوہے کی تلوار نہایت نفیس بنتی تھی۔ وہاں بھی ایک بھدر ہے جو وسط شہر میں واقع ہے۔ باغات محلات و تالاب وغیرہ قابل دید بنائے گئے تھے۔ پہاڑ کے چشموں سے پانی لا کر تالاب میں گرایا تھا۔ مقام دوہد (داہود) جو عالمگیر کی پیدائش کی جگہ ہے سلطان مظفر دوم کا بسایا ہوا ہے۔ ایک سرائے احمد شاہ اول نے اس جگہ بنائی تھی۔ اٹک دروازہ، موتی دروازہ، سدن شاہ دروازہ کے بعد ایک اور چوتھا دروازہ تھا اور اور ہر جگہ پہرہ دار رہتا تھا۔

(۴) ضلع بھڑوچ۔ حدود اربعہ ۱۔ شمال میں مہی ندی۔ مشرق و جنوب میں بڑودہ۔ جنوب میں کھیم ندی۔ مغرب میں بحر عرب خلیج کھنبایت۔ بھڑوچ شہر کو درحقیقت بھرگو رشی نے بسایا۔ شروع میں اس رشی کا آشرم تھا۔ اس وقت شہر میں فقط اس کا مندر واقع ہے۔ اس شہر کو بھروگ پوری اور صرف پوری بھی کہتے ہیں۔ یہ ضلع ۵۴ میل طویل ہے اور یہیں سے چالیس میل تک عریض ہے۔ نربدا اور ڈھاڈھر دونوں ندیاں خلیج کھنبائت میں جا کر بحر عرب میں مل جاتی ہیں۔ یہاں کی زمین کالی ہے۔ اور روئی کے لیے بہت موزوں۔ اس سبب سے روئی کی بڑی پیداوار ہوتی ہے۔ تمام ہند میں اس سے بہتر روئی نہیں ہوتی۔

نباتات :۔ اس ضلع میں جنگل نہ تھے۔ اس سبب سے سرکار نے ۱۶۱ ایکڑ زمین میں صرف ببول کے درخت لگوائے ہیں اور کچھ ایکڑ اور اسی کام کے لیے الگ کر لیے گئے ہیں۔ آم، املی، امرود (عام پھل) زیادہ ہوتے ہیں۔ بھروچ کے پاس جو جزیرہ ہے اس میں "کبیر بڑ" ہے جس کی نسبت مشہور

ہے کہ جناب کبیر صاحب نے مسواک کر کے بو دیا تھا لیکن یہ درست نہیں ہے، یہ درخت سکندر کے حملہ
کے وقت بھی موجود تھا۔ اس کے تین ہزار چھوٹے اور ۳۵۰ بڑے بڑے تھڑ ہیں۔ اس کی جڑ دو
ہزار فٹ مربع زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس درخت کے نیچے سات ہزار آدمی آرام کر سکتے ہیں۔
نربدا کی طغیانی سے کچھ تھڑ گر گئے ہیں

حیوانات۔ ہرن، بھیڑیا، سوٗر، بط، مچھلیاں زیادہ تر ہیں۔ ۶۰ سے ۱۱۲ تک موسم کا ٹمپریچر
رہتا ہے۔ ۳۵ انچ اوسط بارش ہوتی ہے۔ چندر گپت۔ ساہاس۔ گوجر۔ چالوکیہ۔ راسٹرکوٹ
اور پٹن کے راجہ اپنے وقت میں اس پر قابض رہے ۱۲۹۲ء میں مسلمان آئے ۱۳۹۱ء تک دہلی
کے صوبہ دار اس پر حکمراں رہے۔ پھر ۱۳۹۱ء سے ۱۵۷۲ء تک سلاطین گجرات کے ماتحت رہا بعدہٗ
۱۷۳۶ء تک صوبہ داران دہلی حکومت کرتے رہے ۱۷۳۶ء سے ۱۷۷۲ء تک نوابان بھروچ
کے قبضہ میں رہا۔ اسی سال انگریزوں نے مع ۱۶۲ گاؤں کے اس پر قبضہ جمایا ۱۷۸۳ء میں
مرہٹہ کو دے دیا۔ اور ۱۸۰۳ء میں پھر اس پر انگریز قابض ہو گئے ۱۸۱۸ء میں مرہٹہ نے بھی اس
قبضہ کو تسلیم کر لیا۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمان اور پارسیوں میں معمولی فساد ہو گیا تھا۔ یہاں کی جامع
مسجد جینی صنعت کی قابل دید ہے۔ پہلے یہاں فصیل تھی۔ مگر اب نہیں ہے تین لاکھ سات ہزار
کی آبادی ہے (لیکن اب ۱۹۴۱ء میں تین لاکھ چونتیس ہزار ایک سو ستر ہے) بھروچ کا قلعہ پہلے سدھ
راج نے اور پھر ۱۵۲۶ء میں احمد شاہ نے بنوایا۔ نربدا کے کنارہ کا حصہ ہے۔ باقی سب ٹوٹ گیا۔
۶۷ فیصدی ہندو ہیں، ۲۲ فیصدی مسلمان (آج کل (۱۹۴۱ء میں) پچھتر ہزار مسلمان ہیں) بوہروں کی
تعداد اکیس ہزار اور شیخ بارہ ہزار ہیں۔ ۱۸۶۸ پارسی ہیں۔ کچھ ناگوری مسلمان بھی ہیں، جو زیادہ تر
مزدور پیشہ ہیں۔ مالدار قوم پارسی اور جینی ہیں۔

غلہ میں جوار، روئی، تل، توار، گندم، چاول بھوری زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور باجرہ جوار
دال بھی پیدا ہوتی ہے۔ نربدا کی ساحلی زمین تمباکو خوب پیدا کرتی ہے۔ اس ضلع کی زمین تین حصوں
میں منقسم ہے۔ (۱) جاگیرداری (۲) انعام داری (۳) رعیت داری۔ ۳۶۵ مربع میل روئی،
۱۸۰ جوار، ۱۱۸ گندم اور ۶۶ مربع میل میں لاکھ ہوتا ہے۔ گائے، بھینس، گدھا، ٹٹو، بکرے، بھیڑ
وغیرہ عام طور سے ہوتے ہیں۔ پہلے ریشم اور سوت کا باریک کام خوب ہوتا تھا۔ اور اسی لالچ
سے ڈچ اور انگریز یہاں پہلے آئے لیکن اب انگریزوں کے سبب سے ایک کارخانہ بھی نہیں
ہے۔ پہلے بھروچ اور ڈنکاری (ڈنکاریا) کے بندرگاہوں کے ذریعہ سارے گجرات کی تمام دنیا سے

تجارت ہوتی تھی۔ مندرجہ ذیل سالوں میں یہ ضلع قحط زدہ رہا۔ سنہ ۱۶۲۳ء، سنہ ۱۶۳۱ء، سنہ ۱۷۵۵ء، سنہ ۱۷۶۰ء، سنہ ۱۷۷۳ء، سنہ ۱۷۸۶ء، سنہ ۱۷۹۰ء، سنہ ۱۸۱۹ء، سنہ ۱۸۳۶ء، سنہ ۱۸۴۰ء، سنہ ۱۸۶۸ء، سنہ ۱۸۷۸ء اور سنہ ۱۸۹۶ء

قدیم زمانہ میں یہاں کا بافتہ مشہور تھا۔ بنگال سے زیادہ اچھا کپڑا بنا جاتا تھا۔

درآمد :۔ چاول، سپاری، لکڑی، کوئلہ، لوہا۔

برآمد :۔ غلہ، روئی، گندم، مہوا۔

(۵) ضلع سُورت ۔ حدود اربعہ : شمال میں بھروچ۔ مشرق میں بڑودہ، راج پیپلا، دھرمپور۔ جنوب میں تھانہ، مغرب میں بحرِ عرب۔

اس ضلع میں نوساری کا علاقہ بڑودہ کا آگیا ہے، اس لیے اس کے دو حصے ہوگئے ہیں جیسا کہ نقشہ سے آپ کو معلوم ہوجائیگا۔ اس میں دو ندیاں کیم اور تاپتی ہیں کیم ندی راج پیپلا کی پہاڑیوں سے نکل کر بحرِ عرب میں مل جاتی ہے۔ اسی ندی پر کیم شہر ہے، یہاں اسٹیشن بھی ہے۔

نباتات میں سے آم، املی، برگد، نیم، پیپل ہوتے ہیں۔ آم بالکل مالدہ جیسے بھی ہوتے ہیں۔

حیوانات میں سے چیتا، ہرن، باگھ، بھیڑیا، سور، ریچھ، بجو، گیدڑ، بط، خرگوش ہوتے ہیں

موسم کا ٹمپریچر کم از کم ۴۴ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۹ ڈگری ہوتا ہے۔ اس ضلع میں بارش ۳۸ سے ۸۰ انچ تک ہوتی ہے، مگر خاص سورت میں ۸۲ انچ تک پہنچ جاتی ہے۔

تاریخی حالات ۔ قطب الدین ایبک نے سنہ ۱۱۹۵ء (۵۹۲ھ) میں بھیم دیو کو شکست دے کر ضلع سورت اور راندیر پر قبضہ کرکے پھر واپس کردیا۔ سنہ ۱۳۴۷ء میں محمد تغلق کے وقت میں یہاں بغاوت ہوئی۔ اور شاہی فوجوں نے اس کو فرو کیا۔ سنہ ۱۳۷۳ء میں فیروز تغلق نے یہاں ایک قلعہ بنایا۔ سنہ ۱۵۱۴ء میں باربوسا پرتگیزی سیاح نے لکھا ہے کہ وہ ایک بڑا بندر ہے۔ سنہ ۱۵۳۱ء میں پرتگیزوں نے اس کو آگ لگاکر جلا دیا۔ اور سلطان گجرات نے سنہ ۱۵۴۶ء میں ایک بڑا قلعہ بنایا۔ سنہ ۱۵۷۲ء میں (مغل) مرزا کے قبضہ میں آیا۔ سنہ ۱۵۷۳ء میں اکبر نے لیا۔ ایک سو ساٹھ برس تک مغلوں کے زمانہ میں ہندستان کا سب سے بڑا بندرگاہ رہا۔ سنہ ۱۶۰۶ء میں انگریز آئے۔ مُقرب خاں نے ان کو تجارتی آزادی دی سنہ ۱۶۰۹ء میں مظفر شاہ (گجرات کے آخری بادشاہ) نے اس پر قبضہ کرنے کی ناکامیاب کوشش کی۔ سنہ ۱۶۱۱ء میں انگریز جہاز لائے، مگر پرتگیزوں نے واپس ہونے پر مجبور کیا۔ سنہ ۱۶۱۳ء میں فرمانِ تجارت انگریزوں کو ملا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے سوالی میں قیام کیا۔ سنہ ۱۶۱۸ء میں سر ٹامس رو اجمیر میں جہانگیر سے ملا اور اس کے ذریعہ حقوق تجارت مستحکم ہوگئے۔ اس شہر کے

لوگ بڑے مالدار تھے۔ موسم سرما میں یہاں کوئی مکان ملنا دشوار ہو جاتا تھا۔ دنیا کے ہر حصہ سے لوگ یہاں جہاز لاتے تھے۔ ریشم اور روئی کا بافتہ پردیس میں جایا کرتا تھا، اور کچی روئی چین تک جاتی تھی۔ مسلمان حج کرنے کے لیے اسی جگہ سے جاتے تھے۔ اسی سبب سے لوگ اس کو باب المکہ اور بندر مبارک کہتے تھے۔ فرنچ اور ڈچ لوگوں کی بھی کوٹھیاں تھیں۔ ایسو آباد اور بھرپور شہر کو سیواجی مرہٹہ سب سے پہلی مرتبہ ۱۶۶۴ء میں تین روز تک لوٹتا رہا۔ ڈیڑھ کروڑ روپیہ لوٹ سے وصول کیا۔ ۱۶۶۹ء میں اس نے پھر لوٹا۔ پرتگیز اور انگریزوں نے مرہٹوں سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اس لیے وہ بچ جاتے تھے۔ باوجود اس کے بھی ۱۶۹۵ء میں یہ ایسا اچھا بندرگاہ تھا کہ کوئی غیر ملکی جہاز یہاں ٹھہرے بغیر واپس نہ جاتا تھا۔ ۱۷۳۳ء میں تیغ بخت خاں نے اپنے کو خود مختار کر لیا۔ ۱۷۴۶ء میں اس کے مر جانے سے افراتفری پھیل گئی۔ ۱۷۵۹ء میں بمشورہ مرہٹہ انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ ۱۷۹۱ء میں برائے نام نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ۱۵ مئی ۱۸۰۰ء میں مسٹر لیپے پہلا کمشنر مقرر ہوا۔ ۱۸۱۷ء میں پونا کے مرہٹہ کی صلح سے یہ علاقہ انگریزوں کا مسلم ہو گیا اور اس وقت سے یہ تمام علاقہ سورت و راندیر انگریزوں کے ماتحت سمجھا جاتا ہے۔ ۱۸۱۰ء میں مسلمانوں نے شورش کی جو فرو کر دی گئی۔ ۱۸۵۷ء میں خاندان عیدروس کے با اثر ہونے کے باعث اہالیان سورت نے شورش میں حصہ نہ لیا۔

مندرجہ ذیل سنوں میں یہ شہر قحط زدہ رہا۔
۱۶۲۳ء، ۱۷۱۷ء، ۱۷۴۷ء، ۱۷۹۰ء، ۱۸۰۳ء، ۱۸۵۶ء۔ اس آخری قحط میں تیس ہزار آدمی مر گئے۔

تاپتی ندی کے برساتی ریلے (سیلاب) سے بھی بعض دفعہ اس شہر کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ جیسا کہ آئندہ آئیگا۔

راندیر۔ سورت کے قریب بڑا قدیم بندرگاہ ہے۔ اور وفات مسیح کے بعد بھروچ جیسی بندرگاہ کے رہتے ہوئے بھی یہ جگہ بڑی بارونق تھی۔ ابوریحان بیرونی (۱۰۳۱ء) نے لکھا ہے کہ بھروچ اور راہنجور (راندیر) اس ملک کے پایۂ تخت (بندرگاہ اعظم) بڑے بارونق ہیں۔

۱۳۰۰ء میں مسلمانوں نے جینیوں سے لے کر قبضہ کر لیا۔ باربوسہ پرتگیز سیاح لکھتا ہے کہ راندیر بہت اچھی جگہ ہے۔ اس کا بیوپار ملاکا، بنگال، تناسرم، پیگو، مرتبان، سماٹرا اور جاوا کے ساتھ تھا۔ ان ممالک سے مصالحہ، ریشم، مشک، مٹی کے برتن، لوبان یہاں آتا تھا۔ ۱۵۳۰ء میں پرتگیزوں نے سورت کو لوٹ کر راندیر پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے راندیر کی اہمیت کم ہوتی گئی اور سورت کی آبادی اور اہمیت

بڑھتی گئی، فی الحال رانڈیر ایک چھوٹے قصبہ کی صورت میں ہے۔ جہاں سنّی بوہرہ بیوپاری بکثرت آباد ہیں جن میں سے اکثر مالدار ہیں۔ وہاں کی جامع مسجد، میاں کی مسجد، کھاروا کی مسجد، منشی کی مسجد، قابل دید عمارات ہیں۔ فی الحال عربی کے متعدد مدارس اور ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ سورت رانڈیر کے گرنے پر ترقی کرنے لگا اور مغلوں کے زمانہ میں بڑے عروج پر تھا۔ اس کی اصلی رونق مرہٹوں کی لوٹ مار سے گھٹنی شروع ہوئی، پھر ساتھ اس کے قحط، آگ اور پانی نے بھی اس کی بربادی میں بڑا حصہ لیا۔ چنانچہ ۱۸۳۷ء میں ماہ اپریل تین روز تک ایسی آگ لگی کہ دس میل تک پھیل گئی دس ہزار مکانات جل گئے، اور سینتالیس لاکھ کا نقصان ہوا اور پھر اسی سال تاپتی ندی میں ایسا طوفان ہوا کہ اہل سورت کا پچیس لاکھ کا نقصان ہوا۔ ۱۸۳۶ء میں چوتھائی حصہ بھی نہ رہا۔ ۱۸۸۳ء میں پھر طوفان آیا اور بیس لاکھ کا نقصان ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں پھر آگ لگی اور ارمنی چرچ گر گیا۔

مغلوں کے زمانہ میں اس کی آبادی بارہ لاکھ سے زائد تھی لیکن انگریزوں کے مقبوضہ ممالک میں داخل ہونے سے تنزل تیزی سے شروع ہوا۔ چنانچہ ۱۷۹۶ء میں اس کی آبادی آٹھ لاکھ کی رہ گئی تھی۔ پھر ۱۸۱۱ء میں ۲½ لاکھ، ۱۸۱۶ء میں ایک لاکھ چوبیس ہزار، ۱۸۴۷ء میں اسّی ہزار تک پہنچ گئی۔ جب سے گورنمنٹ نے بمبئی کو بندرگاہ بنایا، سورت کی بندرگاہ بند کر دی گئی۔ اس کی اہمیت بحیثیت بندرگاہ کے جاتی رہی۔ اب صرف ایک شہر ہونے کے سبب اس نے پھر ترقی شروع کی لیکن نہایت آہستگی سے۔ چنانچہ ۱۸۵۱ء میں اس کی آبادی نوے ہزار، ۱۸۷۲ء میں ایک لاکھ آٹھ ہزار، ۱۸۸۱ء میں ایک لاکھ دس ہزار، ۱۹۰۱ء میں ایک لاکھ بیس ہزار ہو گئی۔ یہاں دو عالی شان مسجدیں قابل دید یادگار ہیں۔ اس ضلع کی آبادی ۱۵۳۴۷۶ ہے لیکن اب ۱۹۴۰ء میں چھ لاکھ ترانوے ہزار چھ سو بارہ ہو گئی ہے۔ اس میں سے ۸۶ فیصدی ہندو۔ ۸ فیصدی مسلمان۔ ۲ فیصدی پارسی۔ بوہروں کی تعداد پندرہ ہزار۔ کرسچین ۱۲۷۸ ہیں۔ اس ضلع میں آٹھ شہر اور سات سو ستتر گاؤں ہیں۔ ۱۵۷۰ مربع میل میں چاول۔ ۱۷۲ میں جوار۔ ۱۵۴ میں روئی، ۳۴ تور ۳۷ میں بال ہوتا ہے۔ عام پتھر اور عقیق بھی یہاں سے نکلتا ہے۔ یہاں کی صنعت میں سونے چاندی کے کام، تارکشی، زرکشی مشہور تھی۔ گینڈے کی ڈھال افریقہ سے لا کر یہاں ایسی اچھی پالش دیتے تھے اور روپیہ کی کیلیں لگا کر ایسی عمدہ بنا دیتے تھے کہ تیس سے پچاس روپیہ تک دام ملتے تھے۔ جہاز سازی کا کام یہاں بہت اعلیٰ ہوتا تھا۔ اس کام میں پارسی بڑے ماہر تھے۔ ایک جہاز اٹھائیس ہزار من تک کا مال لیجاتا تھا۔ خاص سورت شہر کی آبادی ۱۹۰۱ء کے بعد ایک لاکھ

ستائیس ہزار ہے جس میں سے پچاسی ہزار ہندو تینتیس ہزار مسلمان - چھ ہزار پارسی - چار ہزار جینی ہیں -
شیعہ بوہروں کے بڑے ملا صاحب (سیدنا ملا سیف الدین طاہر) اسی جگہ رہتے ہیں[۱]

گجرات وکاٹھیاواڑ کی بعض بڑی ریاستوں کا نقشہ

نمبر	نام	آبادی	آمدنی	خرچ	فوج	خراج	توپ سلامی	مرتبہ	ذات
۱	بڑودہ	۲۱۳۰۰۰۰	۳۰۸۰۰۰۰۰	۱۹۱۰۰۰۰۰	۸۸۹۰	۳۸۰۰۰	۲۱	اوّل	مرہٹہ
۲	جوناگڑھ	۳۹۰۰۰۰	۵۲۰۰۰۰۰			۳۰۰۰۰	۰	"	بابی مسلمان
۳	کچھ	۴۸۰۰۰۰	۲۲۰۰۰۰۰		۱۰۰۰	۸۰۰۰۰		"	راؤ صاحب
۴	بھاؤنگر	۴۶۰۰۰۰	۴۹۰۰۰۰۰		۵۱۸	۱۳۰۰۰۰		"	گوہیل راجپوت
۵	جام نگر	۳۴۰۰۰۰	۴۲۰۰۰۰۰			۱۲۰۰۰۰		"	جاڑیجا راجپوت
۶	پالن پور	۲۰۰۰۰۰	۷۰۰۰۰۰			۴۰۰۰۰		"	پٹھان مسلمان
۷	ایڈر	۲۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰			۳۰۰۰۰		"	راٹھور
۸	راج پیپلا	۱۷۰۰۰۰	۱۷۰۰۰۰۰			۵۰۰۰۰		"	گوہیل راجپوت
۹	گونڈل	"	۲۰۰۰۰۰۰			۱۱۰۰۰۰		"	جاڑیجا راجپوت

اس کے بعد گجرات کی ریاستوں کا مختصر حال دینا چاہتا تھا، مگر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ان ریاستوں نے اپنی اپنی تاریخ علاحدہ طبع کرالی ہے، جیسے بڑودہ، پالن پور، جوناگڑھ، کھنبایت، ایڈر، کچھ وغیرہ اس کے علاوہ چھوٹی بڑی ریاستوں کی تعداد خاصی ہے - ان کا مختصر حال بھی لکھوں تو ایک ضخیم کتاب ہوجائیگی - پھر ان ریاستوں میں سے چند ہی ایسی ہیں جن کی کچھ اہمیت تاریخی حیثیت سے ہے ورنہ اعتناء کے لائق نہیں -

۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کے بعد ہند سرکار نے ان تمام ریاستوں کو ختم کرکے ہندوستان کی مرکزی حکومت میں شامل کرلیا اور ہر ریاست کو ایک ایک کمشنر کے ماتحت کردیا ہے - نوابوں اور راجاؤں کو پنشن دیدی گئی ہے -

[۱] ان تمام اضلاع کے مفصل حالات ہم نے گزیٹیر آف گجرات سے تحریر کئے ہیں جس کے لیے میں اپنے دوست پروفیسر نند لال شاہ احمد آباد کا شکر گزار ہوں (افسوس ہے کہ وہ وفات پاگئے -

باب اوّل
ہندوؤں کا عہد
فصل اوّل
آرین راج

گجرات کا اصلی نام

گجرات کی قدیم تاریخ کا حال معلوم کرنا اسی قدر مشکل ہی جس طرح خود ہندوستان کی قدیم تاریخ کا پتہ چلانا، لیکن قیاس کیا جاتا ہی کہ پتھر اور لوہے کے زمانے کے بعد اس ملک پر بڑی تعداد ڈراویڈ کی آباد تھی، جو ایک مہذب قوم تھی جس نے بھڑوچ بندرگاہ سے دور دور تک تجارتی کاروبار پھیلا رکھا تھا، اور اس کے بعد دوسرا نمبر بھیل لوگوں کا تھا، جو تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس عہد میں اس ملک کا نام کیا تھا؟ تاریخ کی زبان خاموش ہی، اور تاریکی کا پردہ ہر طرف پڑا ہوا ہے، سوائے قیاسی باتوں کے کوئی صحیح بات معلوم نہیں۔ جب شمالی ہند سے آرین آبو کے راستہ گجرات میں داخل ہوئے تو ملک میں نیا انقلاب پیدا ہوا، یعنی ملک کے اصلی باشندے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے، یہاں تک کہ تمام سرسبز و شاداب زمین فاتحوں کے لیے خالی کردی اور پہاڑوں اور جنگلوں کو اپنا مسکن بنایا، فاتح آرین ہر جگہ دخیل ہو کر حکمراں بن گئے۔ آرین قوم علم، تمدن، شائستگی بھی اپنے ساتھ لائی، سوداگری کے ذریعہ تجارت کو بھی اچھی رونق دی، قدیم آرین قوم کا دستور تھا کہ زیادہ تر پانی کے قریب اپنی بستیاں بساتے تھے، اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ انھوں نے بھی اس ملک میں سب سے پہلے کھنبایت اور بھڑوچ کے علاقہ

کو شروع میں آباد کیا ہوگا۔ آرین سے پہلے اس ملک کو کیا کہتے تھے؟ یہ کسی تاریخ سے معلوم نہیں ہوتا لیکن آرین اس ملک میں جس حصّہ پر آباد ہوئے اس کا نام اُنہوں نے "راسٹ" رکھا جس کے معنی سیدھے اور مہذب کے ہیں۔ اور جس جگہ غیر آرین یعنی ملک کے اصلی باشندے آباد ہوئے ان کو "ارنی" کہا گیا جس کے معنی جنگل کے ہیں، چنانچہ دن رات بول چال اور سرکاری کاغذات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اسی لیے ابھی تک بڑودہ اسٹیٹ کے سررشتہ مال کے کاغذات سرکاری میں زمین کے دو حصّے لکھے جاتے ہیں. راسٹی محال اور ارنی محال، جس کو آرین تہذیب کی قدیم یادگار سمجھو۔ پھر یہی لفظ بگڑ کر راٹ اور راٹ سے "رال" ہوگیا۔ رگوید کے زمانہ تک یہ ملک اسی نام سے پکارا جاتا تھا، گوتم بدھ کے عہد (تقریباً سنہ ۵۰۰ ق م) پالی زبان کی کتابوں میں اس کا نام "لال" لکھا ملتا ہے، جو صریح طور پر رال کا بگڑا ہوا لفظ ہے۔ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں اس کا نام "لارک" لکھا ملتا ہے، جیسا کہ ٹولے می مصری (سنہ ۱۵۰ء) نے لکھا ہے۔ قدیم عرب مسافروں نے اس کو لار کے نام سے یاد کیا ہے۔ پھر چینی سیاح ہیوان سانگ (سنہ ۶۴۰ء) نے اس کا نام اپنے سفرنامہ میں "لولو" لکھا ہے جو لال سے بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے عہد میں گوجر قوم گجرات پر حکمراں تھی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک گوجروں کے رکھے ہوئے نام مقبول نہیں ہوئے تھے، اور عام طور پر اُسی قدیم نام سے لوگ اس ملک کو یاد کرتے تھے۔ بہرحال جب گوجر قوم ہندستان فتح کرکے آباد ہوتے ہوئے اس ملک میں آئی تو انہوں نے اپنے جنوبی مقبوضات کے تین حصّے کیے۔ سب سے بڑے حصّہ کا نام مہاراٹھا اور دوسرے کا گوجر راٹھا اور تیسرے کا سوراٹھ رکھا جس کو آج کل مہاراشٹر (مرہٹہ دیس) گجرات اور سورٹھ (کاٹھیاوار) بولتے ہیں۔ سنہ ۸۰۰ء کے مسلمان اس کو جُزر بولتے تھے جو گجر کا معرب ہے، اور گجر مخفف ہے گوجر کا۔ پھر ہندوستان کے ترکی فاتحوں (خاندان غلامان) نے گوجر راٹھ سے گجرات بنادیا، اور یہی نام اس وقت معروف و مشہور ہے۔

آرین قوم نے شمالی راشٹ پر قبضہ کرکے بھروچ کو صدر مقام بنایا، اور جنوبی راشٹ میں رانگ نیر (راندیر) ان کی راجدھانی ہوئی۔ یہ شہر دریائے تاپتی کے کنارے ابھی تک آباد ہے، جو سورت سے قریب ہے، زمانہ سابق میں یہ بڑا بندرگاہ تھا، اور جین مت کی کتابوں سے اس کی قدامت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت سورت کا پتہ بھی نہ تھا۔ اس قوم نے گجرات پر کب اور کس طرح قبضہ کیا، یہ حال کچھ نہیں معلوم۔ منو کے خاندان نے اس پر عرصہ تک سلطنت کی، لیکن افسوس کہ ان کے بادشاہوں کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتے مہابھارت سے جو کچھ استنباط ہوتا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے:-

جادوبنسی خاندان دوارکا میں جادوبنس کی سلطنت تھی، ان میں کرشن مہاراج بہت بہادر عقلمند اور فلسفی تھے۔ آپ ہی کی تدبیر سے مہابھارت کی جنگ کامیاب ثابت ہوئی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ کے لشکر میں بڑی تعداد گجرات کے بھیلوں کی تھی۔ آپ کے بعد قوم عیش پسند ہوگئی اور شراب نوشی کی بیحد شائق، اس لیے اکثر اوقات یہ لوگ متوالے رہتے، اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے، یہاں تک کہ اسی نشہ میں ایک دفعہ ساری قوم لڑکر تباہ ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ "بھگوت گیتا" آپ ہی کی یادگار ہے جس میں توحید مطلق کی تعلیم پر بہت زور دیا گیا ہے۔ جادوبنسی قوم جب آپس میں لڑکر تباہ ہوگئی اور یہ خبر ارجن کو ملی تو وہ یہاں آیا، تو جو لوگ بچے ان میں سے کچھ تو شمالی ہند کی طرف اس کے ساتھ چلے گئے اور کچھ اسی جگہ رہ کر چھوٹی چھوٹی راجدھانی قائم کرکے زندگی بسر کرنے لگے۔ چنانچہ کچھ کا راجہ اور کاٹھیاواڑ کے متعدد راجے اپنے آپ کو جادوبنسی کہتے ہیں اور اسی خاندان سے اپنا سلسلۂ نسب ملاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ارجن کرشن مہاراج کا برادر نسبتی (بہنوئی) تھا۔ واپسی کے وقت کولیوں نے بہت ستایا، کرشن کی چند عورتیں اور مال و اسباب لوٹ لیا۔

موریہ خاندان اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موریہ خاندان جس کا دارالحکومت مگدھ دیس (بہار) میں شہر پاٹلی پتر (پٹنہ) تھا گجرات پر قابض ہوگیا، یہ لوگ بڑے صاحب شوکت اور

علم دوست تھے۔ اشوک نام راجہ اسی خاندان سے تھا، اس کو اپنے مذہب (بودھ) کی تبلیغ کا خاص شوق تھا۔ گرنار پہاڑ پر اس کا ایک کتبہ ملا ہے جو ابھی تک موجود ہے اور تمام ہندوستان میں اشوک کا صرف یہی ایک کتبہ ہے جو کامل طور پر بغیر شکستگی کے موجود ہے۔ اشوک کا یہ کتبہ ۲۵۱ سنہ قبل مسیح کا ہے۔ بارہ بالشت بلند اور ۵، ۷ بالشت مربع میں یہ تحریر ہے۔ گندھاری حروف میں مگدھی زبان استعمال کی ہے جو داہنے سے بائیں طرف لکھی جاتی تھی، جیسے عربی تحریر لکھتے ہیں۔ کتبہ میں مندرجہ ذیل ہدایات ہیں، جن کو مختصر اور خلاصہ کرکے تحریر کرتا ہوں۔

۱۔ کسی جانور کو کھانے یا شکار کے لیے کوئی نہ مارے۔

۲۔ حیوان یا انسان کسی کو دکھ نہ دے۔

۳۔ ماں باپ کی خدمت کرے، اپنے دوست اپنی قوم (بدھ) برہمن اور سادھوؤں کو دان (ہدیہ یا خیرات) دینا چاہیے۔ کسی انسان کو نہ مارنا۔ فضول خرچ نہ کرنا۔ مسخرہ پن نہ کرنا۔

۴۔ مذہبی پابندی سب سے اچھی چیز ہے، ہمارے راج میں جو لوگ رہتے ہیں ہر شخص کو فائدہ پہنچاؤ۔

۵۔ ہر مذہب کے لوگ میری سلطنت میں رہ سکتے ہیں۔ جو خیرات نہ کر سکے تو اپنے نفس پر قابو اور دل میں خلوص رکھے، اور خدا کی عبادت کرے۔

۶۔ ہر کام مذہبی نقطۂ نظر سے کرو۔

۷۔ نوکر اور نیچ قوم کو ذلیل نہ سمجھو، اور اُستاد کی عزت کرو۔

۸۔ عزت اور شہرت کی خواہش رکھنے والوں کو مذہب کی خدمت کرنی چاہیے۔ اور مذہبی زندگی بسر کرنی چاہیے۔

۹۔ مذہب (بدھ) کی تبلیغ کرنی چاہیے اور دوسرے کے مذہب کو حقارت سے نہ دیکھنا چاہیے۔

۱۰۔ اگر جنگ کی جائے تو صبر اور رحم کو مدنظر رکھو۔ اگر کوئی حقیقی فتح ہو سکتی ہے تو وہ مذہبی فتح ہے۔

علاقہ گرنار سے ایک اور کتبہ برآمد ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ سب سے اول چندرگپت کے صوبہ دار نے بند باندھ کر اس جگہ کی جھیل کا پانی روکا لیکن درحقیقت اس کی تکمیل اشوک راجہ کے عہد میں ہوئی۔ چار سو برس کے بعد طوفان سے یہ بند ٹوٹ گیا۔ (۱۵۰ء) تو "سکا" قوم کے صوبہ دار نے اس کی مرمت کرادی۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول تو یہ کہ یہ صوبہ مستقل طور پر باقاعدہ اشوک کا ماتحت تھا اور صوبہ دار کو رعایا کی مرفہ حالی کا کس قدر خیال تھا۔ دوسرے یہ کہ "سکا" قوم بھی یہاں حاکم رہ چکی ہے جس کا عام تاریخوں میں کوئی ذکر نہیں ہے۔[۵]

اس کے بعد یونانی (۲۵۰ ق م) جو گپت خاندان کی طرف سے گورنر تھے چندرگپت کے لڑکے کے عہد میں خودمختار ہو گئے اور مرکزی یونانی گورنمنٹ سے ملحق ہو گئے۔ چنانچہ مصر کا ایک مؤرخ "ایرین" جس کا نام تھا، اپنی مصنفہ کتاب پیری پلس (۲۴۷ء) میں جہاں ان تمام اشیا کی فہرست لکھی ہے جن کی چنگی بندرگاہ پر لی جاتی تھی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ بلخ کے یونانی حکمران (۱۵۰ ق م) جونا گڈھ اور بھروچ پر حاکم تھے۔ چنانچہ ان دونوں شہروں میں ان کے سکے بکثرت دستیاب ہوئے ہیں[۶]۔ پھر کشرب (اشترب) خاندان نے یہاں حکومت کی جس کے بعد خاندان گپت جو ہند کا مشہور طاقتور خاندان تھا اُس نے راج کیا لیکن ان تمام خاندانوں کے متعلق ابھی تک مفصل حال معلوم نہیں، اور نہ ان کے طریق حکومت کا پتہ چلتا ہے، فقط سکوں اور کتبوں سے کچھ کچھ حال معلوم ہوئے ہیں۔

خاندان تری کوٹک | سنہ عیسوی سے پہلے جو خاندان گجرات کے حکمراں ہوئے ان کا اوپر لکھا جا چکا ہے۔ سنہ عیسوی کے بعد جن خاندانوں نے حکومت کی ان میں سے ایک خاندان تری کوٹک

---

[۵] تاریخ ہاشمی ج ۱ ص ۹۲ مطبوعہ حیدرآباد۔ [۶] مرأۃ محمدی ص ۱۰

کا پتہ چلتا ہے۔ اس خاندان نے خاص گجرات پر سنہ ۶۲۵ء سے سنہ ۷۳۵ء تک حکومت کی۔ اکثر ب
خاندانوں کے آخری حکمرانوں کو دبا کر کاٹھیاواڑ تک اپنی مملکت کی توسیع کی، ان کی راجدھانی
بھروچ یا نادوت تھی۔ ان کے مشہور راجے اینشوردت اور دھرسن ہیں۔ اس سے زیادہ
ان کا حال معلوم نہیں۔ اور یہ بھی صرف سکے تامریٹ (تلنبے کے کتبے) سے معلوم ہوا ہے
جو قصبہ پاڑری (قصبہ ملبسار) کے پاس ضلع سورت میں دستیاب ہوئے ہیں۔

فصل دُوم

گوجر قوم

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد پچاس برس تک گجرات میں طوائف الملوکی رہی
اور بڑی سلطنت ٹوٹ کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی، اور ہر حصۂ ملک پر ایک
خودمختار راجہ ہوگیا۔ پانچویں صدی میں گوجر قوم ہندستان آئی۔ دراصل یہ قوم گرجستان
کی رہنے والی ہے جس کو آج بھی گرجستان یا جارجیہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ ایران ہو کر جب
ہند پر حملہ آور ہوئے تو سب سے پہلے پنجاب و سندھ پر قابض رہے۔ پھر راجپوتانہ، مارواڑ
مالوہ ہوتے ہوئے گجرات، پونہ اور دکن کے دوسرے علاقوں میں اپنی زبردست سلطنت
قائم کی۔ جنوبی مغربی ہند کی مشہور راجدھانیاں بھلمان، اُجین، ولبھی پور، کلیانی
تھیں۔ آگے چل کر ان کی بہت سی شاخیں ہوگئیں (بلحاظ آبادی تقریباً باسٹھ ذاتیں فی الحال
ہیں) لیکن چار ذاتیں بڑی مشہور ہیں۔ چالوکیہ، پارمار (پمار) چوہان، پری ہار۔ اسی چالوکیہ
کی شاخ سولنکھی ہے جس نے پہلے کلیانی اور بعد کو انہلواڑا کو پایۂ تخت بنایا۔ اس زمانہ میں
(سنہ ۸۰۰ء) بودھوں اور برہمنوں کے درمیان سخت جنگ تھی، ان دونوں نے فاتحوں کو
اپنے میں جذب کرنا چاہا، مگر بودھ مذہب کے قائل یہ فاتح نہ تھے، برہمنوں نے اپنے مذہب

میں ان کو شامل کرلیا۔ اگنی دیوتا سے آبو پہاڑ پر پوتر (پاک) کیا۔ پھر ان کو راجپوت کا لقب دے کر ان کی ذات بنا دی[1]۔ اس سے ہندو قوم کو یہ فائدہ ہوا کہ ان فاتح اور حکمرانوں کے ذریعہ بدھ مذہب کو ہند سے نکال کر پھر اپنے برہمن مذہب (ہندو) کا پرچار کیا اور اس کو برسرِ عروج لائے۔ ابتدا میں مالوہ ان کا مرکز تھا پھر خاص گجرات میں ان کی راجدھانی نادوت اور بھڑوچ رہی۔ سکہ جات اور تانبے کے کتبوں سے جو نام ان کے راجوں کے معلوم ہو سکے وہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

دود، جے بھٹ، دود دوم، جے بھٹ دوم، دود سوم، جے بھٹ سوم چینی سیاح ہونگ شیانگ چن ساتویں صدی کے وسط میں شلادت راجہ کے وقت گجرات خاص میں آیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ راجہ کو بڑا نفع سمندر سے ہے۔ اس کا یہ بھی بیان ہے کہ بھڑوچ چونکہ بندرگاہ ہے اس لیے اطراف والوں کی اس پر ہمیشہ نگاہ رہتی ہے (یعنی دوسرے راجے اس کو فتح کرلینا یا چھین لینا چاہتے ہیں۔ بھڑوچ کے اطراف کی زمین کو کھاری زمین کہتے ہیں۔ کھیتک (ضلع کھیڑا) اور انند پور (بڑنگر) اسی کے ماتحت ہیں۔

خاندانِ مہر

یہ خاندان ایران سے بلوچستان ہوتا ہوا ہند میں آیا، اور پھر کاٹھیاواڑ پہنچا۔ سکند گپت سنہ ۴۶۷ء تک گجرات پر قابض تھا، اس کے بعد بدھ گپت سنہ ۴۸۴-۹۹ء کے عہد سے کرپانی ولبھی پور (بھٹ ٹارک) سنہ ۶۵۱ء تک گجرات پر کون قابض تھا، یہ کچھ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوتا اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ گپت خاندان کو شکست دے کر "مہر" لوگوں نے شمالی کاٹھیاواڑ پر قبضہ کرلیا ہوگا، کیونکہ ولبھی پور کے کتبہ میں ذکر ہے کہ ان مہر لوگوں کو شکست دی۔ مہر ابھی تک کاٹھیاواڑ میں موجود ہیں، چنانچہ مشہور ہے کہ پوربندر کا رانا اسی خاندان سے ہے۔ خیال

---

[1] تاریخ ہند قدیم باب چہار دہم ص ۶۴۴۔ مطبوعہ حیدرآباد۔

کیا جاتا ہے کہ پہلے مہر لوگوں نے کاٹھیا واڑ میں حکومت قائم کی پھر بھٹ ٹارک نے مالوہ سے بھروچ تک فتح کرلیا، اور سمندر کو طے کرکے کاٹھیا واڑ میں داخل ہوا۔ اس نے ایک مرکزی مقام قائم کرنے کے خیال سے ولبھی پور آباد کیا، اور پھر آہستہ آہستہ اپنے مقبوضات کی توسیع کرتا رہا جس کے سبب سے مہر لوگ ہٹتے چلے گئے۔ آخر موربی میں آکر اپنی آبادی قائم کی۔ چونکہ شمالی کاٹھیا واڑ، ہالار، اوکھا منڈل سے ولبھی پور کے راجوں کا کوئی کتبہ دستیاب نہیں ہوا، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات پر مہر لوگوں کا قبضہ ہوگا، اور پھر تباہی ولبھی پور کے بعد اکثر حصہ پر پھر قابض ہو گئے ہونگے۔ اور چھوٹی چھوٹی مختلف حکومتیں قائم ہوگئی ہونگی جو عرصہ تک رہیں۔ ۸۶۷ء کا دھرو راجہ راشٹ کوٹ کے عہد کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں تحریر ہے کہ مہر کے طاقتور راجہ نے حملہ کیا تھا جس کو شکست دی گئی۔ بھوملی اور دھومی بڑدا کے پہاڑ میں ان کا پایہ تخت تھا۔ موربی کے ایک تانبہ پتر جاچک دیو راجہ کا ملا ہے، اس میں اس سلطنت کا نشان "مچھلی" ہے۔ غالباً یہ ۹۰۰ء کا ہے۔ دوسرا تانبہ پتر راجہ جیک دیو کا مع نشان ماہی دستیاب ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "سورٹھ" کے بھوملی میں راج کرنے والا راجہ۔ اس راجہ کا لقب "پرم بھٹ ٹارک مہاراج ادھیراج" ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آزاد اور وسیع سلطنت تھی۔ پھر دسویں صدی میں چوراسمہ نے مہر لوگوں کو بھوملی سے نکال دیا تو یہ پوربندر چلے گئے اور جوناگڈھ میں چوراسمہ نے راجدھانی قائم کی۔ دھونکا سے جو کتبہ ملا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاپ خاندان کا راجہ "دھرنی ور" ۹۱۷ء میں وڈھوان میں تھا جو مہی پال دیو" راجہ چوراسمہ کے ماتحت تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مہر لوگ یہاں سے نکالے جا چکے تھے۔

چالوکیہ ۶۱۰-۷۴۰ء

اصل میں اس خاندان کا بانی دکن میں ہوا لیکن جب اس کو عروج ہوا تو سلطنت کے دو

حصّے ہو گئے ایک دکن دوسرا گجرات جیسا کہ آگے آئیگا۔

کوکن پر سنہ ۶۰۵ء تک موریا خاندان کی حکومت تھی ان کا پایہ تخت پوری نگر تھا۔ چالوکیہ کا ایک حکمراں راجہ پول کیشی دوم جس کی حکومت سنہ ۶۱۰-۶۴۲ء تک رہی اس کے ایک جنرل (سپہ سالار) چنڈ ڈنڈے نے موریا کو شکست دے کر پایہ تخت چھین لیا۔ یہ حال ایک کتبہ سے معلوم ہوا ہے اسی طرح دیجا پور کے پاس ایک گاؤں سے جو کتبہ سنہ ۶۳۴ء کا ملا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ مالوہ، لاٹ (بھروچ) اور گوجر راجہ کا شہنشاہ تھا یعنی اس سنہ میں یہ سب اس کے ماتحت تھے۔

جے سین ورما | چالوکیہ خاندان کا پہلا گجراتی خود مختار راجہ ہے۔ یہ پول کیشی دوم کا چھوٹا لڑکا ہے اس کی حکومت سنہ ۶۶۶-۶۹۳ء تک تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پول کیشی کے بعد اس کا بڑا لڑکا بکرمادیت تخت نشین ہوا، جے سین ورما اس کے ماتحت تھا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد بکرمادیت نے اپنے چھوٹے بھائی "جے سین" ورما کو گجرات کا حکمراں بنا دیا۔ اس کی تائید نوساری کے اُس کتبہ سے ہوتی ہے۔ جو جے سین ورما کے لڑکے کا دریافت ہوا ہے۔ اور "پرم بھٹ ٹارک" کے لقب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آزاد اور خود مختار تھا۔ اس کا پایہ تخت نوساری تھا۔ اس کتبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر طویل ہوئی اور عرصہ تک زندہ رہا اور غالباً اس کی زندگی ہی میں اس کا لڑکا تخت نشین ہوا۔ جے سین ورما کے پانچ لڑکے تھے۔ ان کے عہد میں "تری کوٹک" سنہ جاری تھا۔ انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی فتوحات کو جنوب سے شمال کی طرف ترقی دینی شروع کر دی اور گوجر راجہ کو دبانا شروع کیا۔ گوجر راجہ کی حکومت دراصل کوکن تک تھی، لیکن جوں جوں چالوکیہ ان کو دباتے گئے یہ پیچھے ہٹتے گئے، اور آخر کار بھروچ تک پہنچ گئے پھر یا تو ولبھی پور کی مدد سے یا چالوکیہ کے ماتحت اپنے کو مان لینے سے بھروچ پر قابض رہے کیونکہ بھروچ کا آخری گوجر راجہ جے بھٹ سنہ ۷۳۴ء تک موجود تھا۔ پس چالوکیہ اس کو چھوڑ کر شمال گجرات کی طرف بڑھ گئے اور دور تک قابض ہو گئے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا

لرکا بدھ ورما کھیڑا پر حکومت کر رہا ہے۔ جیسا کہ ایک کتبہ سے معلوم ہوا ہے۔ اس کے بعد مندرجۂ ذیل راجے ہوئے سراشر شلادت یوراج سنہ ۶۹۱ء دِنیادِت منگل راج سنہ ۷۳۱ء پول کیشی جناشرے سنہ ۷۳۸ء اسی کے عہد کا ایک کتبہ نوساری سے ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ "عرب لشکر جو سندھ سے آیا اُس نے کچھ، سورٹھ، چاوڑا، موریا (چتوڑ) بھیلمان کی سلطنتوں کو بہت حیران و پریشان کیا۔ اس کے بعد اس خاندان کا آخری راجہ وجے راج سنہ ۷۴۰ء میں ہوا جس سے راشٹرکوٹ والوں نے سلطنت چھین لی۔

ولبھی راج

ولبھی خاندان کی اصل یہ تو مسلم ہے کہ یونانیوں کے بعد خاندان گپت نے اس ملک گجرات پر قبضہ جمایا۔ یہ بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ سکند گپت کا گجرات پر سنہ ۴۶۷ء تک قبضہ رہا۔ اس کے بعد کی کڑی بظاہر غیر مربوط معلوم ہوتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسی عہد سے گوجروں کی آمد ہند میں شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر تحریر کر چکا ہوں کہ گوجر قوم گرجستان سے آئی اور سیستان ہوتی ہوئی ہند پر حملہ آور ہوئی ان کے حملے سنہ ۴۵۰ء سے سنہ ۵۲۰ء تک ہوتے رہے[۱] مگر ان کے مقبوضات ہند کا اصلی زمانہ سنہ ۴۷۰ء ہے۔ اسی عہد سے اپنی فتوحات کی توسیع کرتے رہے۔ ملتان اور سندھ کے بعد مارواڑ ہوتے ہوئے گجرات، مالوہ اور دکھن کو نکل گئے شمالی ہند پر قبضہ اس کے بعد ہوا۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ گپت اور دوسرے طاقتور خاندان ابھی وہاں موجود تھے۔ ان گوجروں کا پہلا مرکز بھلمان تھا، جہاں سے منتقل ہو کر اُجین (مالوہ) گئے۔ ایک نے گجرات فتح کرکے بھروچ میں قیام کیا، اور دوسرے نے دکن پہنچ کر کلیان کو پایۂ تخت بنایا۔ کچھ دنوں کے بعد اس قوم میں سب سے پہلے جو شخصیت نمایاں ہوئی وہ شری بھٹ ٹارک ہے جس کو بھٹ رک اور بھٹا رکبی کہتے ہیں۔ اس نے گجرات پر

---

[۱] نندی پوری (ناندوت) والے راجہ نے اپنے آپ کو گوجر کہا ہے (گجرات کی پراچین اتہاس فصل ولبھی)

ء سے ۵۲۰ء تک حکومت کی۔ اس شخص کو ولبھی پور کا بانی کہا جاتا ہے۔ جدید تحقیقات
علوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے جس قدر حاکم ہوئے ان میں سے پہلے کے نام کے ساتھ
بھٹ ٹارک" کا لفظ ہے، اور ان کے بعد دو کے ساتھ "سینا پت" (سپہ سالار)
ں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں راجگان اجین (مالوہ) کے ماتحت تھے۔ اس
مد سے تمام راجوں کے نام کے ساتھ مہاراجہ کا لفظ ہے جو اس بات کی دلیل ہے
ں وقت سے وہ گجرات کے آزاد اور مستقل حاکم ہوئے۔ اُن کے آخری راجے عموماً
ونت کہے جاتے تھے۔ اس وقت تک کتابوں اور مختلف سکّوں اور کتبوں سے
قدر معلوم ہوا ہے کہ تقریباً انیس بیس راجے ہوئے۔ ان کی حکومت عام طور پر تین
یں تک بیان کرتے ہیں۔ یہ مدت مرکزی حکومت کی ہے اور اس کے بعد بھی
تک اس قوم کی شاخ حکمراں رہی، جیسا کہ آگے میں اس پر مفصل بحث کرونگا۔

بانی اور نام | جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس شہر کا اصلی بانی بھٹ ٹارک ہی جینی کتابوں
علوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا اصلی نام ولبھی پور ہوگا۔ ولبھ اصل میں چھپر کے اس حصہ
ہیں جو ورانڈے سے آگے بڑھ کر بنایا جاتا ہے تاکہ بارش کی بوچھاڑ سے سکان
ں محفوظ رہیں۔ قیاس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں اس قسم کے چھپر کا
م رواج نہ تھا۔ ولبھی پور میں جب اس قسم کے مکانات بکثرت بنائے گئے تو لوگوں
ں کا نام ہی ولبھی پور رکھ دیا اور یہی عوام میں مشہور ہو گیا۔ مگر میرے خیال میں اس
سری وجہ شاید یہ ہو کہ ولبھی کے معنی محمود کے بھی آتے ہیں اور نیک شگون کے خیال
س کا نام ولبھی پور (محمود پور) رکھا ہو۔

اریخ گجرات ڈاکٹر بھگوان لال۔
ریخ ہند متعلقہ گجرات ذکا اللہ صاحب۔ ولبھی پور کے متعلق کرنل ٹاڈ صاحب یا جینیوں نے
یے ہیں جدید تحقیقات سے ناقابل اعتبار سمجھے گئے ہیں۔ اس لیے ترک کر دیا۔ گجرات پراچین اتہاس
ٹ ٹارک کی مدت حکومت ۵۰۹ء سے ۵۲۰ء دی ہے۔

ولبھی پور کا موقع ایک سوال یہ بھی ہو کہ ولبھی پور کہاں واقع ہو؟ عرب سیاحوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہو لیکن جس قدر بڑے بڑے شہر اس زمانے میں تھے ان کا علیحدہ نام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کوئی مستقل اور عظیم الشان شہر تھا۔ ورنہ معمولی بڑے شہر کو لوگ عموماً "پٹن" کہتے تھے۔ قدیم سے قدیم سیاحوں میں چینی سیاح "ہونگ شیانگ چین" کا بیان ملتا ہے، جو لکھتا ہو کہ لاریکا (لا یعنی بھروچ) دیس کے اُتر میں واقع ہے۔ بیرونی کہتا ہو کہ انہلواڑہ سے دکھن کی طرف تیس جوجن (اس سے مراد آٹھ میل ہی) کے قریب ہی۔ الیٹ صاحب کے بیان کے موافق موجودہ ریاست بھاؤنگر سے بیس میل اور بندر گھوگھہ کے درمیان میں آباد تھا۔ موجودہ تحقیق بھی قریب قریب یہی ہو کہ گھیلا رو ندی کے کنارے وڑا نامی گاؤں کے پاس ولبہ یا ولبھی نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں موجود ہے جس کو اس شہر کی یادگار سمجھو، اور وہ آج کل ایک گوہیل رئیس کا مقبوضہ ہی، اس کے شمال اور مغرب میں ببیلوں کے درختوں کا ایک جنگل ہی۔ اس میں سب طرف سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔ اسی کے اندر ولبھی پور کے کھنڈر موجود ہیں۔ موسم برسات میں اکثر قدیم اشیا دستیاب ہوتی ہیں جیسے سکے وغیرہ۔ اکثر لوگ کھود کر ملبہ اور عمارتوں کا مسالہ نکالتے ہیں[1]۔

ولبھی سلطنت کا حدود اربعہ اس سلطنت کا حدود اربعہ صحیح اور یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن چینی سیاح کے عہد (۶۴۰ء) میں چھ ہزار "لی" تھا۔ پس اگر تین لی کا ایک میل مان لیا جائے تو اس حساب سے دو ہزار میل ہوتا ہو۔ یہ ایک مجمل بیان ہو جس کی تفصیل بعض کتبوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں۔ بعض کتبے جو موربی اور رویراول سے کسی وقت میں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سے ہم قیاس کرتے ہیں کہ کاٹھیاواڑ کا مشرقی اور شمالی حصہ بھی ان کا مقبوضہ تھا۔ چونکہ ابتداءً ان گوجروں کا مرکز بھیل مال تھا اور پھر مالوہ۔ اس لیے یقیناً خودمختاری کے بعد سارا گجرات ان کے ماتحت ہوگا۔ اس حساب سے مشرق میں اجین،

---

[1] گجرات کا پراچین اتہاس فصل ولبھی پور۔

بھن مال، مغرب میں بحر عرب، شمال میں موربی ملکہ وڈھ نگر وغیرہ، جنوب میں کوکن (تھانہ) وغیرہ ان کا حدود اربعہ ہوگا۔

آب وہوا اور باشندے چینی سیاح کا بیان ہے کہ اس ملک میں آفتاب وہی چیزیں اور ویسی ہی گرمی، سردی پیدا کرتا ہے، جیسا ملک مالوہ میں اور یہاں کے باشندوں کے اوضاع واطوار، صورت وشکل، اخلاق وعادات بھی اہل مالوہ کے مماثل ہیں۔

ولبھی پور شہر خاص شہر ولبھی پور کا احاطہ چینی سیاح ایک میل بتاتا ہے لیکن جدید تحقیقات سے اس وسیع شہر کا رقبہ تقریباً پانچ چھ میل تک پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس گاؤں سے پانچ میل تک زمین کھودنے سے دیواروں کی بنیادیں ملتی ہیں۔ یہ بنیادیں عموماً مٹی اور اینٹوں کی ہوتی ہیں۔ چونکہ اس وقت تک کوئی عمارت یا کسی دیوار کی بنیاد پتھر کی نہیں ملی اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ اس عہد میں کاٹھیاواڑ میں پتھر کی عمارتوں کا رواج نہ تھا۔

فصیلِ شہر اس شہر کی فصیل جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے بقول چینی سیاح ایک میل تھی۔ جس کی بنیادی دیواریں ۴½ فیٹ چوڑی تھیں۔ یہ دیواریں مٹی اور پکی اینٹوں سے تیار کی گئی تھیں۔ اینٹ کا طول ۱۶ انچ اور عرض ۱۰ انچ اور موٹائی ۳ انچ کی تھی فصیل کے چاروں طرف خندق تھی جو اس قدر گہری تھی کہ پانی نکل آیا تھا۔ اس خندق کی شکل جو گرداگرد تھی بالکل انسان کے کان جیسی تھی جس کا نقشہ مندرجہ ذیل[۱] ہے۔

[۱] تاریخ ہند جلد ۴ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ علی گڑھ

ولبھی سنہ یہ عجیب بات ہے کہ خود ولبھی سلطنت کا کوئی سنہ نہ تھا، بلکہ گپت کا جو سنہ تھا اسی کو استعمال میں لاتے تھے چنانچہ ویراول میں "ہرسد ماتا" کے دیول میں جو کتبہ پایا گیا ہے اس میں مندرجہ ذیل سنین دیے گئے ہیں سنہ ۶۶۲ھ سنہ ۱۳۳۰ بکرمی سنہ ۹۴۵ ولبھی سنہ ۱۵۱ سین۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولبھی سنہ ۳۱۹ء میں شروع ہوتا ہے اور یہی سنہ گپت کا بھی ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اس نے گپت سنہ کو اختیار کر لیا اور سنہ کے آخر میں فقط "ولبھی" بڑھا دیا۔ ابوریحان بیرونی کی بھی یہی رائے ہے کہ ولبھی اور گپت دونوں کا سنہ ایک ہی ہے۔ اور جس طرح آج گورنمنٹ فقط اپنا سنہ عیسوی استعمال کرتی ہے مگر رعایا مختلف سنہ اپنا اپنا بھی استعمال میں لاتی ہے جیسے سندھ یا بکرمی، اسی طرح اُس عہد میں بھی رعایا گپت کا سنہ ہی بعض دفعہ استعمال میں لاتی تھی جیسا موربی کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے (جیک دیو کا تامر پتر) جس پر گپت سنہ ۵۸۵ درج ہے اور اس سنہ میں ولبھی تھے، گپت نہ تھے۔ یہ بات مسلم ہے۔

آبادی و اقتصادی حالت اس شہر کی آبادی کے متعلق یقینی طور پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے بجز اس کے کہ ایک بڑا شہر ہونے کے سبب آبادی بھی بہت بڑی ہوگی اور شہر کے جو آثار چار پانچ میل تک ملتے ہیں اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جو شہر چار میل تک آباد تھا اس کی آبادی کس قدر ہوگی۔ اس کی تائید ہونگ شیانگ کے سفرنامے سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ باشندوں کی کثرت ہے۔ پھر امرا کی تعداد سیکڑوں بتاتا ہے۔ مدرسوں، خانقاہوں اور معابد کا بھی یہی حال ہے۔ واعظین کا شمار ہزاروں تک تھا۔ ظاہر ہے کہ ہزاروں واعظین کسی شہر میں اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ اُن کے وعظ سننے والے لاکھوں ہونگے۔ اس لئے مندرجۂ بالا امور کو مدنظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس شہر میں لاکھوں کی آبادی ہوگی۔

اس شہر کی اقتصادی حالت بہت اچھی تھی۔ ہونگ شیانگ سے لے کر آخری عرب سیاح تک اس کی دولت مندی کے مداح ہیں۔ تجارت کی بھی بڑی گرم بازاری تھی تمام بندرگاہیں تجارتی مالوں سے بھرپور۔ دیوپٹن، کھنبایت، بھروچ، اچھے مور، اسوپارہ، تھانہ بروکی

بڑے بندرگاہ تھے چینی سیاح لکھتا ہے کہ دور دور کی دولت یہاں جمع ہونے کے لیے آتی ہے چینی سیاح کا یہ بھی بیان ہے کہ اس شہر میں مالدار خاندان بہت ہیں۔ایک سو سے زیادہ کروڑپتی رہتے ہیں۔

حکمراں کے حالات | افسوس ہے کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی بدمذاقی سے اس عظیم بالشان قوم کے حالات کسی تاریخ سے دستیاب نہیں ہوسکتے۔ان کے حالات معلوم کرنے کا واحد ذریعہ صرف آثار ہیں یعنی سکے اور وہ کتبے جو مختلف مقامات سے حاصل کیے گئے ہیں ان کتبوں سے بڑے قیمتی معلومات حاصل ہوئے یہ کتبات عموماً تانبے کے ہیں، جو بعض فرامین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کو گجرات میں "تامر پتر" بھی کہتے ہیں۔ان کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور کڑی کے ذریعہ جڑے ہوتے ہیں۔کڑی کے پاس راجہ کا سکہ جیسا ہوتا ہے جس میں نندی کی تصویر ہوتی ہے۔نندی ہندوؤں کے یہاں شنکر کے بیل کا نام ہے۔نندی کے نیچے بھٹ ٹارک کا نام بانی ولبھی پور کی حیثیت سے لکھا ہوا کرتا ہے۔اس میں جو تحریر ہوتی ہے وہ سنسکرت نثر میں ہوتی ہے۔ان فرامین میں مندرجہ ذیل نام خصوصیت سے ہوتے ہیں۔خیرات دینے والے کا نام، خیرات لینے والے کا نام، سنہ، جو چیز دی گئی ہے اس کا نام۔محرر کا نام، سفارش کرنے والے کا نام، جس جگہ یہ فرمان صادر کیا گیا ہے اس جگہ کا نام راجہ کا پورا سلسلہ نسب، مکان یا جائداد اگر دی گئی ہو تو اس کا حدود اربعہ، سنہ، ماہ، دن آخر میں بادشاہ کا لقب اور اس کے دستخط۔ایسے تامر پتر جس پر راجہ کا پورا سلسلۂ نسب لکھا ہو وہ صرف چند راجاؤں کے ہیں۔باقی پر ان کا تنہا نام ہوتا تھا۔اس وقت تک بیس[۲] راجاؤں کے نام ملے ہیں۔ان میں سے ۵۲۶ء میں دھروسی نہ (دھروسین) نامی جو راجہ تھا اس کا لقب پرم بھاگوت تھا، اور اس کے بھائی کا لقب پرم دِوِتیہ بھگت تھا۔راجہ گوہ سین کا لقب پرم پاسک ہوا۔اس کے بعد بعض راجاؤں کا لقب پرم ماہیشور ملتا ہے۔شیلادت چہارم کا لقب باپ پادانودھیات لکھا ہوا ملا ہے، جو غالباً گرو (مرشد) کا

چیلہ ہونے کے سبب رکھا گیا ہوگا۔ بھٹ ٹارک جو اس سلطنت کا بانی ہے اس نے ۵۰۹ء سے ۵۲۰ء تک حکومت کی اور اس کے تیسرے لڑکے دھرسین اول کے تین کتبے ملے ہیں۔ اول کتبہ ۵۲۶ء کا ہے اور دوسرے کتبہ پر ۵۲۹ء لکھا ہوا ہے اور آخری کتبہ ۵۳۵ء کا ملا ہے۔ اس سے تو اس قدر معلوم ہوا کہ ۵۳۵ء تک وہ یقیناً حکمراں رہا۔ پھر اس کا بھائی دھرپٹ ۵۵۹ء تک برسر حکومت رہا، پھر اس کا لڑکا گوہ سین ہوا۔ اس راجہ کے متعدد کتبے دستیاب ہوئے ہیں بعض مقام واڑا اور بعض بھاؤنگر سے۔ ایک کتبہ پر ۵۵۹ء بہ ۲۴۰ گپت اور دوسرے پر ۵۶۵ء ۲۴۶ گپت درج ہے۔ بھاؤنگر کے کتبہ پر ۵۶۷ء ۲۴۸ گ لکھا ہوا ہے۔ مٹی کے برتن پر جو تحریر ہے اس میں ۵۶۶ء ۲۴۷ گ ہے۔ یہ راجہ اس خاندان میں بڑا شاندار رہا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کے راجاؤں کا نسب اسی گوہ سین سے شروع کیا جاتا ہے۔ اغلباً راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ میں گوہیل وغیرہ راجپوت اسی خاندان سے ہیں۔ اس کے نام کے ساتھ لفظ "مہاراجہ" کا ہوتا ہے۔ ایک کتبہ میں اس کا لقب پرم ماہیشور ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک یہ "شیو" مذہب رکھتا تھا۔ مگر دوسرے کتبہ میں اس کا لقب "پرم پاسک" ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ پھر وہ بدھ ہو گیا تھا۔ اس کی پھوپی زاد بہن نے ایک بدھ مٹھ بنایا تھا۔ خود اس راجہ نے بھی بہت خیرات کی ہے۔

دھرسین دوم ۵۶۷ء تا ۵۸۹ء اس عہد کے پانچ کتبے ملے ہیں۔ ان میں سے تین پر ۵۷۱ء اور چوتھے پر ۵۸۸ء اور آخری پر ۵۸۹ء (۲۷۰ گ) لکھا ہے۔ تین پہلے کتبوں میں اس کو مہاراجہ اور دو مابعد میں "مہاسامنت" لکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں کسی دوسرے راجہ کے ماتحت ہو گیا ہوگا۔ اس کا لقب چونکہ "پرم ماہیشور" ہے اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ یہ "شیو" کا ماننے والا تھا۔

شلادت اول ۵۹۴ء بہ ۲۶۰ تک اس کا دوسرا نام دھرمادت ہے۔ تامر پتر سے اس کا شیو ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن بدھ دھرم والوں کو خیرات بہت دی ہے، اس لیے ایسا

قیاس کیا جاتا ہے کہ بُدھ والوں کی یہ بہت عزت کرتا تھا، آخر میں اس نے اپنے جانشین کے لیے تخت خالی کردیا اور خود مرتاض بن کر عبادت الٰہی میں مشغول ہوگیا۔

کھرگرہ اول۔ کتبہ سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شلادت اول نے اپنے سامنے ہی تخت نشین کرایا۔ سنہ ۶۱۱-۶۱۵ء

دھرسین سوم سنہ ۶۱۵-۶۲۰ء تک۔ افسوس ہے کہ اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہے۔

دھروسین دوم۔ (سنہ ۶۲۰-۶۴۰ء) یہ دھرسین سوم کا بھائی ہے۔ اس کا دوسرا نام بالادت[1] ہے۔ اسی کے عہد میں چینی سیاح ہانگ شیانگ ولبھی پور آیا ہے۔ بعض تامر پتر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بڑی فتوحات حاصل کیں اور سلطنت کو بڑی وسعت دی۔ لیکن جو تامر پتر نوساری سے دستیاب ہوا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قنوج کے راجہ ہرش نے (سنہ ۶۰۷-۶۴۸ء) میں اس کو شکست دی تھی۔ اس وقت بھروچ کے راجہ دد نے جو دوسرا راجہ تھا اس کی مدد کی تھی۔ یہ کتبہ بھروچ کے تیسرے راجہ جے بھٹ (سنہ ۷۰۶-۷۳۴ء) کے عہد کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاید یہی بھروچ کا راجہ ہوگا جس نے بیچ میں پڑکر صلح کرا کر راجہ قنوج کی لڑکی سے شادی کرائی ہوگی۔ جیسا کہ چینی سیاح نے لکھا ہے کہ یہاں چھتری (کشتری) راجپوت راج کرتے ہیں۔ مالوہ کے شلادت کا بھتیجا پہلے راج کرتا تھا۔ اب شلادت راجہ قنوج کا داماد ہے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ چھٹی صدی کے آخر میں سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے۔ ایک کا ولبھی پور اور دوسرے کا بھروچ پایہ تخت تھا۔ اس کتبہ سے جو نوساری میں ملا ہے، اس کی تائید ہوتی ہے۔ غالباً یہ تفریق دھرسین دوم کے آخر عہد میں ہوئی۔ پہلے راجہ کا نام دد[1] اول (سنہ ۵۸۵-۶۰۵ء) اور دوسرا جے بھٹ[2] (سنہ ۶۰۵-۶۲۰ء) اور کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کے راجہ کا نام دد[3] دوم (بھٹ) ہے اور پھر جے بھٹ دوم[4] ہے۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ دد سوم اس وقت (سنہ ۶۷۵-۷۰۰ء) تک ہندو مذہب میں داخل

---

[1] چینی سیاح نے اس کا نام "دیہ دد بھٹ" لکھا ہے۔ ص ۸۰ مطبوعہ لاہور

نہیں ہوا تھا۔ بعد کو برہمنوں نے اس کو کشتری (چھتریوں) میں داخل کر کے اپنے مذہب میں شامل کیا[1]

دھرسین چہارم ۶۴۴ء کا جو کتبہ ملا ہے اس پر اس کا نام "پرم بھٹ ٹارک مہاراج ادھیراج چکرورتی" درج ہے۔ اس لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی زبردست راجہ تھا جو نہ صرف خود آزاد تھا بلکہ بڑی فتوحات کے ذریعہ اس وسیع ملک کا شہنشاہ بن گیا تھا اور غالباً اس کے بعد پھر کوئی اس قدر طاقتور راجہ نہ ہوا کیونکہ اور کسی کتبہ میں "چکرورتی" کا لفظ نہیں ملتا ہے۔ اس کے دو کتبے اور ملے ہیں۔ اول پر ۶۴۵ء اور دوسرے پر ۶۴۹ء مرقوم ہے۔

دھروسین سوم ۶۵۶-۶۶۵ء۔ دھروسین چہارم کے والد (دھروسین دوم) کا چچا (شلادت اول) کے لڑکے (دیر بھٹ) کا یہ بیٹا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولبھی نہ تھا۔ یعنی ولبھی میں اس کے باپ کی سلطنت نہ تھی، بلکہ جنوب (بھروچ) کی طرف کوئی چھوٹا راجہ ہوگا جو موقعہ پاکر ولبھی تخت پر قابض ہوگیا۔ نوانگر راج میں ایک گاؤں دان دیا ہے۔ اس کے تامر پتر پر ۶۵۱ء ہے۔

کھرگرہ دوم ۶۵۶-۶۶۵ء۔ اس وقت تک اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ صرف بعض کتبے ایسے ملے ہیں جس میں ماسبق راجاؤں کا نام معمولی طرح سے لیا ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً اس نے اُن سے سلطنت چھین کر لی ہے۔

شلادت سوم ۶۶۵-۶۷۵ء۔ کھرگرہ دوم کے بھائی شلادت دوم کا لڑکا ہے جو غالباً وندھیاچل کا سرحدی حاکم تھا۔ ان کے تین کتبے ملے ہیں۔ دو پر ۶۶۵ء ۳۴۶ سموت اور تیسرے پر ۶۷۱ء ۳۵۲ سموت مرقوم ہے اس کا لقب "پرم بھٹ ٹارک مہاراجادھیراج پرمیشور" ہے۔ اس کے بعد والے دوسرے راجاؤں نے بھی اس لقب کو اختیار کیا ہے۔

شلادت چہارم ۶۹۱ء۔ اسی سنہ کا ایک کتبہ ملا ہے جس سے اس قدر معلوم ہوا کہ اس کے لڑکے کا نام کھرگرہ تھا۔

---

[1] تاریخ گوجران ص ۲۲ ۔ مطبوعہ لاہور۔

شلادت پنجم بسنہ ۷۲۲ء۔ گونڈل میں دو کتبے ملے ہیں۔ اس میں یہ سنہ مذکور ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے لڑکے شلادت کی سفارش سے یہ دان دیا جا رہا ہے۔

شلادت ششم بسنہ ۷۶۰ء میں کسی کو دان دیا ہے۔ ایک کتبہ سے ایسا معلوم ہوا۔

شلادت ہفتم بسنہ ۷۶۶ء کا ایک کتبہ ملا ہے۔

ولبھی عہد کے عہدہ دار اس عہد میں جس قدر عہدہ دار ہوتے تھے اُن سب کے نام کا بتانا ناممکن ہے لیکن کتبات کے ذریعہ سے جن عہدوں کے نام ملے ہیں، اور ان کے جو معانی سمجھے گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

نام عہدہ	معانی
دراِن یک	کوتوال
مہتر	پٹیل
چاٹ بھٹ	حوالدار
دُھرُوَ	تلاٹی (پٹواری)
ادھی کرنیک	قاضی
ڈنڈپاشک	پولیس کا افسر اعلیٰ
چور دھرنک	کھوجی (نقش قدم کے ذریعہ چور تلاش کرنیوالا) یہ عہدہ سندھ، پنجاب، راجپوتانہ میں اس وقت بھی موجود ہے
راج استھانیہ	وزیر خارجہ
اماتیہ	وزیر (یہ عہدہ عموماً ولی عہد کو ملتا تھا)
ادوت پتّا دان سمدگراہک	بقایا مالگزاری وصول کرنے والا عملہ
شول کک	مال کا محصول لینے والا عملہ
بھوگک (یا) بھوگد رنیک	زمین کی پیداوار کا محصول لینے والا (کلکٹر)

نام عہدہ	معانی
وتم پال	تھانہ دار
پرتی سرک	گاؤں کا چوکیدار
راسٹرپتی	کمشنر
گرام کٹ	گاؤں کا مکھی
دِوی رپتی	چیف سکرٹری
پرماتری	پیمائش کا افسر

ملک کی تقسیم کس طرح تھی اس عہد میں ملک صوبوں اور ضلعوں میں اس طرح تقسیم تھا:۔

وے شے	صوبہ
آہار	ضلع
پتھک	تحصیل
استھلی	ٹپو (غالباً تحصیل سے چھوٹا حصہ)

زراعتی محصول: سلطنت کے دو حصے تھے (۱) شمالی یعنی کاٹھیا واڑ وغیرہ (۲) جنوبی یعنی کھیڑا، بھروچ وغیرہ۔ ان دونوں مقاموں میں ادائیگی محصول کا طریقہ علیحدہ علیحدہ تھا۔ کھیڑا یعنی جنوبی حصہ میں کُل پیداوار میں سے حصہ لیا جاتا تھا۔ لیکن کاٹھیاواڑ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا بلکہ پیمائش زمین کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا، اور پیمائش قدم سے کرتے تھے۔ اور ان معاملات میں وزن کا طریقہ رائج نہ تھا بلکہ ٹوکریوں سے ناپ کر دیتے تھے، جیسا کہ آج بھی برھما میں رائج ہے۔ کھیتوں کا نام عموماً کسی تالاب یا درخت یا دیو پر رکھتے تھے۔

ولبھی راجاؤں کا مذہب جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ولبھی دراصل گوجروں کی شاخ ہیں اور گوجروں کا اصل مذہب سورج پرستی ہے۔ ایران میں بھی یہ مہر یعنی سورج کے پجاری تھے۔ ہند جب

پہنچے تو ان کے سامنے مفتوح قوم کے متعدد مذہب تھے۔ اوّل برہمنی مذہب (شیو اور وشنو کے ماننے والے)۔ دوم بُدھ مذہب۔ سوم جینی۔ اول برہمنوں کا تمام ہندوستان پر راج رہا، پھر بُدھ کے بعد اشوک نے تمام ہندوستان میں بُدھ دھرم قائم کیا، اور ہندوستان کی ایک بڑی مخلوق بُدھ ہوگئی۔ لیکن پھر بکرما جیت نے بدھوں کو ہر جگہ سے نکالنا شروع کیا۔ پس جس وقت گوجر یہاں پہنچے تو اکثر مقامات پر حاکم قوم تو عموماً برہمنی مذہب کی تھی مگر عام رعایا بُدھ مذہب کی تھی۔ یہ حالت خصوصاً گجرات، کاٹھیاواڑ اور سندھ کی تھی۔ اور مسلمانوں کے آنے تک یہی حالت رہی اور جین مذہب اس ملک میں تیسرے نمبر پر تھا۔ جب بُدھ فنا ہو گئے تو جین مت نے اس کی جگہ لے لی۔ جب گوجر یہاں آئے تو ہر مذہب نے ان کو اپنے میں جذب کرنا چاہا۔ چنانچہ کچھ بدھ ہو گئے اور کچھ شیو، مگر اس جنگجو قوم کے لیے جو حاکمانہ اقتدار بھی رکھنا چاہتی تھی بُدھ مذہب اس کے لیے مناسب نہ پڑا۔ ولبھی راجاؤں میں بھٹ ٹارک پہلا شخص ہے جو "شیو" ہوگیا۔ اور اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کئی پشت تک ہر کتبہ پر بھٹ ٹارک کے نام اور تصویر کے ساتھ نندی بیل کی تصویر موجود رہتی ہے۔ برہمنوں نے آبو پہاڑ پر اگنی دیوتا بھڑکا کر ان گوجروں کو کس طرح پوتر کر کے کشتری راجپوت بنا کر "شیو" میں داخل کیا۔ یہ گوجروں کی تاریخ پڑھنے سے آپ پر واضح ہو جائیگا۔ بھروچ کا گوجر راجہ ددھ بھٹ سوم ۶۷۵ء نے بتایا ہے کہ کس طرح برہمن گوجروں کو کشتری راجپوت بنا کر اس کا سلسلہ نسب پران سے ملا کر ایک سند دیدیتے تھے اور وہ خود بھی کس طرح اس پر عامل ہوا۔ غرض جن لوگوں نے اس عہد میں تبدیل مذہب کر کے برہمنوں کا ساتھ دیا، وہ راجپوت کہلانے لگے۔ اور جن لوگوں نے برہمنوں سے علیحدگی اختیار کی وہ آج تک گوجر کہلاتے ہیں، جیسا کہ گجرات اور پنجاب میں اب بھی یہ لوگ اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔ گو ہ سین سے پہلے بھٹ ٹارک خاندان سب اسی مذہب کے پرستار رہے۔ مگر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ گو ہ سین بُدھ مذہب کا پابند تھا، گو کہ

ٹوتامر پتر پر اس کا لقب وہ لکھا ہے جو عموماً شیو مذہب کے راجہ رکھتے تھے اور آخری کتبہ پر
وہ لقب ہے جو بدھ مذہب والے رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں وہ اپنے
آبائی مذہب پر تھا لیکن بدھ مذہب والوں نے (جو ابتدا سے تبدیل مذہب کی کوشش
میں لگے ہوئے ہونگے) اس پر ایسا اثر ڈالا ہوگا کہ آخر میں بدھ ہوگیا۔ غالباً محل میں بھی اکثر
عورتیں بدھ تھیں۔ چنانچہ گوہ سین کی پھوپی زاد بہن بھی بدھ تھی۔ اس نے متعدد بودھ مٹھ
بنائے اور خیرات دی۔ اس کے بعد سے اس خاندان میں مذہب کے لیے ایسی ہی کشمکش
شروع ہوئی جیسی قیاصرہ روم میں عیسائیت کے لیے۔ اور چنگیز خاں کی اولاد میں اسلام
کے لیے چنانچہ کچھ "شیو" ہوئے اور کچھ بودھ اور کوئی جین۔ ولبھی راجے شیو ہوں یا بدھ
تھے بڑے مخیر۔ انھوں نے برہمنوں اور بدھوں کو یکساں بڑی بڑی خیراتیں دیں۔ ان میں
سے جو لوگ (راجہ) شیو تھے وہ زیادہ تر "نکولیش" فرقے کے تھے۔ اس فرقہ کا سب سے
بڑا مندر کاروں میں نربدا کے پاس تھا۔ غالباً اسی سبب سے شیو دھرم کے لوگ نربدا
ندی کو متبرک سمجھتے ہیں۔ شیو کی ایک شاخ "پاشوپت" ہے۔ اس مذہب کی خاص خصوصیت
یہ ہے کہ مذہب کے واسطے ہر وقت جنگ وجہاد کرنے کو مجاہدین کا ایک فرقہ تیار رہتا تھا۔
ایسے مجاہدین شادی نہیں کرتے تھے اور بڑی محتاط زندگی بسر کرنے کے باعث بڑی عمر کے
اور مضبوط ہوتے تھے[1]۔ راجہ اکثر اس مذہب کو صرف اس لیے اختیار کر لیتا تھا کہ فوج کے
لیے بہترین سپاہی اس کو مل جاتے تھے چینی سیاح ہونگ شیانگ چین جب ولبھی پور آیا
ہے تو مذہبی اعتبار سے بھی یہ شہر بڑا پر رونق تھا۔ یہاں ایک سو سے بھی زیادہ بودھوں کی
خانقاہیں (وہار) تھیں۔ اور چھ ہزار سے بھی زیادہ اس مذہب کے واعظ سادھو تھے جو
مقدس کتابوں کا دن رات مطالعہ کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر بودھ کے "ہی نایان"
فرقے کے تھے۔ اور دیوتاؤں کے کئی سو معابد بھی یہاں موجود تھے۔ پھر لکھتا ہے کہ جب

---

[1] پراچین اتہاس فصل ولبھی۔

آدمی کی دنیا میں بدھ تھا تو وہ اکثر اس ملک میں آیا کرتا تھا۔ جن درختوں کے نیچے وہ یہاں آکر بیٹھا کرتا تھا، ان کے پاس راجہ اشوک نے بطور یادگار "اسٹوپ" بنوایا۔ جس سے بدھ کے بیٹھنے کی جگہ معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کے اسٹوپ آج بھی برہما میں بکثرت ہیں جن کو ٹھوس تعمیر کرایا ہے۔ سیاح مذکور یہ بھی لکھتا ہے کہ "یہاں اہل بدعت بہت ہیں" اس سے غالباً اس کی مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو بودھ تو ہیں مگر ان کا تعلق بدھوں کے دوسرے فرقوں سے ہے اور سیاح مذکور کے ہم خیال فرقہ نہیں ہے، یا اس سے مراد بے دین لوگوں کو لیا ہے جو بُدھ مذہب کے مخالف ہیں۔ اور ان کی شناخت کے لیے لکھا ہے کہ وہ بدن پر بھبھوت ملتے ہیں۔ غالباً ہندو سادھو مراد لیے ہیں۔

ولبھی پور کی تباہی

یہ عظیم الشان شہر جو اڑھائی سو سال سے زیادہ عرصہ تک عروس البلاد بنا رہا۔ اس کی ویرانی اور تباہی کیونکر ہوئی۔ یہ ایسا راز سربستہ ہے جو ابھی تک گنج قارون کی طرح لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ دنت کتھا (داستان) کے طور پر مختلف روایات مشہور ہیں کسی نے کہا کہ اس کی تباہی پارتھین کے ذریعہ ہوئی۔ کوئی ہُن کا نام لیتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ لوگ کمیٹی تھے۔ الیٹ صاحب نے بھی اس کے متعلق کوئی خاص نظریہ نہیں پیش کیا۔ کچھ لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ سندھ کے عربوں نے اس کو ویران کر ڈالا بعض تامر پتر (کتبہ) سے اس کی تصدیق کی بھی کوشش جاری ہے۔ میں پہلے ان داستانوں کو تحریر کرتا ہوں اور پھر اس کے متعلق خاص بحث کرونگا کہ یہ شہر کس عہد میں تباہ ہوا، اور کس طرح ہوا؟

جینی کتابوں میں ہے کہ ڈھنڈلی مل ایک سادھو مع اپنے چیلے کے ولبھی پور آیا اور شہر کے پاس اپنا استھان بنایا۔ چیلہ شہر میں خیرات مانگنے گیا، مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔ مجبوراً وہ جنگل جا کر لکڑیاں کاٹ لایا اور فروخت کر کے کچھ پیسے حاصل کیے، جب آٹا خرید کر روٹی

پکوانی چاہی تو لوگوں نے انکار کردیا۔ آخر ایک کمہار کی بیوی نے روٹی پکائی۔ عرصہ تک وہ ایسا ہی کرتا رہا۔ آخر ایک دن سادھو نے چیلے سے دریافت کیا کہ تیرے سر کے بال کیوں گرنے لگے۔ اس نے اصل حقیقت بیان کی کہ روزانہ لکڑی سر پر اٹھانے سے بال گر رہے ہیں۔ سادھو نے کہا اچھا کل ہم خود جائینگے۔ چنانچہ وہ گیا مگر سوائے کمہاروں کے کسی نے کوئی خیرات نہ دی۔ اس سے سادھو کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کمہار کو کہلا بھیجا کہ تو اپنا خاندان لے کر یہاں سے نکل جا، کیونکہ اب یہ شہر تباہ ہو جائیگا۔ مگر جاتے وقت تو پیچھے پھر کر نہ دیکھنا۔ چنانچہ کمہار چلا گیا، مگر جب بھاؤنگر کے پاس پہنچا تو اس کی عورت نے پھر کر دیکھا، اسی وقت وہ پتھر کی ہو گئی۔ لوگوں نے اس کا نام "رودا پوری ماتا" رکھا۔ ادھر سادھو نے بقال کا ایک برتن لے کر اوندھا دیا، اور کہا شہر اسی طرح اوندھا ہو جائے، اور اس کی دولت مٹی ہو جائے اُسی وقت ولبھی پور تباہ ہو گیا۔

اس کہانی سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) جینی راوی نے اس سادھو کے چمتکار (کرامت) کو جس آب و تاب سے بیان کیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادھو جینی تھا۔ (۲) یہ کہ ولبھی پور کی کثیر آبادی بودھ تھی۔ کیونکہ اس عہد میں بلکہ مسلمانوں کے عہد تک سندھ اور گجرات کی غالب آبادی کے بدھ ہونے کا ثبوت عرب سیاحوں کے سفرناموں سے ملتا ہے (۳) یہ کہ بدھ اور جینیوں میں سخت عداوت تھی، اور ایک دوسرے کے ساتھ مذہبی جنگ برپا تھی کیونکہ ولبھی پور کے لوگ مالدار اور فیاض تھے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک سادھو اس طرح بے آب و دانہ اس جگہ رہے، لوگوں سے مانگے اور ایک وقت کا کھانا بھی اُس کو میسر نہ ہو۔ یہ واقعہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سادھو جینی ہو اور ولبھی بودھوں کے تعلقات جینیوں سے کشیدہ ہوں (۴) وہ کمہار غالباً نیچ ذات کا ہوگا (۵) یہ جس مقام پر رہتا تھا وہ یا تو ولبھی پور کا کوئی آخری محلہ ہوگا یا قریب ترین گاؤں (۶) غالباً اس محلہ

یا گاؤں کا نام رودا پور ہو گا۔

اب ناظرین دوسری کہانی ملاحظہ فرمائیں جو عام تاریخوں (گجراتی) میں موجود ہے اور تقریباً ہر ہندو مصنف نے درج کیا ہے۔ ولبھی پورا ایک شخص کاکو نامی بڑا دولتمند رہتا تھا۔ ولبھی پور کے بڑے بڑے مکانات اس کے مقبوضہ تھے۔ کاکو کی ایک لڑکی تھی جس کے پاس ہیرے کی (یا ہیرے والی) کنگھی تھی۔ راجہ کی لڑکی کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے اس کنگھی کو طلب کیا کاکو کی لڑکی نے دینے سے انکار کر دیا جس کا راج کماری کو سخت ملال ہوا، اور اس نے اپنے باپ سے اس کی شکایت کی۔ راجہ نے کاکو سے خود طلب کی مگر اُس نے بھی دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس بات سے راجہ کو بڑا غصہ آیا، اور اس نے سپاہی بھیج کر جبراً چھین لی۔ کاکو اپنی اس ذلت کو برداشت نہ کر سکا اور اس ظلم کا بدلہ لینے کا اُس نے مستحکم فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ ایک بڑی رقم نذرانہ دے کر پردیسی لشکر لے آیا جس نے ولبھی پور کو لوٹ لیا اور راج کو تباہ کر دیا۔ یہ کاکو غالباً بودھ تھا کیونکہ اس ملک میں بڑے بڑے تاجر اور دولتمند بودھ ہوتے چلے آئے ہیں اور عموماً آخری راجے ولبھی پور کے شلادت بودھ نہ تھے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس قصہ میں بھی مذہبی جذبہ کار فرما ہو۔ ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب میں اس کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

لوگ ایسا بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی جو سدھ کے درجہ تک پہنچ گیا تھا (اور غالباً بُدھ تھا) کسی چرواہے سے اس نے دریافت کیا کہ ایک بوٹی جس کو "تو ہر" کہتے ہیں تم نے دیکھی ہے؟ اس کی شناخت یہ ہے کہ جب اس کو توڑو تو بجائے سفید دودھ کے خون نکلے اس نے جواب دیا کہ ہاں دیکھا ہے۔ اس آدمی نے اس چرواہے کو کچھ انعام دیا، تو اس نے اُس جڑی بوٹی کا مشاہدہ کرا دیا۔ تب اس سدھ نے ایک گڑھا کھود کر آگ روشن کی اور جب خوب تاؤ پر آ گئی تو اس آدمی نے چرواہے کے کُتّے کو پکڑ کر اس آگ میں ڈال دیا۔ اس پر چرواہے کو بڑا غصہ آیا۔ چرواہے نے اُس سدھ کو پکڑ

کر آگ میں ڈھکیل دیا۔ آگ ٹھنڈی ہونے تک اُس نے انتظار کیا، سرد ہونے کے بعد دیکھتا ہے کہ دونوں سونے کے ہو گئے ہیں۔ اُس نے اپنا کتا اُٹھا لیا، اور آدمی کو اُسی جگہ چھوڑ دیا۔ اتفاق سے ایک دیہاتی اُس طرف سے گزرا، اس نے اس کی ایک اُنگلی کاٹ لی اور ایک بنیے (بقال) جس کا نام رنک (یعنی غریب یا فقیر) تھا، کے پاس لے جا کر فروخت کیا اور اپنی ضروریات کی چیزیں خرید کر واپس آگیا۔ دوسرے دن جب پھر پہنچا تو دیکھتا ہے کہ اُس آدمی کی اُنگلی اُگ کر برابر ہو گئی ہے۔ اس نے پھر کاٹ کر بقال مذکور کو دی اور ضروری چیزیں خریدیں، اسی طرح وہ روزانہ کرتا رہا، یہاں تک کہ بقال نے اس سے اصل حقیقت معلوم کرلی۔ اور اس دیہاتی نے بھی سادہ لوحی سے اصل حال سے آگاہ کر دیا۔ بقال نے اس سونے کے انسان کو اُس جگہ سے اپنے گھر منتقل کر لیا۔ پھر تو وہ بڑا دولت مند ہو گیا اور شہر کے مکانوں کا بڑا حصہ اس کی ملکیت میں آگیا۔ جب اس کی دولتمندی کی شہرت ولبھی راجہ کے کانوں تک پہنچی تو اس بقال سے اس دولت کا مطالبہ کیا۔ بقال نے صاف انکار کر دیا لیکن بقال کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ راجہ موقعہ دیکھ کر کینہ نکالے، اس لیے والی منصورہ (سندھ کا پایہ تخت جو ویران ہو گیا) سے اس نے مدد طلب کی اور بہت کچھ دولت خرچ کر کے بحری بیڑا بھیجنے کی استدعا کی۔ چنانچہ منصورہ سے بحری بیڑا آیا اور رات کو اس نے شب خوں مارا جس میں ولبھ راجے مارا گیا شہر لوٹ لیا گیا، قوم تباہ ہو گئی۔[1]

اس تحریر کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱) بیرونی نے اس حکایت کی ابتدا اس طرح کی ہے کہ لوگ ایسا بیان کرتے ہیں جس سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خود اس کو بھی اس پر یقین نہیں ہے اور سدھ کے سونا بنانے کا جو واقعہ اس نے درج کیا ہے وہ خود بھی عجیب و غریب ناقابل قبول ہے۔

[1] کتاب الہند للبیرونی ص ۴۹ مطبوعہ یورپ۔ غالباً بیرونی نے یہ قصہ "پربندھ چنتامنی" سے لیا ہے۔

(۲) اس تحریر میں ولبھی راے کا نام نہیں دیا جس سے معلوم ہوتا کہ یہ کس عہد کا واقعہ ہے۔ (۳) کوئی سنہ بھی اس نے نہیں دیا ہے (۴) نہ تو والی سندھ کا نام دیا ہے اور نہ والیِ منصورہ ہی کا نام لکھا ہے جس کی طرف ولبھی پور کی تباہی منسوب ہے۔

ایسی صورت میں اس واقعہ کا صحیح طور پر پتہ لگانا بے حد دشوار ہے بعض ہندو مورخین نے عمرو بن جمل کا بھی نام لیا ہے۔ اب قبل اس کے کہ حملہ آور کا تعین کیا جائے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ عربوں کے ان تمام حملوں کا ذکر کر دوں جو گجرات پر ہوئے ہیں۔

سب سے پہلا حملہ ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں عربوں کا تھانہ پر ہوا ہے۔ اس وقت ولبھی راجاؤں میں سے دھروسین دوم (۶۳۰-۶۴۰ء) تخت نشین تھا۔ اس کے کچھ دنوں بعد پھر بھروچ پر حملہ ہوا۔ اس وقت بھروچ میں تو گوجروں کا راج تھا۔ مگر پولم کیشی دوم (دکنی چالوکیہ) جیساکہ ویجا پور کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے[۱] ان دنوں تمام جنوبی گجرات پر شہنشاہی کر رہا تھا بھروچ کا گوجر راجہ دد دوم (۶۳۳ء) نامی تھا۔ ۹۳ھ (۷۱۱ء) میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کر لیا اور مکمل انتظام کرنے کے بعد کھلیمان کی طرف رُخ کیا، اور یہاں کے لوگوں نے بغیر جنگ کے اطاعت مان لی[۲]۔ اس کے بعد ہی محمد بن قاسم عرب بلا لیا گیا۔ اس وقت شمالی گجرات ولبھی پور پر شلادت چہارم (۶۹۱-۷۲۲ء) اور بھروچ پر جے بھٹ سوم (۷۰۰-۷۳۵ء) اور جنوبی گجرات پر چالوکیہ میں سے منگل راج (۷۳۱ء) کا راج تھا۔ محمد بن قاسم کے جانے کے بعد جو گورنر آئے وہ خانہ جنگی میں اس طرح مبتلا رہے کہ نہ صرف کھلیمان بلکہ خود سندھ کو بھی نہ سنبھال سکے۔ اور سندھ کے متعدد ضلعے عربوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ ۱۰۷ھ (۷۲۶ء) میں جُنید سندھ کا گورنر ہو کر آیا، اس نے سندھ کا انتظام کر کے اپنے ماتحتوں کو گجرات پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چھوٹے رن کو طے کر کے پہلے مرمد (مارواڑ) آیا۔ پھر یہاں سے مانڈل (ویرم گاؤں کے پاس) پہنچا۔ اور یہاں سے چل کر دھنج (اترا) جو رادھن پور اور پنچاسر کے پاس ہے اور آج کل

---

[۱] پراچین اتہاس فصل چالوکیہ [۲] بلاذری فتح سندھ مطبوعہ مصر۔

ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے) پھر یہاں سے سیدھا بھروچ پر حملہ آور ہوا۔ بھروچ سے حبیب نامی ایک جنرل نے سیدھے اُجین (مالوہ) کا راستہ لیا۔ اس کو فتح کرکے بھرمیند اور پھر بھیلمان پہنچ کر گوجروں کو مطیع کرتا ہوا سندھ واپس چلا گیا[۱]۔ اس وقت ولبھی پور کے تخت پر شیلادت پنجم ۲۲ء اور بھروچ میں جے بھٹ سوم (۷۰۰-۷۳۵ء) راج کر رہا تھا، اور جنوبی گجرات میں چالوکیہ خاندان کا تیسرا راجہ منگل راج (۷۳۱ء) برسر حکومت تھا اور دکن میں ایک جدید طاقت پیدا ہو چکی تھی جس نے کلیان (واقع دکن) سے لے کر تمام جنوب اور شمالی مشرق ربنچاسر، کو طے کرکے کاٹھیاواڑ کے ایک بڑے حصہ پر فتح کا جھنڈا گاڑ رکھا تھا، اور کچھ کو بھی مطیع کر لیا تھا۔ یہ سولنکی کی شاخ چالوکیہ خاندان تھا اور "کھوڑ" جس کا اصلی نام بھون آشری تھا۔ اس عہد کا مہاراجہ تھا۔ یہ کھوڑ وہی راجہ ہے جس نے پنچاسر کی چاوڑا سلطنت کو تباہ کر دیا اور پچاس سال تک اس پر قابض رہا۔ (یا اس کے جانشین نے قبضہ رکھا) اور اس کے خوف سے چاوڑا خاندان کا نونہال (شاہزادہ بن راج) جنگلوں میں چھپا پھرتا تھا۔ اور لوٹ مار میں مشغول تھا۔ اب جنید کے مفتوحہ مقامات پر نظر ثانی کرو۔ ان میں سے ایک مقام مرمد اور دوسرا بہری مد ہے جس کا صحیح پتہ نہیں چلا کہ اصلی نام کیا تھا۔ تاہم ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ اس کا جائے وقوع کیا ہے۔ جنید جب سندھ سے چلا ہے تو سب سے پہلے مرمد میں آیا اور پھر مانڈل جو ویرم گام کے پاس ہے۔ پس نقشہ کے دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرمد غالباً چھوٹے رن سے قریب تر کوئی جگہ ہے جہاں دم لینے کے لیے عربوں نے پہلا پڑاؤ ڈالا۔ یہ ماڑوالاڑ کا علاقہ تھا۔ پھر اجین (مالوہ) سے چل کر بہری مد ہوتے ہوئے بھیلمان پہنچے تو معلوم ہوا کہ "بہری مد" مالوہ اور بھیلمان کے درمیان ہے

جنید کے حملہ کا سبب

اس عہد کے سیاسی حالات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ گوجرات

[۱] بلاذری فتح سندھ مطبوعہ مصر

میں مختلف حکومتیں تھیں لیکن اس وقت ان سب پر شہنشاہی دکنی سولنکی کی تھی۔ جن کی سرحدیں سندھ سے ملتی تھیں۔ چونکہ سولنکی خاندان عروج پر تھا اس لیے ہر طرف اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ بھروچ کے گوجر، جنوبی گجرات کے چالوکیہ ان کے ماتحت تھے۔ چونکہ سندھ اور گجرات کی سرحدیں ملی ہوئی تھیں اس لیے اغلب یہ ہے کہ کسی سرحدی تنازعہ سے اس کی ابتداء ہوئی ہوگی اور آخر صورت جنگ کی پیدا ہوگئی۔ جیسا کہ خود سندھ کے راجاؤں کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ پیش آچکا تھا[1]۔ اور یہ جنگ چونکہ صرف سولنکی کے خلاف تھی اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جنید نے صرف انہی لوگوں سے جنگ کی جو دشمن تھے یا معاون دشمن۔ پس جنید سے پہلی جنگ مانڈل میں ہوئی اور دوسرا معرکہ دھنج کے میدان میں ہوا۔ جہاں بنچاسری کی پوری سولنکی طاقت پاش پاش ہوگئی۔ ادھر بھروچ ان کے ماتحت تھا۔ اس لیے ان کے پاس برائے مدد آئے ہونگے اور جب جنید کو اس کی خبر لگی تو فوراً بھروچ پہنچا اور ایک ہی جنگ میں اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ پھر اس کو معلوم ہوا کہ اجین کے لوگ حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں تو قبل اس کے کہ اُجین والے اِدھر آئیں خود اس نے حملہ کرکے فتح کرلیا۔ ادھر فاتح اپنے ملک سے (سندھ) بہت دور نکل گئے تھے اور دشمنوں نے دوسری طرف اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا۔ یعنی بھلیمان میں گوجروں کا ایک بڑا مجمع ان کی روک تھام کے لیے موجود ہوگیا۔ جُنید نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنے میں خدشہ ہے، اور بھلیمان میں گوجروں کی طاقت اگر جمع ہوگئی تو واپسی بھی دشوار ہوگی، اس لیے بڑی تیزی سے بھلیمان پہنچا اور گوجروں کی اس طاقت کو بھی فنا کرتا ہوا سندھ واپس چلا گیا۔ اس جنگ میں جنید نے چالیس کروڑ کا مال غنیمت حاصل کیا[2]۔ کاٹھیاواڑ اور گجرات کے مختلف سرحدی مقامات پر چوکی بٹھادی اور ان کی حفاظت کا بہترین انتظام کرگیا۔ میرے اس بیان سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ جنید نے صرف ان سے جنگ کی جو اس کے دشمن تھے۔

---

[1] تاریخ ہند جلد اول ص ۱۵۱-۱۶۵ مطبوعہ حیدرآباد۔ [2] ابن خلدون ص ۲۹۰ جلد پنجم اُردو

یا اُن کے دشمنوں کے مددگار تھے۔ جو غیر جانبدار تھے اُن کو مطلق نہیں چھیڑا۔ دیکھو سومناتھ پٹن ایک بڑی بندرگاہ تھی، وہاں نہیں گیا کھنبایت بندر بھروچ کے راستہ میں تھا، اس نے اس کو بھی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ ولبھی پور بھی اسی لیے نہیں گیا کہ شلادت راجہ غیر جانبدار تھا۔ اگر جنید گیا ہوتا تو وہ ایسی جگہ تھی جس کا نام عرب ضرور لیتے۔ عربی تاریخوں میں چھوٹی چھوٹی جگہوں کے نام موجود ہیں۔ ولبھی پور جو بڑا دولتمند شہر تھا۔ اس کو کس طرح بھول سکتے تھے اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی شلادت ششم اور شلادت ہفتم ولبھی پور میں راج کر رہے ہیں۔ میرے اس قول کی تائید اس کتبہ سے بھی ہوتی ہے جو چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے۔ چنانچہ پول کیشی جناشر کے عہد کا ایک کتبہ ہے جس میں تحریر ہے کہ عرب لشکر نے سندھ، کچھ، سوراشٹھ، چاوڑا، موریا (ماروڑ) اور بھلیمان کی سلطنت کو حیران کیا۔ یہ کتبہ ۳۸-۷۳۹ء (بعہد پول کیشی) کا ہے۔[1] گویا اصل واقعہ سے دس برس بعد کا ہے۔ دیکھو اس میں بھی کچھ، چاوڑا، موریا، بھلیمان کا ذکر ہے مگر ولبھی کا کوئی ذکر نہیں۔ سوراسٹھ کا نام لیا ہے مگر اس سے ولبھی سلطنت مراد نہیں لی جاسکتی ہے کیونکہ ولبھی کوئی غیر معروف جگہ نہ تھی کہ اس کے بجائے کوئی معروف جگہ سوراسٹھ کے نام سے تحریر کیا جاتا۔

گجراتی نقطۂ نگاہ سے اس حملہ کا اثر — اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب کوئی لشکر کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس ملک میں بدامنی پھیل جاتی ہے، مخلوق حیران ہوجاتی ہے، ہزاروں فرزندانِ وطن تہ تیغ کیے جاتے ہیں۔ عرب حملہ میں بھی یہ سب باتیں ہوئی ہونگی لیکن غور سے دیکھو تو اس حملہ سے ملک کو بڑا فائدہ بھی پہنچا۔ اول پنچاسر کی سولنکی طاقت فنا ہوجانے سے چاوڑا خاندان کو پھر موقع ملا کہ اپنی موروثی سلطنت پر قابض ہوجائے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ ہی دنوں کے بعد بن راج چاوڑا ایک مستحکم سلطنت کا بانی ہو رہا ہے۔ دوم یہ کہ

---

[1] پراچین اتہاس گجرات۔

جنوبی گجرات میں جو طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور بھروچ، نادوت، بڑودہ، نوساری وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے راجے سلطنت کر رہے تھے ان کی طاقت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور کچھ ہی دنوں کے بعد یہ سلطنتیں فنا ہو کر ایک متحدہ طاقت کے ساتھ وابستہ ہوگئیں اس کے بعد تقریباً تیس برس تک عربوں نے گجرات کی طرف رخ نہ کیا۔ خلیفہ منصور عباسی کے عہد (۱۴۲ھ ۷۵۹ء) میں ہشام جب سندھ کا گورنر ہو کر آیا تو عمر ابن جمل کو گجرات کی طرف بھیجا۔ عمر جہازوں کا ایک بیڑا لے کر باربد (بھاڑبھوت متصل بھروچ) پہنچا، اور غالباً اس وقت اس کو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی اس لیے جلد واپس چلا گیا، اور بہت ممکن ہے کہ صرف حالات دریافت کرنے آیا ہو۔ پھر ہشام جدید تیاری کے بعد جہازوں کا ایک بڑا بیڑا لے کر گندھار بندر (ضلع بھروچ) پر آپڑا اور فتح کر کے کچھ دنوں اس نے یہاں قیام کیا، بدھوں کا ایک وہار (خانقاہ) تھا اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی۔ مورخ بلاذری کی اصل عبارت یہ ہے:

و وجہ عمرو بن جمل فی بوارج الی باربد...	عمرو بن جمل جہازوں کے ذریعہ بھاڑبھوت پہنچا
واتی القندھار فی السفن ففتحھا وھدم البُدّ و	اور پھر قندھار جہازسے کر آیا اور اس کو فتح کیا
بنی موضعہ مسجداً[1]	اور بدھ (وہار) کو توڑ کر مسجد بنائی۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ بھروچ میں گوجروں کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ خاندان راشٹر کوٹ نے ان کو مار کر راج پیپلہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا اور جنوبی گجرات میں چالوکیہ خاندان بھی برباد ہو چکا تھا اور ان کی جگہ جنوبی گجرات میں راشٹر کوٹ کی حکومت تھی۔ اور دنتی درگ (۷۵۳ء) اس عہد کا راجہ تھا اور شمالی گجرات میں بن راج چاوڑا (۷۴۶-۸۰۶ء) کا ابتدائی دور تھا۔ اور ولبھی پور میں شلادت ششم (۷۶۰ء) موجود تھا اور پھر اس کے بعد بھی شلادت ہفتم (۷۶۶ء) کو اسی ولبھی پور میں راج کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں اس لیے یہ بات

---

[1] بلاذری ص ۴۴۵۔ مطبوعہ لندن۔

تو ثابت ہوگئی کہ وبھی پور کو اس حملہ سے کچھ نقصان نہیں پہنچا بلکہ جو کچھ نقصان ہوا وہ راشٹ کوٹ کا ہوا۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ حملہ محض تنبیہی طور پر تھا، جو ساحل بھڑوچ کے تاجروں کی شکایت پر کیا گیا تھا۔ کیونکہ جدید حکومت نے تاجروں کے ساتھ وہ سلوک مرعی نہیں رکھا ہوگا جو روایات قدیم کے طور پر عرصہ سے ان کے ساتھ برتا جاتا تھا، اور جب دوران قیام گندھار میں حکومت اور عربوں کے درمیان متنازعہ مسئلہ کا تصفیہ ہوگیا تو وہ پھر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد تقریباً بیس برس تک عرب تاجروں کو یہاں کی حکومت سے کوئی شکایت نہیں ہوئی اور اسی لیے عرب و گجرات کے تعلقات میں کسی قسم کی کشیدگی کا پتہ نہیں ملتا۔ البتہ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں عبدالملک نے ۱۵۹ھ ۷۷۵ء نے پھر گجرات پر حملہ کی تیاری شروع کر دی وہ اسی سنہ میں ایک بڑا بحری بیڑا لے کر روانہ ہوا اور ۱۶۰ھ ۷۷۶ء میں بھاڑ بھوت پہنچا۔ بھاڑ بھوت بھڑوچ سے سات میل مغرب کی جانب ایک کچی بندرگاہ تھی، جہاں جہاز سمندر کے مدوجزر کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ عبدالملک نے اس بندرگاہ پر قبضہ کر کے کچھ دنوں قیام کیا۔ یہاں تقریباً اٹھارہ سال کے بعد ایک میلہ لگا کرتا تھا۔ کچھ موسم اور کچھ لوگوں کی کثرت کے سبب عموماً وبائی امراض پھیل جاتے تھے۔ اتفاق وقت سے اس وقت بھی یہی صورت پیش آئی۔ عرب فوجوں میں یہ بیماری بڑے زور سے پھیلی اور ایک ہزار آدمی مرگئے اور اسی جگہ یہ مدفون ہوئے، اور اسی لیے جلد یہاں سے واپس[1] گئے۔ اس وقت مشرقی شمالی گجرات پر بن راج چاوڑا حاکم تھا، اور جنوبی گجرات پر راشٹ کوٹ خاندان کے کرشن یا گوبند (۷۶۵-۷۹۵ء) کی حکمرانی تھی۔ کرشن کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے[2] کہ اس خاندان کے لوگوں نے بغاوت کر دی تھی اور خاندانی نزاع جو تخت حاصل کرنے کے لیے بعض (شہزادوں) نے شروع کی تھی اس سے بدامنی پیدا ہوگئی، اور اس لیے کرشن کو بغاوت فرو کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ غالباً اسی بغاوت اور بدامنی کے عہد

---

[1] ابن خلدون ص ۳۲۹ جلد ششم مطبوعہ الٰہ آباد [2] پراچین اتہاس گجراتی۔

میں عرب تاجر لٹے اور پریشان کیے گئے۔ جس کے تدارک کے لیے عبدالملک کو فوجی مہم لے کر آنا پڑا۔ جیسا کہ ابھی حال میں تاجروں اور انگریزی قوم کی حفاظت کے لیے گورنمنٹ برطانیہ کو چین میں فوجی مہم بھیجنی پڑی۔ تاکہ آپس کی خانہ جنگی میں غیر ملکی لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے بہرحال ہم دیکھتے ہیں کہ اس حملہ میں بھی ولبھی پور کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ عرب بھروچ کے علاقہ میں اترے اور پھر وہیں سے واپس ہو گئے۔ بعض گجراتی تاریخوں میں لکھا ہے (جو انگریزی تاریخ سے منقول ہے) کہ عرب نے برڈ پر حملہ کیا اور بیماری پھیل جانے سے واپس ہو گئے۔ پھر شک ظاہر کرتا ہے کہ شاید یہ برڈ ولب ہو جو ولبھی پور کا معرب ہے لیکن یہ فقطان کی غلط فہمی ہے۔ بات یہ ہے کہ اصل مقام جہاں حملہ ہوا وہ بھاڑ بھوت ہے جو معرب ہو کر باربد ہو گیا اور پھر انگریزوں نے اس کو برڈ کر دیا۔ جس کو غلطی سے گجراتیوں نے ولبھ سمجھ لیا۔ گجراتی تاریخوں میں ولبھی پور کے متعلق سکوں اور کتبوں سے جو آخری سنہ بتایا گیا ہے وہ ۷۶۶ء ہے اس کے بعد سے ولبھی پور کے متعلق کچھ حال معلوم نہیں ہوتا اور اسی سے لوگ اس کو برباد شدہ سمجھنے لگے۔ اور امپیریل گزیٹر میں لکھا ہے کہ ولبھی پور کی تباہی ۷۷۰ء میں ہوئی[1]۔ گویا عبدالملک کا حملہ مفروضہ سنہ تباہی کے چھ برس بعد کو ہوا۔ یعنی ولبھی پور اس سے پہلے تباہ ہو چکا تھا۔ یہ عربوں کا آخری حملہ تھا۔ اس کے بعد سے گجرات پر عربوں کا پھر کوئی حملہ نہیں ہوا۔ میرے اس بیان سے ناظرین کو اس قدر تو معلوم ہو گیا کہ عربوں نے ولبھی پور پر کبھی کوئی یورش نہیں کی۔ سو اس کی تباہی کا تعلق عربوں سے نہیں ہے پس یہ خیال تو قطعاً غلط ہے۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں کوئی پختہ دلیل اس نظریہ کے متعلق مل جائے، اور اس وقت اس کو مان لینے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عربوں سے ایسا ہونا ناممکن ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی ایسی پختہ دلیل نہیں ملی ہے جس سے اس کا ثبوت ہو سکے۔ اب رہا اصل مسئلہ کہ پھر کس طرح اس کی تباہی ہوئی تو یہ ایک غور طلب

---

[1] تاریخ ہند قدیم ص ۱۵ مطبوعہ حیدرآباد۔

بات ہو جینی کہتے ہیں کہ جینی سادھو کی بد دعا کا اثر ہے۔ بدھوں کا خیال ہے کہ کاکو بقال جو بدھ تھا اُس نے کسی پردیسی کو بلا کر تباہ کرایا۔ اور تنازعہ کا سبب ہیرے کی کنگھی ہے۔ جو راجہ نے طلب کی اور اس نے نہیں دی۔ بیرونی کا راوی کہتا ہے کہ رنک (نام تھا یا غریب ہونے کے سبب اس کو رنک کہتے تھے) بقال نے سونے کا انسان پایا تھا جس سے بڑا دولتمند ہوگیا تھا۔ راجہ نے جو شیو مذہب کا تھا اس کی دولت میں طمع کی اور اس سے چھین لینی چاہی تو اس نے منصورہ والوں سے سازش کر کے رات کو بذریعہ شبخوں تباہ کرادیا۔ پس راویوں کے بیانات اس قدر مختلف ہیں کہ ان کو مدنظر رکھ کر کوئی صحیح فیصلہ کرنا مورخ کے لیے اگرچہ بے حد دشوار ہے لیکن بنظر غائر دیکھنے سے ایک بات کا توصحیح طور سے پتہ چلتا ہے کہ ولبھی پور کا خاتمہ آپس کی مذہبی جنگ کی بدولت ہوا۔ جینی اور بدھوں کا تنازعہ، بدھوں کا وشنو والوں سے جھگڑا۔ وشنو کا جینیوں سے نفرت کرنا، جیسا کہ جینی و دیگر کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایسی اہم باتیں ہیں جو کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتی ہیں، اور تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں[1]۔ پس بہت کچھ تباہی تو اپنی خانہ جنگی کی بدولت ہوئی ہوگی۔ پھر جب جینی سادھو کی روایات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید زلزلہ سے بھی اس کی تباہی ہوئی ہو لیکن اگر رنک بقال کا قصہ صحیح تسلیم کرلیں تو پھر یہ دیکھنا پڑیگا کہ ۷۷۰ء کے آگے پیچھے کون کون سلطنتیں ولبھی کی ہمعصر تھیں اور کون کون ان کی دشمن تھیں۔ میں صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کرآیا ہوں کہ عربوں نے کب اور کہاں حملے کیے جس میں ولبھی پور کا کوئی تذکرہ نہیں۔ البتہ ہمسایہ سلطنتیں اس قدر زبردست ہوگئی تھیں کہ ولبھی پور کا باقی رہنا ہی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ میں ذیل میں ایک نقشہ خاندان ولبھی اور ان کے ہمسایوں کا دیتا ہوں جن کو دیکھنے سے ناظرین کو معلوم ہوجائیگا کہ ولبھی پور کی تباہی کس طرح ہوئی ہوگی۔

---

[1] بغداد اسی خانہ جنگی کی بدولت تباہ ہوا۔

ولبھی راجے		راشٹ کوٹ کنی		کلیانی سولنکی	چاوڑا	مہر
بھٹ نارک	سنہ ۵۰۹ء تا ۵۳۰					
دھروسین اول	سنہ ۵۲۰ء تا ۵۳۵					
گوہسین	سنہ ۵۳۹ء تا ۵۶۹					
دھرسین دوم	سنہ ۵۶۹ء تا ۵۸۹					
شلادت اول	سنہ ۵۹۴ء تا ۶۰۴					
کھرگرہ	سنہ ۶۱۰ء تا ۶۱۵					
دھرسین سوم	سنہ ۶۱۵ء تا ۶۲۰			چالوکیہ کے کلیانی سولنکی راجہ بھوڑ جس کا اصلی نام "وجیادت" اور "بھون آشرے" تھا سنہ ۶۹۶ء سے سنہ ۷۳۶ء تک		
دھروسین دوم	سنہ ۶۲۰ء تا ۶۴۰					
دھرسین چہارم	سنہ ۶۴۰ء تا ۶۴۹					
دھروسین سوم	سنہ ۶۵۰ء تا ۶۵۶					
کھرگرہ دوم	سنہ ۶۵۶ء تا ۶۶۵					
شلادت سوم	سنہ ۶۶۶ء تا ۶۷۵	گوبند اول	سنہ ۶۸۰ء			مہر راجہ پرم بھٹ نارک مہاراجادھی راج سنہ ۷۳۸ء
شلادت چہارم	سنہ ۶۹۱ء	کرک اول	سنہ ۷۰۰ء		بن راج چوڑا سنہ ۷۴۶ء سے سنہ ۸۰۶ء تک	
شلادت پنجم	سنہ ۷۲۲ء	اندر دوم	سنہ ۷۳۰ء			
شلادت ششم	سنہ ۷۶۰ء	کرک دوم	سنہ ۷۴۷ء			
شلادت ہفتم	سنہ ۷۶۶ء تا ۷۷۰	دنتی درگ	سنہ ۷۵۳ء			
		کرشن	سنہ ۷۶۵ء			
		گوبند دوم	سنہ ۷۸۰ء			
		دھرو	سنہ ۷۹۵ء			
		گوبند سوم	سنہ ۸۰۳ء تا ۸۰۷			

نقشہ پر ایک نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیلادت ششم اور ہفتم کے عہد میں ولبھی پور سلطنت کس قدر کمزور ہوگئی تھی اور کس قدر چھوٹے سے رقبہ پر اس کی حکومت باقی تھی، کیونکہ تمام جنوبی گجرات پر راشٹ کوٹ کا قبضہ تھا شمال مشرق گجرات پر سنہ ۷۳۶ء تک مع کاٹھیاواڑ اور کچھ کے) کلیانی راجہ حکمران رہے اور اس کے بعد ہی سنہ ۷۳۸ء میں مہاراجہ پرم بھٹ ٹارک نے اپنا لقب مہاراجہ ادھی راج رکھا۔ ظاہر ہے کہ پرم بھٹ ٹارک نے کاٹھیاواڑ کے ایک بڑے حصہ کو فتح کرنے کے بعد ہی یہ لقب اختیار کیا ہوگا۔ پھر تقریباً سنہ ۷۴۰ء سے سنہ ۷۴۶ء کے درمیان بن راج نے انہلواڑہ کی مشہور سلطنت قائم کی اور سنہ ۸۰۶ء تک سلطنت کی توسیع میں مصروف رہا۔ پس سنہ ۷۷۰ء تک میں خصوصیت سے دو بڑھنے والی طاقتوں کو ولبھی پور کے آس پاس ہم دیکھتے ہیں، ان میں سے ایک بن راج چاوڑا ہے اور دوسری راشٹ کوٹ، جو دکن سے فاتحانہ گجرات میں داخل ہوئی اور دو گجراتی سلطنتوں کا چراغ گل کردیا۔ اول نوساری کے گجراتی چالوکیہ جس کا آخری بادشاہ پول کیش جناشرے یا دجے راج تھا۔ دوم بھڑوچ کی گوجر سلطنت جس کا آخری بادشاہ جے بھٹ تھا۔ یہ دونوں سلطنتیں سنہ ۷۵۳ء تک تاراج ہو چکی تھیں کہ اس کے بعد ہی راشٹ کوٹ خاندان کے تین اولوالعزم راجاؤں کو زمام سلطنت ہاتھوں میں لیتے ہوئے دیکھتا ہوں ان میں سے اول کرشن ہے (سنہ ۷۶۵ء) جس نے تمام اندرونی بغاوتوں کو فرو کرکے سلطنت کو ہر طرح سے محفوظ کردیا۔ اور اس کے بعد گوبند دوم اور پھر دھرو (سنہ ۷۸۰ء) ہے جس کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کے الہ آباد تک دھاوا کرتا ہوا چلا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ توسیع سلطنت کے لیے جو شخص الہ آباد تک دھاوا کرسکتا ہے وہ ولبھی پور کی ایک چھوٹی سی سلطنت کو تباہ کرنے میں کیوں تامل کریگا۔ درانحالیکہ کھنبائت کے راجہ کو شکست دے کر اس پر قبضہ کرچکا ہو میرا خیال ہے کہ کاکو قصہ اگر صحیح ہے تو اس بقال نے اسی گوبند یا دھرو کو بلایا تھا۔ یہ لوگ گجراتی نہ تھے بلکہ دکنی تھے۔ جن کی لوٹ مار کے سبب گجراتی ہمیشہ ان سے نفرت کرتے رہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ حملہ کے وقت راشٹ کوٹی فوج میں عرب بھی بحیثیت سپاہی یا سردار کے موجود ہوں

کیونکہ یہ بات تو محقق ہے کہ راشٹ کوٹ کے حکمراں سندھی عربوں کے حلیف تھے اوران کی فوجوں میں بکثرت عرب موجود تھے اور اسی لیے ان کی فوجوں کا نظام بالکل عرب جیسا تھا[1] اور شاید اسی سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ عربوں نے اس کو تباہ کیا۔

میرے رفیق کار (فیلو) پوسٹ گریجویٹ وریسرچ ورک، ڈاکٹر ہری پرشاد شاستری نے ولبھی راج پر ڈاکٹری کے لیے ایک مضمون حال میں لکھا ہے جس میں انہوں نے تباہی کے متعلق ہر قسم کے رطب و یابس بطور مواد جمع کر دیا ہے۔ اگرچہ کسی مضبوط دلیل سے یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کی تباہی عربوں نے ہی کی تھی لیکن ان کے رجحانِ طبع سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے دلائل کا دار و مدار مندرجہ ذیل باتیں ہیں۔

(۱) جینی لوگوں نے اس کی تباہی کی تاریخ ۷۸۹ء ۱۷۳ھ دی ہے۔

(۲) ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ عرب (منصورہ) کے لوگوں نے اس کو تباہ کر دیا۔

(۳) جینی سادھو نے لکھا ہے کہ پردیسی ملیچھ کو کاکو نقال نے بلا کر تباہ کرا دیا

(۴) ۱۷۳ھ میں منصورہ کے حاکم سالم یونسی تھے۔ تو بس انہوں نے ولبھی پور کو تباہ کر دیا۔

(۵) مسلمان عربوں نے محض شرمندگی سے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا

سب سے پہلے تو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ۷۸۹ء کی تاریخ صحیح ہے۔ اس کی صحت پر ان کے پاس کیا دلیل ہے۔ جبکہ یہ کتاب "جین پربندھ" سترہویں صدی میں لکھی گئی ہے۔ اور واقعہ آٹھویں صدی کا ہے۔ قریب تر زمانہ کی کوئی کتاب ہوتی تو آسانی سے اس کو مان لیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مختلف لوگوں نے اس کی تباہی کی تاریخ مختلف دی ہے۔ مثلاً ۷۶۶ء، ۷۸۰ء وغیرہ۔ ایسی صورت میں ۷۸۹ء کو ترجیح کیوں ہو۔

بیرونی نے ملتان میں جو کچھ سنا اُس نے لکھ دیا۔ اور چونکہ اس کو خود اس کا یقین نہیں تھا

---

[1] سفرنامہ سلیمان بصری مطبوعہ پیرس۔

اس لیے بیرونی کا قول دلیل کے طور پر لانا مشتبہ دلیل ہوگی۔ کیونکہ اس کا عدم اعتبار اور کمزوری "کہا جاتا" سے صاف ظاہر ہے۔ پردیسی ملیچھ سے شاستری صاحب نے عرب مسلمان سمجھا ہے حالانکہ ملیچھ کا اطلاق ہر غیر مذہب والے پر کیا جاتا تھا۔ ایک جین ایک ہندو کو ملیچھ بلا تکلف کہہ دیتا تھا۔ سالم یونسی کا سنہ حکومت چونکہ ولبھی تباہی کے سنہ سے ملتا ہے اس لیے اسی نے تباہ کیا ہوگا۔ یہ تو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہوا۔ ایک معمولی اور ہلکی سی بھی دلیل نہ دے سکے۔ اور نہ اس کی تائید میں ضعیف سے ضعیف کسی کا قول ہی نقل کر سکے۔

شاستری صاحب کا یہ کہنا کہ عربی کی کسی تاریخ میں ولبھی کی تباہی کا کوئی ذکر نہ ہونا یہ صرف شرمندگی کے سبب سے ہے، یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ مورخین عرب سومناتھ پر حملہ کا ذکر کریں، بھاڑ بھوت میں ایک وہار پر حملہ کرکے برباد کر دینے کی تفصیل لکھنے میں شرم محسوس نہ کریں اور پایہ تخت ولبھی پور پر حملہ کرنے سے عرب مورخین شرما جائیں، بہت ہی عجیب بات ہے۔ لطف یہ ہے کہ آخر میں شاستری صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس کے بعد راشٹ کوٹ ولبھی پر قابض ہو گئے۔

میرے اس نظریہ کی تائید بڑودھ کے اُس کتبہ سے بھی ہوتی ہے جو ۸۱۲ء کا تحریر شدہ ہے۔ خاندان راشٹ کوٹ کے راجہ کرک[۱] کے عہد کا ہے جس میں تحریر ہے کہ "بہت ہی کم مدت میں خاندان ولبھی نے اپنی قدیم نام آوری کھو دی" جس لہجہ میں یہ جملہ ادا کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام آوری کا مٹانے والا راشٹ کوٹ خاندان ہے، جو پردیسی (غیر گجراتی) بھی تھا اور عربوں کا لشکر بھی رکھتا تھا اور چونکہ اسی عہد میں پٹن کی بنیاد رکھی گئی اور بن راج کا عروج تھا، اس لیے بعضوں کا خیال ہے کہ بن راج نے ولبھی پور کو تباہ کرکے اس کے ملبہ سے پٹن بسایا۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ مگر شواہد اور قرائن ماسبق کو مد نظر رکھتے ہوئے میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ ولبھی کو راشٹ کوٹ نے تباہ کیا۔

---

[۱] غالباً یہ کرک اول ہے جو گجراتی راشٹ کوٹ کا دوسرا راجہ ہے۔

فصل سوم

راشٹ کوٹ

۷۴۳ء تا ۹۷۴ء
(۱۲۶ھ — ۳۶۴ھ)

چالوکیہ خاندان کے زوال پر راشٹ کوٹ خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ یہ طاقتور حکومت تھی اس کی سلطنت دکن اور شمالی ہند تک وسیع تھی۔ اس خاندان کے راجے بہت ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے سورج بنسی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اصل یہ ہے کہ ملک دکن کے اصلی باشندے تھے جو طاقتور ہو گئے[1]۔ ان کے عہدِ حکومت کے متعدد کتبے ملے ہیں، ان میں سے ایک کرک راجہ کے نام کا ہے، جس نے ایک فاضل برہمن کو جس کا نام وتبھ راج تھا ناگ ریک (نوساری) دان دیا تھا۔ یہ برہمن چودہ علوم و فنون سے آگاہ تھا۔ ایک دوسرے کتبے سے معلوم ہوتا ہے بھدر سیدھی (بورسد) کے برہمن کو کچھ دان دیا گیا۔ ایک کتبہ بھرگو کچھ (بھروچ) کا ہے، جس میں نربدا ندی کے کنارے نہانے کے لیے دان دیا ہے۔ ان کی راجدھانی غالباً بڑودہ تھی۔ ان کے مذہب کا بھی کچھ بہت زیادہ پتہ نہیں چلتا، مگر بعضوں کا شیو پنتھی ہونا یقینی ہے۔

راشٹ کوٹ

اس خاندان کا تعلق گجرات سے تقریباً سوا دو سو (۲۲۵) سال تک رہا۔ اس عہد کے تین حصے ہیں:۔

(۱) اول ۷۴۳ء (۱۲۶ھ) سے ۸۰۸ء (۱۹۳ھ) تک اس عہد میں دکنی لوگوں کی حکومت گجرات میں رہی۔

---

[1] قدیم تاریخ ہند۔ ص ۱۵۶۔ مطبوعہ حیدرآباد۔

یعنی گجرات کی حیثیت ایک صوبہ کی تھی، اور یہاں ایک گورنر راج کرتا تھا۔

(۲) ۸۰۸ء / ۱۹۲ھ سے ۸۸۸ء / ۲۷۵ھ تک اس عہد میں گجرات کی حکومت دکنیوں سے الگ ہو کر آزاد ہو گئی۔

(۳) ۸۸۸ء / ۲۷۵ھ سے ۹۷۴ء / ۳۶۴ھ تک پھر اس عہد میں گجرات دکنیوں کا باج گزار ہو گیا۔

اس خاندان کی ابتدا، دنتی درما سے ہوتی ہے۔ جس نے چالوکیہ کو دبا کر خود فاتح اقدام شروع کیا، اور آخر ایک بڑی اور زبردست سلطنت قائم کرلی۔ اس سے پہلے چند راجے اور گزرے ہیں۔ (۱) مانانک (یا مانک) (۲) دیوراج (۳) بھگوے پتی (۴) ابھی من یو وغیرہ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ معمولی طاقت کے چھوٹے راجے تھے۔ دنتی درما پہلا طاقتور راجہ گزرا ہے۔ اس لیے لوگ سلطنت کی ابتدا اس راجہ سے کرتے ہیں۔ قدیم کتبہ میں سے ایک کتبہ کرک راجہ کا ہے جس کا ۷۴۲ء / ۱۲۴ھ ہے۔ اس کتبہ کی تحریر ولبھی جیسی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ولبھی تمدن سے متاثر تھے۔ اس کا لقب پرم بھٹ ٹارک تھا، جو آزاد سلطنت ہونے کی دلیل ہے۔ ۷۵۳ء / ۱۳۶ھ میں دنتی دُرگ حکمران تھا۔ بڑا بہادر تھا۔ اس نے تمام جنوبی گجرات اور مالوہ پر قبضہ کرلیا[1] لیکن لوگ اس سے ناراض ہو گئے اور ہر جگہ بغاوت پھوٹ پڑی، اس لیے اس کے چچا کرشن نے اس کو تخت سے معزول کر کے خود حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کا عہد فتوحات اور انتظام سلطنت کی خوبی کے علاوہ ایک اور سبب سے زیادہ مشہور ہو گیا۔ یعنی اس کے عہد میں کیلاس کا مندر (الورا) ایک چٹان سے تراش کر تعمیر ہوا[2]۔ ۷۷۰ء / ۱۵۴ھ میں اس کا لڑکا گوبند تخت نشین ہوا مگر ۷۷۹ء / ۱۶۳ھ میں اس کے بھائی دُھرو نے اس سے تخت چھین لیا۔ یہ بڑا بہادر تھا۔ اس نے الہ آباد تک اپنی فتح کا ڈنکہ بجایا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا گوبند تخت نشین ہوا۔ وندھیا چل اور مالوہ تک براہ راست اس کی حکومت تھی۔ استھم کے راجہ سے جنگ کی جس کو اس نے شکست دی (استھم سے مُراد غالباً

---

[1] پراچین اتہاس فصل راشٹر کوٹ (گجراتی) [2] تاریخ ہند قدیم ص ۶۵۳۔ مطبوعہ حیدرآباد۔

کھنبایت ہی کا دی کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ گوجر راجہ کو اس نے بُری طرح شکست دی۔ اس کے بعد دکن چلا گیا اور اپنے بھائی اندر کو گجرات کا مستقل راجہ اپنے سامنے ہی بنا گیا۔

گجراتی راشٹ کوٹ

اندر (سنہ ۸۰۸-۸۱۲ء) بڑودہ کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گوجر راجہ نے اس پر حملہ کیا تھا، مگر کامیاب نہ ہوا۔

کرک اوّل (سنہ ۸۱۲-۸۲۱ء) بڑودہ کے تامر پتر سے معلوم ہوا کہ گوجر راجہ گوڈ اور ونگ پر فتح پاکر مغرور ہو گیا تھا، اور اس نے مالوہ پر حملہ کر دیا۔ کرک نے مالوہ کی امداد کی۔ غالباً یہ گوجر راجہ چوڑا خاندان کا یوگ راج تھا۔ کیونکہ اس وقت بھی وہ اپنی فتوحات کو ترقی دے رہا تھا اور انہلواڑہ کے تخت پر اس کا قبضہ تھا۔

گوبند سنہ ۸۲۷-۸۳۳ء۔ اس کا دوسرا نام پربھت ورش بھی تھا۔ ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ضلع بھروچ میں ایک گاؤں سورج مندر کو دان دیا تھا۔

دُھرو اوّل سنہ ۸۳۵-۸۶۷ء۔ ایک کتبہ سے معلوم ہوا کہ اُس نے بورسد کے برہمن کو دان دیا ہی۔ اسی کے عہد میں دکنی راشٹ کوٹوں نے حملے شروع کر دیے جس کے سبب سے متعدد صوبے خود مختار ہو گئے۔ سنہ ۸۹۱ء کا ایک تامر پتر ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولبھ رائے داموگھ ورش دکنی نے تھانہ سے لے کر کھنبایت تک ہر جگہ آگ اور تلوار سے ملک کو پامال کر ڈالا۔ اسی جنگ میں دُھرو اوّل زخمی ہو کر مر گیا۔

اکال ورش سنہ ۸۶۷ء۔ اس نے ولبھ رائے کے مقابلہ میں اپنی قوت کو قائم رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

دھرو دوم سنہ ۸۶۷ء۔ گجراتی راشٹ کوٹ کا آخری راجہ ہے جس نے تھوڑی بہت اپنی

اپنی قوت کی نمائش کی سب سے پہلے تو اس کو خانہ جنگی سے سابقہ پڑا اور مختلف
دعوی داران تخت کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑا۔ ولھب رائے اور خود اس کے بھائی
کی سازش سے گوجروں نے اس پر حملہ کر دیا، جس کے بعد چھوٹے بھائی سے نبٹنا پڑا
ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ولبھی کے بعد مہر جو طاقتور ہو گئے تھے، ان سے جنگ ہو پڑی۔ اس
کے بھائی گوبند نے جب اس کو مدد دی تب اس نے مہر لوگوں کو شکست دی ۸۶۷ء کے کتبے
معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک گاؤں خیرات دیا ہے۔ اب اس علاقہ مہی ندی کو بھرو
تک تھا ۸۷۱ء میں ولبھ رائے نے یہ بھی چھین لیا۔

اکال ورش کرشن ۸۸۸ء ایک کتبہ میں تحریر ہے کہ کچھ گاؤں اس نے خیرات کیا ہے جس
سے معلوم ہوا کہ سورت کا علاقہ یا تو اس نے واپس لے لیا۔ یا ولبھ رائے کے ماتحت
چھوٹے سے علاقہ پر قانع ہو گیا۔ اس کے بعد سے مان کھیٹ (مال کھیڑ) کے دکھنی راشٹ
کوٹ تمام جنوبی گجرات پر قابض ہو گئے اور مولراج سولنکی کے عہد تک ان کی حکومت یہا
قائم رہی۔ گجراتی راشٹ کوٹوں کی حکومت تقریباً ستر برس رہی۔

ولھب رائے

دکھنی راشٹ کوٹ خاندان کے راجوں کا یہ لقب ہے۔ ان کا اصل پایہ تخت نا
تھا جس کو بدل کر مال کھیٹ مقرر کیا۔ یہ لفظ بدل کر مانکھیڑ ہو گیا۔ اسی کو عرب سیاح
نے معرب کر کے مانکیر کر دیا ہے اس کا شمالی عرض البلد ۱۷ درجہ ۱۰ دقیقہ اور مشرقی طو
البلد ۷۷ درجہ ۱۳ دقیقہ ہے۔ یہ مقام ریاست حیدرآباد میں داخل تھا۔ اس شہر کے
عربوں کا قدیم سے قدیم بیان ابن ندیم کا (۲۷۰ھ ۸۸۴ء) ملتا ہے جس کو اس نے اپنی کتاب
میں تحریر کیا ہے۔ ابن ندیم کہتا ہے کہ یحییٰ برمکی کے عہد ۱۸۰ تا ۱۹۰ھ (۷۹۶ تا ۸۰۵ء) میں ایک وفد

ل تاریخ ہند قدیم ص ۴۰۴ مطبوعہ حیدرآباد۔

ہندستان مذہبی وطبی تحقیقات کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اُس نے واپسی کے بعد ایک رپورٹ لکھی تھی جس کا خلاصہ یعقوب بن اسحاق کندی نے لکھا تھا۔ اس میں اس شہر کی نسبت تحریر ہے کہ یہ وہ شہر ہے جہاں وطھب رائے رہتا ہے، اس کا طول چالیس فرسخ ہے لکڑی اور اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ ہزاروں لاکھوں ہاتھی یہاں ہیں۔ یہاں ایک بڑا مندر ہے جس میں بیس ہزار بدھ مورتیاں ہیں۔ جو سونے چاندی، لوہے پیتل، ہاتھی دانت اور ہر قسم کے بیش بہا پتھروں اور جواہرات کی ہیں۔ اس میں ایک سونے کا بت بارہ ہاتھ بلند ہے وہ سونے کے تخت پر بیٹھا ہے۔ یہ تخت سونے کے ایک گنبد نما کمرہ میں ہے۔ یہ کمرہ سفید موتیوں۔ سُرخ، سبز، زرد اور آسمانی رنگ کے جواہرات سے مرصع ہے۔ سال میں ایک دفعہ مقررہ دن پر میلہ لگتا ہے، راجہ خود پیادہ پا وہاں جاتا اور آتا ہے۔ سال میں ایک دن اس میلہ سے قبل قربانی کی جاتی ہے، اور لوگ اپنی جان بھی قربان کرتے ہیں[۱]۔

میرے خیال میں گنبد نما کمرہ سنہرے پانی سے رنگا ہوا ہوگا جیسا کہ آج بھی ہم برہما کے بُدھ مندروں میں دیکھتے ہیں۔ دور سے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ بت اور مکان سب سونے ہی کا ہے۔ جہاں تک سنوں کا تطابق کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وفد راشٹ کوٹ کا نواں راجہ دھاروا ش یا دھرو کے عہد میں آیا ہے جو ۷۹۵ء میں دکن، گجرات اور مالوہ سے لے کر بھن مال (بھیلمان) اور الہ آباد تک کا فاتح تھا۔ شمالی گجرات میں بن راج چاوڑا کی حکومت تھی اور اس کا آخری عہد تھا۔

اموگھ ورش وطھب رائے ۸۱۵-۸۷۷ء (۲۳۶-۲۶۴ھ)۔ اپنے طویل عہد حکومت میں اس نے بڑی فتوحات حاصل کیں۔ انتظامی لحاظ سے بھی بہترین راجہ اپنے وقت کا تھا۔ اس کے عہد میں سلیمان بصری (۸۵۱ء / ۲۳۷ھ) میں بغرض تجارت وسیاحت ہند میں آیا تھا۔ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ عام لوگوں کی رائے ہے کہ اس وقت تمام دنیا میں سب سے بڑا بادشاہ عرب

---

[۱] الفہرست لابن ندیم۔ ص ۴۸۵۔ مطبوعہ مصر۔

کا بادشاہ (مسلمانوں کا خلیفہ) ہے، پھر چین کا۔ اس کے بعد روم کا اور چوتھا نمبر ولھب رائے کا ہے۔ اس جگہ سب سے بڑا راجہ ولھب رائے ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے فوجی وظیفوں کا نظام عربوں کی طرح ہے (عرب افسروں نے اس کے فوجی نظام کو درست کردیا تھا) اس کے سکے بھی ہیں۔ اس پر سنہ راجہ کی مسند نشینی سے شروع ہوتا ہے۔ ہندستان کے تمام راجاؤں سے زیادہ یہاں کے راجے عربوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اسی لیے ان کے راجاؤں کی عمریں بڑی ہوتی ہیں۔ پچاس پچاس برس تک وہ راج کرتے ہیں (واضح رہے کہ اموگھ ورش نے باسٹھ برس حکومت کی غالباً اسی سے اس سیاح نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے[1]) ان کے ملک کا نام کوکن ہے (اس سلطنت کا بندرگاہ اس وقت تھانہ تھا جو کوکن میں واقع ہے) جو سمندر کے کنارے ہے۔ آس پاس کے راجاؤں سے اس کی لڑائیاں رہا کرتی ہیں۔ اس ملک میں سلطنت موروثی ہے، ان کے ولیعہد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں جو عہدے اور پیشے ہیں وہ بھی موروثی ہوتے ہیں۔ اس ملک کے کل راجہ مل کر ایک راجہ کے ماتحت نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک کا راج الگ الگ ہے، کوئی کسی کے ماتحت نہیں لیکن ولھب رائے سب راجاؤں میں سب سے بڑا راجہ ہے۔ یہاں شادی بیاہ سے پہلے لڑکی اور لڑکے والے پیام وسلام کرتے ہیں، پھر تحفہ تحائف بھیجتے ہیں اور شادی میں خوب ڈھول اور جھانجھ بجاتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو دان دیتے ہیں۔ تمام ہند میں بدکاری کی سزا دونوں کا قتل ہے۔ اسی طرح چوری کی بھی سزا قتل ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چور کو ایک نوکیلی مخروطی لکڑی پر بٹھا دیتے ہیں جو نیچے سے حلق تک چلی آتی ہے۔ یہاں بعض لوگوں کی داڑھیاں تین تین ہاتھ لمبی دیکھیں (غالباً یہ لوگ جوگی ہوں گے) جب کوئی مرجاتا ہے تو بھدرا کراتے ہیں۔ جب کوئی قید کیا جاتا ہے تو سات روز تک اس کو کھانا نہیں دیتے (غالباً صرف خونی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوں گے) ہندو جج مقدمات فیصل کرتے ہیں۔ ڈاکو کی سزا

[1] قدیم تاریخ ہند میں اس کا عہد حکومت ۸۱۵ء-۸۷۷ء لکھا ہے یعنی اس نے باسٹھ برس حکومت کی۔

بھی قتل ہے۔ جانور ذبح کرکے نہیں کھاتے بلکہ مار کر کھاتے ہیں (غالباً اس سے مراد بیک ضرب گردن کاٹنے کے ہیں، جیسا کہ کالی دیوی وغیرہ پر بھینٹ چڑھانے میں کرتے ہیں) ہندو دوپہر کے کھانے سے پہلے غسل کرتے ہیں اور بغیر مسواک کے نہیں کھاتے۔ یہاں کھجور کے درخت نہیں ہوتے اور ایک پھل ایسا ہے جو عرب میں نہیں ہوتا (غالباً یہ آم ہوگا) یہاں انگور بھی نہیں ہوتے۔ انار ہوتے ہیں۔ لوگ زمین پر فرش نہیں بچھاتے، ان کی غذا چاول ہے۔ جانوروں میں گھوڑے کم ہیں[1]۔

پھر اسی کے عہد آخر (۲۶۴ھ) میں ابو زید حسن سیرافی آیا ہے اور سواحل ہند سے ہوتا ہوا چین چلا گیا ہے۔ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ ہندوستان و چین میں تناسخ کا عام اعتقاد اس قدر پختہ ہے کہ لوگ جان دے دینا معمولی کام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وَلهب رائے اور دوسرے راجاؤں میں کوئی کوئی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جان بوجھ کو اپنے کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں۔ یہاں راجہ بناتے وقت یہ کرتے ہیں کہ راجہ کے باورچی خانہ میں چاول پکاتے ہیں اور تین چار سو آدمی اپنی خوشی سے آتے ہیں۔ راجہ کے سامنے ایک پتہ پر یہ چاول رکھ دیتے ہیں۔ راجہ اس میں سے ذرا سا اٹھا کر کھاتا ہے۔ پھر ایک ایک آدمی راجہ کے سامنے جاتا ہے، راجہ ان کو تھوڑے تھوڑے چاول دیتا ہے۔ یہ کل آدمی راجہ کے ساتھی ہوتے ہیں (غالباً یہ لوگ دائمی باڈی گارڈ کے سپاہی ہوتے تھے) جب راجہ مرتا ہے تو یہ سب ہی اس کے ساتھ اسی دن آگ میں جل مرتے ہیں۔ یہاں بارش زیادہ ہوتی ہے اور اسی پر زراعت کا انحصار ہے۔ یہاں کا راجہ کانوں میں سونے کا بالا جس میں بڑے بڑے قیمتی موتی ہوتے ہیں پہنتے ہیں اور گلے میں مالا ڈالتے ہیں جو بیش قیمت موتی اور جواہرات سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح درجہ بدرجہ فوجوں کے سپہ سالار اور افسر بھی اسی قسم کے زیور استعمال کرتے ہیں۔ یہاں کے امیر لوگ آدمی کی گردن پر سوار ہوتے ہیں

---

[1] سلسلۃ التواریخ ص ۷۵ مطبوعہ پیرس

(غالباً اس سے مراد نالکی یا پالکی یا تام جھام ہوگا) اس کے ہاتھ میں چھتر ہوتا ہے جس میں مور کے پر لگے ہوتے ہیں۔ یہاں کے آدمی ایک ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے اور ایسا کرنے کو بڑا عیب سمجھتے ہیں۔ امیروں کے یہاں دستور ہے کہ ناریل کی چھال کا تھالی جیسا کوئی برتن بناتے ہیں، اور وہ ہر ایک کے سامنے رکھا جاتا ہے اور اسی میں لوگ الگ الگ کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد وہ برتن مع جھوٹے کھانے کے پھینک دیا جاتا ہے۔ یہاں کی رانیوں میں عموماً پردہ نہیں ہے۔ راجہ کے دربار میں جو کوئی بھی جائے وہ ان کو بے نقاب دیکھ سکتا ہے[1]۔

یہ راجہ آخر عمر میں تخت سے دست بردار ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گیا اور اس کا لڑکا اس کا جانشین ہوا۔ گجرات کے شمال مشرقی حصہ پر بھیم راج چاوڑا کی حکومت تھی اور کاٹھیاواڑ میں مہر لوگ تھے۔

اکال ورش کرشن دوم ۸۸۰ء تا ۹۱۴ء - جنوبی گجرات میں کھیڑا تک اس کی حکومت تھی اس کو بار بار گوجروں سے لڑنا پڑا جس میں اکثر اس کو فتح ہوئی۔ اس کے باپ نے جینیوں کے فرقے دگمبر کی بڑی سرپرستی کی جس کا نتیجہ اس کے عہد میں ظاہر ہوا یعنی بودھوں کو ہر طرف زوال شروع ہوا اور پھر وہ ایسے گرے کہ کبھی نہ سنبھلے۔

اسی عہد میں بزرگ بن شہریار ایک ایرانی تاجر سواحل ہند سے گزرا ہے۔ اس نے اپنی کتاب عجائب الہند میں جہاں بہت سی باتیں ذکر کی ہیں وہاں مانگیر کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ ولھب رائے راجہ کا پایۂ تخت مانگیر (مان کھیر) دولتمندی کے لحاظ سے سونے کا شہر کہلاتا ہے[2]۔ گوجروں کو بھوڑ راج چاوڑا اس کا ہم عصر ہے۔

اندر نیتی سوم پرتھی ولھب ۹۱۴ء - یہ بھی ایک بہادر راجہ تھا۔ شمالی ہند میں قنوج تک فاتحانہ پہنچ گیا کھنبایت کے ایک کتبہ سے ایسا معلوم ہوا ہے۔

---

[1] کتاب الہند والصین ص ۱۶۷، مطبوعہ پیرس [2] عجائب الہند ص ۱۰۳، مطبوعہ پیرس۔

۳۰۳ھ/۹۱۵ء میں ابوالحسن علی مسعودی گجرات آیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ سندھ اور ہند کے تمام راجاؤں میں راجہ ولھب رائے کی طرح اور کسی راج میں مسلمانوں کی اتنی عزت نہیں ہوتی، اسلام اس راجہ کی حکومت میں معزز اور محفوظ ہے اور اس کے ملک میں مسلمانوں کی مسجدیں اور جامع مسجدیں بنی ہیں جو ہر طرح آباد ہیں۔ یہاں کے راجہ چالیس چالیس، پچاس پچاس برس راج کرتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی طویل عمر عدل وانصاف کا نتیجہ ہے۔[1]

واضح رہے کہ بقولِ مسعودی پہلے دو راجہ ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے باسٹھ اور چالیس برس حکومت کی۔ مسعودی نے اسی سے غالباً یہ نتیجہ نکالا ہے۔ یا یہ کہ اس کے عہد میں لوگوں میں ایسا ہی مشہور ہوگا۔ پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ اس وقت کھنبایت کا راجہ ولھب رائے کے ماتحت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ راجہ اعظم سے کھنبائت ولھب رائے نے چھین لیا تھا، اور گجرات کے راجہ کے ساتھ اکثر اس کی جنگ ہوتی رہتی ہے۔ (اس وقت گجرات کا راجہ بیر سنگھ چاوڑا تھا) اور ۳۰۴ھ/۹۱۶ء میں ضلع لار (بھروچ) کے شہر صیمور (چیمور متصل بمبئی) میں داخل ہوا، جو ولھب رائے کی سلطنت میں داخل ہے۔ اور آج کل جو راجہ یہاں کا ہے وہ جھانجھ کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت یہاں دس ہزار مسلمان آباد ہیں جس میں خاص ہندی مسلمانوں کے علاوہ بغداد و بصرہ کے بھی مسلمان ہیں۔ سندان کے بندر اور کھنبایت کے سمندر سے جو راجہ ولھب رائے والی مانگیر کی مملکت میں داخل ہے، زمرد کی اچھی قسم ہند سے باہر جاتی ہے۔

اس راجہ کے بعد آموگھ ورش ثانی پھر گوند راج اور بعدہ بدرگ تخت نشین ہوئے مگر ان کے حالات سے واقفیت نہیں ہے۔ ان کے ہمعصر راجے چاوڑا خاندان سے رتن دیت اور سامنت سنگھ ہیں۔ ان کی لڑائیاں دکھنی راجاؤں (راشٹ کوٹ) کے ساتھ ہوتی رہتی تھیں، جس میں کبھی غالب اور کبھی مغلوب ہوتے لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ

---

[1] مسعودی جلد اول ص ۳۸۲ و ۳۸۴۔ مطبوعہ مصر۔

جنوبی گجرات پران کا کامل قبضہ ہو۔ اس کی تکمیل تو مولراج کے عہد میں ہوئی۔
کرشن سوم ۹۴۵ء۔ اس راجہ کی شہرت زیادہ تر اس سبب سے ہوئی کہ ۹۴۹ء میں
اس نے چول خاندان کے راجہ کو شکست دی اور میدان کارزار میں مارا گیا۔
۳۴۰ھ میں ابو اسحاق ابراہیم اصطخری ہند پہنچا ہے۔ گجرات کے متعلق وہ لکھتا ہے
۹۵۱ء
کہ کھنبائت سے صیمور (چیمور) تک ولھب رائے کے شہر ہیں۔ ان میں ہندو راجے ہیں
ان شہروں میں غالب آبادی ہندوؤں کی ہے اور مسلمان بھی رہتے ہیں، اور ولھب رائے
کی طرف سے ان پر حاکم مسلمان ہی بنایا جاتا ہے۔ ان شہروں میں جامع مسجدیں ہیں
جہاں مسلمان جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں اور ولھب کی راجدھانی جہاں وہ رہتا ہے وہ مانگیر
ہے اور اس کی سلطنت بڑی وسیع ہے[1]۔ پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ قامہل، سندان، صیمور
(چیمور) اور کھنبائت میں مسلمانوں کی جامع مسجدیں ہیں اور اسلامی احکام علانیہ بجا
لاتے ہیں اور یہ پارزاں اور وسیع شہر ہیں۔ یہاں ناریل، کیلا اور آم ہوتے ہیں۔ زیادہ
تر کاشتکاری چاولوں کی ہے، یہاں شہد بہت ملتا ہے۔ مگر کھجوریں نہیں ہیں[2]۔ پھر
لکھتا ہے کہ قامہل سے کھنبائت تک میدان پڑتا ہے اور اس کے بعد سے لگاتار گاؤں
چیمور تک ہیں۔ اور آگے ہندوستان کی آبادی شروع ہوتی ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا
لباس ایک ہی ہے۔ اور بال بھی ایک ہی طرح چھوڑتے ہیں۔ بوجہ شدت گرما کے وہ
لنگی اور قمیص پہنتے ہیں[3]۔ اس کے بعد اس نے شہروں کا فاصلہ لکھا ہے کہ قامہل سے
کھنبائت چار مرحلہ ہے اور سمندر سے چار فرسخ پر ہے اور کھنبائت سے سوپارہ چار مرحلہ
ہے اور وہ بھی سمندر سے نصف فرسخ پر ہے اور سوپارہ سے سندان پانچ مرحلہ ہے اور وہ
بھی سمندر سے نصف فرسخ پر ہے اور سندان سے چیمور پانچ مرحلہ اور چیمور سے سراندیپ
(لنکا) پندرہ مرحلہ۔ اس کا ہمعصر راجہ مولراج سولنکی ہے۔ چاوڑا خاندان سے سلطنت

---

[1] سفرنامہ اصطخری ص ۱۷۳ مطبوعہ مصر [2] ایضاً ص ۱۷۶، [3] ایضاً ص ۱۷۷

منتقل ہو چکی تھی اور مولراج توسیع سلطنت میں مشغول تھا۔ اس کے بعد کونک راجہ ہوا، مگر اس کا کچھ حال معلوم نہیں، اس خاندان کا آخری راجہ کک یا کرک راج ہے (۹۷۳ء)

ابن حوقل بغدادی ۳۳۱ھ ۹۷۲ء میں یہاں آیا ہے۔ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ کھنبائت سے چیمور تک راجہ وطب رائے کی حکومت ہے اس میں غالب آبادی تو ہندوؤں کی ہے مگر مسلمان بھی آباد ہیں۔ اور مسلمانوں پر حکومت مسلمان ہی کی ہے۔ یعنی راجہ کی طرف سے ایک مسلمان حاکم ان کے لیے مقرر ہے۔ وطب رائے کے علاقہ میں مسجدیں ہیں، جن میں جمعہ کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ اور اسی طرح اور نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں، اور اذانیں بھی علی الاعلان دی جاتی ہیں[1]۔

اس وقت راشٹ کوٹ کے دلبھی راجے کمزور ہو گئے تھے، اور دکن کا چالوکیہ خاندان پھر برسر عروج ہو گیا اور ان کا مشہور راجہ تیل یا تلپ دوم نے راشٹ کوٹوں سے سلطنت لے لی۔ جنوبی گجرات بھی مکمل طور پر ان کے قبضہ میں رہا۔ یہاں تک کہ مولراج انہلواڑہ کے راجہ سولنکی نے ان کو شکست دے کر ان سے چھین لیا۔

راشٹ کوٹ کی پالیسی

ابتدا میں راشٹ کوٹ والوں نے عربوں کے ساتھ نہ صرف بے رُخی اختیار کی، بلکہ بعض اوقات مالی و جانی نقصانات بھی پہنچائے جس کا جواب عربوں نے اپنے بحری بیڑوں سے بار بار دیا۔ ان بحری جنگوں سے راشٹ کوٹوں کو جو نقصانات پہنچے اس سے ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھے کہ اس قوم کے ساتھ مفت جھگڑا مول لینا بے فائدہ ہے۔ اس لیے آئندہ سے ان کی پالیسی بدل گئی اور حکومت عربوں کے ساتھ ہر معاملہ میں انصاف برتنے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھ کی عرب سلطنت اور راشٹ کوٹ

---

[1] سفرنامہ ابن حوقل ص ۲۳۲ مطبوعہ لیڈن۔

کی حکومت آپس میں حلیف ہوگئیں ان عربوں سے تجارتی منافع کے علاوہ ہر قسم کی فوجی امداد بھی ان کو ملتی رہتی تھی۔ ان عربوں کو حلیف بنانے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ چاوڑا خاندان جس کی ایک سرحد سندھ سے اور دوسری راشٹ کوٹ سے ملتی تھی۔ وہ عربوں کو اپنا حلیف نہ بنا سکا پس چاوڑا خاندان ہمیشہ سے دو دشمنوں کے درمیان رہا۔ ایک طرف سندھ کے عرب، اور دوسری طرف راشٹ کوٹ۔ اور یہ لوگ عربوں کی طرف سے بے فکر ہو کر بڑے اطمینان سے چاوڑا پر حملہ کرتے اور اسی سبب سے چاوڑا خاندان جنوبی گجرات پر کبھی قابض نہ ہو سکا۔ حالانکہ بن راج، یوگ راج اور کھیم راج بڑے ہوشیار اور طاقتور راجے تھے اور یہی باعث ہے کہ پٹن کی گوجر سلطنت ہمیشہ عرب مسلمانوں کی دشمن رہی جیسا کہ تمام عرب سیاحوں نے متفقہ طور پر اپنے اپنے سفرناموں میں بیان کیا ہے۔

فصل چہارم

چاوڑا خاندان

سنہ ۶۹۶-۹۴۲ء ۷۷-۳۳۱ھ

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی گجرات میں بہ یک وقت متعدد راجاؤں کی حکومت ہوتی تھی۔ اس کی صورت یہ تھی کہ متعدد خاندان گجرات کے مختلف حصوں پر قابض تھے جو راجہ کہلاتے تھے، مگر ان کی اصلی حیثیت آج کل کے گورنروں کی ہوتی تھی، جو گجرات یا بیرون گجرات کے طاقتور مہاراجوں کے ماتحت ہوتے تھے۔ ان مہاراجوں کے کمزور پڑ جانے پر ان گورنر راجوں میں سے جو طاقتور ہوتا وہ خودمختار ہو جاتا، اور آہستہ آہستہ دوسرے ممالک اپنے مقبوضات میں شامل کرتا جاتا، یہاں تک کہ مہاراجوں کی راجدھانی پر قبضہ کر کے یا ماتحت بنا کر پورے عروج پر آجاتے اور خود مہاراج بن جاتے۔ پس مورخین ہر خاندان کی ابتدائے

خودمختاری سے اس وقت تک کی مدت شمار کرتے ہیں، جب تک اس کا راجہ معزول نہ ہو اور
تخت اس کے خاندان سے نکل نہ جائے۔ اس کی صحیح مثال تغلق خاندان ہے کہ اس کا آخری
بادشاہ محمود تغلق تھا جو دہلی میں شاہنشاہ کہلاتا تھا، مگر اس شاہنشاہی کے باجود ہندستان
میں مختلف خود مختار سلطنتیں موجود تھیں۔ دوسری مثال مغل کے آخری عہد کی شہنشاہی
ہو جن کی موجوگی میں بھی پونا، حیدرآباد، میسور، پنجاب وغیرہ کی متعدد طاقتور سلطنتیں پیدا
ہوگئی تھیں، یہی حال راشٹ کوٹ، چاوڑا اور باگھلا خاندان وغیرہ کا تھا۔ ناظرین اس
نکتہ کو ہمیشہ مدنظر رکھیں۔

ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں اس خاندان کی بنیاد پڑی، جب کہ گجرات اور
کاٹھیا واڑ میں اور متعدد راجے برسرِ حکومت تھے۔ چوڑا یا چاوڑا کے خاندان کی راجدھانی
پن چاسر تھی جو جھالاواڑ کے اُتر اور کچھ کے چھوٹے رن کے ساتھ رادھن پور کے قریب
واقع تھی۔ یہ نہ سورج بنسی تھے نہ چندر بنسی بلکہ مغربی ہند یعنی سندھ کے دریا کے پاس
ان کا اصلی وطن تھا۔ وہاں سے دیوپٹن میں آئے اور پھر پنچاسر میں، خیال کیا جاتا ہے کہ سندھی
گوجر تھے، بعض گجراتی تاریخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دیوپٹن کے دریائی مقام
پر لوٹ مار کرتے تھے[۱]۔ اور اسی لیے ایسا قیاس کیا جاتا ہے کہ شروع میں ان کی سلطنت
پن چاسر کے اردگرد تک محدود ہوگئی تھی، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں۔ جدید تحقیقات سے
بعض شواہد ایسے ملے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سومنات سے لے کر پنچاسر تک ان کی
سلطنت تھی، گجرات میں جب دوسری سلطنتیں کمزور ہوتی گئیں، یہ خاندان طاقتور ہوتا
گیا، البتہ متعدد راجے اس خاندان میں ہو چکے تھے، مگر نام ان کے اب تک نامعلوم ہیں
سب سے پہلے جو راجہ اس خاندان کا ہم کو معلوم ہوا ہے وہ جیں راج یا جے سکھری ہے۔ اس

[۱] بعض تاریخوں میں ہے کہ دیوپٹن میں ولبھی راجاؤں کے ماتحت یہ وہاں کے حاکم تھے۔ جب حملہ
آوروں نے ولبھی پور کو کمزور کردیا تو یہ لوگ پنچاسر خود مختارانہ قابض ہوگئے۔

کا مشہور سپہ سالار سوریال تھا۔ اس کے عہد میں شنکر نامی مشہور شاعر گزرا ہے۔ یہ شاع
دفعہ شہر کلیانی (علاقہ بیدر) میں جا کر خاندان سولنکی کے راجہ بھوڑ کے دربار میں ملک گج
اور راجہ جس راج کی بڑی تعریف کی[1]۔ راجہ نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ یہ راجہ کیوں میرا
تت نہیں آتا۔ وزیر نے کہا کہ یہ ملک اپنے زیر فرمان نہیں ہے۔ راجہ نے یہ سن کر اپنے ایک ج
میر (ہمیرا) نامی کو حکم دیا کہ اس ملک کو جلد فتح کر کے واپس آئے۔ جے سکھری کو جب
ہوا تو اپنے سپہ سالار سوریال کو ایک لشکر لے کر مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ کلیانی فوج آگے بڑ
جاتی تھی، سوار اور ہاتھی اس میں بہت تھے، چار ہزار اس میں جنگی رتھ تھے، بے شمار
تھی وہ لوٹتی مارتی پنچاسر سے چھ میل پر پہنچی۔ یہاں سے سارے ملک کو لوٹنا اور عو
اور بچوں کو قید کرنا شروع کیا، یہ حال سن کر کلیانی سپہ سالار کو راجہ نے خط لکھا کہ غریبوں
ظلم کرنا مردوں کا کام نہیں ہے، تیرا حال کتے جیسا ہے کہ جو کوئی کتے کو پتھر مارتا ہے
کتا پتھر کو کاٹنے دوڑتا ہے۔ سپہ سالار نے جواب دیا کہ تو منہ میں تنکا لے کر فرمانبردار کی
حاضر ہو۔ راجہ جے سکھری کا سالار فوج سوریال اسی درمیان میں چیدہ فوج کا ایک
دستہ لے کر شہر سے باہر نکل گیا اور رات کے وقت جب کہ کلیانی فوج ناچ رنگ کھا
پینے اور سونے میں مشغول تھی۔ یکایک سوریال نے شبخون مارا اور فوج کو گھیرے کا
کاٹ کر رکھ دیا، اس طرح سوریال نے میر کو شکست دی، راجہ بھوڑ نے جب یہ
تو بہت پیچ و تاب کھایا اور خود ایک بڑی فوج لے کر گجرات پر چڑھ آیا اور پنچاسر کا ڈ
ماہ تک محاصرہ کیے رہا۔ جس راج نے دیکھا کہ دن بدن محاصرہ سخت ہوتا جاتا ہے اور جنگ
میں شدت بڑھتی جاتی ہے تو سپاہیوں سے صاف صاف کہا کہ جس کو جان عزیز ہو نکل
مگر وفادار فوج نے بے غیرتی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی اور بہادری سے مدافعت

---

[1] بعض تاریخوں میں کلیانی (واقع قنوج) لکھا ہے اور بھوڑ کو قنوج کا راجہ کہتے ہیں۔ لیکن تحقیقات یہی ہے جو متن میں تحریر کیا گیا۔ (تاریخ ہند جلد اول ص ۲۲۹ مصنفہ ہاشمی)

لگے۔ کلیانی راجہ نے جب دیکھا کہ باون دن گزر گئے اور فتح کسی صورت نہیں ہوتی تو اس نے جدید تدبیر یہ کی کہ سورپال کو ایک خط کسی چیز کے عرق سے لکھ کر بھیجا جس کو زعفران ڈال کر اس نے پڑھ لیا لیکن سورپال نے غداری کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور برابر مدافعت کرتا رہا۔ کلیانی فوج نے بھی بڑی تندہی سے فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور محاصرہ اس قدر سخت کر دیا کہ جس راج کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تو اس نے یہ دیکھ کر سورپال سے کہا کہ تم اپنی بہن (یعنی رانی روپ سندری) کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور جنگل میں کسی محفوظ مقام پر پہنچا دو۔ چنانچہ سورپال رانی کو لے کر نکل گیا۔ رات کو جس راج کی فوج میں مہابھارت کا وعظ ہوا جس سے بہادروں کے خون میں جوش آ گیا۔ دوسرے روز راجہ جس راج خود بہادری سے لڑا۔ طرفین کے ہزاروں آدمیوں کا خون ہوا لیکن آخر میں باون ۵۲ دن کے بعد جس راج مارا گیا۔ اور کلیانی کا راجہ فتح یاب ہوا۔ فتحیاب راجہ جب محل میں پہنچا تو مسلح عورتوں نے اس قدر پُر زور حملے کیے کہ مجبوراً محل سے واپس آنا پڑا، اس عرصہ میں چتا تیار کر لی گئی اور تمام عورتیں اپنے شوہروں کی لاشوں کے ساتھ جل کر خاک ہو گئیں۔ راجہ بھوڑ نے بھی شرافت کو راہ دے کر راجہ جس راج کی لاش کو مذہبی احترام کے ساتھ اُس کی آخری منزل پر پہنچا دیا۔ کاٹھیاواڑ اور کچھ کے راجاؤں نے اطاعت قبول کر لی۔ راجہ خود اس ملک میں قیام کر کے ملک کا بندوبست کرنا چاہتا تھا، مگر وزراء اور امراء سورپال سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ کسی طرح یہاں قیام کا مشورہ نہ دیا۔ اس لیے کلیانی واپس چلا گیا[۱]۔ اور یہاں صوبہ دار مقرر کر دیا جو سال بہ سال گجرات کا خراج کلیانی بھیجتا رہا۔

بن راج چاوڑا ۷۴۶ء تا ۸۰۶ء ۱۲۹ھ ۱۹۱ھ	جس راج کی رانی سورپال کی بہن روپ سندری حاملہ تھی جس کو جنگل میں پہنچانے کے لیے سورپال ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے

[۱] ملخص از رتن مالا۔

جنگل میں ایک بھیل کے گھر چھوڑ دیا جس کی عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ جب سور پال بہن کو چھوڑ کر پنچاسر کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ جس راج مارا گیا۔ اس نے بد امنی پھیلانے کے لیے لوٹ مار ملک میں شروع کر دی۔ انہی دنوں ۶۹۶ء اس کو معلوم ہوا کہ بہن کے لڑکا پیدا ہوا، وہ بہت خوش ہوا۔ جب لڑکا چھ برس کا ہوا تو ایک جینی سادھو نے جس کا نام شیل گون سوری تھا پرورش کا بار اپنے سر لیا، سور پال بھی پہنچ گیا، اور ساتھ رہنے لگا۔ چونکہ یہ لڑکا جنگل میں پیدا ہوا تھا اس لیے اس کا نام بن راج رکھا۔ بن راج جب چودہ برس کا ہوا تو وہ بھی ماموں کے ساتھ لوٹ مار میں شریک ہو گیا۔ جب سور پال مر گیا تو بن راج تنہا ہی ملک میں لوٹ مار کرتا رہا۔ راجہ بھوڑ نے گجرات کا خراج بیٹی مینل دیوی کو دیدیا تھا، اس نے اپنے مشیروں کی صلاح سے ایک چاوڑا سردار کو نیزہ بردار کا عہدہ دیا کہ ماتحت سپاہیوں کے ذریعہ ہر چیز کی اچھی طرح حفاظت ہو۔ کلیان کے کارندے اس ملک میں چھ مہینے رہے اور ہر قسم کا مال اور خزانہ جمع کیا، اور ان سب کو سمیٹ کر کلیان روانہ ہوئے، جب یہ خزانہ کلیانی جا رہا تھا بن راج کو معلوم ہوا تو اس نے اس کو لوٹ لیا جس سے نہ صرف دولتمند ہو گیا، بلکہ زبردست بھی بن گیا ایام افلاس میں اس کا ایک ہمدرد ایک بنیا چانیا نامی تھا، جو وقت پر نہ صرف اس کی مدد کرتا تھا بلکہ نیک مشورے سے بھی اس کی امداد کرتا رہا۔ اب اس کو بن راج نے اپنا وزیر مقرر کیا۔ بن راج نے آہستہ آہستہ ترقی شروع کی، دولت کے سبب لشکر کی فراہمی آسان ہو گئی۔ تھوڑے دنوں میں تمام اہم مقامات پر قبضہ کر کے گجرات پر حکومت کرنے لگا اب اس کو یہ خیال ہوا کہ پایۂ تخت کسی ایسے مقام پر ہو جو صحت افزا جگہ ہونے کے علاوہ اس زمانہ کے سیاسی لحاظ سے بھی مفید ہو، چنانچہ انہل نامی چرواہے نے اس کا پتہ دیا، اور

ے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بنیا اس کا ہمراز تھا۔ اسی کے ذریعہ سے مال کا پتہ لگا کر ڈاکہ ڈالتا ہوگا، اور پھر اسی کے ذریعہ فروخت کرتا ہوگا۔

صحت افزا ہونے کی دلیل یہ دی کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک کتے نے خرگوش کو پکڑ لیا جس نے کمال جرأت اور بہادری سے اپنے آپ کو اس سے نجات دلائی، غرض یہ مقام پسند کیا گیا، اور اسی چرواہے کے نام سے اس کو موسوم کر کے پایہ تخت کا پایہ رکھا۔[۱]

اسی عہد میں (۷۲۵ء ۱۰۷ھ) جنید نامی گورنر سندھ کا گجرات پر حملہ آور ہوا۔ مارواڑ، مانڈل، وضع بھروچ وغیرہ کو فتح کر کے مال غنیمت کے ساتھ واپس چلا گیا۔ مگر سندھ میں خانہ جنگی کے سبب یہاں کا کوئی معقول انتظام نہ کر سکا۔ اسی بدامنی اور خلفشار سے فائدہ اٹھا کر بن راج نے جدوجہد شروع کر دی (بلاذری ذکر فتح سندھ) میرا خیال ہے کہ غالباً اسی حملہ نے راجہ بھوڑ کی گجراتی سلطنت کو اس قدر کمزور کر دیا کہ بن راج نے معمولی جدوجہد سے سلطنت قائم کر لی۔

پس ابتدا میں اس کا نام انہل واڑہ رکھا گیا، پھر کثرتِ استعمال سے نہرواڑہ ہوا۔ مسلمان فاتحوں کی زبان نے اس کا نام تبدیل کر کے نہروالا بنا دیا، اور چونکہ عظیم الشان اور بلند پایہ شہروں کو اس زمانہ میں پٹن کہتے تھے اس لیے جب یہ شہر بھی بڑا آباد اور پُر رونق ہو گیا، تو اس کو بھی پٹن کہنے لگے، اور آج تک اسی نام سے ہندو اس شہر کو یاد کرتے ہیں۔

بن راج نے پایہ تخت کی بنیاد ۸۰۲ بکرمی موافق ۱۲۹ھ مطابق ۷۴۶ء[۲] بیساکھ شدی ایکادشی ۲۲ گھڑی ۵۴ پل دن گزرنے پر جو اہل نجوم کے نزدیک مبارک ساعت ہے رکھی۔ اس وقت خانہ اول برج اسد، خانہ دوم سنبلہ، خانۂ سوم میزان خانۂ چہارم عقرب میں ذنب، خانہ پنجم قوس۔ خانۂ ششم جدی خانۂ ہفتم دلو۔ خانۂ ہشتم حوت میں زہرہ۔ خانۂ نہم حمل میں شمس و عطارد۔ خانہ دہم ثور میں قمر، زحل، مریخ، راس کا اجتماع

---

[۱] آئین اکبری اور مراۃ احمدی میں ہے کہ چرواہے کہ چرواہے نے یہ شرط کی تھی کہ اس کو میرے نام سے آباد کیا جائے تب جگہ کا پتہ بتاؤنگا چنانچہ اس کی یہ شرط قبول کی گئی اور اس نے جگہ کا پتہ جو گنجان جنگل میں تھا یہ بتایا۔ میرا خیال ہے کہ یہ چرواہا اس کے ساتھیوں میں سے تھا اور چرواہا ہونے کے سبب اس جنگل کے چپہ چپہ سے واقف تھا پس بن راج نے اپنے دونوں ساتھیوں کے نام سے دو شہر آباد کیے ایک نام سے انہل واڑہ اور دوسرے کے نام سے چانپانیر۔ [۲] آئین اکبری میں ۸۰۲ سمبت ہے اور مراۃ احمدی نے ۸۰۲ سمبت ۱۲۲ھ اور ایک دوسری روایت روایت ۸۰۲ سمبت ۶۹۶ء کی بھی ہے لیکن اگر سنہ عیسوی صحیح ہے تو ہجری کی جو تاریخ متن میں تحریر کی گئی ہے صحیح ہے۔ مختصر الدول

تھا۔ خانۂ یازدہم جوزا۔ خانۂ دوازدہم سرطان تھا منجموں نے کہا کہ دو ہزار پانچ سو سات
سات ماہ نو دن گزر جانے پر یہ شہر ویران ہو جائیگا۔[1]

اسی سال یعنی ۱۲۹ھ ۷۴۶ء میں اس نے تخت نشینی کی رسم ادا کی، اور کچھ دنوں
بعد اس کے وزیر چانپا نے اپنے نام سے ایک قلو معہ آبادی کے پاوا گڑھ کے پاس
کرایا جس کو آج کل چانپانیر (چمپانگر) کہتے ہیں، غالباً سرحد کا یہ آخری قلعہ ہوگا جو حفا
کے لیے تیار کیا گیا۔ بن راج اور وزیر نے مل کر بڑی ہوشیاری سے سلطنت کی ا
ملک میں امن قائم کرنے اور اس کو آباد کرنے میں ہر ممکن تدبیر سے کام لیا۔ اس
مختلف مقامات پر مندر تعمیر کرائے۔ وہ خود غالباً تعلیم یافتہ نہ تھا اور نہ کسی خاص مذہب میں
تھا، مگر برہمنوں کی ہمیشہ عزت کرتا تھا اس نے اپنی اولاد کو بڑی اچھی تعلیم دلائی۔ وہ اپنی رعا
بے حد محبوب تھا، اور اسی لیے میں دیکھتا ہوں کہ پارس ناتھ (واقع پٹن) کے مندر میں
اس کا مجسمہ تیار کر کے رکھ دیا گیا ہے جو اس وقت تک موجود ہے۔ بن راج بڑا بہادر تھا،
نے فقط اپنی قوتِ بازو سے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر حاصل کی۔ اس وقت تک ا
کی ماں روپ سندری زندہ تھی اور شیل گون سوری کے زیر اثر زندگی بسر کرتی تھی، شہر
میں بلا لیا، سوری بھی ساتھ تھا۔ ایک بڑا مندر تعمیر کرایا گیا جس کا نام پنچاسو پارس ناتھ
گیا۔ ساٹھ برس حکومت کر کے ایک سو دس برس کی عمر میں فوت ہوا (۱۹۱ھ ۸۰۶ء)[2] اسی
آخر میں تقریباً ۸۰۵ء ۱۹۰ھ میں یحییٰ برمکی وزیر خلیفہ ہارون الرشید نے ایک وفد ہند و مذہب

[1] آئین اکبری ج ۲ مطبوعہ نولکشور لیکن افسوس ہے کہ یہ پیشین گوئی غلط نکلی، کیونکہ اس حساب سے
مطابق ۲۶۱۲ھ میں اس کو ویران ہونا چاہیے۔ حالانکہ جس شہر کی بنیاد بن راج نے رکھی تھی وہ تو
کہ ویران ہو گیا۔ موجودہ پٹن اصلی پٹن سے تین چار میل کے فاصلہ پر آباد ہے اور بن راج کے وقت
ایک عمارت بھی موجود نہیں ہے۔ بلکہ لشکری عمارتوں میں سے بھی کوئی عمارت موجود نہیں ہے۔
[2] ملخص از رتن مالا۔ ابوالفضل کو شاید گجراتی تاریخ نہ ملی۔ آئین اکبری میں جس راج کے متعلق ا
غیر مستند طریقہ سے تحریر کیا ہے۔

تحقیقات کے لیے بھیجا جو ان کھیڑ میں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد واپس ہوا، اور ایک رپورٹ وزیر کی خدمت میں پیش کی، جس کو ابن ندیم نے اپنی کتاب میں مختصراً لکھا ہے جس کا مفصل بیان اوپر گزر چکا۔

یوگ راج چاوڑا ۸۰۶ء تا ۸۴۲ء / ۱۹۱ھ تا ۲۲۸ھ

بن راج کے مرنے پر اس کا بیٹا یوگ راج تخت نشیں ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح بہادر اور دلیر تھا، اس نے اپنی حدود مملکت کو وسیع کیا۔ یہ بڑا صاحبِ علم تھا خصوصاً جنگی اسلحہ کا استعمال خوب جانتا تھا اور تیراندازی میں کمال رکھتا تھا، امن و امان قائم کرنے میں اس نے بڑی کوشش کی۔ اس کی زندگی کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ اس کے لڑکے کھیم راج (شیم راج) نے باپ سے دریافت کیا ایک غیر ملکی جہاز (غالباً عربوں کا تھا) بندر سومنات میں آیا ہوا ہے، کیا میں اس کو لوٹ لوں، یوگ راج نے سختی سے اس کو منع کیا، لیکن نوجوان شاہزادے نے ایک نہ مانی، اور آخر سومنات جا کر اس نے سب لوٹ لیا، جب راجہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے گرفتار کرا کر قید کر دیا۔ اور تاجروں کو تاوان دے دیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہند میں اچھے گھوڑے بہت کم یاب تھے، چنانچہ سلیمان بصری ۲۳۷ھ / ۸۵۱ء اپنے سفرنامہ کے صفحہ ۵ میں لکھتا ہے کہ "جانوروں میں گھوڑے بہت کم ہیں" وصاف ۷۲۸ء اور رشید الدین ۷۱۸ھ اپنی اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں" اور چونکہ معبر (مدراس) میں اچھے گھوڑے نہیں ہوتے ہیں اس لیے درمیان میں یہ معاہدہ تھا کہ جمال الدین ابراہیم (راجہ کا دیوان) چودہ سو مضبوط عرب گھوڑے لا دیا کرے، سال میں دس ہزار گھوڑے خلیج فارس کے دوسرے بندرگاہوں جیسے قطیف، الحساء، بحرین، ہرمز وغیرہ سے آتے تھے (غالباً یہ عراقی اور عربی ہونگے) اور ہر گھوڑے کی قیمت دو سو بیس (طلائی سکّے) ہوگی" یہ معاہدہ ۶۹۲ء کا ہے مارکو پولو نے بھی جو اسی عہد کا سیاح ہے، گجرات کی بندرگاہوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں

[1] آئین اکبری میں اس کا نام جوگ راج لکھا ہے۔ ہندی میں تی اور ج بدل بھی جاتی ہیں جیسے یادو، جادو

کے اکثر باشندے بحری ڈاکو ہیں، لوٹ کے مال میں جو گھوڑے پائے جاتے ہیں وہ راجہ لے لیتا ہے، باقی مال آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں (یہ واقعات علاء الدین خلجی کی فتح گجرات سے پہلے کے ہیں) اس بات کو بھی فراموش نہ کیجئے گا کہ پرتھی راج پر حملہ شہاب الدین کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ راجہ کے ایک رشتہ دار نے ایک مسلمان تاجر اسپ کے سب گھوڑے چھین لیے تھے۔ اس نے شہاب الدین سے فریاد کی، اور شہاب الدین غوری کی تحریر پر پرتھی راج نے گھوڑوں کی واپسی سے انکار کر دیا۔ راجہ کرن باگھیلا نے اپنے وزیر مادھو کو کشمیر ترکی گھوڑوں کی خریداری کے لیے بھیجا تھا۔ میری اس تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ شمالی و جنوبی ہند میں ساتویں اور آٹھویں صدی تک اچھے گھوڑوں کی مانگ تھی۔

اب سلیمان بصری کا یہ بیان پھر پڑھیے کہ "راجہ گجرات کے پاس جیسے گھوڑے ہیں، ہند میں کسی کے پاس نہیں" یہ گھوڑے وہی سومنات کی لوٹ کے ہیں جنکی تعداد دس ہزار تھی۔ دینار (سونے کا سکہ) کی قیمت مختلف عہد میں مختلف رہی۔ ۲۵-۲۰-۱۵-۱۲-۸۔ پس اگر دینار کی قیمت صرف آٹھ ہی روپیہ مان لی جائے تو دس ہزار گھوڑوں کی قیمت ستر لاکھ ساٹھ ہزار روپے ہوئے۔ ہاتھی اور دوسرے مال کی قیمت کا اندازہ اسی سے کر لیجیے۔ یوگ راج نے اس کا معاوضہ کیا دیا ہوگا، کچھ معلوم نہیں، لیکن قرینہ قیاس یہی ہے کہ جس طرح کسی دیوالیہ کمپنی کے نفر کار کو کچھ دے کر سمجھا لیا جاتا ہے، اسی طرح ان تاجروں کو سمجھا لیا ہوگا اور وہ بھی راضی نہ ہوتے تو کیا کر سکتے تھے۔

کچھ عرصے کے بعد ارکین سلطنت نے شاہزادے کی جو ولیعہد بھی تھا، سفارش کی تو راجہ نے جواب دیا کہ راجہ کا کام ملک اور رعایا کی حفاظت کرنا ہے، لوگوں کو مختلف طریقوں سے لوٹنا ان کا کام نہیں ہے، اگر میں ایسا نہ کرتا تو گنہگار رہتا۔ مشکل سے سلطنت جمی ہے، اور ڈاکو سے سردار بننے کے دھبے کو اپنے خاندان کے سر سے دور کیا ہے۔ آخر کار اس کو رہا

کردیا۔ مگر چونکہ وہ ایمانداری سے اس امر کو پاپ (گناہ) جانتا تھا، اس لیے اُس نے اس کا کفارہ اس طرح ادا کیا کہ خود آگ میں جل کر مرگیا (سنہ ۸۴۲ء / ۱۹۹ھ) یہ راجہ بڑا نیک دل اور عادل تھا سلطنت کا اس نے معقول انتظام کیا سب لوگ اس سے خوش تھے، اس نے چھتیس[۳۶] برس ملک گجرات پر حکومت کی[۱]۔ یہ بڑا خدا ترس تھا۔ اس کی سلطنت کا رقبہ آبو سے لے کر سومنات، پٹن تک تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں برہمنوں کو بہت زیادہ رسوخ حاصل تھا، اور مذہبی کاموں پر بڑا زور دیا جاتا تھا، اور لوگ بڑی عقیدتمندی سے اس کی تعمیل کرتے تھے[۲]۔

کھیم راج چاوڑا
سنہ ۸۴۲ء تا ۸۶۶ء / ۲۲۸ھ ۲۵۲ھ

یوگ راج کے بعد اس کا لڑکا کھیم راج (یا خیم راج) تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ یہ بڑا تند مزاج تھا، اس کے مصاحبین بھی اچھے نہ تھے۔ انہی کے مشورہ سے اس نے باوجود باپ کی سخت ممانعت کے سومنات میں سوداگروں کے جہاز کو لوٹ لیا جس میں دس ہزار گھوڑے اور ہاتھی اور لاکھوں کا مال تھا۔ اس دولت سے اس نے بڑا فائدہ اُٹھایا[۳]، اور اپنی فوجی طاقت کو بڑھا کر آس پاس کے ملک کو فتح کیا لیکن چونکہ

نوٹ صفحہ ۱۳۸ [۱] اس سے بھی لوگ دلیل لاتے ہیں کہ یہ تو قزاقوں کا خاندان تھا، اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس کا اشارہ فقط بن راج کی طرف ہے جو ابتدا عہد میں قزاقی کرتا تھا، نہ کہ خاندان کی طرف۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] مراۃ احمدی نے ۳۵ سال لکھی ہے جو آئین اکبری سے ماخوذ ہے۔ مگر میں نے اس قسم کے تمام حالات زیادہ تر گجراتی تاریخوں سے لیے ہیں جو جدید تحقیقات سے استفادہ کرکے لکھی گئی ہیں۔

[۲] افسوس ہے کہ رتن مالا نے اس کے حالات کچھ نہیں لکھے، صرف تاجروں کے لوٹنے کے واقعات کے بعد یہ لکھا ہے کو یوگ راج نے اپنے دونوں بھائیوں کو جو اس واقعہ میں شریک تھے، بلا کر لعنت ملامت کے بعد کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں جو کام کرنے کا ارادہ کیا تھا، تم نے اس پر پانی پھیر دیا۔ غیر ملکوں کے دانشمند جب یہ سنیں گے تو گجرات کے راجہ کو ذلیل سمجھینگے اور قزاقوں کا سردار کہینگے۔ راج نیت میں لکھا کہ راجہ کی نافرمانی برہمن کے وظیفہ کی موقوفی، عورت کا بستر سے بھاگ جانا ایسے زخم ہیں جو بے ہتھیار لگتے ہیں۔

[۳] رتن مالا میں اس کے حالات کچھ نہیں لکھے۔ رتن مالا کی حقیقت بھی سمجھ لو تاکہ حالات سمجھنے میں آپ کو سہولت ہو۔ اس کے مصنف کا نام برہمن کرشناجی ہے۔ چاوڑا خاندان کی بنیاد سے تقریباً ۴۴۷ برس بعد اور سولنکی کی بنیاد سے ۱۵۲ برس بعد یہ کتاب تحریر کی گئی ہے۔ چونکہ سولنگی عہد کا مصنف ہے اس لیے قدرتی طور پر سولنکی خاندان کا بڑا مداح ہے۔ اور چونکہ سولنکی خاندان نے چاوڑا سے سلطنت چھین لی ہے اس لیے حریف ہونے کے باعث اس کا ذکر غیر پسندیدہ طریقہ سے کرتا ہے۔ دیکھو لو جس راج کو (باقی بر صفحہ ۶۰)

خود سر تھا، بد مزاج اور غصہ ور شخص تھا، اس سبب سے ارکین دولت اور رفتہ دار اس سے ناراض رہتے اور ہمیشہ ان سے نا اتفاقی رہتی، اور چونکہ یہ کسی کی نہ مانتا تھا، اس لیے لوگ اس کو مشورہ دیتے ہوئے ڈرتے تھے۔ چھبیس برس حکومت کر کے ۸۶۶ھ ۲۵۲ میں فوت ہوا[۱]۔ اسی عہد میں سلیمان تاجر بصری ۸۵۱ھ ۲۳۷ گجرات آیا ہے اور رمانگیر سلطنت میں قیام کر کے چلا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً کھیم راج کی جنگ اکثر و بیشتر راجاؤں سے ہوتی رہتی تھی۔ یہ راجہ مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا، لیکن اس کے ملک میں ہمیشہ امن رہا[۲]۔

بھوڑ راج چاوڑا ۸۶۶ھ ۲۵۲ تا ۸۹۵ھ ۲۸۲ اس نے اپنے باپ کی وفات پر تخت سلطنت کی زمام اپنے ہاتھ میں لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ کے آخر عہد میں جو بے چینی پیدا ہو گئی تھی اس کو اس نے بہت جلد دور کر دیا اور اپنی رعایا کو راضی رکھنے کی کافی کوشش کی، اسی سبب سے اُنتیس سال تک امن و امان کے ساتھ حکومت کرتا رہا اور آخر ۸۹۵ھ ۲۸۲ میں اس دار فانی سے چل بسا، لوگ اس کو بے تھو بھی کہتے تھے[۳]۔ اسی عہد میں ۸۷۷ھ ۲۶۴ میں ابو الحسن زید سیرافی آیا ہے جس نے سلیمان بصری کی حرف بہ حرف تائید کی ہے۔ وہ بھی لکھتا ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۹) قزاقوں کے خاندان سے بتلایا ہے، بن راج تو قزاق تھا ہی۔ یوگ راج بقول مصنف مذکور ساری عمر نیکیاں صرف اس لیے کرتا رہا کہ قزاقی کے دھبہ کو اپنے خاندان کی پیشانی سے محو کر دے۔ اس نیک دل انسان کی چھبیس سالہ حکومت میں بجز سومنات بندر کے غیر ملکی تاجروں کے لٹ جانے کے مصنف کو کوئی واقعہ قابل ذکر نظر نہیں آیا (یعنی صرف بُرائی کا پہلو بڑا روشن نظر آیا) ہندو واقعات نویسوں کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جو راجہ ان کے خیال کے مطابق اچھا ہوتا ہے اس کی بڑی ہی توصیف کرتے ہیں اور جو ناپسندیدہ ہوا اس کو یا تو حذف ہی کر جاتے ہیں یا صرف اسی قدر تحریر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ فلاں جگہ پیدا ہوا اور مر گیا، چنانچہ مصنف نے کھیم راج کے ساتھ بھی یہی وطیرہ اختیار کیا ہے۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] مراۃ احمدی میں بیس سال ہے، جو آئین اکبری سے منقول ہے۔ راجاؤں کے نام میں آئین اکبری میں اور دوسری گجراتی تاریخوں میں اختلاف ہے میں نے گجراتی تاریخوں کو زیادہ صحیح سمجھ کر وہی نام رہنے دیے، کیونکہ یہ لوگ اپنے گھر کا حال ابوالفضل سے زیادہ جانتے تھے۔ مراۃ احمدی میں جو کچھ ہے وہ آئین اکبری سے ماخوذ ہے۔ [۲] سلسلۃ التواریخ سلیمان بصری مطبوعہ پیرس [۳] گجرات پراچین اتہاس میں اس نام کے بجائے چاموند لکھا ہے۔

کہ وہ بھی راجوں سے اس کی جنگ رہتی ہے اور مسلمانوں کا دشمن ہے[1]۔

بیر سنگھ راج
۸۹۵ء ۲۸۲ھ تا ۹۲۰ء ۳۰۸ھ

اپنے باپ کے مرنے پر اس کا جانشین ہوا، اور پچیس برس تک حکومت کرتا رہا، مگر کوئی بات لائق تحریر اس راجہ کی ہم کو نہیں معلوم، لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت کی چول اسی وقت سے ڈھیلی ہونی شروع ہوئی، کیونکہ اس کو دشمنوں سے اکثر لڑنا پڑا، اس کا وزیر بڑا دانا تھا، اسی کی دانائی سے فتحیاب رہا۔ غالباً اس کی دشمنی راشٹ کوٹ سلطنت سے تھی۔ مورخ مسعودی اسی عہد ۹۱۵ء ۳۰۳ھ میں آیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ گجرات کے راجہ سے اکثر راشٹ کوٹ سلطنت کی جنگ رہتی ہے۔ گجرات کا راجہ مسلمانوں کا بڑا دشمن ہے۔ اس کا مفصل حال آگے آتا ہے[2]۔ اور اسی عہد میں (۹۱۲ء ۳۰۰ھ) بزرگ بن شہریار مانگیر کو دیکھتا ہوا چین نکل گیا ہے۔ اس نے پایۂ تخت مانگیر کی بڑی تعریف کی ہے اور اس کو سونے کا شہر لکھا ہے۔ ۹۲۰ء ۳۰۸ھ میں اس راجہ نے انتقال کیا۔

رتن دیت راج
۹۲۰ء ۳۰۸ھ تا ۹۳۵ء ۳۲۴ھ

راجہ بیر سنگھ کے بعد اس کا لڑکا رتن دیت یا رتنا دیت راجہ ہوا، مسلمان اس کو رشادت یا رسادت کہتے ہیں۔ یہ راجہ نیک چلن، بات کا سچا اور بہادر تھا۔ گو اس نے ملک کا بہت اچھا انتظام کیا، اور رعایا اس کی اس سے خوش بھی تھی، اور ملک میں امن و امان بھی تھا، لیکن کھیم راج کے وقت سے زوال کا جو گھن اس سلطنت میں لگا تھا وہ برابر ترقی کر رہا تھا، اسی عہد میں صوبہ داروں کو بڑی ترقی ہوئی اور مرکزی حکومت کمزور ہو گئی۔ پندرہ برس حکومت کر کے راہی ملک عدم ہوا۔

سامنت سنگھ راج
۹۳۵ء ۳۲۴ھ تا ۹۴۲ء ۳۳۱ھ

رتن دیت کا لڑکا سامنت سنگھ اس کا جانشیں ہوا، اس خاندان کا یہ آخری راجہ تھا۔ عیش پرست اور کمزور دل کا آدمی تھا، ساتھ ہی بدچلن اور ظالم بھی تھا۔ شراب بہت پیتا تھا۔ ایک دن اسی شراب کے نشہ میں اپنے بھانجے مولراج کی ولیعہدی کے تمام مراسم ادا کر دیے۔ جس وقت نشہ ہرن ہوا تو مولراج

---

[1] کتاب الہند و الصین زید سیرافی۔ مطبوعہ پیرس [2] مسعودی ص ۳۸۲ ج ۱ مطبوعہ مصر

سے واپس مانگا۔ اس نے واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب جھگڑا بڑھا تو نوبت جنگ تک پہنچی۔ سامنت سنگھ مارا گیا۔ اور مول راج تخت پر قابض ہو کر گجرات کا مستقل راجہ بن گیا۔ کما جریز کا قول ہے کہ داماد، بھانجہ اور بیوقوف کبھی احسان مند نہیں ہوتے۔ چاوڑا خاندان کے آٹھ ممبروں نے تقریباً دو سو چالیس برس حکومت کی[1]

شجرہ نسب خاندان "چاوڑا" گوجر آمدہ از سندھ

صدر مقام سومنا تھ پٹن

۱۔	" پن چاسر	تا سنہ ۶۹۶ء / ۷۷ھ	جس راج باجے سکھری
۲۔	"	سنہ ۶۹۶ء / ۷۷ھ	کلیانی راجہ پچاس برس تک
۳۔	انہل واڑہ	سنہ ۷۴۶ء / ۱۲۹ھ	بن راج جس راج کا لڑکا
۴۔	"	سنہ ۸۰۶ء / ۱۹۱ھ	یوگ راج
۵۔	" پٹن	سنہ ۸۴۲ء / ۲۲۸ھ	کھیم راج
۶۔	"	سنہ ۸۶۶ء / ۲۵۲ھ	بھوڑ راج
۷۔	"	سنہ ۸۹۵ء / ۲۸۲ھ	بیر سنگھ راج
۸۔	"	سنہ ۹۲۰ء / ۳۰۸ھ	رتن دیت راج
۹۔	"	سنہ ۹۳۵ء / ۳۲۳ھ	سامنت سنگھ راج

[1] کلیانی راجہ کی پچاس سالہ حکومت اگر نکال لی جائے تو کل مدت سلطنت خاندان چاوڑا ۱۹۶ برس ہوتی ہے۔ مراۃ احمدی نے اسی لیے اس مدت سلطنت کو تحریر کیا ہے اس جگہ رتن مالا میں لکھا ہے کہ چونکہ سامنت سنگھ نے راج دے کر پھر واپس مانگا، اسی لیے اس دن سے چاوڑا خاندان کا عطیہ ناچیز ہونا بطور ضرب المثل کے ہو گیا۔ یہاں بھی دیکھو لوکہ سامنت سنگھ کے رویہ سے تمام چاوڑا خاندان پر حملہ کرتا ہے لیکن اس کے باپ رتن دیت کی صرف اس لیے تعریف کی جاتی ہے کہ اس نے اپنی لڑکی سولنکی خاندان کو دے دی۔ اس لیے مصنف کو وہ زمین میں سورج جیسا نظر آتا ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ قنوج کے سورج بنسیوں نے چوروں اور قزاقوں کے خاندان میں شادی کرنا کس طرح پسند کیا۔

میرا خیال ہے کہ سامنت سنگھ ایک سازش کا شکار ہوا، درحقیقت مول راج نے پہلے ہی سے امراء دولت کے

فصل پنجم

خاندان سولنکی

سنہ ۹۴۲ء تا سنہ ۱۲۴۲ء
۳۳۱ھ ۶۴۰ھ

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ گوجر قوم کی ایک شاخ چالوکیہ تھی، اسی چالوکیہ خاندان کی ایک شاخ سولنکی ہے۔ شمالی سولنکی کا پایہ تخت بھلیمان تھا، جو اردگرد کی مضبوط سلطنتوں کے دباؤ سے نقل مکان کر کے مالوہ چلے گئے۔ جنوبی سولنکی کا پایہ تخت دکن میں کلیانی تھا۔ چاوڑا سے سولنکی خاندان نے اور سولنکی سے چاوڑا نے کس طرح سلطنت واپس لی، پچھلے اوراق میں بہ تفصیل ذکر کیا گیا۔ اب پھر سولنکی میں سلطنت واپس آئی۔ اس کا حال یوں ہے کہ کلیانی کے راجہ بھوڑ کی چوتھی پشت میں بھونادیت نامی ایک راجہ تھا جو مع اپنے اہل وعیال سومنات کی جاترا کو آیا تھا۔ واپسی میں پٹن (انہل واڑہ) بھی اترا۔ پٹن کے راجہ رتن دیت نے اپنی لڑکی لیلاوتی کی شادی راجہ کلیانی کے بڑے لڑکے راج نامی سے کردی۔ مول راج اسی سے پیدا ہوا۔ پیدائش کے وقت اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی ماں مرگئی اور یہ پیٹ چیر کر نکالا گیا۔ گویا یہ گجرات کا قیصر تھا۔ اس وقت ماہتاب برج حمل میں ہونے سے اس کا نام مول راج رکھا گیا۔ سامنت سنگھ نے اس کی پرورش خود کی، اور ہر قسم کی تعلیم وتربیت سے بہرہ ور کیا۔ یہ ہوشیار اور بہادر تھا۔ اس نے اپنے کارناموں سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیا تھا۔ غالباً سامنت سنگھ کی غفلت اور اس کی بیدارمغزی کے سبب اہل دربار اس کی طرف مائل ہوگئے تھے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۳) ساختہ سازباز کرلیا تھا ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ نشہ میں کوئی شخص غیر خاندان کے فرد کو اپنا ولیعہد بنائے اور سارا خاندان مع امراء دولت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔

مول راج سولنکی

سنہ ۹۴۲ء تا سنہ ۹۹۷ء
۳۳۱ھ ۳۸۷ھ

مول راج سولنکی خاندان کا بانی اور گجرات کا بڑا زبردست راجہ ہوا، اس کی شہرت کے اسباب تین ہیں (۱) فتوحات جن کے سبب تمام گجرات و کاٹھیاواڑ ایک مرکز پر ایک جھنڈے کے نیچے آگیا (۲) بودھ مذہب اور سلطنت کو گجرات سے خارج کیا (۳) برہمنوں کی اس نے خاص طور سے عزت افزائی کی۔ اس کی وفات اور ولادت کا سنہ عام طور سے معلوم نہیں لیکن اس قدر مسلم ہے کہ اُس نے پچپن یا چھپن سال حکومت کی۔ اگر بیس برس کی عمر میں تخت نشین ہونا اس کا مان لیا جائے تو پھر اس کی ولادت کا سنہ ۹۲۲ء ۳۱۱ھ ہوگا۔ اس کے باپ کی شادی رتن دیت چاوڑا کی لڑکی سے ہوئی تھی جو سنہ ۹۲۰-۹۳۵ء ۳۰۸-۳۲۴ھ تک حکمراں رہا یعنی اس کی تخت نشینی کے تیسرے یا چوتھے برس مول راج کی ولادت ہوئی سنہ ۹۹۷ء ۳۸۷ھ میں مول راج تخت سے دست بردار ہوا۔ اس وقت پچپن چھپن برس تو حکومت کرتے ہو گیا تھا، اور اس کی ولادت سے تقریباً پچھتر سال۔ عام تاریخوں میں لکھا ہے کہ دست برداری تخت کے بعد عبادت الٰہی اور تیرتھوں کی جاترا میں عمر صرف کی، گویا پچھتر سال کا بوڑھا ہو کر بھی عرصہ تک زندہ رہا۔

مول راج نے اپنے ماموں سامنت سنگھ کو قتل کرڈالا، اور تخت کے تمام وارثوں کو موت کے گھاٹ اتار کر تخت حاصل کرلیا، اور جو لوگ اس کی شمشیر انتقام سے بچے وہ آس پاس کی سلطنتوں میں بھاگ گئے، میرا خیال ہے کہ ان کا مرکز کاٹھیاواڑ آخر میں ہوگیا تھا جہاں مول راج کے خلاف سازش کرتے ہونگے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کو موروثی طور پر تخت کا کوئی حق نہ تھا، اس سبب سے جب یہ خبر پھیلی تو اجمیر اور تلنگانہ کے راجاؤں نے اس بہانہ سے چڑھائی کا ارادہ کیا۔ مول راج نے بھی تیاری کی، اور تمام تر تدبیریں پایۂ تخت کی حفاظت کے لیے اختیار کیں، مگر جنگ کے وقت بیسود ثابت ہوئیں، دونوں فوجوں کا دباؤ اتنا سخت

ن چھوڑکر "کنتھ کوٹ" واقع کچھ چلا گیا اور خیال کیا کہ نوراتری کا تہوار آتے ہی اجمیری
ہو جائیگی، کیونکہ راجہ کو مندر جاکر پوجا کرنا ضروری تھا۔ لیکن خلاف توقع راجہ
جگہ مورتی کو منگوا کر پوجا کی۔ اور جارحانہ حملہ کی تیاری شروع کردی جس سے گھبرا کر
ت سے مول راج نے مشورہ طلب کیا، اور یہ رائے قرار پائی کہ ایک ہی وقت میں دو
سے جنگ کرنا خلافِ مصلحت ہے، اس لیے راجہ اجمیر کو نذرانہ (یا خرچہ جنگ) دے کر
، اور راجہ تلنگانہ کے سپہ سالار بارپ یا بھارپ کو لڑکر شکست دی، جس میں بھارپ
ج بھاگ کھڑی ہوئی اور گجرات نے اس فتنہ سے نجات پائی۔ ۹۷۶ء یعنی ۳۶۶ھ میں
مول راج اپنی سلطنت کو با امن اور مضبوط کرتا رہا، اور فوجی تیاری میں مصروف رہا
ام کے لیے متعدد مقام پر مندر تعمیر کیے، برہمنوں کو خوش کرنے کے لیے بڑے انعام
یے۔ اس وقت تک اس کی سلطنت میں مانگیر کھنہائت، جمبوسر کی سلطنت
نی[1]۔ اور اسی طرح لار (لاٹھ یا لاٹ) یعنی بھروچ کا علاقہ بھی قلمرو میں شامل نہ تھا۔
ڈ اور کاٹھیاواڑ کے چھوٹے چھوٹے راجے بھی مول راج کے ماتحت نہ تھے۔ مانگیر
ن اس وقت بہت کمزور ہوگئی تھی، کاٹھیاواڑ کا آخری راجہ گرہاری پو[2] نامی
ن سلطنت کا رقبہ بھی خاصہ وسیع تھا، لاٹھ کا راجہ بھی خودمختار تھا۔ کاٹھیاواڑ کے
ہب کیا تھا، کچھ معلوم نہیں۔ مگر مول راج کے دربار میں اس پر جو کچھ الزامات لگائے
س سے معلوم ہوتا ہے کہ بودھ تھا، اور برہمنوں کو اس مذہب سے ازلی بغض تھا۔
ا دہ میرا خیال ہے کہ مول راج کے انتقام سے جو لوگ بچ کر نکل آئے یا جن لوگوں
کیا گیا وہ سب یہاں جمع ہوگئے اور بہت ممکن ہے کہ مول راج کے خلاف ایک زبردست
رت ہوں۔ مول راج کو جب اس کی خبر ہوئی ہوگی تو یقیناً خطرہ سے آگاہ ہوکر اس
کی دل میں ٹھان لی ہوگی۔ لیکن وہ دانشمند آدمی تھا، اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح

فل ص ۲۳۳ - مطبوعہ لیڈن ۔ [2] خدا جانے اس کا اصل نام کیا ہے، تاریخ گوجران میں یہی لکھا ہے۔

سمجھتا تھا کہ اگر ہم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو پوری متحدہ طاقت سے جنگ کرنی ہوگی کیونکہ اس راجہ کے حلفا میں سورٹھ، کچھ، لاٹ اور چھوٹے چھوٹے کاٹھیاواڑی راجے شامل تھے۔

اس لیے مول راج نے ایک طرف تو اپنی فوجی تیاری کو مکمل کیا، اور دوسری طرف مذہبی جوش لوگوں میں پیدا کیا، پہلے تو ہندو مذہب کے خلاف اس پر الزام لگائے، اور دوسری طرف سومناتھ کی حمایت کا دعوے دار ہو کر عوام کو اپنا ہم زبان بنایا چنانچہ اس نے ایک خواب کو مشتہر کیا کہ سومنات مہادیو مجھ کو خواب میں آ کر ہدایت کر گئے ہیں کہ تم ان لوگوں کو تباہ کر دو کیونکہ ان لوگوں نے مندر کو ویران کر ڈالا ہے (یعنی بدھ ہونے کے سبب اس کی لوگ پوجا نہیں کرتے) اور نہ کوئی خدمت کرتے تھے، اسی عہد کا ایک جینی سادھو ان واقعات کو مسلسل طور سے اس طرح بیان کرتا ہے:-

وہ (مول راج) ساری دنیا سے محبت اور نیکی کرنے والا تھا، وہ فیاضی میں بے نظیر تھا، تمام بادشاہ اس کی پرستش کرتے تھے (یعنی فرمانبردار تھے) جن لوگوں کو کہیں آرام و چین نہ ملتا تھا، وہ مول راج کے ملک میں آباد ہوتے تھے، نصف حصہ اپنے دشمنوں کا قتل کر ڈالا، اور نصف کو جلاوطن کر دیا۔ (غالباً یہ خاندان چوڑا کے افراد اور ان کے بہی خواہ لوگ تھے) ایک دفعہ خواب میں اسے مہادیو سومناتھ دکھائی دیا، اور گرہاری پو کو تباہ کرنے کے لیے کہا، اور یقین دلایا کہ جن لوگوں نے عبادت گاہوں کو ویران کیا ہے، ان سب پر تم کو فتح حاصل ہوگی دوسرے دن اس نے دربار کر کے وزراء سے رائے لی۔ جھیل (؟) وزیر نے راجہ کی موافقت میں پر زور تقریر کی جس میں گرہاری پو پر خاص خاص الزامات مندرجہ ذیل لگائے۔

(۱) زیارت کرنے والوں کو روکتا ہے (۲) راستہ میں ہڈیاں اور گوشت بکھیرتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ وہ جینی نہ تھا، کیونکہ جینی گوشت نہیں چھوتے) (۳) وہ برہمنوں پر لعنت بھیجتا ہے (کیونکہ وہ بدھ تھا ہندو نہ تھا) (۴) نوجوان ہر جنبی عورتوں کو جبراً محل میں داخل کر لیتا ہے (۵) اس نے آس پاس کے راجوں کو مرعوب کر رکھا ہے (۶) بڑا مغرور دولتمند ہے (۷) سندھی راجہ کو شکست دے کر اس کے گھوڑے ہاتھی رتھ سب چھین لیے (۸) تعلم

پہاڑی علاقوں کو مسمار کر دیا (یعنی جہاں جہاں دشمن پناہ لے سکتا تھا، اس کو تباہ کر دیا) دوسرے وزیر جھبک نے کہا کہ گرہاری پو گرنار کے دامن میں رہتا ہے، وہ پہاڑ اور سمندر کے درمیان رہتا ہے، وہ قلعوں سے محفوظ ہے۔ سورٹھ کا راجہ اس کا دلی دوست ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی زبردست راجے اس کے حامی ہیں، اس لیے زبردست تیاری کر کے خود اپنی سپہ سالاری میں اس کو انجام دیجیے۔ مول راج نے اس مشورہ کے بعد ایک منٹ ضائع کیے بغیر مکمل تیاری کے ساتھ روانگی کا اعلان کر دیا۔ اس کی روانگی کے وقت، رعایا اور برہمنوں نے جس شاندار طریقے سے نمائش کی ہے اس سے عام جذبات کا پتہ چلتا ہے، عوام کے جوش کا یہ عالم تھا کہ عورتیں اپنے بچوں کو چھوڑ چھوڑ کر سڑک پر دوڑ پڑیں، لیکن یہ واضح رہے کہ اس تیاری کا حال اس وقت دشمنوں کو معلوم نہ ہوا، جب تک کہ حملہ آور فوجیں سرحد پر نمودار نہ ہوئیں، جب گرہاری پو نے یہ حال سنا تو وہ بھی جلدی جلدی فوجیں تیار کر کے میدانِ جنگ میں لے آیا، اپنے حلیفوں کو بھی بلایا۔ بھیلوں کی عورتیں اور خود اس کی قوم کی عورتیں بھی میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں (شاید سپاہیوں کی قلت کے سبب دشمنوں کو فریب دینے کے لیے اُن کو میدان میں لائے، یا مرہم پٹی، سامان رسد وغیرہ کے لیے) غرض دونوں کے طرفدار مندرجہ ذیل تھے :۔

کاٹھیاواڑ کے حلفاء : (۱) راجہ لاکھا۔ سورٹھ (۲) راجہ سندھو کچھ (۳) راجہ جاریجا۔ (۴) اور دوسرے چھوٹے راجے۔

گجراتی حلفاء : (۱) راجہ ماروارڑ (۲) راجہ شیل پرشھ(؟) (۳) راجہ شری مال (۴) راجہ پرمار۔ آبو (۵) راجہ گنگانا۔ شمالی گجرات (۶) راجہ بنارس[۱]

مول راج کی سپاہ اگرچہ علیحدہ علیحدہ دستوں میں منقسم تھی مگر سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے یعنی ایک جنرل کے ماتحت کام کرتی تھی۔ بخلاف اس کے گرہاری پو کو پہلے تنہا ہی مقابلہ

---

[۱] میرا خیال ہے کہ یہ لفظ بناس ہے جو پٹن کے پاس مشہور ندی ہے۔ کاتب کی غلطی سے بنارس ہوگیا۔

کرنا پڑا، بہت بہادری سے مقابلہ کیا، مگر آبو کی جنگجو فوجوں نے تیروں کی ایسی بارش کی کہ کسی طرح
اس کی فوج تاب نہ لاسکی شکست ہوئی اور راجہ گرفتار ہوا، اب سورٹھ کا راجہ پہنچا، اس نے صلح
کی بڑی کوشش کی اور چاہا کہ زرِ فدیہ ادا کر کے راجہ کو قید سے نجات دلائے، مگر گجراتی اس
پر کسی صورت سے راضی نہ ہوئے، اور اس خیال سے کہ شاید کسی طرح اس کو رہائی دلائی جائے
فوراً قتل کر ڈالا۔ یہ سن کر سورٹھ والوں نے حملہ کر دیا، مگر راجہ سورٹھ مارا گیا، اور ساتھ ہی راجہ
جاریجا(؟) کا بھی کام تمام ہوا۔ اور پھر جب کچھ کا راجہ پہنچا تو گجرات کی متحدہ فوجوں نے اس
کا بھی خاتمہ کر دیا، اس طرح اس نے سارے کاٹھیاواڑ اور کچھ پر فتح یابی حاصل کر کے
سب کو باجگزار بنایا[1]

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ لاٹھ (بھروچ) کا راجہ باوجود طرفدار ہونے کے بھی اپنی
فوجیں میدانِ جنگ میں نہ لاسکا، جہاں تک میرا خیال ہے اس کا سبب یہ ہوگا کہ
مول راج نے ایک فوج کو ان کا راستہ روکنے کے لیے متعین کر دیا ہوگا، اور اس مجبوری
سے وہ نہ آسکا۔ اسی عرصہ میں مول راج کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام چاموڑ
(چامنڈ یا چاموندا) رکھا۔ اس سے سلطنت میں بڑی خوشی پیدا ہوئی، کیونکہ اس وقت
تک وارثِ تخت کوئی نہ تھا۔ مول راج تمام مالِ غنیمت لے کر انہل واڑہ میں پہنچا اور
بڑا جشن منایا۔ ایک عرصہ تک انتظامِ مملکت میں مصروف رہا، مگر لاٹھ (بھروچ) کا کانٹا
ہمیشہ دل میں کھٹکتا رہا، ایک دفعہ کسی تقریب پر شاہی دربار ہو رہا تھا اور ممالک
غیر کے سفراء اپنی اپنی سلطنت کی طرف سے دوستانہ تحفے پیش کر رہے تھے، مثلاً راجہ

---

[1] تاریخ گجرات مصنفہ سیف بی اے ص ۱۱۱ میں ہے کہ راجہ سورٹھ کے ساتھ دشمنی کی ایک وجہ یہ بھی
تھی کہ راج سولنکھی اپنی عورت کے انتقال پر دوارکا چلا گیا، واپسی پر اس کے دربار میں بھی پہنچا، راجہ
نے اپنی بہن سے اس کی شادی کر دی، اس کے جو پیدا ہوا اس کا نام رتّا رکھا، پھر کسی بات پر تکرار ہوگئی
جس پر راج سولنکھی قتل کر ڈالا گیا اور اس کی بیوی ستی ہوگئی، مگر مول راج کو انتقام کا پیغام دیتی گئی
سیاسی وجوہ کے علاوہ ایک خانگی وجہ بھی اس سے لڑنے کی موجود ہوگئی تھی۔

انگ نے رتھ۔ ساحلی علاقہ کے راجوں نے (غالباً اس سے مراد لنکا کے پاس کے راجے ہیں) یاقوت اور سونا۔ دیوگڑھ کے راجہ نے خراج (؟) کولپور کے راجہ نے مول راج کے پاؤں پر جواہرات نچھاور کیے، راجہ کشمیر نے مشک۔ راجہ کورو نے مختلف قسم کی رنگیں چھتریاں۔ راجہ پنچال نے گائیں اور غلام اور لاٹھ (بھروچ کے راجہ نے ہاتھی جس کا نام "دورکا" تھا تحفۃً بھیجا۔ اس موقعہ کو مول راج نے غنیمت سمجھا اور اس پر یہ الزام لگایا کہ تم نے عیب دار ہاتھی بھیج کر میری توہین کی۔ تھوڑے دن تو خاموش رہا اور پھر اچانک اپنے لڑکے چامونڈ کو ایک جرار فوج کے ساتھ حملہ آور ہونے کے لیے بھیجا۔ یہ حملہ اس قدر خاموشی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ شہر کے عام لوگ اپنے روزانہ کے کاموں میں اس وقت تک مشغول رہے جب تک اچانک دشمنوں کے گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز کانوں میں نہ آئی، یہاں تک کہ عورتیں حسب دستور ندی اور تالابوں میں بے خطر نہا رہی تھیں کہ اچانک اس بلائے ناگہانی کو دیکھ کر بھاگیں، راجہ لاٹھ ایسے وقت کیا کر سکتا تھا، حرکت مذبوحی کی اور شکست کھا کر مارا گیا، اور لاٹھ ممالک مفتوحہ میں داخل ہوا۔ ولی عہد کی اس پہلی کامیابی سے مول راج بہت مسرور ہوا۔ اب اس کی حدودِ سلطنت بہت وسیع تھیں۔ آبو سے لے کر کاٹھیاواڑ اور کچھ تک اور دوسری طرف دکن تک اس کی حکمرانی تھی۔ عمر کی بھی آخری حد کو پہنچ گیا تھا، اب اس کو ہر طرح کا اطمینان تھا، مگر پھر بھی دل میں سکون نہ تھا۔ بار بار اس کا دل اپنے ماموں سامنت سنگھ کے قتل پر ملامت کرتا تھا، اور مخلوق میں بدنامی سے بے حد گھبراتا تھا، وہ بڑا ہوشیار اور عقلمند تھا، اس نے اس دھبہ کو دور کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ جس قدر ممکن ہو لوگوں کو خوش کیا جائے کہ لوگ اس کو بھول جائیں اور صرف نیکی ہی یاد رہ جائے۔ چنانچہ اسی خیال سے اس نے سنہ ... میں ایک بڑا مندر رھادیو کے نام کا "ردرمالا" کے نام سے تعمیر کرانا شروع کیا لیکن اس کی تکمیل اس کی قسمت میں نہ تھی بلکہ قدرت نے سدھ راج کے سر پر اس کی تکمیل کا تاج

رکھنا مقدر کیا تھا۔

اسی کے ابتدائی عہد میں (۹۵۱ء ۳۴۰ھ) ابراہیم اصطخری سندھ آیا ہے، اس نے گجراتی بادشاہ کا تو کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، مگر مانگیر کے راجہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے ماتحت متعدد راجے (گورنر) ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مول راج کو اس وقت تک تمام گجرات و کاٹھیاواڑ پر دسترس حاصل نہ تھی۔ اور یہ لوگ مول راج کے ماتحت اس وقت نہ تھے، اس کے بعد پھر اسی کے عہد میں (۹۷۶ء ۳۶۶ھ) ابن حوقل بغدادی گجرات آیا ہے، اس نے بھی خاص گجرات کے راجہ کا کچھ حال نہیں لکھا۔ راشٹ کوٹ راجہ کے ماتحت مسلمان جس مذہبی آزادی سے فائدہ اُٹھا رہے تھے، اس کی بڑی توصیف کرتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس وقت تک (۹۷۶ء ۳۶۶ھ) پایۂ تخت اور ریاست ولھب رائے کی مانکھیڑ میں موجود تھی، پھر اس کے بعد ۹۸۵ء ۳۷۵ھ میں بشاری مقدسی سندھ آیا، اس نے سندھ کے علاوہ گجرات کے متعدد شہروں کے نام لکھے ہیں، مگر وہ بھی راج مان کھیڑ (یعنی مانگیر) کا نام نہیں لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس عرصہ میں اس کی اہمیت جاتی رہی تھی۔

مول راج نے الہ آباد (پریاگ) سے ایک سو پانچ برہمن وید جاننے والے اور ایک سو سام وید جاننے والے اور ان کے علاوہ بنارس سے بہت سے برہمن بلا کر آباد کیے، ان سے دعا رخیر کی استدعا کی اور بڑی بڑی جاگیریں ان کو عنایت کی۔

یہ راجہ بڑا علم دوست تھا، اس نے اپنی سخاوت اور داد و دہش سے تمام پنڈتوں کو مالا مال کر دیا۔ شمالی ہند کے دوسرے شہروں سے بھی پنڈتوں کو بلا کر گجرات میں آباد کیا جن کی اولاد اب تک بنام اودیچ (شمالی) مشہور ہے۔ کھنبائیت اور سیہور اور چھوٹے چھوٹے دوسرے گاؤں ان کو جاگیر میں دیے۔ سنگھ پور دس برہمنوں کو دیے، بمبئی (بمبین) مع بارہ دیہات کے چھ برہمنوں کو دان دیا۔ آخر عمر میں اپنے گناہوں پر بہت پشیمان ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے چامونڈ کو راج گدی پر بٹھایا اور خود راج سے علیحدہ ہو گیا۔ اور بقیہ عمر عبادتِ الٰہی

جاترا اور تیرتھ میں بسر کی، اپنے قیام کے لیے سدھ پور میں ایک محل بنام "رامن آشرم" منتخب کیا، اور وہیں زندگی بسر کر دی۔ مول راج بڑا بہادر اور عقلمند شخص تھا، مگر ان اوصاف کے ساتھ رتن میں درج ہے کہ وہ مکار اور بے رحم تھا عشق کی دیوی کا غلام تھا (یعنی عورتوں کا بڑا شائق تھا) وہ روپیہ کو زمین میں دبا دبا کر رکھتا تھا۔ فن سپہ گری میں اگرچہ بدسلیقہ تھا مگر دشمن کو عیاری سے شکست دیتا تھا، اس کے عہد میں گجرات میں بڑا امن وامان رہا اور رعایا سکھی رہی۔ غالباً یہ تمام اوصاف اس کے ابتدائی عہد کے ہیں، ورنہ آخر میں وہ ایسا نہ تھا۔

چاموڑ سولنگی

۹۹۷ء تا ۱۰۱۰ء
۳۸۷ھ تا ۴۰۱ھ

مول راج جب تخت سے دست بردار ہوگیا تو اس کا بڑا لڑکا چاموڑ (بعض لوگوں نے چامونڈا اور کسی نے چامنڈ بھی تحریر کیا ہے) تخت نشین ہوا، افسوس ہے کہ نہ تو صحیح طور پر اس کی ولادت کا سنہ معلوم ہوسکا اور نہ موت کا، ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ فتح کاٹھیاواڑ کے بعد تقریباً ۹۶۷ء ۳۵۶ھ میں پیدا ہوا۔ اس کو بچپن ہی سے علم کا شوق تھا اور مہابھارت کی کہانی سنتا تھا۔ رتن مالا میں ہے کہ مول راج کا بیٹا چاموڑ تھا، وہ کھانے اور پینے کا بڑا شائق تھا، اور اعلیٰ لباس پہنتا تھا۔ اس نے عمدہ عمدہ درخت باغوں میں لگائے۔ وہ اپنے باپ سے بھی اچھا تھا، اور سلطنت میں اس کا کوئی دشمن نہ تھا، چاموڑ نے اپنی سلطنت کی بڑی خوبی سے حفاظت کی، اور ایک انچ زمین بھی قبضہ سے نہ نکلنے دی اور تیرہ برس تک بڑی خوش حالی سے امور سلطنت انجام دیے۔ ایک دفعہ اس نے اپنی بہن کے ساتھ ناجائز حرکت کی جس سے وہ بہت پشیمان ہوا[1]۔ اور اس کے کفارہ کے لیے کاشی جانے کا ارادہ کیا۔

---

[1] گجرات کا پراچین اتہاس ص ۱۰۲، مصنفہ ڈیسائی صاحب۔

چاموڑ کے تین لڑکے تھے، ولب سین، درلبھ راج، ناگ راج ۔ چامور تیرہ برس سلطنت کرکے اپنے لڑکے ولب سین کو اپنا جانشین بنا کر جاترا کے لیے بنارس روانہ ہوا، راستہ میں مالوہ کے راجہ نے اس کی تمام شاہی علامتیں چھین لیں، اور بہت ذلیل کیا۔ چاموڑ نے واپس آکر اپنے لڑکے سے اس معاملہ کی شکایت کی۔ ولب راج نے اس کا انتقام لینے کے لیے مالوہ پر فوج کشی کی، مگر اثنائے راہ میں مرض چیچک سے فوت ہوگیا، اور فوج ناکام واپس آئی اور اسی دن سے مالوہ اور گجرات کے دلوں میں کینہ کا تخم بویا گیا۔ چاموڑ اس واقعہ سے بیحد مغموم ہوا پھر اپنے دوسرے لڑکے درلبھ راج کو تخت پر بٹھایا اور خود سادھو بن کر شکل تام تیرتھ کو جو بھروچ سے سات کوس کے فاصلہ پر دریائے نربدا کے متصل واقع ہے، چلا گیا یہ وہی مقام ہے جہاں چندر گپت نے بھی اپنے وزیر کے ساتھ توبہ کی تھی، یہ بڑا سچا اور نیک دل راجا تھا۔

دُرلبھ راج

سنہ ۱۰۱۰ء تا سنہ ۱۰۲۲ء
۱۰۳۴ھ ۱۴۱۳ھ

درلبھ راج نے بھی راج کا کام اچھا کیا، ملک میں امن وامان قائم رہنے سے دولت بڑھ گئی۔ اس نے دولت کو ملک کے رفاہ عام میں خرچ کیا، اکثر مقامات پر تالاب اور مندر بنائے ۔ خاص پٹن کے پاس بھی ایک تالاب بنایا۔ شری جنیشورجی جیسا صاحب علم اس کے مشیر تھے۔ جینی مذہب کی بھی اس کو تلقین کرتے رہتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ عام جانوروں پر رحم کرنے کی خواس کو ہوگئی وہ خود اپنی ذات سے بہت نیک تھا، لیکن ملک کو بیرونی حملہ سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا، اور فوجی تیاری سے بے پروائی برتی جس کا نتیجہ اس کے جانشین کو بھگتنا پڑا۔ اس کی بہن نے راجہ مہندرا سے شادی کر لی جو مارواڑ کا راجہ تھا، اس کے چھوٹے بھائی کا نام ناگ راج تھا اور ان دونوں کی شادی

راجپارواڑ کی لڑکیوں سے ہوئی تھی، درلبھ راج کے کوئی اولاد نہ تھی، مگر ناگ راج کا ایک لڑکا تھا جس کا نام بھیم دیو تھا، جب وہ بڑا ہوا تو درلبھ راج نے ۱۰۲۲ء ۴۱۳ھ میں اسی کو راج کا وارث بنا کر خود اپنے بھائی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گیا۔ اسی کے عہد ۱۰۱۸ء ۴۰۹ھ میں ابوریحان بیرونی ہندستان آیا ہے، جس نے ہند کا مفصل حال اپنی کتاب الہند میں لکھا ہے گجرات و سومنات کے حالات مفصل تحریر کیے ہیں، جن کا ترجمہ میں نے اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ دیدیا ہے۔

بھیم دیو اوّل

۱۰۲۲ء ۴۱۳ھ تا ۱۰۷۲ء ۴۶۵ھ

ولبھ راج کے بعد بھیم دیو تخت نشین ہوا، یہ راجہ بڑا بہادر اور ہوشیار تھا، محمود غزنوی جو متعدد بار ہندستان کے شمالی راجوں سے جنگ کر چکا تھا اچانک گجرات پر آ پڑا۔ بھیم دیو نے تاب مقاومت نہ دیکھ کر کچھ میں پناہ لی، لیکن محمود وہاں بھی پہنچا، مجبوراً وہاں سے بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ رہا۔ محمود غزنوی جب ہندستان سے واپس چلا گیا تو بھیم دیو نے جد و جہد کر کے گجرات پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور پھر سندھ کے راجہ ہموک پر چڑھائی کر دی۔ دریائے سندھ پر پل باندھ کر اس کو شکست دی اور چیدی کے راجہ کرن کو شکست دے کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ گجرات واپس آیا۔ رعایا نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا اور اس نے اپنا کھویا ہوا شاہی رعب پھر قائم کر لیا[۱]۔

ایک دفعہ مالوہ میں سخت قحط پڑا۔ اس وقت راجہ نے گجرات پر حملہ کر کے لوٹنا چاہا، تلنگانہ کے راجہ نے مالوہ پر حملہ کرنا چاہا تو بھیم دیو نے اس کو روک دیا۔ راجہ مالوہ شکر گزار تو

---

[۱] مالوہ اور سندھ کے متعلق تمام حالات میں نے تاریخ گوجران ص ۱۴۰ سے لیے ہیں۔ وہ سندھ پر حملہ کا سبب یہ بتاتا ہے کہ اس نے بھیم دیو کو ادھے راج یعنی شہنشاہ تسلیم نہیں کیا تھا، اس لیے اس کو تنبیہ کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ایک دوسری تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ حملہ محمود غزنوی کے حملہ سے قبل سندھی اسماعیلیوں کی تحریک سے کیا گیا اور سندھ محمود کے مقبوضات میں شامل تھا۔ محمود اسی کے انتقام کے لیے گجرات آیا۔

ہوا، مگر جب بھیم دیو سندھ چلا گیا، تو مالوہ کے راجہ بھوج نے اس سے فائدہ اٹھا کر گجرات فتح کرنا چاہا، اور اس کے لیے اپنے سپہ سالار کول چندر نامی کو فوج دے کر روانہ کیا۔ وہ پٹن لوٹ کر واپس چلا گیا۔ تب بھیم دیو نے بناس کے راجہ کرن کے ساتھ مل کر مالوہ پر فوج کشی کی۔ ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ راجہ مالوہ مر گیا۔ کرن سارا خزانہ لوٹ کر روانہ ہو گیا، اور بھیم دیو کو ایک پائی نہ دی اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مالوہ کی ساری آمدنی بھیم دیو کی[1] ہے۔

اجمیر پر جب محمود غزنوی نے حملہ کیا تھا تو راجہ اجمیر چوہان نے بھیم دیو سے مدد مانگی۔ لیکن بھیم دیو نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اب جبکہ محمود چلا گیا اور راجہ اجمیر بیسل دیو چوہان سب طرح مضبوط اور تیار ہو گیا تو اطمینان سے اس نے گجرات پر حملہ کر دیا۔ بھیم دیو نے بھی مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ آخر کار بھیم دیو نے تاوان جنگ اور نذرانہ ادا کر کے اس کو واپس کیا، واپسی کے وقت بیسل دیو نے اپنی فتح کی یادگار میں ایک گاؤں بیسل نگر آباد کیا۔ اسی وقت سے سولنکی اور چوہان میں عداوت ہو گئی جو آخر تک رہی۔ یہ راجہ بہادر، ہوشیار اور بلند ہمت تھا۔ اس کے عہد میں اس پر اس قدر مصائب آئے کہ اگر کوئی دوسرا راجہ ہوتا تو برداشت نہ کر سکتا اور سلطنت کھو بیٹھتا لیکن اولوالعزمی اور بہادری سے اس نے تقریباً پچاس برس حکومت کی۔ تیر اندازی میں کمال رکھتا تھا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا اس نے خوب انتظام کیا۔ پنڈتوں کی بڑی قدر کرتا تھا، اسی کے عہد میں "دی منتر شاہ (نبونن غنہ) نامی ایک ساہوکار اس کا وزیر تھا جس نے آبو، ویل واڑا اور آراسو پر مندر بنوائے خود بھیم دیو نے بھی متعدد جگہ مندر بنوائے۔ بھیم دیو نے ایک شادی اُدے متی (۱) رانی سے کی، جس سے کرن پیدا ہوا۔ اس رانی نے انہل واڑا میں ایک کنواں بھی بنوایا تھا جو رانی کا کنواں مشہور ہوا۔ بھیم دیو کے دو اور لڑکے تھے۔ کھیم راج[2] (شیم راج) جس کی ماں کا نام بکولا دیوی تھا۔ شیم راج کو ہری پال بھی کہتے تھے۔ وہ وشنو کا پرستار تھا۔ دوسرا مول[3] راج

---

[1] دوسری روایت یہ ہے کہ کرن نے کہا کہ مناور کی جاگیروں کی ساری آمدنی بھیم کی ہے۔

(ملہ کے لیے صفحہ ۵، دیکھیے۔)

اپنے آخری عہدِ سلطنت میں اس نے چاہا کہ تخت پر اپنے بڑے بیٹے کو بٹھا کر خود عبادت الٰہی میں مشغول ہو جائے، لیکن کھیم راج نے اس کو منظور نہ کیا بلکہ باپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی ناچار اپنے تیسرے لڑکے کرن کو تخت نشین کیا۔

راجہ کرن سولنگی

سنہ ۱۰۷۲ء تا سنہ ۱۰۹۴ء
۴۶۵ھ ۴۸۷ھ

راجہ کرن نے اپنی آبائی وراثت پاکر تمام سرکشوں کو زیر کیا۔ دھن دھوکا اور آشاولی (اساول) کے کولی راجوں کو شکست دے کر مطیع کیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح مسلمان جب گجرات پر قابض ہوئے، تو زیادہ تر میدانی علاقہ ان کے زیرنگیں رہا اور پہاڑی علاقوں پر دیسی راجے عرصہ تک راج کرتے رہے جیسے راجہ ایڈر، راجا چاپانیر (چاپانگر) راجہ سورٹھ (جوناگڑھ) وغیرہ وغیرہ یہ پہاڑی راجے اسلامی سلطنتوں کو ستانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ محمود بیگڑے نے بڑی کوشش سے اس خار کو اپنے پہلو سے دفع کیا۔ ٹھیک ٹھیک یہی حال راجہ کرن کے وقت تک انہلواڑہ حکومت کی تھی، میدانی علاقوں پر خاندان سولنکی راج کرتا تھا، مگر پہاڑی علاقے عموماً بھیل اور کولیوں کے قبضہ میں

(نوٹ صفحہ ۲) وٹ ہماچاریہ راوی ہے کہ ایک دفعہ گجرات میں سخت قحط پڑا، کسانوں کو عدم ادائگی ٹکس کے باعث گرفتار کرکے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس وقت مول راج سے راجہ خوش ہوکر کہہ رہا تھا کہ کچھ مانگو۔ اس نے کہا کہ ان کاشتکاروں کو معاف کر دیجیے۔ چنانچہ معاف کر دیا گیا۔ مول راج کی بڑی شہرت ہوئی، مگر افسوس کہ جلد مر گیا۔ دوسرے سال خوب بارش ہوئی اور غلہ خوب ہوا۔ رعایا دونوں سال کا خراج لے کر آئی۔ راجہ نے معاف کردہ سال کا خراج لینے سے انکار کر دیا۔ رعایا کو دینے پر اصرار تھا اور راجہ کو نہ لینے پر انکار۔ بالآخر طے پایا کہ اس آمد سے مول راج کی یادگار میں ایک مندر تعمیر ہو۔ آہ ؎

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے بیٹھے بٹھلائے خدا جانے ہمیں کیا یاد آیا

گجرات کا ایک وہ عہد تھا اور ایک ہمارا زمانہ (سنہ ۱۹۳۰ء ۱۳۴۹ھ) ہے کہ رعایا مفلس، قلاش قحط زدہ ہو جاتی ہے مگر گورنمنٹ کے افسر قحط ہی تسلیم نہیں کرتے گھروں کا سامان بیچ کر مالگزاری (لگان) ادا کرنی پڑتی ہے۔

تھے، جو اکثر لوٹ مار کرکے لوگوں کو ستاتے رہتے، کرن پہلا شخص ہے جس نے اس کو محسوس کیا
کہ ان کا اس طرح سے رہنا خطرہ سے خالی نہیں ہے، چنانچہ اساول جس کا اصلی نام آسا پلے
تھا اس وقت مرکز بنا ہوا تھا، اس کو سر کیا اور پھر اس کے بعد تمام ایسے لوگوں کے مرکزی
مقامات کو تباہ کرکے سلطنت کو مضبوط کیا اور خطرہ سے نجات دلائی، پٹن کی جنوبی سمت
موڈھیرا گاؤں پر کرن ساگر نامی ایک تالاب بنایا اور بکثرت مندر بنائے۔ موڈ برہمن اور
موڈ بنیے اسی گاؤں سے آئے ہوئے ہیں۔ اس نے کرناوتی ایک شہر آباد کیا[1]۔ جو خیال کیا
جاتا ہے کہ احمد آباد کے پاس ہی تھا۔ کرنار پر بھی ایک مندر بنایا جو ابھی تک ہے۔ چندر پور
واقع دکن کے راجہ کی لڑکی سے شادی کی تھی جس کا نام مینل دیوی تھا۔ سدھ راج
اسی کے بطن سے پیدا ہوا[2]۔ انہی دنوں کرن دشنو کی زیارت کے لیے اندر پور گیا، تو اس

[1] کرناوتی آساول (جمال پور۔ احمد آباد) کے سامنے سابرمتی ندی کے اُس پار آباد کیا گیا تھا۔

[2] مینل دیوی کی شادی کا واقعہ تاریخ گجرات صفحہ ۱۶۱ میں ایک عجیب طرح سے بیان کیا گیا ہے، کرن اپنے محل میں تھا کہ دربانوں نے اطلاع دی کہ ایک مصور باریابی کی اجازت چاہتا ہے، اجازت پا کر حاضر ہوا، اور مختلف قسم کی تصویریں دکھائیں جن میں سے ایک کنواری حسین لڑکی کی تصویر بہت پسند کی گئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ چندر پور واقع دکن کے راجہ کیشی کی لڑکی کی تصویر ہے جس کا نام مینل دیوی ہے۔ مصور نے کہا اس نے آج تک کسی کی منسوب پسند نہیں کی، مگر آپ کی تصویر دیکھ کر آپ سے شادی کی تمنی ہے۔ چنانچہ اس کے باپ کی اجازت سے آپ کے پاس پیغام لایا ہوں۔ اس کے بعد بہت سے تحفے اور روپے نذر کیے۔ کرن نے اس کو قبول کرکے شادی کرلی، اور جب وہ انہلواڑہ پہنچی تو کرن نے اس کو بد صورت پا کر اس سے ایک طرح کا قطع تعلق کرلیا جس کا مینل دیوی اور اس کے خاندان کو بڑا رنج ہوا اور لڑکی جان دینے پر تل گئی، مگر کرن نے اس کی پروا نہیں کی۔

اتفاقاً ایک ناچنے والی لڑکی پر کرن عاشق ہوگیا، اور مینل دیوی کو اس کا علم ہوگیا۔ اس وقت تک کرن کا کوئی وارث تخت پیدا نہیں ہوا تھا، اس لیے وزراء و امراء بھی مینل دیوی سے ہمدردی رکھتے تھے، چنانچہ سب نے مل کر ایک سازش کی اور اس ناچنے والی لڑکی کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ عین وقت پر اپنی جگہ مینل کو دیدے۔ چنانچہ موبخال (وزیر) کی ہوشیاری سے یہ کام بخیر و خوبی انجام پا گیا، اور بطور یادگار ایک انگوٹھی بھی بادشاہ سے حاصل کرلی۔ مینل دیوی حاملہ ہو چکی تھی اور سدھ راج اس سے پیدا ہوا۔

کی غیبت میں خاندانِ شاہی میں تنازعہ ہوگیا، اور آخر اس پر فیصلہ ہوا کہ کرن کا ماموں مدن پال حکومت کو سنبھالے ۱۰۹۴ء ۴۸۷ھ میں یہ راجہ فوت ہوا، اور خورد سال لڑکا اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔

سدھ راج

۱۰۹۴ء تا ۱۱۴۳ء
۴۸۷ھ ۵۳۸ھ

سدھ راج جس کا اصلی نام جے سنگھ ہے ۱۰۹۱ء ۴۸۴ھ میں بمقام پالن پور پیدا ہوا۔ جب اس کے باپ کرن نے وفات پائی تو یہ صرف تین برس کا تھا، گو سدھ راج اسی عمر میں تخت نشین ہوا لیکن دراصل راج کی باگ ابتدائً کرن کے ماموں مدن پال کے ہاتھ میں رہی مگر اس نے ظلم و ستم کرکے بڑا اندھیر مچایا، اپنے درباری طبیب لیلا نامی تک سے روپے چھین لیے اس لیے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا، اب راج کی باگ اس کی ماں مین ل دیوی کے ہاتھ میں آئی۔ یہ بڑی عقلمند اور ہوشیار تھی، اس نے سلطنت کو غیروں سے بچایا، اس نے رفاہِ عام کے لیے بہت سے کام کرکے رعایا کی نظر میں اپنے کو محبوب بنایا۔ اس کے دو وزیر سانتو اور منجال بہترین مشیر تھے۔ بیرم گام میں منسر (یا مون سر) اور دھولکا میں ملاو (یا مین ل سور) نامی تالاب اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ملاؤ نامی تالاب کے لیے جب زمین خریدنے لگی تو اس جگہ درمیان میں ایک عورت کی زمین تھی[1] جس نے فروخت کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ رانی نے اس کی مرضی کے مطابق اس کی زمین لیے بغیر تالاب کج بنایا، مگر یہ جبر اس کو حاصل کرنا پسند نہ کیا سدھ راج جب جوان ہوا تو سلطنت کا انتظام خود کرنے لگا۔ ایک دفعہ مین ل دیوی شکل تیرتھ یا (سومناتھ) کی جاترا کو چلی۔ دھولکا سے مبیں میل پر بھولاد ہے جب وہاں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ واپس جا رہے ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہاں جاتریوں سے ٹیکس (محصول) لیا جاتا ہے اور

---

[1] تاریخ گوجرات ص ۱۶۶ میں ہے کہ یہ زمین درحقیقت ایک درباری کی تھی اس نے صرف اس نیت سے زمین فروخت نہیں کی کہ جس طرح رانی تالاب بنا کر شہرت دوام حاصل کریگی، اسی کے ساتھ میرے انکار سے بھی مجھے شہرت دوام حاصل ہوگی

ادا نہ کرنے پران کو واپس کر دیا جاتا ہے۔ اس سے اس کے دل پر بڑا اثر ہوا، وہاں سے فوراً گھر کی طرف واپس ہوئی، اور سدھ راج جو اسی طرف آ رہا تھا، راستہ میں ملا، سدھ راج نے واپس ہونے کا سبب دریافت کیا۔ رانی نے کہا کہ جب تک جاتریوں سے محصول لینا معاف نہ کیا جائیگا میں کھانا نہ کھاؤنگی۔ جاتریوں سے محصول کی آمدنی بہتر لاکھ سو تر (سکۂ نقرئی) سالانہ تھی، اس قدر بڑی رقم کے نقصان کا خیال کیے بغیر راجہ نے کہا کہ آپ کے سبب سے مذہبی فرض کی ادائیگی کے لیے میں اس محصول کو معاف کرتا ہوں۔ اس کے بعد منل دیوی جاترا کو گئی۔[1] اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کو رعایا کا کس قدر خیال تھا۔ ایک دفعہ اپنی ماں کے ساتھ دورہ پر نکلا تو مالوہ کے راجہ نے موقع مناسب سمجھ کر گجرات پر حملہ کر دیا۔ اس کے وزیر (سامتوار؟) نے نذرانہ دے کر واپس کر دیا۔[2] یہ بات سدھ راج کو پسند نہ آئی اور اس کے مقابلہ کے لیے تیاری شروع کر دی۔ اسی

---

[1] اس واقعہ کو مصنف تاریخ گوجران نے یوں لکھا ہے کہ منل دیوی جب دکن سے چلی تو دریائے نربدا کے پاس بالا گھاٹ پر ایک پجاری نے اس سے درخواست کی تھی کہ سومیشور مندر کے زائرین سے جو محصول وصول کیا جاتا ہے، وہ معاف کیا جائے، اب ایفائے وعدہ کے لیے رانی سدھ راج کو ساتھ لے کر معائنہ کو گئی اور زائرین کی تکلیف کو دیکھ کر متاثر ہوئی۔ محصول وصول کرنے والوں کا دفتر بھی ملاحظہ کیا، جس سے معلوم ہوا کہ ایک بڑی رقم اس سے آمد ہوتی ہے۔ سدھ راج نے دستور کے مطابق اپنی ماں کے ہاتھ پر پانی ڈالا اور محصول معاف کر دیا۔

[2] تاریخ گوجران میں صفحہ ۱۰۶ پر ہے کہ ایک دفعہ کسی نے مالوہ کی اوڈریا اوڈ قوم کی ایک عورت جسما کے حسن کی بڑی تعریف کی۔ سدھ راج نے اس پر قبضہ پانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ جب سوہرہ لنگ تالاب تعمیر کر رہا تھا تو اس نے اپنے بھتیجے ٹوڈرمل کو مالوہ اس غرض سے بھیجا کہ اوڈ قوم کے مزدوروں کے ساتھ جسما کو بھی اسی بہانہ سے لے آئے۔ چنانچہ وہ اپنے شوہر اور رشتہ داروں کے ساتھ آئی تمام قوم کو شہر سے باہر رہنے کا حکم دیا، مگر جسما کو حکم ملا کہ وہ محل میں رہے۔ اس نے محل میں جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ محلوں میں تو رانیاں رہتی ہیں، ہم غریبوں کے لیے تو جھونپڑا بس ہے۔ راجہ روزانہ نگرانی تالاب کے بہانہ آتا اور جسما کی خوبصورتی دیکھا کرتا، زیادہ وزن اٹھاتے منع کرتا کہ بچہ کو تکلیف ہوگی، وہ کہتی کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں، بچہ کو آتے جاتے جو پنگوڑے میں سوتا ہے ہلا دیتی ہوں۔ آخر تالاب مکمل ہوگیا، لوگوں کو مزدوری دے کر رخصت کر دیا مگر جسما کو مزدوری نہیں دی گئی اور کہا گیا رفتہ رفتہ ادا کی جائیگی (اور غالباً اس کی نگرانی شروع کر دی گئی)، مگر جسما خفیہ بھاگ گئی۔ جب سدھ راج کو اس کی خبر ہوئی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑا، اس نے اس قوم کے بہت آدمیوں کو قتل کیا، جب جسما کو معلوم ہوا کہ اب باقی بچنے

ہیں سَہسَر سَلِنگ نامی ایک تالاب پٹن کے پاس بنوایا جس کے ساتھ ایک مندر بھی تیار
ردسال جس کی بنیاد مول راج نے رکھی تھی، اس کو تکمیل تک پہنچایا جس کے چار ستون
وقت تک سدھ پور میں موجود ہیں، علاقہ بالاک میں تقریبًا ایک سو گاؤں برہمنوں کو
دیا گیا، مگر بربر نامی ایک سردار لچھ (غالبًا بھیل یا کولی ہوگا) برہمنوں کو بہت ستایا کرتا تھا، لڑکر اس
ست دی، اور برہمنوں کی درخواست پر اُن کو وہاں سے واپس بلا لیا گیا اور احمد آباد کے پاس
ین عطا کی گئی۔ اس درمیان میں جنگ مالوہ کے لیے برابر تیاری کرتا رہا، اور جب ہر طرح
طمئن ہوگیا تو اس نے مالوہ پر حملہ کر دیا۔ جشوورما (یشووورما راجہ مالوہ) بارہ برس تک لڑتا رہا۔
شکست کھائی اور قید کر کے پٹن لایا گیا، سدھ راج نے اس فتح کی خوشی میں ایک بڑا جشن کیا
پایۂ تخت انہل واڑہ پٹن سے تبدیل کر کے سدھ پور لے آیا۔

سورٹھ میں ایک کمہار کے پاس رانک دیوی نام کی ایک بڑی خوبصورت لڑکی تھی،
ھ راج کو جب معلوم ہوا تو اُس نے اس سے شادی کا ارادہ کیا، چنانچہ اس کمہار سے اپنی
ی ٹھہرا لی۔ ابھی لگن نہ ہونے پایا تھا کہ جوناگڑھ کا راجہ اکھین گار نامی شادی کر لی، اور
گڑھ لے گیا۔ سدھ راج کو اس کا بڑا افسوس ہوا اور غصہ سے بیتاب ہوگیا۔ اُس نے فورًا
ڑھ پر حملہ کر دیا۔ یہ جنگ بارہ برس تک رہی اور کامیابی کی جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو
ھ راج نے جوناگڑھ کے راجہ کھین گار کے بھانجے دے ہل نامی کو بڑی ہوشیاری سے
بنا لیا، اور جب گھر کا بھیدی ہاتھ آ گیا تو پھر سدھ راج کی فتح ہوگئی اور سورٹھ کا راجہ
لیا۔ اس کے دونوں چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی سدھ راج نے مار ڈالا، اور رانی کے ساتھ
دی کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ وہ وڈھوال آ کر ستی ہوگئی۔ کاٹھیاواڑ
ہونے کے بعد کچھ کو بھی مطیع کیا (غالبًا کچھ کے راجہ نے بھی سورٹھ کا ساتھ دیا ہوگا) بن راج چاوڑا

نوٹ صفحہ ۱۶۷) تو اس نے خنجر سے خودکشی کر لی (غالبًا اس کا شوہر بھی مارا گیا ہوگا) میرذاتی خیال ہے
کہ یہ سب مالوہ کی رعایا تھی اس لیے مالوہ کے راجہ نے گجرات پر حملہ کیا ہوگا اور پھر اسی عشق کی ناکامی
نے مالوہ فتح اور تباہ کرنے کے لیے سدھ راج کو آمادہ کیا ہوگا

کے وزیر چانپا کے خاندان سے ایک شخص سجن نامی تھا۔ سدھ راج نے اسی کو جوناگڑھ کا گورنر بنایا اور حسن انتظام کو دیکھ کر تھوڑے ملک بھی اسی کے حوالہ کر دیا۔ گجرات کے شمالی ممالک یعنی اجمیر اور چندراوتی کے پرمار راجہ کو بھی فرمانبردار بنایا۔ برہان پور (کا علاقہ) بھی اس کے قلمرو میں شامل کر لیا گیا۔ بندھیل کھنڈ کے راجہ مدن ورما پر حملہ کر کے اس کو شکست دی، اور معقول نذرانہ لے کر واپس آیا[1] دکن میں کولاپور (کھولاپور) وغیرہ کے راجے بھی اس کا دبدبہ مانتے تھے۔

سدھ راج بڑا خوش نصیب، اور سخی راجہ تھا۔ وہ اگرچہ مذہبی خیال کا راجہ تھا پھر بھی اس نے عام رعایا کے ساتھ ہر طرح کی مذہبی رواداری برتی۔ اور یہی سبب ہے کہ وہ نہایت ہر دلعزیز ہو گیا تھا، ایک دفعہ کرناٹک ملک دکن کا ایک شخص جس کا نام مکند چندر تھا، جو اپنے مباحثوں میں کامیاب ہو چکا تھا، اس وقت گجرات پہنچا جب ہندوؤں اور جینیوں میں مباحثے ہو رہے تھے، اور جینیوں کے دونوں فرقے دگامبر اور سوئمبر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف سرگرم کار تھے۔ سدھ اور می نل دیوی نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی، مکند چندر کے مقابلے کے لیے دیوسوری اور ہیما چاریہ دربار میں آئے، اور مباحثہ شروع ہوا۔ می نل دیوی نے اپنا وطنی ہونے کے سبب ابتدا میں اس کی حمایت کی مگر ہیما چاریہ نے جب اس کو یہ بتلایا کہ یہ شخص اس بات کا قائل ہے کہ عورتوں کو مکتی (نجات) نہیں ہو سکتی تو اس نے خاموشی اختیار کر لی افسوس ہے کہ مکند چندر مباحثہ میں ہار گیا۔ ہیما چاریہ سدھ راج کو اکثر دھرم کی باتیں سناتا اور بہترین مشورے دیتا۔

سدھ راج نے گجرات میں بڑی صنعت سے عمارتیں بنوائیں۔ محلات تعمیر کرائے۔ بھروچ کے قلعہ کی مرمت کرائی اور ڈبھوری کا قلعہ اس نے بنوایا، جا بجا کنویں اور تالاب کھدوائے رعایا کے دکھ سکھ معلوم کرنے کے لیے رات کو چھپ کر گشت لگاتا تھا۔ چنانچہ قصبہ اونچا متصل سدھ پور میں ایک ساہوکار کے مکان پر ٹھہر گیا، زائرین کا بھیس بدل کر رات کو گشت کیا، لوگ اس کے

[1] ان راجوں پر حملہ کرنے کے اسباب کچھ معلوم نہ ہو سکے۔

لاولد ہونے پر افسوس کر رہے تھے۔ ان خوبیوں کے باوجود بعض سخت عیوب بھی رکھتا تھا، چنانچہ بھگوان لال اپنی تاریخ گجرات میں دوسرے مصنف کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "اچھا راجہ ہونے کے باوجود اس میں زناکاری کا عیب بھی تھا، وہ برہمن کی عورت تک کو نہیں چھوڑتا تھا بعض ہندو شاعروں نے اس کی بڑی مذمت کی ہے تقریباً پچاس برس حکومت کرکے ۵۳۸ھ (۱۱۴۳ء) میں دنیا سے کوچ کر گیا۔

مولانا عبد العلی سیف الدین سیفی داعی اسماعیلی متوفی ۱۲۔ ذو القعدہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۶ء) کے نام سے کتاب مجالس سیفیہ معنون کی گئی ہے (۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء) کی نویں مجلس میں مصنف نے لکھا ہے کہ آدم بن زکی الدین سے روایت ہے کہ مستنصر باللہ (فاطمی خلیفہ مصر) نے دو مصری آدمیوں کو جن کے نام عبد اللہ اور احمد تھے، داعی یمن کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ ان سے ہند میں دعوت کا کام لیا جائے۔ وہ دونوں وہاں سے چل کر یمن سے ہدایت لیتے ہوئے کھنبایت[۱] پہنچے۔ اس وقت وہاں کا راجہ سدھ راج جے سنگھ نامی راجپوت تھا۔ وہ اسلام کا سب سے

[۱] کھنبائت کو عربی میں انبائت بھی کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے بعض لوگوں کے نام کے ساتھ انبائتی کا لفظ آتا ہے۔ کتاب "صبح الاعشیٰ" میں ہے کہ "بحر ہند کے ساحل پر ایک بڑا شہر ہے جو اقلیم ثانی میں واقع ہے اس کا طول البلد ۹۹ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض البلد ۲۲ درجہ ۲۰ دقیقہ ہے۔ یہ شہر مالابار سے مغرب کی طرف ایک ایسی خلیج میں واقع ہے جس کا راستہ تین دن کا ہے۔ وہ ایک خوبصورت شہر ہے اور شام کے شہر معری سے بڑا ہے۔ یہاں کی عمارتیں عموماً اینٹ کی ہیں البتہ باغات کم ہیں (جلد پنجم ص۶۵ مصری)
مارکوپولو اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ اس ملک سے مغرب کی جانب کھنبائت ہے۔ جہاں کے باشندے بت پرست اور بدھ مذہب کے پیرو ہیں۔ ان کی زبان علحدہ ہے اور ان کا فرمانروا خود مختار ہے قطب تارہ یہاں سے خوب اچھی طرح سے دکھائی دیتا ہے۔ اس ملک میں تجارت خوب ہوتی ہے۔ یہاں نیل کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور روئی دوسرے ملکوں کو بہت جاتی ہے۔ یہاں چمڑے کی تجارت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ چمڑا یہاں خوب کمایا جاتا ہے اور رنگا جاتا ہے۔ یہاں غیر ملک کے تاجر چاندی تانبا، اور توتیا لاتے ہیں۔ اب (۱۳۵۱ھ/۱۹۳۱ء) یہ شہر ایک نواب کے ماتحت ہے جو مومن خاں صوبہ دار گجرات کی اولاد سے ہیں یہ شہر سورت سے ۲۰۰ میل اور احمد آباد سے ۵۲ میل پر ہے۔ موجودہ آبادی چالیس ہزار کے قریب ہے۔ اس شہر کی جامع مسجد سلطان محمد تغلق کے زمانہ کی بنی ہوئی ہے۔ صدر دروازہ پر تحریر ہے۔ (باقی بر ص۸۲)

بڑا دشمن تھا، جو مسلمان ملتا قتل کر ڈالتا۔ اس کا پایۂ تخت انہلواڑہ تھا۔ اس کے وزیر کا نام بھارمل تھا۔
غرض عبداللہ یمن سے ہندی زبان سیکھ کر ساحل ہند پر اترے، چونکہ اُن کو اپنی جان کا خوف تھا
اس لیے باغوں میں چھپ رہے۔ ایک دن ایک کھیت میں ایک مرد اور ایک عورت کو کام کرتے
دیکھا، عبداللہ نے وہاں پہنچ کر پینے کے لیے پانی طلب کیا۔ جواب ملا کہ چند روز قبل اس جگہ ایک
کنواں تھا جس سے لوگ پانی پیتے تھے مگر اب تو وہ خشک ہو گیا ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ اچھا
مجھے کنواں بتاؤ۔ دونوں نے کہا کہ کیا کرو گے؟ لو دیکھو کنواں تو یہ ہے، کیا تم اس سے پانی
نکال سکو گے۔ عبداللہ نے کہا کہ میں تو کچھ نہیں کر سکتا مگر میرا اللہ ہر شے پر قادر ہے جو چاہے
کرے، اس کا حکم رد نہیں ہو سکتا۔ کیا اگر خدا اس کنوئیں سے پانی نکال دے تو تم مسلمان ہو
جاؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ عبداللہ کنوئیں میں اُترے اور ایک نیزہ مارا جس
سے سوت جاری ہو گیا۔ اور وہ باہر نکل آئے، پانی آہستہ آہستہ اس قدر ہو گیا کہ اُبلنے لگا۔
پانی کا یہ حال دیکھ کر دونوں مسلمان ہو گئے۔ مرد کو کاکا اکیلا اور عورت کو کاکی اکیلی کہتے ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۰) "فی عہد السلطان العادل العالم سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ السلطان" اس کے
چاروں طرف سائبان ایک منزلہ مع گنبد کے ہے۔ صحن میں جو حوض ہے وہ علی بن عبدالنبی بغدادی نے ۷۰۲ھ
میں تیار کرایا ہے۔ بجانب جنوب مسجد سے متصل چند قبریں ہیں ایک پر لکھا ہے "رکن الدولۃ والدین
عمر بن احمد گازرونی ..... چہارشنبہ ۹ صفر ۷۳۴ھ" ایک دوسری قبر پر ہے "زوجہ حسن گیلانی بی بی
فاطمہ ۷۸۳ھ" ایک پر ہے شرف الدین ابو شرف ۶۳۶ھ۔ دوسری پر ہے شہاب الدین احمد بن محمد ۶۹۰ھ
اسی طرح عمر بن سعد الدین ۶۹۵ھ۔ میں متعدد بار اس شہر میں گیا موجودہ ویرانی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے
ہر جگہ در و دیوار سے حسرت ٹپکتی ہے۔ مولائی احمد جو امام المستنصر باللہ (من خلفاء فاطمیین) کے عہد میں برائے
تبلیغ یہاں تشریف لائے تھے ان کی قبر سنیوں کے قبرستان میں ابھی تک زیارت گاہ عام ہے۔ کاکا اکیلا،
اور کاکی اکیلی کی بھی سمندر کے قریب قبر ہے۔ اور داؤدی بوہرے زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ موجودہ نواب
صاحب جن کا اسم گرامی حسین یاور خاں ہے جن کی عمر بائیس سال کی ہے ۱۰۔ دسمبر ۱۹۳۰ھ میں تخت نشین ہوئے
مسجد فی الحال ہر طرح قابل مرمت ہو گئی ہے اور بعض حصے اس کے گر بھی گئے ہیں ۱۹۲۲ء میں
اس کی کچھ مرمت بھی نواب صاحب کی طرف سے ہوئی ہے آج کل یہاں کئی کارخانے ماچس (دیا سلائی)
کے بھی ہیں، ایک کارخانہ لکڑی کاٹنے کا ہے عقیق کی چیزیں خوب بنتی ہیں۔ مصر، عرب اور فرانس میں ان کی
بڑی مانگ ہے

یہ دونوں عبداللہ کی خدمت اور حفاظت اپنے گھر میں کرتے تھے اور ہندی (غالباً گوجروں کی زبان یا گجرات کی پراکرت مراد ہے) کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ جب اس خاندان سے ان کو انس ہو گیا اور قابل اعتماد سمجھا تو ظاہر کیا کہ ہم یہاں اسلام یعنی دعوت اسماعیلی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جلد اس کام کو انجام دوں۔ تمہارا اس معاملے میں کیا مشورہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حقیقی کامیابی تو تم کو اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہند کا کوئی راجہ مسلمان ہو جائے۔ لیکن سردست اس ملک میں تبلیغ کی صورت سب سے بہتر یوں ہو سکتی ہے کہ راجہ کا وزیر بھارمل قابو میں آجائے۔ بھارمل بڑے بت کی زیارت کے لیے ماہ میں ایک دفعہ آتا ہے وہاں ایک پجاری سے اس کو گہری عقیدت ہے، وہ بچپن سے اس کی عزت کرتا ہے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر سب کام آسان ہے۔ عبداللہ اس مشورہ کے مطابق اس بڑے بت کے مندر تک گئے۔ دیکھا کہ پجاری بچوں کو حرف شناسی کراتے ہوئے کہتا ہے، ککو، گھگھو (غالباً کَ کا کی کُو۔ کھ کھا کھی کھُو ہوگا) شیخ عبداللہ نے کہا کہ پنڈت جی! یہ عجیب بات ہے کہ آپ پڑھاتے تو ایک حرف ہیں اور آواز نکالتے ہیں چار حرف کی۔ پنڈت جی سُن کر متعجب ہوئے اور حقیقت دریافت کی۔ خلوت کا اشارہ کیا۔ جب وہ خلوت میں گیا تو اس سے اس طرح بات کی کہ پنڈت ان کی طرف مائل ہو گیا۔ جب وہ فرمانبردار ہو گیا تو رازہائے حقائق سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو! تم ایک حرف کہتے ہو کَ اور پڑھتے ہو چار حرف ککو وہ تین حرف کاف ہیں بعد اس کے واؤ۔ پس ان میں پہلے دو کاف ہر دو اصل روحانی کی مثال ہیں اور وہ ایک جنس سے ہیں اور وہ عقل ہے اور تیسرا کاف اور واؤ ہر دو اصل جسمانی کی مثال ہیں، اور دونوں کے درمیان ایک جہت سے فاصلہ ہے اور ہر ایک ہر دو اصل سے متحرک ہے دوسرا ساکن ہے اور وہ دلیل اس بات کی ہے کہ ایک دونوں میں سے مفید ہے اور دوسرا مستفید۔ اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ پنڈت مسلمان ہو گیا اور عبداللہ نے اسی کے پاس قیام کر کے اس کو تعلیم دی اور سمجھایا کہ جس طرح ہو بھارمل کو راہ پر لے آؤ۔

پنڈت اس پر عمل کرتا رہا۔ چنانچہ جب بھارمل تخلیہ میں ہوتا تو بتوں کے عیوب بیان کرتا اور اسلام کی خوبیاں بتاتا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ بھارمل نے کہا کہ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم نے اپنی تحقیق سے اسلام کی صداقت معلوم کر لی ہے۔ اگر تم مسلمان ہو گئے ہو تو پھر ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ تب پنڈت نے ساری حقیقت اپنی اور عبداللہ کی بیان کی، بھارمل مسلمان ہو گیا اور چھپ کر نماز ادا کرتا اور پٹن (انہلواڑہ) سے کھنبایت آتا جاتا رہتا۔ رفتہ رفتہ اس کا نوکر آگاہ ہو گیا، اور راجہ سدھ راج جے سنگھ سے کہہ دیا۔ اُس نے کہا اگر میں اپنی آنکھوں سے نماز پڑھتا دیکھوں تو ضرور سزا دوں۔ چنانچہ نوکر تاک میں لگا رہا۔ ایک دن نماز پڑھتے میں راجہ کو بلا لایا۔ بھارمل نماز سے فارغ ہوا تو راجہ کی آمد معلوم ہوئی۔ اُس نے فوراً اٹھ کر سلام کیا راجہ نے سوال کیا۔ یہ تم کیا کر رہے تھے؟ اس نے کہا یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو حضور کے خلاف میرے متعلق کی گئی ہو۔ بلکہ میرے صندوق کے پاس ایک سانپ تھا جس کو کھڑا ہو کر پھر جھک کر پھر زمین پر سر رکھ کر دیکھا، پھر نہ ملا۔ راجہ نے صندوق اٹھا کر سانپ تلاش کرنے کا حکم دیا۔ یکایک صندوق کے نیچے سے سانپ نکل آیا۔ راجہ نے چغلخور کو سزا دی کھنبایت کے مندر میں ایک ہاتھی تھا جو معلق کھڑا تھا، ہر شخص اس کی تعظیم کرتا تھا، راجہ بھی سال میں ایک دفعہ آیا کرتا تھا۔ جب راجہ آیا تو عبداللہ نے پنڈت سے کہا کہ راجہ سے کہو کہ رات ہاتھی نے مجھ سے کہا کہ عرصہ دراز سے معلق کھڑا کھڑا تھک گیا ہوں چاہتا ہوں کہ ایک پیر زمین پر ٹیک دوں، یہ سن کر راجہ متحیر ہوا۔ عبداللہ نے رات ہی کو دیکھ کر معلوم کر لیا تھا کہ یہ لوہے کا ہاتھی مقناطیس کے زور سے معلق ہے۔ اس لیے ایک پاؤں کے پاس کا مقناطیس نکال ڈالا، ہاتھی نے ایک پاؤں زمین پر رکھ دیا۔ صبح کو جب یہ خبر عام ہوئی تو لوگ دیکھنے آئے اور راجہ نے سن کر بڑا غم کیا۔ دوسرے دن برہمن پنڈت کے ذریعہ دوسرے پیر اور تیسرے چوتھے روز تیسرے اور چوتھے پیر رکھنے کی خبر راجہ کو پہنچائی گئی۔ راجہ بہت متحیر ہوا۔ پھر کسی نے راجہ کو خبر دی کہ پنڈت ایک عرب کے ذریعہ

مسلمان ہوگیا ہے جو وہاں مقیم ہے۔ ان دونوں نے مل کر ہاتھی کی یہ گت بنائی ہے۔ یہ سن کر راجہ کو بڑا غصہ آیا، اور دونوں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عبداللہ زینہ پر آکر بیٹھ رہے اور دعا و حرز پڑھنے لگے، سپاہی آکر پکڑ نہ سکے، بلکہ خود بھاگ گئے۔ راجہ کو خبر ہوئی تو خود چل کر آیا مگر اس کے پیر جم گئے اور آگ بھڑک اٹھی۔ راجہ نے گھبرا کر توبہ کی اور دین اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کی۔ عبداللہ نے ایک نظر دیکھا تو آزاد ہوگیا۔ تب عبداللہ کے پاس آکر حالات دریافت کرنے لگا۔ عبداللہ نے کہا کہ اگر بڑا بت جس کی تم عبادت کرتے ہو میری خدمت کرے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ راجہ نے کہا کہ اگر آنکھوں سے دیکھا تو ضرور ہو جاؤں گا۔ عبداللہ نے کہا کہ "واللہ علیٰ ما نقول وکیل" اور بت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اٹھو اور میرا ڈول لے کر تالاب سے پانی بھر لا۔ بت فوراً لبیک وسعدیک (حاضر ہوا) بول کر ڈول ہاتھ میں لے تالاب کا کل پانی بھر لایا، لوگ گھبرا کر عرض کرنے لگے کہ بغیر پانی کے جانور اور آدمی مرجائیں گے چنانچہ عبداللہ کے حکم کے ساتھ ہی بت پانی تالاب میں چھوڑ آیا اور تالاب بھر گیا۔ شیخ عبداللہ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت ہندو مسلمان ہوگئے۔ ان کے زنار وزن میں ایک من سے زیادہ تھے۔ پھر عبداللہ پٹن گئے وہاں بھی بہت ہندو مسلمان ہوئے اور سدھ پور کے بھی بہت آدمی مسلمان ہوئے۔ عبداللہ نے بھارمل کے بیٹے یعقوب کو تعلیم دے کر اپنا جانشین بنایا الخ۔

رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل ج ۳ ص ۸۴۲ میں بحوالہ راس مالا گجراتی ص ۲۱۵ مرقوم ہے کہ یعقوب نامی ایک مصری اپنی خانہ جنگی سے تنگ آکر ۴۳۵ھ مطابق ۱۰۴۳ء میں کھنبائت آیا۔ اس مذہب کا یہ پہلا شخص تھا۔ ان کا بڑا ملا (سیدنا) ظہری (ذدیب) بن موسیٰ یمن میں تھا۔ مصر میں مستنصر باللہ (فاطمی) خلیفہ تھا، اور گجرات میں سدھ راج جے سنگھ کی حکومت تھی (تاریخ سے ثابت ہے کہ خلیفہ مذکور ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء میں فوت ہو چکا تھا۔ اور اس کا پوتا حافظ لدین اللہ گیارہواں خلیفہ ۵۲۴ھ ۱۱۲۹ء تا ۵۴۴ھ ۱۱۴۹ء موجود تھا) یعقوب کھنبائت

آکر ایک مالی کے گھر مقیم ہوا۔ پہلے اس کو پھر ایک برہمن کے لڑکے کو مسلمان بنایا۔ راجہ کے ڈو وزیر بھارمل اور تارمل ڈو بھائی تھے، وہ کھنبائت مندر میں جایا کرتے تھے، جہاں لوہے کا ایک ہاتھی مقناطیس کے زور سے معلق تھا یعقوب نے برہمن سے مباحثہ کیا اور جیت گیا، اور مقناطیس نکال کر ہاتھی کو بھی گرا دیا۔ راجہ اور اس کے درباری اس قسم کی کرامت کو دیکھ کر سب مسلمان ہوگئے، ان کی تقلید پھر دوسروں نے بھی کی، پھر ان نومسلموں سے بیوپار (بیوہار) شروع کیا، اسی بیوہارے بیوہارے اور اس سے بوہرے ہوگیا۔ الخ

راجہ کا نام تو ٹھیک ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء میں موجود تھا لیکن اس سنہ میں وہ صرف تین برس کا دودھ پیتا بچہ اپنی ماں می نل دیوی کی گود میں کھیلا کرتا تھا، پھر اس کے ڈو وزیر بھارمل اور تارمل نام کے تھے ہی نہیں۔ ویردھول باگھیلا کے ڈو وزیر تیج پال اور دستوپال ضرور تھے، مگر ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہ تھا، راجوں میں کمارپال اور اجے پال نے مذہب تبدیل کیا تھا، مگر وہ جینی تھے، مسلمان نہ تھے۔ اور سدھ راج کے متعلق تو تمام مورخ متفق ہیں کہ وہ آخر تک ہندو ہی رہا، وہ مسلمان نہ تھا، اور مسلمانوں سے اُسے تعصب بھی نہ تھا، بلکہ مسلمانوں کے ساتھ اُسے ہمدردی تھی، جیسا کہ کھنبائت کے اُس واقعہ سے صاف ظاہر ہے، جس کو عوفی نے اپنی کتاب جامع التواریخ میں نقل کیا ہے[1]۔ اور میں بھی انہی اوراق میں تحریر کر آیا ہوں۔ پس سدھ راج کے متعلق جو کچھ ان حکایات میں مذکور ہے اُس میں راوی کو ضرور مغالطہ ہوا ہے۔ میرے خیال میں فقط اس قدر صحیح ہوگا کہ کچھ لوگ تبلیغ کے لیے آئے اور انہوں نے لوگوں میں تبلیغ کی اور کامیاب ہوئے[2]۔

سدھ راج جے سنگھ کے عہد میں ایک دفعہ ایک تاجر نولاکھ روپیہ امانت ایک شخص کے پاس رکھ کر مرگیا۔ اُس امین نے اس کے لڑکے کو وہ روپیہ واپس دینے کا ارادہ کیا۔ اس کے لڑکے نے

---

[1] حالانکہ محمد عوفی اہل تشیع میں سے تھا۔ عام مسلمانوں اور خصوصاً حامیان سادات پر ذرا بھی ظلم ہوتا تو ضرور ذکر کرتا۔
[2] اس روایت کی مفصل تحقیق میں نے "تاریخ بوہرہ" میں کی ہے، ناظرین وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

جواب دیا کہ ہم حساب کتاب دیکھ کر لینگے۔ لیکن دفتر میں اس رقم کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس لیے لینے سے انکار کر دیا۔ امین نے ادا کرنے پر اصرار کیا۔ ردوقدح اس قدر ہوئی کہ آخر نوبت جنگ کی پہنچی اور معاملہ عدالت تک گیا جس کا مرافعہ راجہ کے یہاں ہوا۔ اس نے دونوں کا حال معلوم کیا اور بیانات سُن کر یہ فیصلہ کیا کہ اس روپیہ سے فوائد عامہ کے لیے ایک بے نظیر مکان[1] تعمیر کیا جائے۔ جو اس وقت (بعہد محمد عوفی) تک موجود ہے۔ عوفی نے سدھ راج کے متعلق ایک واقعہ اور تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ نہروالہ میں جے سنگھ نامی اپنے زمانہ کا بڑا راجہ تھا اور اس سے پہلے گجرات اور نہروالہ میں ایسا کوئی راجہ نہ تھا اور نہ کسی نے راجہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا (غالباً عوفی کی مراد "ادھے راج" یعنی شہنشاہ سے ہے) سب سے پہلے جس نے راجہ ہونے کا دعویٰ کیا وہ یہی شخص تھا۔ جب اطرافِ عالم میں اس کی خبر ہوئی تو ہند کے بڑے راجہ نے ایک سفارت اس کے پاس بھیجی اور دریافت کیا کہ آج تک تو کوئی راجہ گجرات کا ہوا ہی نہیں تم نے کیوں اس کا دعویٰ کیا؟ اگر تم نے اس کو ترک نہ کیا تو ایک زبردست لشکر سے گجرات کی خاک اڑا دونگا۔ جے سنگھ نے اس سفیر کی بڑی خاطر مدارات کی اور ایک اچھی جگہ میں اُتارا۔ ایک رات راجہ پولیس کے ایک سپاہی کی وردی پہن کر باہر نکل آیا اور ایک قحبہ کے گھر پہنچا۔ جب رات زیادہ آگئی اور وہ سوگئی تو اس کے کپڑے چرا کر ایک گڑھے میں دبا دیے۔ واپسی کے وقت ایک جولاہا ملا جو کپڑا بن رہا تھا۔ اس کو سمجھا بجھا کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس چوری کا اقرار کر لے، اور کہا کہ اگر تم نے اس کام کو انجام دیا تو تم کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی بلکہ انعام پاؤگے۔ دوسرے دن راجہ ہاتھی پر سوار ہو کر سفیروں کے ساتھ نکلا، اور جنگل کی طرف

---

[1] جامع الحکایات محمد عوفی قلمی ص ۸۹۔ مصنف نے لکھا ہے کہ کار خیر کے لیے ایک بے نظیر "حرص مہلک" تیار کرایا۔ اس لفظ کا صحیح مفہوم مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ یا تو کاتب کی غلطی ہے، یا کسی گجراتی لفظ کا معرب ہے۔ سدھ راج کی عمارتوں میں سے صرف "رودرمالا" مندر کا کچھ حصہ اس وقت (۱۹۳۰ء) تک سدھ پور میں البتہ موجود ہے، شاید یہی مراد ہو۔ میرے عزیز شریک کار ڈاکٹر چھوٹو بھائی نائک ایم اے (رہ) شین کا خیال ہے کہ اس کی اصل "ہرش مہالیہ" ہے جو معرب کر لیا گیا ہے۔

چلا کہ راہ میں اُس نے دیکھا کہ وہی عورت ایک سپاہی سے کپڑوں کا مطالبہ کر رہی ہے۔ بلا کر دریافت کیا۔ سپاہی نے کہا کہ یہ کہتی ہے کہ جب میں سو گئی تو تم میرے کپڑے چرا کر لے گئے۔ حالانکہ میں رات کو سرے سے گیا ہی نہیں۔ راجہ نے کہا کہ حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے۔ اور چونکہ تم نے یہ فرض ادا نہیں کیا اس لیے تم کو تاوان ادا کرنا چاہیے۔ سپاہی نے عرض کیا کہ ایک ہفتہ کی مہلت دیجیے۔ راجہ نے کہا نہیں ابھی چور کو حاضر کرو ورنہ ایسی سزا دونگا جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوگی۔ سپاہی نے کہا پھر تو میں مجبور ہوں۔ راجہ نے کہا کہ تو چاہتا ہے کہ میں حاضر کر دوں۔ اس نے کہا کہ جی ہاں نہروالہ میں ایک سیاہ بت تھا۔ راجہ نے اس کے پاس جا کر دریافت کیا کہ اے بت رات فلاں عورت کے کپڑے چوری گئے ہیں، تم بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ تھوڑی دیر توقف کے بعد کہا کہ یہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ دفن ہیں اور پھر اس جگہ کا پتہ بتایا۔ لوگ وہاں سے نکال لائے۔ سپاہی نے عرض کیا کہ اگر حضور ارشاد فرمائیں تو چور کا بھی پتہ لگ جاتا تاکہ اس کو سزا ہو جاتی۔ راجہ نے کہا کہ زنگی (کالا بت) کہتا ہے کہ تمہارا مال مل گیا، اب چور سے کیا کام۔ سپاہی نے بڑی عاجزی سے اصرار کیا کہ حضور چور کو ضرور بتائیں۔ راجہ نے کہا کہ زنگی کہتا ہے کہ اگر اس کو امان دو تو بتایا جا سکتا ہے۔ سپاہی نے پختہ وعدہ کیا۔ تب زنگی نے اس جولاہے کا پتہ بتایا۔ جب اس جولاہے کو حاضر دربار کیا گیا تو انکار کے بعد اقرار کیا۔ ہندستانی راجہ کے سفیروں نے جب یہ حال دیکھا تو دل میں بہت ڈرے۔ جے سنگھ نے کہا کہ دیکھا؟ اپنے مالک (راجہ) سے کہہ دینا کہ اگر میں چاہوں تو ابھی تمہارا سر کاٹ کر منگوا سکتا ہوں، لیکن تم بھی ایک بڑے راجہ ہو اور تمہارا ملک دور دراز ہے اس لیے میں ایسا نہیں چاہتا لیکن اس کے بعد اگر کوئی فتنہ کھڑا کرو گے تو یقیناً اس کا انجام بھی دیکھو گے۔ سفیروں نے جب یہ سب ماجرا راجہ کو سنایا تو راجہ ڈر گیا اور پھر ہدیے اور تحفے راجہ جے سنگھ کو بھیجے۔ اور بغیر خونریزی سدھ راج کا مطلب حاصل ہو گیا۔[1]

سدھ راج خوبصورت جوان تھا، ظریف اور طبیعت کا نرم، مگر شہرت کا بڑا خواہاں تھا،

---

[1] جامع الحکایات محمد عوفی قلمی ص ۱۴۴۔

مسلمانوں کے متواتر حملے ہند پر ہوتے رہے، سدھ راج کو اس کا بڑا خیال تھا کہ مسلمان کہیں اس طرف نہ آپڑیں، اور اسی لیے مسلمانوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا، مگر اس کی خوش قسمتی سے مسلمانوں نے اُن دنوں اس طرف رُخ نہ کیا۔ وہ ہند کے راجوں میں سے ایک زبردست ذی عزت اور بہادر راجہ تھا، وہ مغلیہ سلطنت میں اورنگ کی طرح خاندان سولنکی کا چمکتا ہوا ہیرا تھا۔ اس عہد میں سولنکی خاندان اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا اور اسی کے بعد سے شجرِ اقبال میں زوال کے کیڑے گھن کی طرح لگنے شروع ہوئے۔

کمار پال سولنکی

۱۱۴۳ء تا ۱۱۷۴ء
۵۳۸ھ تا ۵۷۰ھ

چونکہ سدھ راج جے سنگھ کے کوئی لڑکا نہ تھا، اس لیے اس کے چچا شیم راج کی اولاد سے کمار پال راجہ ہوا۔ اس کا باپ تری بھون تھا جو لڑکا تھا دیو پرشاد کا اور وہ شیم راج کا سپوت تھا۔ بعض خانگی اسباب کی بنا پر سدھ راج نہیں چاہتا تھا کہ کمار پال کو راج گدی ملے اور اس سبب سے بارہا اس کو گرفتار کرنا چاہا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ کمار پال نے مالوہ آکر جینیوں کے یہاں پناہ لی اور سدھ راج کے مرنے پر گجرات واپس آیا، اور پچاس برس کی عمر میں اپنے بہنوئی کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی سے پہلے کمار پال کو جین مت والوں سے برابر امداد ملتی رہی اور اسی لیے اس کا دل اس مذہب کی طرف بہت مائل تھا، چنانچہ اس نے اس کا وعدہ بھی کیا تھا کہ تخت پانے پر میں جینی ہو جاؤنگا۔ اور غالبًا اسی لیے تمام جینیوں نے اس کو تخت دلانے میں پوری جد وجہد سے کام لیا، کمار پال اپنے قول کا سچا تھا حکومت مل جانے پر واقعی جینی ہوگیا اور جین کی بارہ شرطیں قبول کیں۔ کئی سرداروں نے بغاوت بھی کی جس کو دبا دیا گیا اور باغیوں کو قتل کیا گیا جس میں اس کا بہنوئی بھی شامل تھا۔

ایک سردار جس کا نام اودے پال تھا اس کا ایک لڑکا باغی ہو کر ناگور چلا گیا اور راجہ

کو ابھار کر گجرات لے آیا۔ ناگور کا راجہ آن کمار پال پر حملہ آور ہوا، مگر شکست کھائی اور اپنی لڑکی کی کمار پال سے شادی کردی اور بڑا نذرانہ دے کر صلح کرلی۔ اس سے فراغت پاکر کمار پال نے مالوہ کے راجہ پر فوج کشی کی اور اس کو شکست دے کر مطیع کیا۔ اس کے بعد اپنے ایک سردار مرھبٹ نامی (باواگ بھٹ پسر اودیال منتری) کو جو وزیر بھی تھا کوکن فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ مگر یہ سردار شکست کھا کر واپس آیا۔ اس لیے کمار پال نے خود ایک فوج لے کر چڑھائی کی اور فتحیاب ہو کر کوکن کے راجہ کو قتل کرڈالا، راجدھانی لوٹ لی، بہت مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ کمار پال نے جین مت کے مندر اور شوالے بہت بنوائے۔ پارس ناتھ کا مندر اسی نے بنوایا۔ سومناتھ کے مندر کی مرمت بھی کرائی۔ سومیشور کا تیرتھ دوبارہ تعمیر کرایا۔ پنڈتوں کا بڑا قدردان تھا۔ اسی کے عہد میں شنکر سوامی آچاریہ آئے۔ اور اسی کے عہد میں ہیما چاریہ جیسا گرو تھا۔ اس کے مرنے سے کمار پال کو سخت صدمہ ہوا، کیونکہ وہ اس کا گرو بھی تھا۔ اور مشیر بھی۔ کمار پال نے اسّی برس کی عمر پائی اور تیس برس سلطنت کی۔ آخر بیمار ہو کر بعارضہ چنبل ۱۷۳ء میں انتقال کر گیا۔

اس کے عہد میں برہمنوں اور جینیوں کے درمیان نفرت انتہا درجہ کو پہنچ گئی تاآپس میں ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے۔ راجہ میواڑ کی ایک لڑکی کمار پال کی بیوی تھی، وہ اس خوف سے انہلواڑہ نہیں آتی تھی کہ اس کو جبراً جینی بنالیا جائیگا۔ اس لیے باپ نے اس کو تسلی دی اور اپنی ذمہ داری پر انہلواڑہ روانہ کردیا، جہاں وہ جبراً جینی بنادی گئی۔ یہ سن کر اس کا باپ جے دیو چتا میں جل کر مر گیا اور اس کے ساتھ خاندان کے اکثر اراکین مع برہمنوں کے جل گئے۔ ایک چھوٹا لڑکا باقی بچ گیا[1]

کمار پال کی نسبت ایک روایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک ہاتھی پر سوار ہو کر پٹن کے دروازے سے باہر نکلا تو ایک خوبصورت دھوبن سرخ جوڑا زیب تن کیے کپڑے دھونے جارہی

---

[1] تاریخ گوجران ص ۱۸۳۔ طبع لاہور۔

پال دیکھ کر عاشق ہو گیا اور اس کے پیچھے سواری ڈال دی اور چاہا کہ مواصلت کرے کہ
ڈنا اور واپس آکر چتا میں جل کر مرجانا چاہا، تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہو۔ چتا تیار کرنے کا
ور حکم کے مطابق لکڑیوں کا انبار لگا کر آگ روشن کی گئی۔ لوگوں نے دریافت حال کیا
حقیقت سے آگاہ کیا۔ برہمن پنڈت طلب کیے گئے۔ فتویٰ پوچھا گیا۔ حقیقت حال
ہو کر جواب دیا کہ چتا میں ضرور جلنا چاہیے۔ چنانچہ جب آگ خوب روشن ہو گئی اور
تیار ہو کر لپکا کہ آگ میں کود پڑے تو برہمنوں نے اسے فوراً پکڑ لیا اور کہا کہ سزا ہو
ل کرنے پر جواب دیا کہ برے کام کا ارادہ تو روح نے کیا تھا اس لیے سزا روح کو ہی
ے اور وہ اس طرح ہو گئی کہ اس وقت سے کہ اس وقت تک تمہاری روح کو حقیقی
ہی لیکن تمہارے بدن نے تو کوئی گناہ نہیں کیا تھا (یعنی تم نے اس کو ہاتھ تک
تھا) اس لیے بدن کو سزا دینے یعنی جلانے کی کوئی وجہ نہیں۔ کمار پال نے اس
ت پانے پر خدا کا شکر ادا کیا[۱]۔ (غالباً برہمنوں کو حوصلہ کے موافق خوب دان

(

ماچاریہ جو کمار پال کا گرو تھا [۱۰۸۹ء] میں پیدا ہوا۔ دھن دھوکا اس کی جائے ولادت ہے
ینی سادھو نے اس کو تمیزدار اور عقل مند دیکھ کر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ نو برس کی عمر میں جنیو
ں کے گلے میں ڈالا اور اکیس[۲۱] برس کی عمر میں یہ ہونہار لڑکا تعلیم سے فارغ ہو گیا، اور
ر اسی کام میں مشغول ہو گیا۔ اس کی عقل کی بدولت سدھ راج جے سنگھ بھی اس
رہ لیتا اور باوجود جینی ہونے کے اس کی کافی عزت کرتا۔ ان کی کتاب[۲] پراکرت ویاکرن[۳]
ہور ہے۔ [۱۱۷۲ء] [۵۶۸ھ] میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ع الحکایات عوفی قلمی ص۹۳

اجے پال سولنکی

۱۱۷۴ء تا ۱۱۷۷ء
۵۷۰ھ ۵۷۳ھ

چونکہ کمار پال کے کوئی لڑکا نہ تھا، اس لیے اس کا بھانجا اجے پال راجہ ہوا[1]، یہ شیو مذہب کا تھا اور بڑا متعصب تھا، اس نے جین مذہب والوں پر بڑا ظلم کیا جینی علماء میں سے کپروی نامی کو کھولتے پانی میں ڈلوا دیا۔ رام چندر نامی وددان (عالم) کو جو ایک سو کتابوں کا مصنف تھا تپتے ہوئے تانبے کے پتر پر بٹھلا کر مار ڈالا۔ کمار پال کے بنوائے ہوئے اکثر مندروں کو گروا دیا۔ جینیوں کے سردار کو قتل کیا اور دربار کا بہترین اور مدبر سردار مرکھبٹ کو قتل کر دیا آخر وجے دیو ایک سپاہی نے کٹار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔

مول راج دوم سولنکی

۱۱۷۷ء تا ۱۱۷۹ء
۵۷۳ھ ۵۷۵ھ

اجے پال کے بعد اس کا لڑکا مول راج تخت پر بیٹھا۔ یہ بہت چھوٹا تھا اس سبب سے اس کی ماں نائکا دیوی حکومت کرتی تھی، مگر اصل اختیار اس کے چچا بھیم دیو[2] کو تھا۔ محمد شہاب الدین غوری نے جب گجرات پر حملہ کیا تو میدان جنگ میں نائکا دیوی مول راج کو گود میں لیے فوج کو ابھار رہی تھی، اور جوش دلا کر آخر کار کامیابی حاصل کی۔ دو برس کے بعد مول راج فوت ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس کا چچا تخت نشین ہوا اور اغلب ہے کہ اسی چچا نے اپنے لیے جگہ خالی کرانے کے واسطے مول راج کا کانٹا نکال باہر کیا ہو۔

---

[1] تاریخ گوجران ص ۱۸۵ میں اجے پال کا بھتیجا یعنی کمار پال کے بھائی ماہی پال کا لڑکا لکھا ہے۔
[2] مصنف تاریخ گوجران نے اس کو مول راج کا بھائی لکھا ہے۔ اگر حقیقی ہوتا تو یقیناً اس نادان بچہ کے عوض وہی تخت نشیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یا تو حقیقی بھائی نہ تھا، یا چچا ہی تھا۔

بھیم دیو دوم

سنہ ۱۱۷۹ء تا سنہ ۱۲۴۳ء
۵۷۵ھ ۶۴۱ھ

بھیم دیو چونکہ سادہ لوح اور احمق تھا، اس لیے اس کو بھولا بھیم بھی کہتے ہیں۔ جیت سی پرمار راجہ آبو کی ایک خوبصورت لڑکی تھی جو اجمیر کے راجہ پرتھی راج سے منسوب تھی۔ بھیم دیو نے اس کی خوبصورتی کا حال سن کر راجہ آبو سے اسے طلب کیا۔ جیت سی نے اس کو فوراً اجمیر روانہ کر دیا۔ اس بات سے بھیم دیو ناراض ہو کر اجمیر پر فوج لے کر چڑھ دوڑا، پرتھی راج کا باپ سومیشور تھا جو لڑائی میں مارا گیا اور فوج کو شکست ہوئی۔ بعد فتح اجمیر بھیم دیو گجرات واپس آیا۔ یہ خبر دہلی پہنچی تو پرتھی راج پینسٹھ ہزار فوج لے کر گجرات میں آ دھمکا۔ بھیم دیو کو شکست دے کر باپ کا بدلہ لیا، مگر خود بھیم دیو ہاتھ نہ آیا۔ سنہ ۱۱۹۳ء/۵۸۹ھ بماہ رمضان جیون رائے سپہ سالار بھیم دیو نے قلعہ ہانسی پر جو مسلمانوں کے ماتحت تھا، حملہ کیا، قطب الدین روکنے کے لیے آیا۔ جیون رائے واپس ہو گیا لیکن سنہ ۱۱۹۴ء/۵۹۱ھ میں قطب الدین ایبک نے جو غوری بادشاہ شہاب الدین کا گورنر تھا گجرات پر حملہ کیا، اور فتحیاب ہوا، قطب الدین کی واپسی پر بھیم دیو پھر انہلواڑہ یعنی پٹن پر قابض ہو گیا۔ سنہ ۱۱۹۵ء/۵۹۲ھ میں ہند کی متحدہ فوج کے ساتھ مل کر بھیم دیو نے اجمیر مسلمانوں سے چھین لینا چاہا مگر ناکام واپس آیا۔ سنہ ۱۱۹۶ء/۵۹۳ھ میں قطب الدین نے گجرات پر حملہ کر کے بدلہ لیا۔ بھیم دیو مزاج کا بڑا غصہ ور تھا اور اسی لیے لوگ اس کو مشورہ دیتے ہوئے ڈرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۲۲۴ء/۶۲۱ھ میں ماتحت راجاؤں نے بغاوت کی اور جے سنگھ سولنکی نے تو راج تک چھین لیا تھا۔ آخر بڑی مشکلوں سے اس نے بغاوت فرو کی اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت سنہ ۱۲۲۹ء/۶۲۶ھ میں پھر واپس لی۔

بھیم دیو نے بڑی عمر پائی اور تریسٹھ برس حکومت کی، مگر عمر بھر پریشان حال رہا۔ اصل یہ ہے کہ پرتھی راج اور قطب الدین کے حملے نے اس سلطنت کے کل پرزے ڈھیلے کر دیے اس کے

سبب سے جو بدنظمی ملک میں پھیلی اس کا تدارک نہ کرسکا۔ اس بدنظمی سے امراء اور گورنروں نے فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ طاقت ور ہوگئے، اور آخر اس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا ۱۲۴۲ء ۶۴۱ھ میں بھیم دیو فوت ہوگیا۔

تری بھون پال

۱۲۴۲ء ۶۴۱ھ

تری بھون پال باپ کے بعد گدی پر بیٹھا لیکن ملک میں بدنظمی کے سبب متعدد راجے زبردست ہوگئے تھے، ان میں سے ایک دھولکا کا باگھیلا خاندان تھا، یہ راجہ جب گجرات کا مالک بنا تو باگھیلا خاندان ملک کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہوچکا تھا، اور طاقت کے لحاظ سے پٹن کے راج سے زیادہ طاقتور تھا، چنانچہ ۱۲۴۴ء ۶۴۲ھ میں بیسل دیو باگھیلا اس (تری بھون پال) کو تخت سے اتار کر آپ قابض ہوگیا۔ یہ سولنکی خاندان کا آخری راجہ تھا۔ اس خاندان نے تقریباً تین سو برس حکومت کی، اور گیارہ ممبر اس خاندان کے حکمراں رہے۔

ایک تاریخ لکھنے والے کی حیثیت سے یہ میرا ایماندارانہ فرض ہے کہ جو کچھ میں صحیح سمجھوں وہ تحریر کردوں۔ بھیم دیو کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس سے سب سے بڑی غلطی جو ہوئی وہ یہ کہ جب غوری حملے شروع ہوئے اور ہندوستان کے بڑے بڑے راجہ مثلاً دہلی، اجمیر، قنوج، ماروا ڑ آبو نے متفقہ طور پر مدافعت کی کوشش کی تو اس نے صاف انکار کردیا، کیونکہ سولنکی اور چوہان آپس میں ایک دوسرے کے سخت جانی دشمن تھے۔ آبو کے پرمار راجہ نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح دونوں صلح کرکے متفقہ دشمن سے مقابلہ کریں، مگر بھیم دیو کسی طرح راضی نہ ہوا اور بڑا مغرورانہ جواب دیا کہ پہلے چوہان کو برباد کرلونگا تو پھر غوری سے بھی سمجھ لونگا۔ بعد کے واقعات نے اس احمقانہ خیال کی عملی تردید کی یعنی پہلے بھیم سولنکی نے آبو کے پرمار اور اجمیر کے چوہانوں کی طاقت توڑی۔ پھر پرتھوی راج چوہان (دہلی) نے سولنکی راج کا بھرکس نکال دیا، اور

غوری نے دہلی کے چوہانوں کا فاتحہ پڑھ دیا۔ اور قنوج کا راجہ نہایت اطمینان سے یہ سب کچھ دیکھتا اور بغلیں بجاتا رہا۔ اس نا اتفاقی اور خانہ جنگی نے ملکی سلطنتوں کا خاتمہ کر دیا۔

مجھے بحیثیت ایک تاریخ لکھنے والے کے اور ہندی ہونے کی حیثیت سے یہ بات بے شک میرے لیے روح فرسا ہے کہ اس خانہ جنگی کی بدولت لاکھوں کی دولت ہند سے باہر چلی گئی اور اسی خانہ جنگی کی بدولت ہند آج بھی تباہ اور مفلس ہو رہا ہے، کاش ہندستانی اس کو سمجھتے اور اپنے وطن کی تباہی اور مفلسی پر آنسو بہاتے

شجرۂ نسب خاندان سولنکی راجگان گجرات و کاٹھیاواڑ

- گوجر (تقریباً سنہ ۵۰ء)
  - سولنکی (تقریباً سنہ ۶۰ء)
    - کلیانی سولنکی ۶۰۰ء
      - بھوڑ ۶۹۶ء / ۷۷ھ
        - ...... نامعلوم اسماء
          - بھون دیت (سنہ ۹۲۰ء / ۳۰۸ھ)
            - راج (سنہ ۹۳۵ء / ۳۲۴ھ)
              - مول راج سولنکی (سنہ ۹۴۲ء / ۳۳۱ھ)
                - چاموڑ (سنہ ۹۹۷ء / ۳۸۷ھ)
                  - ناگ راج
                    - بھیم دیو اول (سنہ ۱۰۲۲ء / ۴۱۳ھ)
                      - شیم راج یا کھیم راج
                      - مول راج
                      - کرن (سنہ ۱۰۶۴ء / ۴۵۶ھ)
                        - سدھ راج (سنہ ۱۰۹۴ء / ۴۸۷ھ)
                  - ولب سین (چند ماہ)
                  - درلب سین (سنہ ۱۰۱۰ء / ۴۰۱ھ)
    - بھیلمانی سولنکی
      - امین لکھے سولنکی
        - بھٹھاکر فاتح و بانی ولبھی پور
          - خاندان ولبھی

- شیم راج[۲] یا کھیم راج
  - دیو پرشاد
    - تری بھون
      - کمار پال (۱۱۴۳ء / ۵۳۸ھ)
      - لڑکی
        - اجے پال (۱۱۷۴ء / ۵۷۰ھ)
          - مول راج (۱۱۷۷ء / ۵۷۳ھ)
        - بھیم دیو ثانی (۱۱۷۹ء / ۵۷۵ھ)
          - تری بھون پال ([illegible])

فصل ششم

خاندانِ باگھیلا (واگھے لا)

۱۲۴۲ء / ۶۴۰ھ تا ۱۳۰۴ء / ۷۰۴ھ

یہ خاندان بھی گوجر سولنکی کی ایک شاخ ہے۔ اصل یہ ہے کہ کمار پال سولنکی نے بھائی ارنوراج کو باگھیلا نامی ایک گاؤں دیا تھا جس کے سبب اس کا خاندان باگھ سے مشہور ہو گیا۔ بھیم دیو کے عہد میں باگھیلا خاندان زبردست ہو گیا، چنانچہ ارنوراج نے ثانی کو متعدد موقع پر بڑی قیمتی مدد دی۔ اسی لیے بھیم دیو نے ارنوراج کے بیٹے لون ؛ اپنا وزیر بنایا لیکن دونوں میں بنی نہیں اور نا اتفاقی ہو گئی۔ اس لیے لون پرشاد اور دھن دھوکا وغیرہ پر قبضہ کر کے الگ ایک راج قائم کیا اور اس کا صدر مقام قرار پایا۔ لون پرشاد کے فوت ہو جانے پر اس کا لڑکا ببر دھول (ویر دھول) بڑ نکلا۔ اس نے گودھرا اور کھنبایت فتح کر کے اپنے راج میں شامل کر لیے [illegible]

اس کے دو لڑکے تھے۔ بیرم دیو اور وی سل دیو۔ بیرم دیو چونکہ باپ سے ناراض ہو گیا تھا اس لیے بیرم گاؤں میں قیام اختیار کیا، اور اس گاؤں کو اُس نے اپنے نام سے موسوم کر کے بڑی رونق دی (غالباً اس گاؤں کا پہلے کچھ اور نام ہوگا۔ باپ کے مرنے پر سلطنت حاصل کرنا چاہی مگر ویر دھول کے وزیر وستوپال نے اس کو قتل کرا دیا، اور تخت حکومت وی سل دیو کے حوالے کیا۔ وستوپال اور تیج پال دونوں بڑے ہوشیار وزیر تھے۔ دونوں نے رفاہ عام کے کام بہت انجام دیے، یہ جینی تھے اس سبب سے جینی مندر بہت بنائے۔ آبو، گرنار اور شترنجہ وغیرہ پہاڑ پر اچھے اچھے جینی مندر بنائے، اکثر مقامات پر تالاب، کنوئیں، باولیاں بنوا کر لوگوں کو فائدہ پہنچایا، اس نے ایسے کاموں پر خزانہ کا روپیہ بے دریغ خرچ کیا۔

وی سل دیو باگھیلا

سنہ ۱۲۴۴ء تا سنہ ۱۲۶۴ء
۶۴۲ھ — ۶۶۳ھ

وی سل دیو بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے سب سے پہلے ایک خطرناک دوست یعنی وستوپال کو برطرف کیا، اور اس کی جگہ وزارت کا عہدہ ایک برہمن کو دیا، جس کا نام ناگر تھا۔ وی سل دیو نے اپنے تمام دشمنوں کو زیر کر کے مطیع کیا، کرناٹک کے راجہ نے اپنی بیٹی کے لیے سوئمبر رسم مقرر کیا، یہ بھی وہاں گیا، خوش قسمتی سے اسی کو کامیابی ہوئی یعنی راجہ کی لڑکی نے وی سل دیو کے گلے میں ہار ڈال دیا۔ چونکہ راجہ تری بھون پال سولنکی سے اسی نے حکومت حاصل کی اس لیے عام طور پر باگھیلا خاندان کا پہلا فرمانروا یہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے تمام قدیم مندروں کی مرمت کرائی۔ ڈبھوی کا قلعہ تعمیر کرایا، اور اسی کے پاس کرملک تالاب بنوایا، جس کے بنانے میں مسلمان انجنیر بھی شریک تھے۔

ارجن دیو باگھیلا (سنہ ۱۲۶۴ء تا سنہ ۱۲۷۵ء — ۶۶۳ھ تا ۶۷۴ھ) اپنے باپ کے مرنے پر راج کا مالک ہوا۔ سومنات کے کتبے سنہ ۱۲۶۴ء میں اس کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ اس کے عہد میں مسلمان بھی حاکم تھے، جن

میں سے ایک کا نام ہرمز (غالباً ایرانی مسلمان ہوگا) اور دوسرے کا خواجہ ابراہیم ناخدا تھا، ہرمز نے بلاول پٹن میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی اور غالباً اسی جگہ کا حاکم ہوگا، اور میرا خیال ہے کہ شاہ بندر (پورٹ کمشنر) ہوگا۔ اسی عہد میں احمد آباد سے متصل (غالباً اساول میں) مسلمان تاجروں نے ایک مسجد بنوائی جس کا کتبہ اس وقت حضرت پیر محمد شاہ کی مسجد میں صدر محراب پر بخیال حفاظت لگا دیا ہے، جس میں ۶۷۵ھ تحریر ہے۔

سارنگ دیو باگھیلا ارجن دیو باگھیلا کے بعد اس کا بیٹا سارنگ دیو گجرات پر حکمراں ہوا **۱۲۷۶ء ۶۷۴ھ تا ۱۲۹۷ء ۶۹۷ھ** آبو کے کتبہ ۱۲۹۴ء سے معلوم ہوتا ہے کہ بی سل دیو چندراوتی کا راجہ اس کا باج گزار تھا۔

کرن دیو باگھیلا

۱۲۹۷ء ۶۹۷ھ تا ۱۳۰۴ء ۷۰۴ھ

سارنگ کے بعد کرن دیو تخت نشین ہوا، اس کے دو وزیر تھے، ایک کا نام مادھو اور دوسرے کا نام کیشو۔ دونوں بھائی قوم کے ناگر تھے، مادھو کی بیوی بڑی خوبصورت تھی، کرن اس پر عاشق ہوگیا، اس کے لینے کی تدبیر یہ کی کہ مادھو کو کشمیر گھوڑے لینے کے لیے بھیج دیا اور کیشو کو ایک جنگ میں بھیجا، اور عورت پر بہ جبر قبضہ کیا۔ جب کیشو واپس آیا تو اس کو سخت غصہ آیا اور لڑکر مارا گیا۔ مادھو کو جب یہ خبر لگی تو مع تمام گھوڑے واسباب کے دہلی علاء الدین خلجی کے پاس پہنچ گیا، جو اس وقت شمالی ہند کا بڑا زبردست بادشاہ تھا، مادھو نے علاء الدین کو گجرات فتح کرنے کی ترغیب دی، اور اپنی امداد کا یقین دلایا۔ چنانچہ علاء الدین نے ایک جنرل کے ماتحت فوج بھیج دی۔ کرن گجرات چھوڑکر دکن چلا گیا۔ گجرات اس دن سے مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا

راجہ کرن جس کو گھیلا (احمق) کرن بھی کہتے ہیں اس خاندان کا آخری راجہ تھا جس کے

بعد پھر اس ملک میں گوجر راجپوت کی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

شجرۂ نسب باگھیلا خاندان

گوجر قوم

پمار راجپوت — سولنکی راجپوت

ابتداء عہد کمار پال (باگھیل گاؤں کا زمیندار) سنہ ۱۱۴۳ع ۵۳۸ھ کمار پال کا چچا — کمار پال سولنکی کا باپ

ابتداء عہد بھیم دیوثانی تعلقہ دار سنہ ۱۱۷۹ع ۵۷۵ھ ارنو راج

وسط عہد 〃 راجہ۔ صدر مقام دھولکا سنہ ۱۱۹۵ع ۵۹۲ھ لون پرشاد

آخر عہد 〃 ایضاً سنہ ۱۲۳۳ع بیر دھول سنہ ۱۲۳۸ تک

تری بھون پال سولنکی کو معزول کردیا اور خود تخت نشین ہوا — مہاراجہ گجرات صدر مقام انہلواڑہ سنہ ۱۲۴۴ع ۶۴۲ھ بیسل دیو — بیرم دیو صدر مقام بیرم گام سنہ ۱۲۴۳ع تک

ابتداء عہد غیاث الدین بلبن 〃 سنہ ۱۲۶۴ع ۶۶۳ھ ارجن دیو

معز الدین کیقباد و جلال الدین خلجی 〃 سنہ ۱۲۷۵ع ۶۷۴ھ سارنگ دیو

ابتداء عہد علاء الدین خلجی۔ صدر مقام پٹن پھر باگلانہ سنہ ۱۲۹۷ع ۶۹۷ھ کرن دیو

علاء الدین خلجی شہنشاہ دہلی سنہ ۱۳۰۶ع ۷۰۶ھ میں خلجی سلطنت کامل طور سے گجرات پر قابض ہوگئی۔

باب (۲) دوم

فصل اوّل

عرب و ہند کا قدیم تعلق

گجرات کا ملک قدرتی طور پر کچھ ایسا واقع ہے کہ اس کے مغربی حصّہ کو بحیرۂ عرب گھیرے ہوئے ہے، اس کے سامنے عمان ہے، اس کے داہیں خلیج فارس اور اس کے بائیں طرف خلیج عدن ہے جس کے سامنے ہی افریقہ ہے۔ عدن یمن کی پرانی بندرگاہ ہے اور حضرموت گجرات کے سامنے واقع ہے، پس اس طبعی سہولتوں کے سبب آپس میں تجارتی تعلقات کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ تاریخی شہادت سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ملک عرب میں سے یمن اور حضرموت خصوصیت سے وہ ملک ہیں جن کا گہرا تعلق ہندوستان (سواحل گجرات) و مالابار سے رہا ہے۔ ان عربوں کی آمد و رفت بحری راستہ سے ہوتی تھی، اور یہ لوگ جہازرانی میں بڑے ماہر تھے۔ چنانچہ آج تک حضرمی اور عدنی کشتی رانی میں مشہور ہیں۔ یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ ہندوستان سے اکثر عربوں کے تعلقات رہے ہیں، بلکہ یہ ملک عرب کو اس قدر پیارا تھا کہ اس کے نام (ہند) کو انھوں نے عشق و عاشقی کا موضوع قرار دیا۔ یہاں تک کہ ہند کے کسی خاص حصّہ کی (غالباً سندھ ہوگا) آبادی کو بھی عربی النسل کہا کرتے تھے۔ شعوبیہ جو عربوں کی دشمنی میں مشہور فرقہ ہے اس دعوے کا بڑا مضحکہ اڑاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

تقولون ان الهند اولاد خندف　　وبينكم القربى وبين البرابر

"اے عرب تم کہتے ہو کہ ہندوستان خندف (ایک عرب کا نام تھا) کی اولاد ہیں اور تم میں اور بربر میں قرابت ہے"

عربوں کا تو یہ بھی دعویٰ ہے کہ قبل مسیح وہ سندھ اور گجرات پر حکمراں رہے ہیں جیسا کہ ایلیٹ صاحب کی تاریخ ہند میں عربوں کی سلطنت قدیم سندھ کا تذکرہ موجود ہے، لیکن جب تک علم الآثار اور دیگر یقینی دلائل سے اس کا ثبوت نہ مل جائے اس پر یقین کرنا مشکل ہے بعض عربی سنسکرت الفاظ کے اشتراک سے بھی ثابت کیا گیا ہے، اور بطور دلیل کے پیش نظر رکھا گیا ہے[1]۔ مثلاً

عربی	سنسکرت	معنی	عربی	سنسکرت	معنی
شتا	شترا	سردی	ارم	آرام	آرام
بین	بن	زمین سطح جنگل	سریر	شریر	قرارگاہ سر۔ بدن
کشر	کشیر	سفیدی۔ دودھ	دینار	دینار	سونا۔ سکہ
شک	شنک	شبہ	بدن	بدن	بدن

لیکن اس سے بھی صرف اسی قدر ثابت ہو سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں دونوں کے تعلقات اس قدر گہرے تھے کہ زبان تک متاثر ہو گئی مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ عرب نے سنسکرت پر اثر کیا یا اس کا برعکس، اس کا فیصلہ دشوار ہے۔ قدیم عربوں کے تجارتی حالات کا پتہ کچھ تو تورات اور زیادہ تر یونانی اور عبرانی تاریخوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ ان تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار برس قبل مسیح سے برابر ان خدمات کو ادا کرتے رہے اور مشرق و مغرب میں بیچ کی کڑی رہے۔ ہندوستان سے مال تجارت بحری راستوں سے آکر یمن اور حضرموت کے سواحل پر اترتا اور یہاں سے براہ خشکی بحر احمر کے کنارے کنارے شام پہنچتا اور بحر روم ہو کر یورپ چلا جاتا، یا شام کی سرحد سے مصر اور اسکندریہ سے یورپ روانہ ہو جاتا۔ یہ راستہ یونانی بطلیموس کے قبضہ مصر تک برابر آباد رہا۔ لیکن تجارتی رقابت کے سبب بطلیموسی سلطنت نے مصر سے ہند تک کا براہ سمندر سیدھا راستہ اختیار کیا، کیونکہ خشکی کا راستہ ان سواحلی عرب تاجروں کے سبب محفوظ نہ تھا۔ اس دن سے عرب تاجروں

---

[1] تاریخ عرب قدیم ص ۸۳ - ۸۴ مطبوعہ نول کشور۔

کی آمد کم ہوگئی۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کا مضمون نگار "عرب" لکھتا ہے:۔

"جنوبی مغربی عرب (حضرموت، یمن) کی خیر و برکت کا بڑا سبب اس زمانہ میں یہ تھا کہ مصر اور ہند کے درمیان کا تجارتی سامان پہلے سمندر کی راہ سے یہاں آتا تھا، اور پھر خشکی کے راستہ سے مغربی ساحل پر جاتا تھا۔ یہ تجارت اب اس عہد میں مسدود ہوگئی، کیونکہ مصر کے بطلیموس بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک براہ راست ایک راستہ بنالیا۔

یمامہ کا پایۂ تخت قریہ، حضرموت کا بندرگاہ قانہ لوۂ معین و عدن سبائی تجار کے مرکز تھے، یہ عرب مندرجہ ذیل اشیاء کی تجارت کرتے تھے۔

(۱) کھانے کا مسالہ (۲) خوشبودار چیزیں (۳) سونا (۴) جواہرات (۵) لوہا (۶) کپڑا (۷) چمڑا (۸) بھیڑ (۹) بکری (۱۰) زین پوش وغیرہ۔

دو ہزار سال قبل مسیح میں جو عرب تجار مصر کو جاتے ہوئے تاریخ میں نظر آتے ہیں وہ اکثر انہی اشیاء کے تاجر تھے، چنانچہ سنہ ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ سبا (یعنی عرب) کا سونا طلب فرماتے ہیں۔ سنہ ۹۵۰ ق م میں ملکۂ سبا حضرت سلیمانؑ کے پاس جو تحفہ لائی تھی، اس میں خوشبودار اشیاء، سونا، جواہرات تھے۔ اشعیا نبی کے وقت (سنہ ۸۰۰ ق م) میں صنعاء (یمن) سے شام کو فولاد تیز پات اور مسالہ جاتا تھا، جواہر اور سونا عمدہ خوشبوئیں حاران، قانہ اور عدن کی راہ سے آتی تھیں۔ سنہ ۳۰۰ ق م سے پہلی صدی ق م تک مصر میں یونانیوں کی حکومت تھی اور مصر و عرب میں چولی دامن کا ہمیشہ سے ساتھ رہا ہے۔ اس بنا پر وہ عرب اور قوم سبا سے خصوصاً بہت ہی اچھی طرح واقف ہیں چنانچہ سنہ ۱۹۴ ق م میں یونانی مورخ اراٹوستھینس عرب کے متعلق لکھتا ہے:۔

"عرب کی انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند و عرب) کے پہلو میں سبا کے لوگ ہیں جن کا دار الحکومت مارب ہے یہ قطع ملک مصر زیریں سے بڑا ہے۔ گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہو جاتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں اسی سبب سے

زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہو کہ تخم ریزی وہاں سال میں دُو دفعہ ہوتی ہے حضرموت سے سبا تک چالیس روز کا راستہ ہو اور معین سے سوداگر سترون میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔ حضرموت، معین، سبا کے ملک خوش و خرم ہیں ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں" الخ

اس سے پچاس برس بعد ایک دوسرا یونانی مورخ اگاتھرشیدس ۱۲۵ق م عرب کے متعلق ذیل کی باتیں ہم کو بتاتا ہو:۔

سبا عرب میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں زمین جو سمندر کے متصل ہو اس میں بلساں اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہو درختوں کے اقسام کی کثرت تنوع سے ہر قسم کا نام اور وصف مشکل ہو۔ جو خوشبو ان میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہوسکتی۔ جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل پر سے ہوا چلتی ہو تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں، اور کاٹ کر ان کا انبار نہیں لگاتے ہیں لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں اس لیے جو شخص ساحل سے گزرتا ہے آبحیات کا لطف گویا اٹھاتا ہے، بلکہ یہ تشبیہ بھی ناکافی ہے..... تمام دنیا میں سبا سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے۔ بُعد کے سبب کسی نے اس کو فتح نہیں کیا۔ اسی لیے خصوصاً اس کے دار الحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں، تخت اور پیش گاہیں ہیں، جن کے ستون زرنگار ہیں، نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ ایوان اور دروازے زرد جواہر سے منقش ہیں۔ اسی قسم کی زیب و زینت یہ نہایت ہنرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔ الخ

اس کے بعد پھر پچاس برس بعد جب کہ سبا کی تجارتی منڈیاں لوٹ گئیں، تقریباً غیر ممالک کی آمدورفت بند ہوگئی۔ ملک میں تمدنی بیماریوں نے پھیل کر لوگوں کو سست کاہل بنا دیا ہے لوگ زیادہ تر کاشتکاری میں مصروف ہوگئے ہیں اور صرف تھوڑے سے تاجر لوگ ہیں۔ جو کم ہمتی اور آرام طلبی سے دور دراز مقامات پر نہیں جاتے بلکہ حبشہ سے صرف شام تک سفر کرتے ہیں۔ اُن کی داستان یونانی مورخ آرٹی میڈوروس سنہ ... قوم کی زبانی سننے کے لائق ہے وہ کہتا ہے کہ "سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر زنانہ خوش حالی میں واقع ہے (یعنی عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں) میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست و کاہل، ناکارہ ہوگئے ہیں۔ خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹے رہتے ہیں، جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے اور کچھ ملکی و غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں، قرب و جوار کے قبائل سے سبا تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اس طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں۔ عربوں کے ان حالات کے تحریر کرنے سے میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ناظرین کو بتفصیل معلوم ہو جائے کہ یمنی عرب کی قوم سبا ایک تجارت پیشہ قوم تھی جو ساحل ہند سے لے کر اسکندریہ تک کی تجارتی منڈیوں پر قابض تھی۔[1]

میں اس سے قبل تاریخی شہادت سے بتا چکا ہوں کہ عرب کس کس اشیاء کی تجارت کرتے تھے۔ اب صرف قابل سوال یہ امر ہے کہ یہ چیزیں کہاں سے آتی تھیں۔ اس کا جواب یونانی، رومی اور عرب مورخین دیتے ہیں کہ ان میں سے بعض چیزیں ہند سے اور کچھ سواحل افریقہ سے آتی تھیں اور باقی خود ملک عرب میں پیدا ہوتی تھیں۔ جیسا کہ اوپر یونانی مورخین کے بیان میں گزرا۔ عرب مورخین خصوصاً ہمدانی نے بتفصیل اُن نباتات اور درختوں کا حال

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ارض القرآن، بیان سبا۔

لکھا ہے جو ملک میں پیدا ہوتے تھے۔ لوبان اور زعفران کی نسبت لکھتا ہے کہ اسی جگہ سے تمام دنیا میں جاتے ہیں قسم قسم کے پھول اور نباتات یمن اور نجد میں پیدا ہوتے ہیں، عرب میں کثرت سے سونے اور جواہر کی کانیں تھیں اور اب بھی ہیں۔ ہمدانی نے ایک ایک کے نام گنائے ہیں۔ یہ سب صحیح لیکن جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ تمام دنیا دیوتاؤں کی پرستش پر مائل تھی۔ ان دیوتاؤں کے لیے بڑے بڑے محل مندر تیار کر کے چڑھاوے کے ساتھ لوبان جلایا جاتا تھا۔ اور خوشبودار لکڑیاں (مثل عود، صندل وغیرہ) ہر وقت جلتی رہتی تھیں۔ بدیں سبب ہندستان سے لے کر یورپ تک ان چیزوں کی مانگ تھی لیکن عرب تجار جو دنیا کی بڑی بڑی منڈیوں پر قابض تھے دنیا کی مانگ کو صرف اپنے گھر سے پورا نہیں کر سکتے تھے اس لیے قدرتی طور پر ان کو اس کی تلاش ہوئی کہ یہ مانگ اور کہاں سے پوری کی جا سکتی ہے۔ اسی جدوجہد کا نتیجہ ہند کے ساتھ ان کا تجارتی تعلق قائم ہونا ہے۔ چمڑا، زین پوش، گلنگہ (ایک قسم کی خوشبودار پتی) جوتری، ہڑ بھیڑا، آبنوس، کچھوے کی ہڈی، کباب چینی، مخمل، رانگا، لوبان، بید، مصبر، ہاتھی کے دانت، مختلف نباتات کے تاروں کا کپڑا[1]، ہلدی، لونگ، الائچی سیاہ مرچ، دارچینی، ڈلی، ناریل، املی۔ یہ وہ اشیا ہیں جو خصوصیت سے عرب تاجر جنوبی ساحل اور جزائر ہند سے یمن لے جایا کرتے تھے۔ گزشتہ تاریخی بیانات کے علاوہ زندہ مثال آج بھی موجود ہے کہ یہ چیزیں اس جگہ سے باہر جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان چیزوں کے اکثر نام عربی زبان میں سنسکرت سے لئے ہوئے ہیں۔ مثلاً مشک، فلفل کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل، قرنفل، جائفل وغیرہ۔ اسی طرح بعض ناموں کے ساتھ لفظ ہندی لگا کر استعمال کرنے سے اس کا پتہ چلتا ہے، جیسے عود ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی۔ بہترین فولاد کے اوزار اور تلواریں ہندستان ہی سے جاتی تھیں اسی لیے عربی میں ہندی اور مہند بطور وصف تلوار کے استعمال کیا جاتا ہے، اور آج بھی سروہی[2] اس

---

[1] تمدن عرب ترجمہ بلگرامی [2] سروہی کوہ آبو کے پاس ایک پہاڑی مقام ہے یہاں کی تلوار کٹار بہت مشہور ہے

کے یے مشہور ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:۔

الخیل تشہد یوم داھر والقنا   محمد بن القاسم بن محمد

داہر سے جنگ کے دن گھوڑے، نیزے اور محمد بن قاسم بن محمد گواہ ہیں۔

انی فرجت الجمع غیر معرد   حتی علوت عظیمھم بمھند[1]

کہ میں نے لشکر کو شکست دی اور ہندی تلوار سے اُن کے راجہ کو رکھ لیا۔

گو کہ مورخ ہمدانی اپنی کتاب صفۃ جزیرۃ العرب[2] میں عرب کی متعدد کانوں کا ذکر کرتا ہے صرف یمامہ اور نجد میں سونے کی چھ کانیں وہ بتاتا ہے، سونے کے علاوہ چاندی، تانبا اور عقیق کی بھی کانیں بتائی ہیں۔ کل کتاب میں ستر۷۰ کانوں کا ذکر ہے۔ مجھے اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن مانگ کی زیادتی کے سبب سے چاندی، سونا اور عقیق ہندستان سے بھی وہاں جاتا ہو تو کیا تعجب ہے۔ چنانچہ آج بھی عقیق کھنبایت سے باہر ملکوں میں بہ کثرت جاتا ہے اور باوجود ہندستان میں چاندی اور سونے کی کان ہونے کے بہ کثرت امریکہ اور افریقہ سے چاندی اور سونا آتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اشعیا نبی کے وقت میں عمدہ خوشبو، جواہر، سونا یمن کے بندرگاہ عدن اور حضر موت کے قافلے سے شام جاتے ہوئے جو نظر آتے ہیں وہ ہند ہی سے گیا ہو، جیسا کہ مورخ جوزیفس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ سوپارہ اور اور کھ (متصل بھڑوچ) بندر سے حضرت سلیمانؑ کے عہد میں تجارت ہوتی تھی۔ ہاتھی دانت، بندر، مور وغیرہ فلسطین جاتے تھے[3]۔

اسی طرح کپڑے کی تجارت بھی ان عربوں کا محبوب مشغلہ تھا، اور یمن اس کا مرکز تھا، یمنی چادریں زمانۂ اسلام تک مشہور تھیں۔ اس لیے اس میں کلام نہیں کہ خود یمن میں کپڑے کی کارگاہیں موجود تھیں۔ مگر کپڑوں کے بعض نام ہندی الاصل ہونے کے سبب یقین سے

---

[1] بلاذری ذکر فتح سندھ   [2] کتاب مذکور مطبوعہ لیڈن ص ۱۵۴

[3] بو دھ مت ہند ص ۲۸ مطبوعہ حیدر آباد دکن

کہا جاتا ہے کہ ہندستان سے بھی کپڑے جایا کرتے تھے۔ ان میں ململ اور چھینٹ اور رومال خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جن کو عربی میں قرفس (کرپاس یعنی روئی) شیت (چھینٹ) اور فوطہ (تولیہ) کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مصر کی ممی میں بعض کپڑے ہندستان کے بُنے ہوئے ملے ہیں۔ کیا بنگالہ کے جادوگر مصر کے دیوتاؤں پر بھی موثر تھے؟ خود بھروچ میں بھی قبل مسیح اچھے کپڑے بنے جاتے تھے، یہ پہلی صدی ق م تک کے حالات ہیں۔ پہلی صدی عیسوی میں مشہور مؤرخ پلینی رومی ایک مقام پر شکایتاً لکھتا ہے کہ روم کی دولت بیس لاکھ پونڈ سالانہ ہندستانی سامان کے عوض چلی جا رہی ہے۔ (رسالہ نگار ص۱۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

اس کے سو برس بعد یعنی ۱۵۰ء میں بطلیموس جو مشہور جغرافیہ نویس ہے، اس نے عرب کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل کیے ان کا بیشتر حصہ وہ ہے جو عرب تاجروں سے سُنے۔ کیونکہ اس وقت بھی اسکندریہ عرب تاجروں کا مرکز تھا جن کی تجارت کی گرم بازاری رومیوں کی بحری جہازرانی کے سبب اگرچہ سرد پڑ گئی تھی پھر بھی مفقود نہیں ہوئی تھی۔ تیسری صدی سے لے کر چھٹی صدی تک رومیوں کی بدولت اس قدر سیاسی انقلاب برپا ہوئے کہ نہ صرف بیرونی تجارت کو نقصان شدید پہنچا بلکہ خود عرب میں امن کامل قائم نہ رہا اور اس طرح عربوں کی تجارت سمٹ کر عرب ہی تک محدود ہو گئی یعنی عرب تاجر یمن سے لے کر شام میں فروخت کر کے واپس آ جاتے۔ عرب کی قوموں میں اہل سبا زیادہ تر تو برباد ہو چکے تھے البتہ خاندان حمیر نے اس کو کچھ سنبھالا لیکن تبابعہ کے زمانہ میں یمنی عرب تاجر سیاسیات میں بیحد مشغول رہے اور رومیوں نے ان کا راستہ بند کر دیا۔ پس سیاسی و مذہبی رقابت کے سبب تجارتی لائنوں میں کچھ زیادہ ترقی نہ کر سکے۔ کیونکہ یہودیت (اہل یمن) وعیسائیت (اہل حبش وروم) کا مذہبی تصادم ایک طرف اور دوسری جانب شام، مصر، حبش پر رومیوں کے قبضہ نے تمام راستے مسدود کر دیے۔ اس لیے بیرونِ ملک کی تجارت تو بند ہو گئی، خود اندرون ملک کی تجارت بھی یمنی لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر حجازی لوگوں کے قبضہ میں چلی گئی اور اس طرح ہندستان

کی تجارت کا زور گھٹ گیا اور اس کا بیوپار بہت کم ہو گیا۔ قبل مسیح سنسکرت کی کتابوں میں جو "یون" نام آتا ہے میرے خیال میں وہ اسی یمن کا بگڑا ہوا لفظ ہے۔ اس وقت تک جو کچھ بیان ہوا وہ جنوبی عرب (یمن) کے تاجروں کا حال تھا۔ تیسری صدی ق م میں یونانیوں نے ہندوستان سے خشکی کے ذریعہ یورپ تک کا راستہ کھول دیا تھا اور اس لیے روز بروز اس راستہ سے تجارت کو ترقی ہوتی گئی۔ تیسری صدی مسیحی میں اس تجارت کو بڑا فروغ ہوا جس کے نتائج یہ نکلے کہ یمن کی تجارت قطعاً بند ہو گئی، مگر عمان کی تجارت رونق پر آگئی، بھروچ کو گو تنزل ہو گیا مگر سپارا (سوپارہ) جو تھانہ کے پاس ایک بندرگاہ تھا بڑا بارونق بن گیا۔ یہاں سے مال خشکی کی راہ سے ایران جاتا اور ایران سے عمان اور عمان سے پھر یہ قریشی یا حجازی تاجر شام تک پہنچا دیتے۔ یہ بیان قدیم ہندو تاریخ کا ہے۔ کیونکہ ان صدیوں میں عربوں کا نام کسی جگہ نہیں آتا ہے۔ ان کی بجائے یونانیوں اور ایرانیوں کا بہ کثرت آتا ہے اور اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ براہِ راست عربوں کے ساتھ تجارتی تعلقات سواحلِ ہند سے منقطع ہو گئے تھے لیکن میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ یمن والوں کی تباہی کے بعد ہندیوں نے یمن کے بجائے عمان براہ راست جہازات بھیجنے شروع کر دیے، ہندیوں کو بحر احمر کا خطرناک سفر کر کے شام یا مصر جہازات لیجانے سے یقیناً یہ راستہ محفوظ تھا کہ ہندوستان کے کنارے کنارے اپنے جہازات ساحلِ عمان جا کر اُتار دیں، جیسا کہ تاریخ ہند (مؤلفہ ذکاء اللہ) میں یہ بات لکھی ہے۔ پس میرے خیال میں گجرات سے دو کارواں جاتے تھے اول براہ خشکی ایران ہوتے ہوئے یورپ کو نکل جاتے یا صرف ایران جا کر مال فروخت کر کے واپس آجاتے اور ایران والے مال یورپ کو پہنچاتے۔

دوسرا بحری راستہ تھا یعنی گجرات کاٹھیاواڑ کے کنارے کنارے ساحل عمان پہنچ کر مال اُتار دیتے۔ جہاں سے قریش (اہل مکہ) و دیگر تجار مال لے کر تمام عرب و شام میں فروخت کرتے۔ یہ حال میرے خیال میں ظہورِ اسلام تک برابر رہا۔

فصل دُوم

ہند میں مسلمانوں کی آمد

یوں تو عرب اور ہند کا تعلق تجارتی طور پر برسوں سے تھا لیکن خاص مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں خود حضرت محمد صلعم کے وقت سے شروع ہوئی۔ تحفۃ المجاہدین کی روایت اگر صحیح مانی جائے تو دعوتِ اسلام عہد نبوی میں راجہ ملیبار کو پہنچ چکی تھی، اور ایک وفد ملیبار سے مدینہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول کے عہد میں آیا تھا جس کی واپسی پر راجہ ملیبار نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد ۶۳۶ء/۱۵ھ میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب عثمان بن العاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر بنایا تو ثقفی نے تھانہ[1] (علاقہ بمبئی) پر فوج کشی کے لیے ایک فوج مقرر کی جو سالم و غانم

---

[1] تھانہ ہندستان کے مغربی ساحل کا وہ حصہ جو سمندر اور پہاڑ کے درمیان ہو۔ دو حصوں پر منقسم ہے۔ جنوبی حصہ کو ملیبار اور شمالی کو کونکن (کوکن) کہتے ہیں۔ تھانہ میں رتنا گرھی اور کولابہ (قلابہ) کے اضلاع اور ساونت واڑی اور جنجیرہ (جزیرہ) کی ریاستیں گوا اور بمبئی کا شہر اس میں شامل ہیں۔ اس علاقہ کا طول ۳۳۰ میل اور عرض ۲۵ سے ۵۰ میل تک ہو۔ تھانہ کا شہر بمبئی سے بیس میل کے فاصلہ پر جزیرہ ساسٹ پر واقع ہو۔ ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند میں تھانہ کو کوکن کا پایہ تخت لکھا ہو۔ رشید الدین نے جامع التواریخ میں اس کو کوکن تھانہ لکھا ہے۔ ابوالفدا نے لکھا ہو کہ یہ ایک بہت بڑا شہر ہے اور ایک قسم کا کپڑا جس کو تناسی کہتے ہیں وہاں سے آتا ہو۔ مارکوپولو کے زمانہ میں (۱۲۹۲ء/۶۹۱ھ) ایک ہندو راجہ رہتا تھا۔ لیکن اس کے جانے کے کچھ دنوں بعد بہ عہد قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے اس کو فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کر لیا گیا۔ باربوزا ایک پرتگیزی سیاح نے اس کا نام تھانہ ممبو لکھا ہے۔ ممبو سے اس کی مراد بمبئی ہے۔ ۱۵۳۳ء/۹۴۰ھ میں اس پر پرتگیزوں نے قبضہ کر لیا اور ۱۷۳۹ء/۱۱۵۲ھ میں مرہٹوں نے اُن سے چھین لیا۔ اور ۱۷۷۴ء/۱۱۸۸ھ میں برٹش گورنمنٹ کے قبضہ میں آیا۔ موجودہ آبادی پندرہ ہزار کے قریب ہے۔ کتاب صبح الاعشیٰ میں ہو کہ یہ شہر ساحل بحر پر اقلیم اول میں واقع ہو۔ اس کا طول بلد ۱۱۴ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض بلد ۱۹ درجہ ۲۰ دقیقہ ہے۔ اور یہ گجرات کی آخری مشرقی حد ہے یہاں سے (باقی بر صفحہ ۱۱۰)

واپس آئی۔ اس فوج کا افسر گورنر عمان کا بھائی حکم بن العاص تھا۔ باوجود ممانعت حضرت عمرؓ کے دوبارہ حکم بن العاص نے بھروچ پر حملہ کیا جس کو عربی میں (بروص) کہتے ہیں اور جو اپنی لاکھ اور نیل کی تجارت کے لیے مشہور اور قدیم بندر تھا۔ اور اپنے بھائی مغیرہ بن العاص کو دیبل[1] پر حملہ کرنے کو بھیجا۔ جہاں دشمنوں پر کامیاب ہوئے۔

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو عبداللہ بن عامر بن کریز گورنر عراق کو لکھا کہ ہندستان کی حالت دریافت کرنے کے لیے کسی کو بھیجو تو حکیم بن جبلہ العبدی کو بھیجا جب وہ واپس آیا تو حضرت عثمانؓ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ ابن جبلہ نے حالات ہند سندھ پر قیاس کر کے اس طرح بیان کیے کہ حضرت عثمانؓ اپنے ایام خلافت میں اس طرف متوجہ نہ ہو سکے ۶۵۹ء ؁۳۹ھ میں حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم نے حارث ابن مرہ العبدی کو اس طرف آنے کی اجازت دی اس نے کئی جنگوں میں کامیابی حاصل کی اور آخر ۶۶۲ء ؁۴۲ھ میں مارا گیا۔ پھر ۶۶۴ء ؁۴۴ھ میں بہ عہد امیر معاویہؓ مہلب بن ابی صفرہ نے متواتر حملوں میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد سے متواتر حاکم آنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۹) نیزے اور طباشیر تمام دنیا میں جاتا ہے اور تانشیہ کپڑا یہاں کا مشہور ہے (جلد ۵ ص ۱، ۲ مطبوعہ مصر) مارکو پولو لکھتا ہے کہ یہاں کا بادشاہ خود مختار ہے اور یہاں کی زبان الگ ہے (غالباً کوکنی ہوگی) اس ملک میں مسالہ وغیرہ تو پیدا نہیں ہوتا۔ مگر دھوپ اور گوگل جو ایک قسم کے بخور ہیں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور غیر ملک کے جہاز چیزیں لاد کر لاتے ہیں اور یہاں ان کو فروخت کر کے اور چیزیں اپنے ملک کو لیجاتے ہیں۔ سوداگر یہاں سے سونا، چاندی، تانبا، روئی اور دیگر چیزیں لیجاتے ہیں۔ یہاں کے حاکم کے حکم سے سوداگروں کے جہاز لوٹے جاتے ہیں۔ سب قسم کے مال خود لیتے ہیں، مگر گھوڑے راجہ کو نذر کرتے ہیں۔ غالباً اسی سبب سے مبارک خلجی نے اس کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا تاکہ تاجر محفوظ رہیں۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] دیبل دراصل معرب ہے دیول کا جس کے معنی مندر کے ہیں، چونکہ ایک مشہور دیول تھا، اسی لیے اس نام سے شہر مشہور ہو گیا۔ یہ سندھ کا مشہور قدیم بندرگاہ تھا، جو عرصہ تک پایہ تخت بھی رہا ہے یہ بندر لاہری سے صرف پانچ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ فرشتہ اور ابوالفضل نے دیبل اور ٹھٹھہ کو ایک شہر سمجھا ہے، حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔ ٹھٹھہ کوئی قدیم شہر نہیں ہے، یہ علاءالدین خلجی کے عہد میں آباد ہوا ابن بطوطہ نے امیر علاء الملک کے ساتھ سندھ میں جن کھنڈرات کو دیکھا تھا وہ جنرل کننگھم صاحب کی تحقیقات کے بموجب وہ اسی دیبل کے تھے۔ بندر لاہری کی آبادی نے اس کو ویران کر ڈالا۔ ۶۷ درجہ ۲۱ دقیقہ طول بلد اور ۲۴ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض بلد پر واقع ہے (حاشیہ ابن بطوطہ۔ لاہور)

لگے جن کے قبضہ میں ہند اور سندھ کے سرحدی اراضی بھی تھیں اور بار بار ملک کے اصلی باشندوں پر حملے کرتے تھے جس میں کبھی غالب رہتے تھے اور کبھی مغلوب، میرے خیال میں ان کی حیثیت اور پوزیشن وہی تھی جو پشاور کے چیف کمشنر کی سرحدی علاقوں کے لیے تھی۔ مہلب کے بعد یکے بادیگرے جو افسر آئے اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) عبداللہ بن سوار العبدی (۲) راشد بن عمرو الجدیدی الازدی (۳) سنان بن سلمہ الھذلی (۴) زیاد المنذر بن جارود العبدی (۵) عبداللہ بن زیاد الباہلی (۶) سعید بن اسلم الکلابی (۷) مجاعہ بن سعر التیمی (۸) محمد بن ہارون النمری (۹) عبداللہ بن نبہان[1]

۸۶ھ میں جب ولید بن عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن ہوا تو حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا جس کے ماتحت بلوچستان، مکران اور سندھ کے سرحدی علاقے تھے۔ ولید بن عبدالملک ہی تمام خلفاء میں ایسا خلیفہ تھا جس کے ماتحت ایشیا، یورپ، افریقہ کا بڑا حصہ تھا خالص عربی النسل خلفاء میں اس جیسا شاندار اور کثیر المقبوضات پھر کوئی نہ ہوا۔ قدرتی طور پر ایسے بادشاہ کے ساتھ ربط و محبت بڑھانے کا خیال دنیا کے ہر بادشاہ کو ہوتا ہے۔ سیاسی یا اخلاقی لحاظ سے اس کے ساتھ صلح رکھنا ہر بادشاہ اپنے فوائد کے خیال سے مدنظر رکھتا ہے۔ یہی حال ولید کا تھا کہ ایشیا، یورپ، افریقہ غرض ہر چہار طرف سے ایلچی اور سفراء دربار میں آتے تھے اور اپنے اپنے بادشاہوں کی طرف سے عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔ لنکا[2] کا راجہ بھی ان لوگوں میں سے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری فتح سندھ تعجب ہے کہ صاحب مرأۃ محمدی نے اس بارہ میں متعدد غلطیاں کیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں عثمان بن العاص ثقفی عمان کے گورنر تھے اور اسی کے حکم سے ان کے بھائی حکم نے تھانہ پر فوج کشی کی تھی نہ کہ ابوالعاص حاکم یمن نے۔ اسی طرح ابن جبلہ بہ عہد خلیفہ سوم بطور سفیر کے نہیں آیا تھا، بلکہ بحکم خلیفہ ہندستان کی حالت کی تحقیقات کرنے آیا تھا، چنانچہ واپسی کے بعد خلیفہ سے اسی کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اور بعض مورخوں نے اس واقعہ کو حضرت عمرؓ ہی طرف منسوب کیا ہے۔

[2] بلاذری نے لنکا کا نام جزیرۃ الیاقوت لکھا ہے اور پھر وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ وہاں کی عورتوں کے بے حد حسین ہونے کے سبب اس کا نام جزیرۃ الیاقوت رکھا گیا۔ میرے خیال میں ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں یہ نام صرف اس لیے رکھا گیا کہ اس مقام سے یاقوت بکثرت نکلتا تھا۔ اور موتی آج بھی نکلتے ہیں۔

تھا جو دربار خلافت سے سیاسی یا اخلاقی طور پر ربط وضبط محبت و اخلاص بڑھانا چاہتا تھا چنانچہ
اتفاقی طور پر اس کو اس کا موقع مل گیا۔

ان دنوں عرب بھی اپنے اپنے صحراؤں سے نکل کر بادیہ نشینی کو خیرباد کہہ رہے تھے اور دنیا
کے ہر گوشہ میں پھیل کر مختلف کاموں میں مشغول تھے۔ انہی عربوں میں کچھ ایسے مسلمان تھے جو لنکا
میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے، جن کے ساتھ ان کے اہل وعیال بھی تھے، ان کے وفات
پا جانے پر راجہ لنکا نے بہ اہتمام خاص ان کے اہل وعیال کو دربار خلافت میں روانہ کر دیا
اور اس کے لیے حجاج کو وسیلہ ڈھونڈھا، چنانچہ کئی کشتیاں جو حجاج کے لیے تحائف سے پُر
تھیں بصرہ جا رہی تھیں جو عراق کا بندرگاہ تھا۔ اور جہاں کا گورنر حجاج بن یوسف ثقفی تھا
جب دیبُل کے قریب پہنچیں تو دیبل کی قوم نے لوٹ لیں، اس وقت قبیلہ بنی یربوع کی
ایک عورت نے حجاج کی دُہائی دی۔ یہ خبر حجاج کو پہنچی۔ حجاج نے فوراً ایک خط راجہ داہر
کو لکھ کر مطالبہ کیا کہ عورتیں جو گرفتار کی گئی ہیں ان کو رہائی ملنی چاہیے اور ان کے مال واسباب
واپس ہونے چاہئیں۔ راجہ نے جواب دیا کہ یہ کام چوروں نے کیا ہے اور ایسے لٹیرے میری
دسترس سے باہر ہیں۔ اس کے علاوہ عموماً عرب مجرم خلیفہ اور حجاج سے بچنے کے لیے سندھ
بھاگ آئے تھے یعنی سندھ مجرموں کے لیے جائے پناہ بن گیا تھا۔ چنانچہ محمد علافی کا واقعہ
مشہور ہے۔ پس حجاج نے عبداللہ بن نبہان گورنر سرحد سندھ کو لکھا کہ دیبل کا بحری راستہ
مسلمانوں کے لیے چونکہ خطرناک ہے اس لیے کچھ فوج لے جا کر اس راستہ کو پُرامن بنا دو۔ بد
قسمتی سے اہل ملک نے سخت مقابلہ کیا اور عبداللہ مارا گیا تو حجاج نے بدیل بجلی کو روانہ کیا
جو گھوڑے کے بھڑک جانے سے گر کر فوت ہوا اور یہ مہم ناتمام رہی۔ ہر دو مہم میں چار ہزار سے
زیادہ فوج نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابتداءً سندھ کو فتح کی نیت نہ تھی بلکہ تادیبی فوجیں بھیجی
تھیں، مگر حجاج ایسا آدمی نہ تھا کہ ایک بات کا قصد کرتا اور پھر اس کو ناتمام چھوڑ دیتا وہ نہایت
بلند حوصلہ اور اولوالعزم تھا۔ دو دفعہ کی ناکامیوں سے اسے فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ معمولی سرحدی

واقعہ نہیں ہے جو تنبیہی فوجوں سے انجام پا سکے۔ اس لیے وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوا اور سندھ کی فتح کا ارادہ کر لیا[۱]۔ حجاج نے اپنے تمام افسروں میں اس مہم کی انجام دہی کے لیے محمد بن قاسم ثقفی کو انتخاب کیا۔ حالانکہ عمر کے لحاظ سے یہ سب سے چھوٹا تھا یعنی صرف سترہ برس کا۔ اس مہم کے ساتھ حجاج کو اس قدر شغف تھا کہ سامان رسد میں فوج کے لیے سوئی، دھاگا اور روئی میں خشک کر کے سرکہ تک شامل کر دیا تھا۔ محمد بن قاسم شیراز ہوتا ہوا ۹۳ھ ۷۱۱ء میں بروز جمعہ دیبل (سندھ) پہنچا اور سامان مع آلات حرب جہازوں کے ذریعہ سے دیبل پہنچا۔ جب دونوں کا میل ہو گیا تو سندھ پر متواتر حملے شروع کیے اور یکے بادیگرے تقریباً کل سندھ بلکہ سرحد کشمیر تک ممالک مفتوحہ میں شامل ہو گئے اور وزیر داہر کے ذریعہ وہ عورتیں اور بچے بھی واپس ملے جو کشتی سے پکڑے گئے تھے۔ محمد قاسم ۹۶ھ میں خلیفہ سلیمان کے حکم سے معزول ہو کر واپس گیا[۲]۔

---

[۱] یہ تمام واقعات عربی کی معتبر تاریخ بلاذری سے اخذ کیے گئے ہیں۔

[۲] بلاذری ذکر فتح سندھ۔ فتح سندھ کے کل واقعات ہیں نے اس سبب سے تحریر کیے کہ اس جگہ کے گورنروں نے بارہا گجرات پر دھاوے کیے اور محمود غزنوی سے پہلے گجرات عربوں نے فتح کر لیا تھا اگرچہ قدم نہ جما سکے۔ محمد بن قاسم کے مفتوحہ ملک کا حدود اربعہ یہ ہے: جنوب میں کچھ کارن۔ شمال میں ملتان، رادی سرحد کشمیر۔ مغرب میں کراچی۔ مشرق میں راجپوتانہ۔

محمد بن قاسم کی موت کے متعلق ہندوستانی تاریخوں میں ایسا عجیب قصہ ملتا ہے جس کا نہ سر ہے نہ پیر۔ راجہ داہر کی لڑکیاں بطور لونڈیوں کے خلیفہ کے پاس بھیجی گئی ہیں یا نہیں۔ اول تو خود یہ معاملہ قابل تحقیقات ہے۔ دوم جو لوگ تاریخ اسلام سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خلیفہ سلیمان کو حجاج بن یوسف۔ موسیٰ گورنر افریقہ۔ اور قتیبہ بن مسلم گورنر ترکستان سے کس بنا پر عداوت تھی۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر اختصار کے ساتھ ناظرین کے لیے صحیح معلومات بہم پہنچاؤں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری عام فارسی تاریخیں جو لکھی گئی ہیں ان کے مصنفوں نے غیر زبانوں سے ایک حد تک استفادہ برتا ہے اور اس سبب سے بعض مقامات پر غلط واقعات درج ہو گئے ہیں۔ محمد بن قاسم کا واقعہ بھی انہی میں سے ایک ہے چنانچہ عام فارسی تاریخیں چچ نامہ، فرشتہ، معصومی، طبقات اکبری، زبدۃ التواریخ، سیر المتاخرین وغیرہ نے بغیر کسی سند تاریخی کے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کر ڈالا ہے۔ اور پھر ان تاریخوں سے انگریزی، ہندی، گجراتی، مرہٹی، سندھی زبانوں میں جو تاریخیں (باقی بر صفحہ ۱۹۴)

اس کے بعد یزید بن ابی کبشہ سکسکی پھر حبیب بن مہلب گورنر ہوا، اس کے بعد عمر بن مسلم باہلی ہوا،

لکھی گئیں، وہ ان کی صدائے بازگشت ہیں۔ چنانچہ ان زبانوں کے پڑھنے والے اشخاص اس واقعہ سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ سب سے پہلے میں اس واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جو ان فارسی مورخوں نے تحریر کیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے :۔

راجہ داہر کے کشتہ ہونے اور قلعہ برہمن آباد کے فتح ہونے پر بطور مالِ غنیمت راجہ داہر کی دو لڑکیاں بھی فاتح کے ہاتھ لگیں، ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر محمد بن قاسم نے مناسب سمجھا کہ ان کو خلیفہ کے پاس بھیج دے چنانچہ بذریعہ حجاج ان کو روانہ کر دیا، جب وہ خلیفہ کے پاس پہنچیں تو انہوں نے کہا کہ اب ہم خلیفہ کے لائق نہیں۔ کیونکہ محمد بن قاسم پہلے ہی ان کے باغ حسن کی بہار لوٹ چکا ہے۔ اس پر خلیفہ نے مغلوب الغضب ہو کر فوراً ایک فرمان جاری کیا کہ محمد بن قاسم جہاں کہیں ہو فوراً بیل کی کھال میں سی کر خلیفہ کے روبرو لایا جائے۔ جب یہ حکم محمد بن قاسم کے پاس پہنچا تو اس نے بلا تردد تعمیل حکم کی اور تیسرے روز اس جہان سے رخصت ہو گیا۔ جب یہ لاش خلیفہ کے پاس پہنچی تو خلیفہ نے داہر کی لڑکیوں کو دکھلائی، جسے دیکھ کر وہ بیحد مسرور ہوئیں لیکن ساتھ ہی خلیفہ کو چند نصیحتیں بھی کیں کہ خلیفہ کو کوئی کام کرتے وقت سوچ سمجھ لینا چاہیے، اور دوست دشمن، سچ جھوٹ کا خیال کر لینا چاہیے، سچی بات یہ ہے کہ محمد بن قاسم بے قصور تھا، اس نے تو ہم کو ہاتھ تک نہیں لگایا لیکن یہ کام ہم نے صرف انتقام کے خیال سے کیا کہ اس نے ہمارے خاندان اور ہمارے ملک کو تباہ کر ڈالا۔ یہ سن کر خلیفہ ناراض ہوا اور لڑکیوں کو قتل کر دیا یہی واقعہ ہے جس کو کسی نے تفصیل سے، کسی نے اختصار سے تحریر کیا ہے، حالانکہ اس میں سے ایک نقطہ صحیح نہیں۔ سب سے پہلے یہ واقعہ چچ نامہ میں تحریر ہوا۔ دراصل یہ کتاب عربی زبان میں تھی اور سلطان ناصر الدین قباچہ کے عہد میں اس نے فارسی کا جامہ پہنا۔ مترجم کا بیان ہے کہ یہ کتاب ایک قدیم عربی خاندان کے ایک رکن سے ملی ہے جن کے آبا و اجداد میں سے کسی نے اس کو تصنیف کیا لیکن سلسلہ نسب جو دیا گیا ہے ان میں ہر ایک کو پچیس برس کا زمانہ دینے کے بعد بھی دو سو پچیس برس ہوتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ کتاب واقعہ موت سے تین سو سال بعد لکھی گئی۔ اس کے بالمقابل دوسری تیسری اور چوتھی صدی کے ایسے معتبر مورخوں کی کتابیں ملتی ہیں جن کا پایہ بلند اور درباری و سرکاری تعلقات کے سبب تمام تاریخی مواد ان کے سامنے موجود تھے اور مستند راویوں کے بیانات ان کی تصدیق کرتے تھے پس ہمارا فرض ہے کہ ہم ان مستند عربی تاریخوں سے بھی معلومات مہیا کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنے آخری عہد میں بڑی کوشش اس بات کی کی کہ میرے بعد ولی عہد بجائے سلیمان بن عبدالملک کے جو اس کا بھائی تھا، اس کا لڑکا عبدالعزیز ہو۔ اور اس کے لیے ایک بڑی سازش کی گئی، جس میں ملک کے بڑے بڑے گورنر شریک تھے، منجملہ ان کے حجاج بن یوسف، قتیبہ

پھر ۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمٰن مُری سندھ کا مستقل گورنر خلیفہ ہشام کی طرف سے بنایا گیا، جنید

(بقیہ صفحہ ۱۹۴) بن مسلم وغیرہ بھی تھے، چنانچہ عربی کی مستند اور مشہور تاریخ طبری (ج ۸ ص ۱۲۸۳) میں ہے کہ
"ولید بن عبدالملک نے چاہا کہ اپنے بھائی سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولیعہد بنائے اور اس سازش کو فوجی افسروں اور شاعروں میں پھیلایا، تو حجاج بن یوسف اور قتیبہ نے سلیمان کی ولیعہدی سے معزولی پر ولید کی بیعت کرلی۔ ہم کو ابو عاصم زیادی نے ہوات کلبی سے نقل کرکے بتایا کہ ہم لوگ ہند میں محمد بن قاسم کے ساتھ تھے، تو خدا نے داہر کو قتل کیا اور ہم لوگوں کے پاس حجاج کی طرف سے خط آیا کہ سلیمان کو معزول کردو"
یہ سازش پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ خود حجاج کا انتقال ہوگیا، سات ماہ بعد خلیفہ ولید بھی چل بسا اور سلیمان خلیفہ ہوگیا۔ بلاذری لکھتا ہے (ص ۴۲۸) کہ
"قتیبہ سلیمان بن عبدالملک سے گھبرایا ہوا تھا، کیونکہ اس نے عبدالعزیز بن ولید کی ولیعہدی کے لیے کوشش کی تھی"
میری اوپر کی تحریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ قتیبہ حجاج، اور اس کا پروردہ محمد بن قاسم وغیرہ سب اس سازش میں شریک تھے۔ یہی سبب ہے کہ سلیمان نے تخت پر بیٹھتے ہی ان کو معزول اور قید کا حکم دیا۔ حجاج مرچکا تھا اور اس کی جگہ صالح بن عبدالرحمٰن عراق کا گورنر تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے بھائی آدم کو حجاج نے خارجی ہونے کے شبہ میں مار ڈالا تھا، پس قدرتی طور پر اس کو خاندان حجاج سے دلی بغض تھا، اس نے سندھ کی حکومت یزید بن ابی کبشہ کے سپرد کی اور محمد بن قاسم پابہ زنجیر عراق لایا گیا اور بڑی مظلومی سے مارا گیا۔ چنانچہ طبری ص ۱۲۸۲ میں ہے کہ
"ولید بن عبدالملک مرگیا اور سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے صالح بن عبدالرحمٰن کو عراق کے خراج کا افسر (گورنر) مقرر کیا اور یزید بن کبشہ سکسکی کو سندھ کا والی بنایا تو محمد بن قاسم پابہ زنجیر بھیجا گیا"
کامل ابن اثیر ص ۲۶۵ جلد ۴ میں ہے: "تو صالح نے اس کو (محمد بن قاسم) واسطہ زنام شہر میں قید کردیا اور آل ابی عقیل کے ساتھ اس کو سخت عذاب دیا، یہاں تک کہ ان کو قتل کر ڈالا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو خارجی ہونے کے جرم میں قتل کر ڈالا تھا"
ابن خلدون جلد ۳ ص ۶۶ میں ہے: "سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے اس (محمد بن قاسم) کو معزول کردیا اور یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ کا گورنر بنایا۔ یزید نے اسے (محمد بن قاسم) گرفتار کرکے عراق بھیج دیا۔ صالح بن عبدالرحمٰن نے اس کو حجاج کے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ واسط میں قید کرکے سخت سزائیں دے کر مار ڈالا۔ حجاج نے اس کے بھائی آدم کو قتل کر ڈالا تھا، کیونکہ وہ خارجی تھا"
بلاذری ص ۴۴۵ میں ہے کہ "ولید بن عبدالملک مرگیا اور سلیمان بن عبدالملک (باقی بر صفحہ ۱۹۶)

نے اندرونی انتظامات جب درست کر لیے اور سندھ پر مضبوط قبضہ ہوگیا تو اس نے گجرات کی طرف رخ کیا، وہ سندھ سے گزر کر مرمد[1] (مارواڑ) آیا اور پھر یہاں سے مندل (مانڈل متصل ویرم گام) گیا، اور مانڈل سے دِھنج پہنچا اور دِھنج سے گجرات کی مشہور بندرگاہ بروص (بھروچ) پر حملہ آور ہوا۔ پھر یہاں سے جُنید نے مالوہ کا رُخ کیا۔ چنانچہ اس کے ایک منچلے افسر حبیب بن مرہ نے اُجین پر دھاوا کیا اور وہاں سے بہریمد پہنچا پھر بلمان (بھیلمان) اور جزر (گجرات) کو فتح کرتے ہوئے سندھ واپس آیا[2]۔ جنید کے مفتوحہ ملک کا نقشہ صفحہ ۱۹۷ پر درج ہے

خلیفہ ہوا تو صالح بن عبدالرحمٰن کو عراق پر حاکم کیا اور یزید بن کبشہ کو سندھ کا گورنر بنایا۔ اس نے محمد بن قاسم کو مع معاویہ بن مہلب کے قید کر کے بھیج دیا، تو صالح نے آل عقیل کے ساتھ سخت تکلیف دے کر مار ڈالا اور حجاج نے آدم کو جو صالح کا بھائی تھا، مار ڈالا تھا جو خارجی تھا۔

کیا ان شواہد کے بعد بھی محمد بن قاسم کی موت کے متعلق کوئی صحیح عقل رکھنے والا بے سروپا روایت پر یقین کر سکتا ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ دونوں لڑکیاں گرفتار ہوئیں۔ تو میرے نزدیک یہ بھی خلاف قیاس بات ہے کیونکہ اس پر تو تمام تاریخوں کا اتفاق ہے کہ داہر کی موت پر اس کی بیوی، بہن اور لڑکوں نے عرصہ تک مدافعت جاری رکھی، لیکن جب محاصرہ طویل ہوگیا اور سختی بڑھ گئی تو داہر کی بیوی اپنی لونڈیوں اور مال کے ساتھ ستی ہوگئی۔ اور یہ جوہر ہندوستانی راجپوتوں کا قدیم سے چلا آتا ہے جس سے کوئی انکار نہیں سکتا۔

بلاذری ص ۴۴۴ میں ہے کہ "محمد بن قاسم نے راور کو فتح کیا اور وہاں داہر کی بیوی تھی جس کو اپنے گرفتار ہونے کا خوف ہوا۔ تو اس نے اپنے مال اور لونڈیوں کے ساتھ اپنے کو جلا ڈالا یعنی ستی ہوگئی"

قابلِ سوال بات یہ ہے کہ لونڈیاں تو ستی ہوگئیں اور کیا لڑکیاں محمد بن قاسم کے انتظار میں بیٹھی رہی ہونگی۔ اس کے علاوہ مالِ غنیمت کی جو فہرست ان تاریخوں میں ہے جس میں سونے چاندی کے بت تک کا ذکر ہے عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں لڑکیوں کا ذکر مطلق نہیں ہے، حالانکہ انہی تاریخوں میں دوسرے مقام پر جہاں ایسا واقعہ پیش آیا ہے اور شاہی خاندان کے لوگ گرفتار ہوئے ہیں تو ان کا نام برابر لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ داہر کی لڑکیوں کا خلیفہ کے پاس جانا بالکل غلط واقعہ ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

(نوٹ صفحہ ھذٰا) [1] لیکن سمراز سومٹ مطبوعہ بڑودہ میں مرومنڈل کا اطلاق مارواڑ پر کیا ہے بہت ممکن ہے کہ مرومنڈل کو عربوں نے معرب کرتے وقت دو لفظ بنادیا ہو یعنی مرو کو مرمد اور منڈل کو مندل۔

[2] بلاذری ص ۴۴۲ مطبوعہ یورپ۔ بعض مقامات قدیم نقشہ میں بھی نظر نہیں آتے مجبوراً وہی عربی نام رکھ دیے جیسے مرمد، بھریمد، وغیرہ دِھنج، نہروالہ پٹن سے آگے رادھن پور کے پاس ایک (باقی بر صفحہ ۱۹۸)

نقشہ فتوحات
جنید بن عبدالرحمٰن
کچھ کا بڑا ریگستان
کچھ
خلیج کچھ
چھوٹا ریگستان
کاٹھیاوار
خلیج کھنبایت
سورت
بھروچ
وسط ہند
اُجین
وندھیاچل
دریائے نربدا
سلسلہ ست پڑا
دریائے تاپتی
دریائے مہی
دریائے بناس
مانڈل
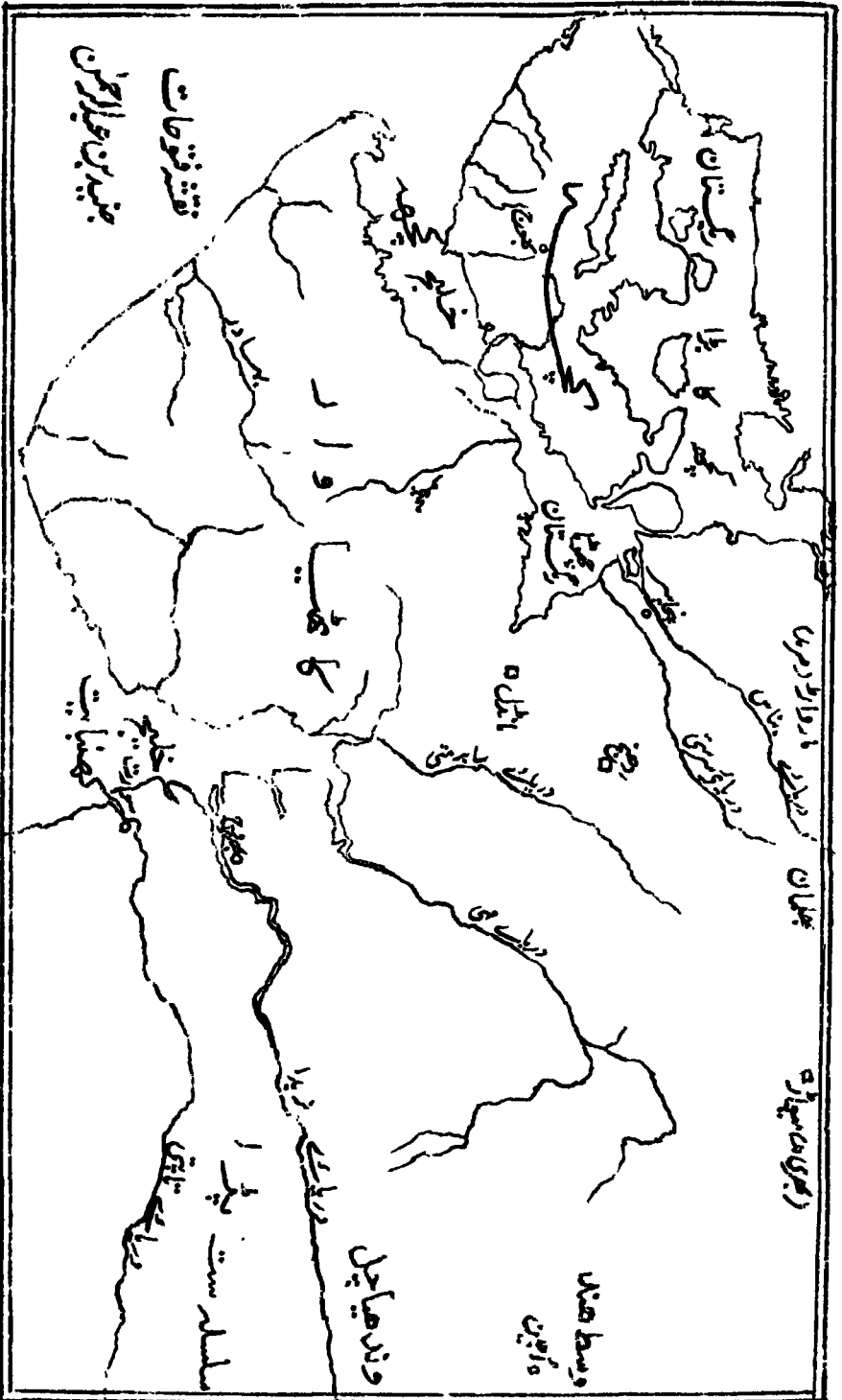
جنوبی گجرات میں اس وقت چالوکیہ خاندان کا راج تھا جس کی اصل حکومت تو دکن میں تھی اور گجرات اس کا ماتحت تھا، اس خاندان کی حکومت ۳۴۶ھ / ۱۳ سے ۲۷۰ھ / ۱۲۴۲ء تک رہی۔ اور بھروچ میں گوجر راجہ تھا۔ اور ان سب پر چالوکیہ کا سولنکی خاندان شہنشاہ تھا۔

گجرات کے سواحل تقریباً تمام راشٹ کوٹ راجاؤں کے زیر اقتدار تھے جن کی مابعد کے عرب سیاحوں نے بڑی تعریف کی۔ ان ولبھی راشٹ کوٹ راجاؤں اور آس پاس کے دوسرے راجاؤں سے جو جنگ ہوتی رہتی، اس کا بھی ذکر ان سیاحوں نے کیا ہے جنید کے بعد تمیم عتبی اور پھر حکم بن عوانہ گورنر ہوا۔ اس کے بعد یکے بادیگرے حکام آتے رہے، یہاں تک کہ سلطنت امویہ کے بجائے سلطنت عباسیہ شروع ہوئی اور

جگہ کا نام ہے۔ آج کل چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ذور نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماندل سے پہلے دِھنج میں آیا ہوگا اور پھر وہاں سے بھروچ گیا ہوگا بھیلمان ملتان ۹ اور پٹن کے درمیان سولہ جوزن (ایک جوزن آٹھ میل کا ہوتا ہے موڈرن گجراتی انگلش ڈکشنری) کے فاصلہ پر ہے (کتاب الہند للبیرونی ص ۳، مطبوعہ یورپ) آج کل علاقہ جالور ریاست پالن پور میں شامل ہے (تاریخ پالن پور ص ۱۳۶)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی جب ایک موقعہ پر بھروچ تشریف لے گئے اور نربدا کے کنارے کھڑے جب اس کا نظارہ فرما رہے تھے، اس وقت ان کو سپہ سالار جنید کی فتوحات یاد آگئیں۔ ان تاثرات کو آپ نے ذیل کی نظم میں ظاہر فرمایا ہے:۔

نربدا اے نربدا اے جلوۂ بحرِ عرب — گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادۂ بحرِ عرب
ہاں گزشتہ کارواں کا تو نشان راہ ہے — ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے
جانتی ہے تو مری تاریخ کا پوشیدہ راز — تیرے دروازہ پہ ٹھہرا تھا مرا پہلا جہاز
ہند میں اسلام کے انجام کی آغاز تو — چار صدیوں تک رہی اسلام کی ہمراز تو
رشتۂ ہند و عرب تجھ سے ہوا تھا استوار — تیرے ساحل کا ہر اک ذرہ ہے اس کی یادگار
آج کس کو یاد ہے وہ داستانِ پاستاں — تیری ساحل پہ جب اترا تھا عرب کا کارواں
تیرا ہر قطرہ حیات نو کا ایک تازہ پیام — اس تن آبی میں تیرا خون دوراں ہے دوام
تو ہے دریائی پری یا شاہد عالم ہے تو — اس سمندر کے گلے میں شہ رگ اعظم ہے تو
اے بھروچ اے خاتم انگشت رود نربدا — تیرے ماضی عہد کی باقی رہی عزت سدا

تو تیارِ چشم ظاہر آج تیری خاک ہے
تیرا ساحل یادگار امت لولاک ہے

عباسی حکام آنے لگے ۷۵۸ء ۱۴۱ھ کے قریب خلیفہ منصور عباسی نے ہشام بن عمر تغلبی کو سندھ کا گورنر بنایا تو اس نے عمر بن جمل کو مختلف مقامات کے دریافت حال کے لیے روانہ کیا، اس نے باربد (بھاربھوت) پر حملہ کیا اور ہر جگہ کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کر کے واپس آیا۔ پھر خود ہشام نے جہازوں کا ایک بیڑا تیار کر کے دریائی راستہ سے گندھار[1] پر حملہ آور ہو کر فاتحانہ داخل ہوا اور بدھ مدرسہ کی جگہ ایک مسجد اس نے بطور یادگار بنائی اور غالباً گجرات میں یہ پہلی مسجد ہے جو عربوں نے تعمیر کی۔

خلیفہ المہدی باللہ عباسی نے ۷۷۵ء ۱۵۹ھ میں عبدالملک بن شہاب مسمعی کو کافی ساز و سامان کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ کیا، اس کے ہمراہ مجاہدین (والنٹیر) اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ بھاڑبھوت شہر پہنچنے کے بعد وہ لوگ وہاں ایک دن میں اترے اور دو دن اس شہر میں رہ کر منجنیق اور دوسرے آلات حرب نصب کیے اور اس کے بعد سب لوگ جمع ہوئے، ان میں سے بعض مخصوص طور پر یاد الٰہی اور قرآن خوانی میں مصروف ہو گئے (اور دوسروں نے حملہ کیا) اللہ کے فضل سے

---

[1] بلاذری ص ۴۴۹ مطبوعہ یورپ۔ بلاذری نے قندھار کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن بعض مورخین اس طرف گئے ہیں کہ قندھار سے مراد قندھار نہیں ہے جو علاقہ کابل میں ہے، بلکہ یہ لفظ گندھار کا معرب ہے جو کاٹھیاواڑ پر بولا جاتا تھا۔ (ذکاء اللہ کی تاریخ ہند ج ۱ ص ۳۴۲) مگر صحیح یہ ہے جیسا کہ قدیم تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گندھار ایک بڑا بندر تھا جو گھوگھا کے اور جزیرہ پیرم کے بالمقابل تھا۔ اکبر کے زمانہ میں ایک دفعہ چینی تاریخوں میں اس کا نام آیا ہے کہ ایک شخص وہاں سے براہ دریا سندھ گیا۔ جس سے معلوم ہو کہ اس وقت تک یہ مقام موجود تھا۔ ابوالفضل نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، لیکن فی الحال بھڑوچ کے علاقہ میں اسی نام کا ایک ویران گاؤں ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بڑا شہر تھا مگر دریا برد ہو گیا۔ ممکن ہے کہ عرب اسی جگہ آئے ہوں۔ ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "کاوی سے چل کر ہم گندھار پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہندوؤں کا سمندر کے کنارے پر واقع ہے وہاں کے راجہ کا نام جالنسی (جے سنگھ راجپوت) ہے وہ بادشاہ اسلام کے ماتحت ہے اور ہر سال خراج ادا کرتا ہے۔ جب ہم گندھار پہنچے تو وہ ہمارے استقبال کو باہر آیا اور ہماری بڑی تعظیم کی، اور اپنا محل ہمارے لیے خالی کر دیا اور ہم اس میں اترے۔ بڑے بڑے مسلمان امیر اس کی طرف سے ہمارے استقبال کو آئے۔ ان میں خواجہ بہرہ (بوہرہ) کے بیٹے تھے، اور ناخدا ابراہیم تھا۔ اس شخص کے چھ جہاز اپنی ملکیت کے ہیں۔ ہم اس شہر سے سمندر میں سوار ہوئے .... اور دو دن سفر کرنے کے بعد جزیرہ بیرم میں پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آٹھویں صدی کے وسط تک یہ مشہور اور بارونق بندرگاہ تھی۔

بزور انہوں نے اس شہر کو فتح کیا اور ہر طرف سے سوار وہاں گھس پڑے۔ وہ لوگ بھاگ کر اپنے ودّار (مدرسہ یا خانقاہ) میں پناہ گزین ہوئے، وہاں آگ اور نفت (مٹی کا تیل) پھینکا گیا، جس سے وہ مکان بھڑک اٹھا۔ ان میں سے کچھ لوگ جل گئے اور مسلمانوں میں سے اُنتیس آدمی شہید ہوئے، اور اللہ نے ان کو غنیمت سے بھرپور کر دیا۔ اس درمیان میں سمندر نے جوش مارا جس سے وہ جہاز پر سوار نہ ہو سکے۔ پھر کچھ دنوں تک وہاں مقیم رہے، یہاں تک ہوا موافق ہو گئی اسی درمیان میں وہاں ایک وبا پھوٹ پڑی جس کو وہاں کے لوگ "مہامری" کہتے ہیں۔ اس وبا میں ایک ہزار آدمی شہید ہو گئے۔ انہی میں سے ربیع بن صبیح تابعی[1] بھی تھے۔ پھر جب موقع ملا تو یہ لوگ وہاں سے نکل پڑے اور فارس کے ساحل کے پاس آئے جس کو بحر حمران کہتے ہیں۔ یہاں رات کے وقت بڑے زور کی ہوا چلی۔ اس طوفان سے کئی جہاز ٹوٹ گئے اور کچھ لوگ غرق ہو گئے اور کچھ بچ نکلے۔ اور جو لوگ واپس آئے اُن کے ساتھ قیدی بھی تھے۔ ان قیدیوں میں سے بھاڑبھوت کے بادشاہ (حاکم) کی لڑکی بھی تھی جو علی بن محمد بن سلیمان کے ماتحت تھے اور وہ آج بھی بصرہ کا گورنر ہے۔

---

[1] ربیع بن صبیح السعدی ابو بکر (ابو حفص بھی کنیت تھی) بصری مولیٰ بنی سعد بن زید مناۃ ... بن تمیم جلیل القدر تابعی تھے۔ آپ کی روایت ابن ماجہ میں متعلق جہاد موجود ہے (ص ۲۰۲ دہلی نظامی) طبقات ابن سعد میں ہے کہ جہاد کے لئے سمندر کے راستے سے ہند گئے، وفات پا جانے پر جزائر ہند کے ایک جزیرہ میں دفن کیے گئے۔ یہ واقعہ خلیفہ مہدی کے ابتدائی سنہ ۱۶۰ھ کا ہے۔ (ص ۳۶ جلد ۷ قسم دوم مطبوعہ لیڈن)

فاضل چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ "مسلمانوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب تصنیف کی۔" (بادایام ص مسیح علی گڈھ) میری رائے میں فاضل چلپی کی رائے صحیح نہیں ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے کتاب تصنیف کی وہ امیر معاویہؓ کا پوتا خالد تھا۔ اس کو علم و فن کا جو شوق تھا، اس کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ اس نے غیر قوموں سے بھی فن طب اور کیمیا کی تعلیم حاصل کر کے تین رسالے تحریر کیے اور اسی زمانہ میں یونانی زبان سے ترجمے بھی شروع ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانہ کا مشہور مترجم اصطفن تھا۔ اس کے بعد تو تراجم اور تصانیف کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا اور اموی خاندان کے اکثر خلفاء نے اس میں کافی حصہ لیا۔ غرض مہدی عباسی سے قبل علمی باب کا افتتاح ہو چکا تھا (رسائل شبلی مضمون تراجم)

تہذیب التہذیب میں ہے کہ رام ہرمزی نے فاصل میں لکھا ہے کہ "بصرہ میں یہ پہلے مصنف ہیں" (ج ۳ ص ۲۴۸ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد) اسی جگہ سے غالباً ناقل کو غلط فہمی ہو گئی۔

اس وقت گجرات میں بن راج چاوڑا حکمراں تھا، اور سواحل پر راشٹ کوٹ خاندان۔ عربوں کا گجرات پر یہ آخری حملہ تھا۔ پھر راشٹ کوٹ خاندان کی پالیسی کے سبب عربوں کو اُن سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ عرب دوسری صدی کے آخر تک برابر سواحلِ گجرات پر تجارت کرتے رہے، یہاں تک کہ تیسری صدی کے ابتدا اور یوگ راج کے آخری عہد میں عرب تاجروں کو سومنات اور کچھ میں گجراتیوں نے لوٹنا شروع کیا اور اسی سے عداوت کی بنیاد پڑی۔ اس کے بعد تیسری صدی کی ابتدا ۲۳۷ھ ۸۵۱ء میں سلیمان سیرافی (بصری) گجرات کے بندرگاہوں پر آیا ہے، خاص گجرات کے متعلق لکھتا ہے کہ اور ایک بادشاہ ہندوستان میں گجرات کا ہے، اس کے پاس بڑا لشکر ہے اس کے مثل ہندوستان میں گھوڑے کسی کے پاس نہیں ہیں۔ وہ عربوں (مسلمانوں) کا دشمن ہے لیکن عرب کے بادشاہ کو بڑا بادشاہ سمجھتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اسلام کا کوئی دشمن نہیں ہے اس کی ایک خاص زبان ہے، بڑا دولتمند ہے، بہت مویشی اور جانوروں کا مالک ہے۔ وہاں کے لوگ چاندی کے ٹکڑوں سے خرید و فروخت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں بہت سی کانیں ہیں اور اس ملک میں چوروں سے امن ہے (اس وقت گجرات میں کھیم راج کی حکومت تھی) تیسری صدی کے وسط میں ابوالحسن زید سیرافی آیا ہے (۲۶۴ھ ۸۷۷ء) وہ بھی یہی لکھتا ہے، افسوس ہے کہ اس نے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا۔ اس وقت بھوڑراج چاوڑا کا عہد تھا۔[1]

چوتھی صدی کے ابتدا یعنی ۳۰۳ھ ۹۱۵ء میں ابوالحسن علی بن حسین المعروف بہ مسعودی سیاحت کرتا ہوا سندھ اور ہند آیا، اس نے اپنی تاریخ (مروج الذہب) میں مختلف مقامات پر گجرات کے حالات اپنے زمانہ کے تحریر کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

پھر ساحل ہند کے ساتھ ساتھ بھڑوچ کے شہر تک آدمی پہنچتا ہے، اور یہاں سے چین تک اسی بھڑوچ شہر کے نیزے مشہور ہیں، اور اسی لحاظ سے بھروچی نیزے کہلاتے ہیں (ج ۱ ص ۱۳۹)

---

[1] سلسلۃ التواریخ۔ ص ۲۸۔ طبع پیرس۔

اور اسی طرح ہند کے شہر کھنبایت کو دیکھا۔ اس شہر کے جوتے مشہور ہیں۔ کھنباتی جوتے اسی مناسبت سے
کہتے ہیں۔ یہ جوتے علاوہ کھنبایت کے ان کے متصل شہر سندارا (متصل بھروچ) اور سوپارہ (متصل تھانہ)
میں بنتے ہیں۔ اور میں ۳۰۳ھ (۹۱۵ء) میں اس شہر میں پہنچا، راجہ اسی شہر میں رہتا ہے اور وہ ہندو بنیا ہے
بلہرا (ولھب رائے) کے ماتحت ہے۔ یہ راجہ مناظرہ کا بڑا شوقین ہے۔ مسلمان یا اور جو کوئی غیر مذہب کا
آجاتا ہے اس سے مناظرہ کرتا ہے۔ یہ شہر سمندر کی کھاڑیوں میں سے ایک خلیج پر واقع ہے اور یہ
خلیج دریائے نیل (مصر) اور دجلہ و فرات (عراق عرب) کی کھاڑیوں سے زیادہ چوڑی ہے اس
کے آس پاس بہت سے شہر اور گاؤں آباد ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں قائم ہیں۔ کھجور، ناریل، مور اور
طوطے بکثرت ہیں۔ شہر سے لے کر خلیج بحر تک تقریباً دو دن کا راستہ ہے۔ جب اس میں جزر (اتار)
آتا ہے تو اس قدر دور تک ہٹتا ہوا چلا جاتا ہے کہ تمام زمین ایک ریگستان نظر آنے لگتی ہے، پھر
جب مد (پانی کا چڑھاؤ) آتا ہے تو اس تیزی سے آتا ہے کہ بعض اوقات کتا اس کو محسوس کر کے
جلد جلد خشکی کی طرف بھاگتا ہے، مگر بالآخر سمندر کی موج اپنے آغوش میں لے ہی لیتی ہے"

(ج ۱ ص ۱۳۷)

اور گجرات کا بادشاہ اُن (ولھب رائے) کے ساتھ اپنی مملکت کے ایک طرف جنگ کرتا
ہے۔ راجہ گجرات کے پاس بہ کثرت گھوڑے، اونٹ اور لشکر ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ عراقی (بغداد)
بادشاہوں کے سوا دنیا میں اس کے برابر کوئی دوسرا نہیں، یہ راجہ مغرور اور بارعب ہے۔ دوسرے
بادشاہ اس سے مرعوب رہتے ہیں۔ باوجود اس کے مسلمانوں کا بڑا دشمن ہے۔ اس کے پاس
بہ کثرت ہاتھی ہیں، اس کے ملک کی ایک خاص زبان ہے۔ یہاں سونے اور چاندی کی کانیں
ہیں اور لین دین اسی سے ہوتا ہے۔ (ج ۱ ص ۲۱۰) اور میں ہند کے ضلع لار (بھروچ سے
تھانہ تک) کے شہر صیمور (چیمور) میں داخل ہوا جو ولبھ رائے کی سلطنت میں شامل ہے۔
اور یہ واقعہ ۳۰۴ھ (۹۱۶ء) کا ہے۔ اور آج کل چیمور پر جو بادشاہ ہے وہ جاج (جھانجھ) کے نام سے مشہور
ہے (غالباً شاہ سے مراد گورنر ہوگا) اور اس وقت یہاں دس ہزار مسلمان آباد ہیں۔ جن میں بیسرہ

(ہندی مسلمان) کے علاوہ سیراف، بصرہ، بغداد، نیز دیگر ممالک کے لوگ ہیں، جنھوں نے شادیاں کرکے اسی ملک کو اپنا وطن بنالیا ہے، یہاں تاجروں کی جماعت میں بڑے بڑے لوگ موجود ہیں جیسے موسیٰ، اسحق صیداپوری۔ اور ہنرمند کے عہدہ پر آج کل ابوسعید ہیں جو ابن زکریا کے نام سے مشہور ہیں۔ اور "ہنرمند" اس عہدہ کا نام ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہوکر ایک شخص کو اپنے میں سے جو بڑے پایہ کا ہو مقرر کرتے ہیں (جس طرح گاؤں کا پٹیل یا مکھیا ہوتا ہے) اور پھر سب اس کے حکم کے تابع رہتے ہیں اور وہ عام مسلمانوں کے حقوق کا نگہبان رہتا ہے۔ گویا کہ وہ امیر قوم ہوتا ہے۔ اور "بیاسرہ" جمع ہے "بیسرہ" کی۔ بیسرہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو خاص ہند میں پیدا ہوئے اور اسی جگہ وطن بنا کر رہ گئے[1]۔

پس اس جگہ بعض (ہندو) نوجوانوں کو دیکھا کہ پان کھا کر بازاروں کا گشت لگا کر جب آگ (چتا) سے قریب ہوئے تو خنجر لے کر اپنے سینہ کو چاک کرکے اپنا بایاں ہاتھ اندر ڈالا اور اپنے جگر کو کھینچ کر ایک ٹکڑا اس میں کا ٹا اور باتیں کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کو دیا، اور اس سے مقصود اظہار شجاعت ہے اور پھر وہ آگ (چتا) میں گر پڑتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی بادشاہ (راجہ) مرجاتا یا خودکشی کرلیتا ہے تو بہت سے آدمی اس کے ساتھ جل مرتے ہیں۔ ایسی لوگوں کو "بلا لجرہیہ" کہتے ہیں۔ اس لفظ کا واحد بلا لجر ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جو راجہ کی موت کے ساتھ موت اور حیات کے ساتھ حیات میں پورا اترے[2]۔ بلاد سندان لو کھنبایت کے سمندر سے جو راجہ ولب رائے راجہ مان گیر زبان کھیڑ) کی مملکت میں داخل ہے۔ زمرد کی اچھی قسم ہند سے باہر جاتی ہے۔ روشنی چمک اور سبزی میں اسی قدر عمدہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ یہ میرے بیان کردہ پتھر سے زیادہ سخت اور رونقی ہوتا ہے اور اس فرق کو

---

[1] فارس میں پیدا ہوئے عرب کو مولدین اور ہند میں پیدا شدہ کو بیاسرہ کہتے تھے۔ دراصل یہ سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی خچر کے ہیں۔ پھر گجراتی میں دوغلے کے معنی میں مستعمل ہوا یعنی وہ آدمی جو دو قوم کے (عرب اور ہند کے) ماں باپ سے مل کر پیدا ہوا ہو۔

[2] میرے خیال میں اس فرقہ کا نام رام ہریہ ہے۔ جو رام ہری کا فرض تھا کہ راجہ کے ساتھ ہر وقت رہے اور اسی کے ساتھ اس کی موت ہو۔ یہ دراصل دائمی باڈی گارڈ تھے۔

ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، صرف ماہر جوہری ہی معلوم کر سکتے ہیں، اور اس ہندی زمرد کو جوہری مکی کے نام سے جانتے ہیں۔ کیونکہ ہند سے عدن بندرگاہ ہوتے ہوئے مکہ کے بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں۔ اس لیے لوگ اس کو "مکی" ہی کہتے ہیں (ج ۱ ص ۱۵۱) گجرات میں اس وقت بیر سنگھ چاوڑا کی حکومت تھی۔ پھر ۳۴۰ھ ۹۵۱ء میں اصطخری اور ۳۶۷ھ ۹۷۷ء میں ابن حوقل اور ۳۷۵ھ ۹۸۵ء میں بشاری مقدسی سندھ اور گجرات میں آئے۔ جن کا بیان اوپر گزر چکا۔ چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے ابتدا (۴۰۰ھ ۱۰۱۰ء) میں ابوریحان بیرونی نے گجرات کے متعلق جو کچھ اپنی کتاب الہند میں لکھا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

"کچھ جہاں سے مصبر نکلتا ہے، دوارکا سے چھ دن کا راستہ ہے اور سومناتھ سے چودہ اور کھنبایت سے تیس۔ پھر کھنبایت سے اساول دو دن اور بھروچ بیس دن، سندان پچاس۔ پھر سندان سے سوپارہ چھ دن، اور تھانہ پانچ دن کا راستہ ہے (ص ۱۰۲) کہتے ہیں کہ کوکن کے ڈانگ جنگل میں (غالباً ڈھانگ مراد ہوگا) شرو نامی چارپایہ ہوتا ہے جس کی پیٹھ پر بھی چار پیر ہوتے ہیں۔ اس کے ایک چھوٹی سونڈ بھی ہوتی ہے اور دو بڑے سینگ جس سے ہاتھی کو مارتا ہے تو دو ٹکڑے کر دیتا ہے، وہ بھینس کی شکل کا گینڈے سے بڑا ہوتا ہے، اور جب کبھی کسی جانور کو مارتا ہے اور وہ مردہ اس کی پیٹھ پر چلا جاتا ہے اور وہ سڑ کر جب اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو وہ کیڑے اس کی پیٹھ پر پھیل جاتے ہیں (اور غالباً اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہوگی) تو وہ پیٹھ کو درخت سے اس قدر رگڑتا ہے کہ آخر زخمی ہو کر مر جاتا ہے۔ (کتاب الہند بیرونی طبع یورپ ص ۹۹) بجلی کی آواز سن کر اونچی اور بلند چوٹیوں پر پہنچتا ہے، اور کسی جانور کی آواز سمجھ کر اس کو تلاش کرتا ہے۔ گینڈے کا گوشت صرف برہمن کھاتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ اپنے سینگ سے سامنے سے آنے والے ہاتھی کو مار کر زخمی کر دیا۔ (ص ۱۰۰)

گجرات کے مشہور شہر البیرونی نے مندرجہ ذیل لکھے ہیں:۔

انہل واڑہ[۱]، سومنات، لار دیش[۲] یعنی بھروچ، رہنجور[۳] (راندیر)، کچھ[۴]، کھنبایت[۵]،

اساول، سندان، سوپارہ، تھانہ، دوارکا، بھل مان۔ سومنات اور کچھ کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ لٹیروں کا مسکن ہو۔ یہ لوگ دریائی قزاقی کرتے ہیں (ص ۱۰۲) سرستی ندی مشرقی سومنات سے سمندر میں جا ملتا ہے، اور نربدا مشرقی پہاڑ سے نکل کر جنوب مغرب کی طرف بھروچ کے نزدیک سمندر میں گرتا ہے۔ (ص ۱۳۰)

اور منازل قمر کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ وہ سب پرجاپتی کی لڑکیاں ہیں قمر (چاند) نے ان سب کے ساتھ شادی کی لیکن ان میں سے روہنی کو بہت چاہتا تھا جس سے باقی عورتوں نے حسد کیا اور آخر کار باپ سے شکایت کی۔ باپ نے مصالحت اور مساوات حقوق کی بہت کوشش کی، اور ہر طرح سمجھایا مگر کارگر نہ ہوا تو اس نے بد دعا دی جس کے اثر سے برص کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ تب قمر شرمندہ ہوا اور توبہ کرتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ مری بات جو ہو چکی سو ہو چکی لیکن تو اپنا عیب نصف ماہ چھپ کر چھپا۔ قمر نے کہا لیکن پچھلے گناہ کا اثر کیونکر زائل ہوگا۔ پرجاپتی نے کہا کہ مہادیو کے لنگ کی صورت قائم کر دو جو تیرے لیے مخدوم ہو پس اُس نے ایسا ہی کیا۔ یہی پتھر سومنا تھ ہے۔ سوم کے معنی قمر اور ناتھ کے معنی صاحب یعنی چاند کا آقا۔ ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء میں امیر محمود نے اکھاڑ کر توڑ ڈالا، اور اس کے ٹکڑے مع سونے کے تاج اور زنجیروں کے غزنہ اُٹھا لے گیا۔ اس کے بعض ٹکڑے غزنہ کے میدان میں تھانیسر کے بُت چکرسوم کے ساتھ پڑے ہیں، اور کچھ ٹکڑے جامع مسجد کے دروازہ پر ہیں، جس سے لوگ اپنے پیر کی مٹی صاف کرتے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ اس وقت بھی غزنہ کے میدان میں سومنات کا سر پڑا ہوا ہے جو مہادیو کے ذکر کی صورت میں ہے اور اسی صورت کا نام لنگ ہو (ص ۵۶) اور لنگ تو وہ مہادیو کے ذکر کی صورت پر ہے اور میں نے سنا ہو کہ ایک رشی نے مہادیو کو اپنی عورت کے ساتھ دیکھا اور بدگمانی کر کے بد دعا دی کہ تیرا ذکر ہی نہ رہے تو وہ سپاٹ ہو گیا۔ تب اس نے رشی کے پاس جا کر دلائل سے اپنی بریت ظاہر کی اور اس کے شکوک رفع کیے اس نے کہا کہ خیر جو ہوا سو ہوا مگر میں اس کا بدل اس طرح دونگا کہ جو چیز تیرے پاس نہیں

رہی، لوگوں میں اس کو بڑا بنا کر پوجا کرادونگا، اس لنگ کے پتھر کو عیب سے پاک ہونا چاہیے
اس کو لمبا اور سر ذکر کی طرح صورت کے موافق ہونا چاہیے۔ تین چوتھائی زمین میں گڑا ہوا اور
تیسرے حصہ پر ہشت پہل غلاف چڑھا ہو جس کا نام پنڈ ہے۔ اس کے دور کا چھوٹا کرنے
یا باریک کرنے سے زمین پر فساد برپا ہوتا ہے۔ اور زمین میں کم گاڑنا اُن کو بیمار کرڈالتا ہے اور
بناتے وقت اس کو کیلیں ماریں تو شہر کا حاکم معہ خاندان تباہ ہوجاتا ہے۔ راستہ میں اُٹھاتے
وقت صدمہ پہنچایا جائے، تو بنانے والا ہلاک ہوجاتا ہے اور ملک میں فساد اور مرض پھیلتا
ہے۔ اور جنوبی ہند کے ہر گھر میں سومنات بت (لنگ) کے لیے ایک جگہ مقرر ہوتی ہے لیکن سومنات
سب سے بڑا ہے، اس کے لیے گنگا سے روزانہ ایک گھڑا پانی اور کشمیر سے پھول منگائے
جاتے ہیں۔ (البیرونی ص ۲۵۲ طبع یورپ)

ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ پرانی بیماریوں سے یہ بت نجات دیتا ہے اور ہر مایوس کن بیماری
جس کا علاج ناممکن سمجھا جاتا ہو اس کی یہاں دوا ہے۔ سومنات کی اس قدر زیادہ شہرت کا
باعث یہ ہے کہ یہ ایک بندرگاہ ہے اور تجارت کے سبب چین و زنجبار تک کے لوگ یہاں آتے
ہیں بہرحال اس سمندر میں مدوجزر جس کو یہاں کے لوگ بھرن اور دُھر کہتے ہیں۔ اس کے
اسباب کے متعلق عوام کا خیال ہے کہ سمندر میں ایک آگ (اگنی دیوتا) ہے جس کا نام بروانل
ہے جو ہمیشہ سانس لیا کرتا ہے۔ اس کے سانس لینے سے جزر اور سانس چھوڑنے سے مد ہوتا ہے
جیسا کہ مانی مذہب کے لوگ قائل ہیں کہ سمندر میں ایک جن ہے جس کے سانس لینے اور چھوڑنے
سے مدوجزر ہوتا ہے۔ اور خواص کا خیال ہے کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے سمندر میں مدوجزر
ہوتا ہے۔ اور ہر دو (عوام و خواص) چاند اور سومنات کو ایک ہی سمجھتے ہیں، اور یہ اس لیے
کہ وہ پتھر (سومنات) سمندر کے کنارے سرستی ندی کے دہانے سے مغرب جانب تہائی میل سے
کم پر گڑا ہوا تھا، اور "سنہرا دوارکا" سے مشرق کی جانب جہاں کرشن نے قیام کیا تھا اور جس
جگہ ان کا مقتل اور ان کے خاندان کے لڑنے کی جگہ اور ان کے جلائے جانے کے وہ قریب ہے

چاند جب نکلتا اور ڈوبتا ہے تو مد ہوتا ہے اور اس صورت میں لنگ موتی پانی میں ڈوب جاتی ہی، پھر دوپہر اور رات کو جزر ہونے سے نکل آتی ہے۔ گویا کہ چاند اس کو غسل دینے پر نوکر ہے اسی لیے لوگوں نے چاند کی طرف اس کی نسبت کر دی اور قلعہ جو اس کے گرد بنایا گیا ہے اور اس کے خزانہ کے اردگرد ہے وہ قدیم نہیں ہے بلکہ تقریباً ایک سو برس کا ہوگا (البیرونی ص ۲۵۳ طبع یورپ) یعنی بیر سنگھ چوڑا کے عہد میں تیار ہوا۔

اور بعض ان لوگوں نے جو سومناتھ کے پاس رہتے ہیں مجھ سے بیان کیا کہ ان لوگوں کا وزن ناپ تول میں ہماری ہی طرح ہے۔ چنانچہ ایک مثقال کے آٹھ روہ ہوتے ہیں اور ایک روہ کے دو پال اور ہر پال کے سولہ جو۔ پس ایک مثقال آٹھ روہ، سولہ پال، اور دو سو چھپن جو ہوتے ہیں (ص ۷۷) روہ کا دوسرا نام ماشہ بھی ہی۔ اسی طرح سومنات کے مدو میں سال کے تین حصے کرتے ہیں۔ ہر حصہ چار ماہ کا۔ اول برسات جو اساڑھ سے شروع ہوتی ہی، دوسرا جاڑا تیسرا گرمی (ص ۱۸۰)

بلب (ولب رائے) شہر بلبہ (ولبھی پور) کا حاکم تھا، جو انہلواڑہ سے دکھن طرف تیس منزل کے قریب ہی (ص ۲۰۵) ولبھی پور کی تباہی کی نسبت لکھتا ہی کہ لوگ ایسا بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی جو سدھ کے درجہ کو پہنچ گیا تھا، بعض چرواہوں سے اُس نے دریافت کیا کہ ایک بُوٹی جس کو تھوہر کہتے ہیں) تم نے دیکھی ہی کہ جب اس کو دُوہو تو بجائے سفید دودھ کے سُرخ خون نکلے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں دیکھی ہی۔ اس آدمی نے اس چرواہے کو کچھ انعام دیا۔ تب اس نے درخت کا مشاہدہ کرا دیا۔ اس آدمی نے ایک گڑھا کھود کر آگ روشن کی اور جب خوب تاؤ پر آگئی تو اس آدمی نے چرواہے کے کتے کو لے کر اس آگ میں ڈال دیا اس سے چرواہے کو غصہ آگیا اور اس نے اُس آدمی ہی کو نذر آتش کیا اور آگ ٹھنڈی ہونے تک انتظار کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دونوں سونے کے ہوگئے ہیں۔ اس نے اپنا کتا اٹھا لیا اور اس آدمی کو چھوڑ دیا۔ اتفاق سے ایک دیہاتی اس طرف سے گزرا، اس نے اس کی انگلی کاٹ لی اور

ایک بنیے (بقال) جس کا نام رنک (یعنی فقیر تھا، کے پاس لے جاکر فروخت کر ڈالی اور اپنی ضروریات کی چیزیں لے کر واپس آیا۔ دوسرے دن اس نے دیکھا تو انگلی آگ کر پھر برابر ہوگئی ہے۔ اس نے پھر کاٹ کر بقال مذکور کو دی اور ضروری چیزیں خریدیں، اس طرح سے وہ روزانہ کرتا رہا یہاں تک کہ بقال نے اس سے اصل حقیقت دریافت کی۔ اور اس دیہاتی نے بھی سادہ لوحی سے اس کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔ بقال تھا بڑا ہوشیار، موقعہ دیکھ کر اس جگہ سے وہ سونے کا انسان اٹھا لایا۔ پھر تو وہ بڑا دولتمند ہوگیا، اور شہر کے مکانوں کا بڑا حصہ اس کی ملکیت میں آگیا۔ جب اس کی دولتمندی کا شہرہ ولبھی راجہ کے کانوں تک پہنچا تو اس نے اس بقال سے اس مال کا مطالبہ کیا (غالباً سونے کا بت طلب کیا ہوگا) بقال نے صاف انکار کردیا۔ لیکن بقال کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ راجہ موقعہ دیکھ کر اپنا کینہ ضرور نکالیگا۔ اس لیے والیِ منصورہ (سندھ کا پایہ تخت جواب ویران ہوگیا) سے اس نے مدد طلب کی اور بہت کچھ دولت صرف کرکے بحری بیڑا بھیجنے کی استدعا کی چنانچہ منصورہ سے بحری بیڑہ آیا، اور رات کو اس نے شبخوں مارا جس میں راجہ مارا گیا، شہر لوٹ لیا گیا، اور قوم تباہ ہوگئی لوگ کہتے ہیں کہ ابھی تک بعض اشیاء دستیاب ہوتی ہیں، جیسا کہ عام طور پر ویرانوں میں پائی جاتی ہیں (ص ۱۹۴)

عام گجراتی تاریخوں میں رنک نام کی بجائے "کاکو" بقال کا قصہ تحریر ہے اور بنائے فساد یہ لکھی ہے کہ کاکو کی لڑکی کے پاس ہیرے کی ایک کنگھی تھی جو راجہ کی لڑکی کو پسند آگئی طلب کرنے پر اس نے نہ دی، اس لیے اس نے جبراً چھین لی۔ کاکو اس ظلم کو برداشت نہ کرسکا اور کسی پردیسی راجہ کو بلا لیا جس نے ولبھی پور کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ میرے خیال میں ان دونوں کی تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ درحقیقت واقعہ اصلی تو یہی ہے کہ راجہ نے وہ مورتی مانگی جس کا کاکو (رنک) نے انکار کردیا۔ اور مورتی کی حقیقت یہ ہوگی کہ لوگ جس طرح سونے کی اینٹیں بناتے ہیں، اسی طرح اس بقال نے حفاظت سونے کے خیال سے

اس نے سونے کی مورتی بنالی ہوگی، تاکہ لوگ مورتی سمجھ کر چوری نہ کریں، مگر چونکہ یہ بات بظاہر بری معلوم ہوتی ہے اور باعث بدنامی ہے کہ راجہ ہوکر رعایا کے مال پر نظر رکھتا ہے۔ اس لیے تنازعہ کا ایک سبب قصداً بنایا گیا، یعنی راجہ کی لڑکی کی ہتک کی گئی کہ اس نے ایک چیز مانگی اور اس نے نہ دی۔ پس اسی کو بہانہ بناکر جھگڑا قائم کیا گیا، جو بلبھی پور کی بربادی کا باعث ہوا۔ الخ

۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء میں جب میں بھروچ بغرض تحقیقات تاریخی پہنچا تو جناب قاضی نورالدین صاحب کے دولتکدہ پر حاضر ہوا۔ براہِ مہربانی اُنہوں نے میرے حسب خواہش مجھے کتابیں دکھلائیں۔ اسی میں قاضی زین العابدین صاحب (جد بزرگوار موجودہ قاضی صاحب) کا سفینۂ یادداشت قلمی بھی نظر سے گزرا۔ اس میں ایک جگہ مدرسہ مولانا اسحاق کی بنا کی تاریخ ۱۰۴۸ھ / ۳۰ء لکھی ہے[1]۔ اپنے عہد اور مابعد میں یہ مدرسہ عرصہ تک مشہور رہا، اور معمولی حالت میں چند سال قبل تک جاری تھا۔ اسی کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بھی شامل ہے، اسی طرح جامع مسجد کا سنہ ۴۵۸ھ / ۱۰۶۵ء تحریر تھا۔ میں نے خود جاکر جامع مسجد کو بغور دیکھا، بڑی وسیع اور عظیم الشان مسجد سنگین ہے۔ بعض ستونوں میں مورتیوں کے مسخ شدہ نشان موجود تھے۔ اور اس سے لوگوں کو خیال ہوا کہ غالباً یہ مسجد مندر سے تغیر و تبدل ہو کر بنی ہے، لیکن اگر بناء مسجد ۴۵۸ھ / ۱۰۶۵ء صحیح ہو تو ایسے عظیم الشان مندر کا مسجد ہو جانا وہم و گمان میں نہیں آتا اس لیے کہ اس وقت یہاں کوئی اسلامی سلطنت گجرات میں موجود نہ تھی جو مندر کو مسجد میں تبدیل کر سکتی۔ البتہ یہ تسلیم ہے کہ مسلمان تاجروں کی ایک بڑی تعداد یہاں آباد تھی، مگر وہ اس قدر طاقتور نہ تھی کہ ہندو راجہ کا مقابلہ کرکے وہ مندر کو مسجد بنا سکتی۔ اس لیے میری رائے ہے کہ یا تو بنا و تاریخ غلط ہے اور یہ مسجد غالباً الپ خاں یا مظفر شاہ اول کے وقت کی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بعض ایسے واقعات پیش آئے ہیں، اور اگر سنہ صحیح مانا جائے حالانکہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے

[1] ابراہیم علوی کی ایک قلمی کتاب نظر سے گزری اس میں درج تھا کہ مولانا اسحٰق بن عبدالوہاب تلمیذ شیخ عبدالغنی کے تھے جو علامہ شیخ وجیہ الدین گجراتی کے شاگرد تھے جو اکبر اعظم کے ہمعصر ہیں۔ اس لیے اغلب یہ ہوگا کہ مدرسہ عرب تاجروں نے سنہ مذکور میں تعمیر کیا ہوگا اور مولانا اسحاق نے اسی کو رونق دی ہوگی۔

تو پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ویران مندروں کے پتھر کو پجاریوں سے خرید کر استعمال میں لائے گئے ہوں[۱]۔ افسوس ہے کہ کوئی کتبہ بھی ایسا دستیاب نہ ہوا جس سے کوئی صاف بات معلوم ہوتی۔ سُنا ہے کہ مولانا اسحٰق کے مدرسہ اور مسجد کا کوئی کتبہ تھا، مگر ضائع گیا۔ جامع مسجد کا آخری گنبد جو شمالی رُخ پر زینہ کی جانب ہے اس میں بھا ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء مرقوم ہے جو بعہد غازی غیاث الدین تغلق تیار ہوا جیسا کہ تاریخوں میں بھی مذکور ہے، موجودہ کتبہ جو جامع مسجد کے در پر اور مولانا اسحٰق کی مسجد میں موجود ہے وہ ابھی حال میں لگایا گیا ہے۔ جب کہ جناب وائسرائے صاحب برائے معائنہ بھڑوچ تشریف لائے تھے، اسی طرح قاضی صاحب موصوف نے بحوالہ کوی راج پنچالی مان بھاؤ یہ لکھا ہے کہ قلعہ بھڑوچ کی بنیاد رکھے ہوئے ۱۹۲۱ برس ہوگئے۔ سدھ راج نے اس کی مرمت کرائی اس حساب سے راقم الحروف کے دن تک ۲۰۴۳ برس ہوئے (واللہ اعلم بالصواب)

---

[۱] کیونکہ برہمنوں کے عروج سے بدھ مندر سب ویران ہوگئے تھے۔

باب ۳ سوم

اسلامی حملے

فصل اوّل

محمود غزنوی

محمود کا نسب نامہ اسدہ بن سامان نامی ایک شخص تھا جو بہرام چوبیں (شاہان ایران) کی نسل سے ہونے کے باعث بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ مامون الرشید بن ہارون الرشید خلیفہ بغداد نے اس خاندان کی بہت عزت افزائی کی اور خراسان میں بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا۔ خلیفہ معتضد باللہ کے عہد میں اسی خاندان کا ایک ممبر اسمٰعیل نامی ماوراء النہر (ترکستان) کا حاکم تھا جس کا پایۂ تخت بخارا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ تمام ترکستان اور ایران و کابل پر قبضہ کرلیا۔ ۲۹۵ھ ۹۰۷ء میں اس کی وفات پر اس کا لڑکا احمد بن اسمٰعیل سامانی تخت نشیں ہوا ۳۰۳ھ ۹۱۵ء میں اس کے انتقال ہوجانے سے اس کا لڑکا نصر بن احمد نے اٹھائیس سال حکومت کرکے ۳۳۱ھ ۹۴۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ نصر کے بعد نوح بن نصر نے ۳۴۳ھ تک حکومت کی جس کے بعد عبدالملک بن نوح نے ۳۵۰ھ ۹۶۱ء تک سلطنت کرکے وفات پائی، اور اس کا بھائی منصور ابن نوح ۳۶۵ھ ۹۷۵ء تک حکومت کرتا رہا، اسی بادشاہ کا سپہ سالار الپتگین تھا جو منصور کی تخت نشینی کا سخت مخالف تھا، اسی باعث خوفزدہ ہوکر غزنہ[1] کی طرف بھاگ

---

[1] غزنہ فی الحال کابل کے ماتحت ہے، جس کے خود مختار بادشاہ نادر خاں تھے اور اب ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے المتوکل ظاہر شاہ کے نام سے تخت نشین ہیں۔

نکلا اور غزنہ کے پہاڑی علاقہ سے ایک باقاعدہ فوج مرتب کرکے خودمختاری کا خواب دیکھنے لگا۔ منصور نے اس کی گوشمالی کرنی چاہی، مگر شکست کھائی[1]۔ اور پھر اپنی سلطنت کے پیچیدہ مسائل میں ایسا الجھا کہ اس طرف توجہ نہ کرسکا۔ دریں صورت الپتگین نے ایک خودمختار اور مضبوط سلطنت قائم کرلی۔ مورخ بیہقی نے لکھا ہے کہ حاجی نامی ایک تاجر عبدالملک سامانی کے عہد میں سبکتگین کو خرید کر بخارا لایا اور یہاں الپتگین نے اس کو ذہین اور عقلمند دیکھ کر خرید لیا۔ اس نے اس بڑے سپہ سالار کے دامنِ تربیت میں رہ کر وہ تعلیم حاصل کی جس نے غزنہ کی سلطنت کو ایک زمانہ میں محمود عالم[2] بنا دیا۔

مورخ بیہقی کا بیان ہے کہ اس نے خود محمود سے سنا کہ اس کا باپ سبکتگین کہتا تھا کہ میرے باپ کو لوگ قراالحکم کہتے تھے۔ اور سلسلہ نسب اس کا یزدگرد شاہ ایران تک اس طرح ملایا ہے:-

سبکتگین بن جوق قراالحکم، بن قزل ارسلاں بن قراملت بن قرانامان بن فیروز بن بن یزدگرد شاہ ایران۔

غرض الپتگین کے بعد اس کا لڑکا اسحاق وارث تخت غزنہ کا ہوا، لیکن ایک سال کے بعد ہی فوت ہوگیا۔ اور بلکاتگین اور امیر پری ترک امیروں کی چند روزہ حکومت کے بعد سبکتگین نے ۳۶۵ھ/۹۷۵ء میں تخت غزنہ پر قدم رکھا اور توسیع سلطنت میں مشغول ہوگیا[3]۔ سبکتگین کے دو لڑکے تھے۔ الپتگین کی دختر کے بطن سے اسمٰعیل اور زابلستانی زن قندہار عورت سے محمود۔ محمود ۳۷۱ھ/۹۸۱ء میں پیدا ہوا، اور اپنے باپ کے زیر تربیت جنگی لیاقت میں ترقی کرتا رہا۔ امیر نوح سامانی کو ایک دفعہ مدد کی ضرورت پیش آئی، تو باپ بیٹوں نے مل کر

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول بیان ظہور اسلام در ہند [2] طبقات ناصری مطبوعہ کلکتہ

[3] تاریخ طبقات ناصری۔ حالات سبکتگین۔ لیکن میرے خیال میں محمود کا سلسلہ نسب کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ بقاعدہ تاریخ یزدگرد سے سبکتگین تک دس بارہ پشتیں ہونی چاہئیں۔

اس بہادری سے فتح کا ڈنکا بجایا کہ امیر نوح نے خوش ہو کر باپ کو ناصر الدین اور محمود کو سیف الدین کا خطاب دیا۔ اور ساتھ ہی غزنہ کی حکومت خود اختیاری کا پروانہ بھی شامل کر دیا۔ محمود عموماً اپنے باپ کے ساتھ ہند کے حملوں میں شریک رہتا اور مفید مشوروں سے فتح کا دروازہ کھولتا چنانچہ لاہور کے راجہ جے پال نے جب حملہ کیا اور جلال آباد کے قریب برف باری کے سبب ناکامی ہوئی تو صلح کی تحریک کی جس کو سبکتگین نے مان لیا ہوتا اگر محمود نے خراج قبول کرانے کا مشورہ نہ دیا ہوتا۔ چنانچہ جے پال نے اسی شرط پر صلح کی، ۳۸۷ھ ۹۹۷ء میں سبکتگین نے وفات پائی اس وقت محمود نیشاپور کا حاکم تھا، اس نے اپنے بھائی سے شمالی علاقہ پر قابض رہنے کی استدعا کی اسمٰعیل نے نامنظور کی اور نوبت جنگ تک پہنچی جس میں محمود کامیاب ہو کر غزنہ کے تخت پر بحیثیت بادشاہ کے اس نے جلوس کیا[۱]۔ محمود نے تیس برس سلطنت کی اور سترہ حملے ہند پر کیے بخارا، خیوہ، بلخ، ہرات عراق سے لے کر ہندستان تک اس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی، وہ بڑا فیاض اور بہادر شخص تھا۔ اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ ہندستانی حملوں میں صرف کیا۔ مورخوں نے اس معاملہ میں بڑا اختلاف کیا ہے کہ کون حملہ پہلے ہوا اور کون بعد کو۔ اور اسی سبب سے ہر ایک کا سنہ صحیح صحیح بتلانا مشکل ہے۔ میں ایک فہرست ذیل میں دیتا ہوں جس سے ناظرین کو اجمالاً حملوں کا حال معلوم ہو جائیگا، اور تاریخوں کے اختلافات بھی وسعت نظر کے لیے تحریر کیے دیتا ہوں۔

	فرشتہ	بدایونی	مالکم صاحب	ہاشمی	صوفی منگلوری	ذکاء اللہ
۱۔ جنگ راجہ جے پال در پشاور و فتح بھٹنڈا	۳۹۲ھ	۳۹۲ھ		۳۹۳ھ	۳۹۲ھ	۳۹۱ھ
۲۔ جنگ انند پال	۳۹۳ھ			۳۹۹ھ	۳۹۸ھ	۳۹۷ھ
۳۔ " بھاٹیہ نزد ملتان	۳۹۵ھ	۳۹۳ھ	۳۹۱ھ	۳۹۴ھ		۳۹۵ھ
۴۔ " ملتان بار اول	۳۹۶ھ	۳۹۶ھ	۴۰۰ھ	۳۹۵ھ	۳۹۵ھ	۳۹۶ھ
۵۔ " ملتان بار دوم	۴۰۱ھ	۴۰۱ھ				

[۱] تاریخ ہند ہاشمی صاحب کی ص ۱۵۹ طبع حیدرآباد۔

	فرشتہ	بدایونی	مالکم صاحب	ہاشمی	صوفی نگوی	ذکاءاللہ
۶۔ تھانیسر	سنہ ۴۰۲	سنہ ۴۰۲	سنہ ۴۰۲	سنہ ۴۰۲	سنہ ۴۰۲	سنہ ۴۰۶
۷۔ راجہ نندا در کوہ بالاناتھ	سنہ ۴۰۳	سنہ ۴۰۳		سنہ ۴۰۶		سنہ ۴۰۴
۸۔ کشمیر	سنہ ۴۰۶	سنہ ۴۰۶		سنہ ۴۱۲	سنہ ۴۰۶	سنہ ۴۱۲
۹۔ قنوج، میرٹھ، مہاون متھرا مع چندپال	سنہ ۴۰۹	سنہ ۴۰۹	سنہ ۴۰۹	سنہ ۴۰۸		سنہ ۴۰۹
۱۰۔ کالنجر	سنہ ۴۱۲	سنہ ۴۱۰	سنہ ۴۱۰	سنہ ۴۱۲	سنہ ۴۱۲	
۱۱۔ گوالیار و کالنجر	سنہ ۴۱۳	سنہ ۴۱۳				
۱۲۔ گجرات و کاٹھیاوار	سنہ ۴۱۵	سنہ ۴۱۵		سنہ ۴۱۵		

یہ وہ حملے ہیں جو قریب قریب تمام مورخوں نے سنہ وار یا بلا خیال سنہ لکھے ہیں۔ باقی جن مورخوں نے سترہ حملے لکھے ہیں، وہ یہ ہیں

۱۔ جنگ جےپال و فتح بھٹنڈا (۲) جنگ بھاٹیہ (۳) تنبیہ امیر ملتان (۴) تنبیہ راجہ سکھ پال نومسلم (۵) جنگ انندپال مع رفقا، و فتح قلعہ بھیم نگر (۶) نارائین کی فتح (۷) فتح ملتان (۸) فتح راجہ نندا در کوہ بالاناتھ (۹) تھانیسر (۱۰) کشمیر (۱۱) قنوج، میرٹھ، مہاون، متھرا، مع چندپال (۱۲) کشمیر بار دوم (۱۳) کالنجر (۱۴) ایبٹ آباد یا قیرات (۱۵) گوالیار و کالنجر بار دوم (۱۶) گجرات و کاٹھیاوار (۱۷) سندھی جاٹ پر حملے۔

محمود غزنوی کی فتوحات ہند کے حدود اربعہ اور نقشہ حسب ذیل ہیں جس سے اس کی ہمت، اولوالعزمی، بہادری، فوجی انتظام، استقلال، فوجی ہردلعزیزی کا پتہ بخوبی چل جاتا ہے

نقشہ
فتوحاتِ ہند محمود غزنوی
پشاور
کابل
غزنہ
قندہار
سری نگر
لاہور
ملتان
میرٹھ
دہلی
بیکانیر
متھرا
قنوج
جودھپور
اجمیر
گوالیار
آبو
پٹن
دیولواڑہ
سومناتھ

سومنات پٹن شہر

اس مقام کو پٹن سومناتھ یا پربھاس پٹن اور دیو پٹن بھی کہتے تھے۔ اور آج کل اس کو ویراول پٹن کہتے ہیں۔ علاقہ ناگھر کا یہ مشہور شہر ہے۔ کاٹھیاواڑ میں دریائے شور کے کنارے بحر عرب میں عمان (واقع عرب) کے مقابل ہے۔ چار ہزار سال قبل سے اس کی آبادی بیان کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کرشن مہاراج نے اسی جگہ (علاقہ متھرا سے آکر پناہ لی تھی، اور اسی جگہ سے لاکھوں بھیلوں کو فوج میں بھرتی کرکے مہابھارت کی جنگ کا نقشہ بدل دیا، اور یہی وہ جگہ ہے جہاں جادو بنسی خاندان نے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر اپنے آپ کو برباد کیا، اور اسی مقام پر کرشن مہاراج کو ایک شکاری بھیل نے اپنے تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ مسلمانوں کے آنے سے پیشتر یہ ایک بڑا بندرگاہ تھا اور عرصہ دراز سے غیر ممالک کے ساتھ اس کی تجارت ہوتی تھی۔ خلیج فارس، بحر احمر اور افریقہ تک بیوپاریوں کے جہازات آتے تھے۔ اس کے علاوہ ہندستان کے دوسرے بندرگاہوں سے تجارتی تعلقات یہاں سے قائم تھے۔ سرسوتی، ہیرا نبا، کا پیلا ان تینوں دریاؤں کے سنگم سے یہ مقام نہ صرف خوبصورت بن گیا بلکہ تجارتی اغراض کے لیے بھی بہت مفید ثابت ہوا۔ یہاں تک کہ زمین بڑی زرخیز اور شاداب واقع ہوئی ہے۔ دریا کے کنارے کا حصہ شادابی میں اپنی آپ نظیر ہے، اور اسی سبب سے اس کی آبادی بہت بڑی تھی، اور ہندستان کے مشہور بڑے بڑے آباد شہروں میں اس کا شمار تھا ملک کی سرسبزی، تجارت کی فراوانی۔ پجاریوں اور جاتریوں کی کثرت نے اس کی عظمت کا سکہ لوگوں کے دل پر بٹھلا دیا، اور پُر عظمت اور پرشان شہر بن گیا تھا۔ بھدر (کالی دیوی) کا جو مندر تھا وہاں ایک کتبہ تھا جو سمبت ۱۲۲۵ (۱۱۶۹ء ۵۶۵ھ) میں لکھا گیا تھا، اس میں اس شہر کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ کس قدر عظیم الشان تھا تحریر مذکور یہ ہے:

یہ شہر عالم کا چہرہ اور دنیا کا زیور ہے، مال و دولت کا خزانہ ہے اور مہادیو کی خاص

مہربانیوں کا مرکز ہے، چاند نے مرض دق سے صحت یاب ہونے کی خوشی میں اس شہر کو آباد کیا اور اس کا نام سوم پورہ رکھا الخ" چاند برہمنوں کو ساتھ لایا تھا اور کچھ معمار بھی تھے۔ جن کی نسل آج تک موجود ہے اور سوم پورہ معمار کے نام سے موسوم ہے جو دھرانگ دھرا اور وسیل نگر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اس شہر کے چاروں طرف پتھر کا قلعہ ہے، اور ڈبل دروازے ہیں، اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر برج بنے ہوئے ہیں جس سے قلعہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر چہار طرف پچیس فٹ عریض اور گہری خندق ہے جس میں آسانی کے ساتھ سمندر سے پانی لانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جس طرز کی عمارت یہ بنائی گئی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف دشمنوں سے حفاظت کی گئی ہے بلکہ بحری قزاقوں سے بھی محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں کی نسبت یہ مشہور بات ہے کہ پانچ ہیرے (نایاب شئے) ایسے اس شہر کو قدرت نے دیے ہیں، جن سے دنیا مجموعی طور پر محروم ہے۔ اول سرسوتی ندی (۲) حسین عورتیں (۳) شکیل گھوڑے (۴) بت سومناتھ (۵) ہری کی موجودگی[1]

ہندوؤں کی دیویات (دیوی دیوتاؤں کے قصے) میں بہت قصے اس کے متعلق ہیں، جو بخوف طوالت وغیر ضروری سمجھ کر نظرانداز کرتا ہوں۔ یہ شہر ۲۱ درجہ ۵ دقیقہ عرض بلد شمالی اور ۷۰ درجہ ۳۱ دقیقہ طول البلد شرقی پر واقع ہے[2]۔ لیکن صبح الاعشیٰ میں ہے کہ یہ شہر اقلیم ثانی میں، ۷۹ درجہ ۱۰ دقیقہ طول بلد اور ۲۲ درجہ ۱۵ دقیقہ عرض بلد پر ملک لار میں واقع ہے۔ (لار سے مراد اس نے گجرات لیا ہے) یہاں عدن کے جہازات آکر ٹھہرتے ہیں (ج ۵ ص ۷۲۔ طبع مصر)

اس وقت (۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء) یہ شہر اپنے محال کا مرکز واقع ہے۔ عدالت کا اعلیٰ افسر اسی جگہ رہتا ہے، ایک شفاخانہ بھی مخلوق کے لیے کھول رکھا ہے۔ ایک ایک اسکول لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے بھی موجود ہے۔ چاروں طرف خندق اور شہر پناہ مع برجوں کے آثار قدیمہ کے طور پر اپنی پچھلی کہانی سنانے کے لیے ابھی تک موجود ہے۔ آج سے کچھ دن پہلے بڑے بڑے سوداگر موجود تھے اور ابھی

[1] تاریخ الیٹ صاحب بحوالہ کاٹھیاوار گزیٹیر [2] تاریخ ایران جان مالکم صاحب

ہیں، لیکن ان کا زیادہ حصہ وی راول چلا گیا ہے۔

مشہور مقامات میں سے منگرولی شاہ کی قبر ہے، جو زیارت گاہ عام و خاص ہے۔ یہ قبر شہر کے باہر ہے اور بی ڈیا مہادیو کے مندر سے متصل واقع ہے۔ ہر سال اس جگہ تین میلے بڑی دھوم سے لگتے ہیں۔ اول میلہ عشرۂ محرم میں لگتا ہے، دوم منگرولی شاہ کا عرس۔ یہ بھی بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے اور تیسرے دسہرہ کا میلہ قابل دید ہوتا ہے۔ صنعت کے لحاظ سے لوہے اور لکڑی کی اشیاء مشہور رہیں، خصوصاً قفل کی شہرت بہت زیادہ ہے[1]

منگرولی شاہ کا مقبرہ ویراول پٹن سے باہر ہے۔ مقبرہ میں روشنی کافی نہیں آتی۔ قبر کے سرہانے جو کتبہ ہے وہ تو روشنی نہ ہونے کے سبب پڑھا نہ جا سکا، مگر دوسرا کتبہ جو پڑھا جا سکا مندرجہ ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"من جاء بالحسنۃ ..... بنا کردہ این نقش بریدہ روضۂ متبرکہ زائر الحرمین الشریفین بندہ حضرت بابا حاجی محمود منگلوری قدس سرہٗ۔ بندۂ کمینہ عبداللہ خان بن علی بابت فی الثانی عشر من المحرم الحرام سنہ ثلثہ والف من الہجریۃ النبویہ"

اس کتبہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ خاں بن علی نے اس روضہ کو ۱۰۰۳ھ میں بنوایا۔ لیکن اس کتبہ سے صحیح طور پر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے روضہ کو بنوایا، یا اس کی مرمت مع اضافہ عمارت کرائی۔ بہر حال یہ اکبری عہد کا کتبہ ہے۔

سومناتھ مندر

مندر سومناتھ کی تعمیر کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ ہندوؤں کی دیویات میں ایک کہانی لکھی ہے جو درج ذیل ہے:

دکھن نامی ایک نیم دیوتا تھا جس کا کام پیدائش تھا۔ اس کی پچاس لڑکیاں تھیں جن میں

---

[1] گزیٹیر بمبئی جلد ۸۔

سے ستائیس کی شادی چاند کے ساتھ کر دی تھی۔ مگر چاند صرف ایک ہی کو پیار کرتا تھا اس رویہ کو دیکھ کر باقی لڑکیوں نے اپنے باپ سے شکایت کی۔ باپ نے چاند کو اس بے رخی پر توجہ دلائی مگر چاند نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور اس لیے چاند کو سراپ (بد دعار) دیا گیا۔ اس بد دعار کے اثر سے برص کے مرض میں مبتلا ہوا۔ اس مرض کو دور کرنے کے لیے اس نے مختلف مقامات کا جاترا کیا لیکن کچھ مفید نہ ہوا۔ آخر جب پربھاس پٹن آیا اور شیو کی پوجا بڑے خلوص دل سے کی تو اس بد دعاء کا اثر جاتا رہا۔ اس خوشی میں اُس نے شیو کے لنگ پر (جو وہاں پہلے سے موجود تھا) سونے کا مندر بنوایا؛ اور اس کا نام "سومناتھ" رکھا۔ کیونکہ سوم (بواو مجہول) کے معنی چاند اور ناتھ کے معنی مالک۔ اور صاحب کے ہیں[1]۔ بعض مورخوں نے اس کا نام "سوبھ ناتھ" لکھا ہے۔ سوبھ کے معنی آرائش اور ناتھ کے معنی مالک یعنی صاحب آرائش، صاحب شان و شوکت، بڑے دبدبہ والا[2]۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ چونکہ اس بت کو چاند کی پہلی اور پندرہویں تاریخ کو اشنان کرایا جاتا تھا اور یہ اشنان بڑے دھوم دھام سے ہوتا تھا، اس لیے اس کو چاند کی طرف موسوم کر کے سوم ناتھ کہنے لگے[3]۔ اور تاریخ فرشتہ نے شیخ فرید الدین عطار کا ایک شعر نقل کیا ہے کہ

لشکرِ محمود اندر سومنات ۔۔۔۔ یافتند آں بت کہ نامش بود نات

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سومنات تو مندر کا نام ہے اور ناتھ بت کا۔ حالانکہ تمام مورخین سومنات بت کا نام لکھتے ہیں۔ فرشتہ ان دونوں میں تطبیق دیتا ہوا لکھتا ہے کہ یہ لفظ مرکب ہے سوم اور نات سے۔ سوم ایک بادشاہ کا نام ہے جس نے اس بت کو بنایا اور ناتھ اس بت کا نام رکھا۔ بس دونوں لفظ کثرت استعمال سے مثل حیدر آباد کے ایک ہوئے اور مشہور ہو کر نہ صرف بت بلکہ مندر اور شہر کا بھی یہی نام ہو گیا۔ اس کی مثال ہندی زبان میں جگناتھ ہے

---

[1] کاٹھیاواڑ گزیٹیر اور بیرونی نے بھی قریب قریب یہی واقعہ اپنی کتاب میں لکھا ہے ص ۵۔

[2] تاریخ بدایونی طبع کلکتہ ذکر محمود [3] تاریخ ذکاءاللہ ج ۱ [4] ترجمہ تاریخ فرشتہ ج ۱ طبع نولکشور

کاٹھیاوار گزیٹیر نے یہ بات لکھی ہے کہ یہ مندر قدیم زمانہ میں سورج دیوتا کا تھا، اور سورج بنسی خاندان یہاں کا حاکم تھا، پھر چندر بنسی خاندان کا ایک اولوالعزم راجہ سوم راج چاوڑا خاندان سے آیا[1] اور اس شہر کو فتح کرکے بطور اپنی یادگار مہادیو کا مندر بنوایا اور اس کا نام سومناتھ رکھا اور اسی نام سے اس نے شہرت حاصل کی، یہاں تک کہ بت اور مندر اور شہر سب کو اسی نام سے موسوم کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا روایت پر غور کرنے سے یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ چندر بنسی خاندان کے کسی ممبر نے بطور یادگار اس کو تعمیر کیا۔ کب اور کس نے کیا؟ تاریخ اس سے خاموش ہے۔ مہابھارت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ بیرونی کہتا ہے کہ چاند کے طلوع اور غروب پر جب مد (جوار) ہوتا ہے تو لنگ مورتی پانی میں ڈوب جاتی ہے۔ دوپہر اور رات کو بھاٹا ہونے سے نکل آتی ہے گویا کہ چاند اس کو غسل دینے پر نوکر ہے، اسی لیے لوگوں نے اس کو چاند کی طرف منسوب کر دیا، یعنی سومناتھ (مالکِ چاند) کہا (ص ۲۵۳ مطبوعہ یورپ)

میرے خیال میں ولبھی پور کے راجے جب فرار ہو کر سومناتھ آئے اور کچھ عرصہ کے لیے اسی کو راجدھانی بنایا۔ اس وقت سے اس کو عروج شروع ہوا، ولبھی خاندان جب واپس چلا گیا ہے تو ان کے قائم مقام راجگان چاوڑا ہوئے، جو کچھ دنوں کے بعد خود مختار ہو گئے، اور پھر سومناتھ سے پنچاسر کو چلے گئے، پس میرے خیال میں سومناتھ کے عروج کا زمانہ ~~۹۰۰ء~~ ~~۲۸۸ھ~~ سے ~~۱۰۰۰ء~~ ~~۳۹۱ھ~~ تک کا ہے جس میں بعض ولبھی راجے (جو بدھ نہ تھے) اور پھر سولنکی خاندان نے اس کو ترقی دینے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ انہی کی فیاضیوں اور جاترا کے لیے وہاں تک جانے سے نہ صرف یہ کہ مندر مالدار ہو گیا، بلکہ عوام کا مرجع بن گیا۔ خصوصاً سولنکی کی حمایت نے عوام میں اس کو بہت محبوب بنا دیا۔ چنانچہ بیرونی نے بھی لکھا ہے کہ قلعہ وغیرہ کوئی قدیم عمارت

---

[1] خاندان چوڑا، چاوڑا نہ سورج بنسی تھے، نہ چندر بنسی، بلکہ یہ سندھ کی طرف سے آئے ہوئے گوجر تھے اس لیے یہ سوم راج کوئی آرین خاندان سے ہوگا۔

نہیں ہے، بلکہ آج سے سو برس پہلے کی ہے یعنی بیر سنگھ چوڑا کے عہد میں تیار ہوا[1]۔ اور اس کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ یہ بندرگاہ ہے۔ اور تجارت کے سبب چین و زنجبار تک کے لوگ آتے ہیں (غالباً یہ سب عرب ہونگے جو افریقہ کا مال چین لیجاتے تھے) کہا جاتا ہے کہ سومناتھ کا دیول سب سے پہلے سوم راج نے سونے کا بنایا تھا۔ پھر راون نے دوسری مرتبہ چاندی کا اور تیسری دفعہ جناب کرشن نے لکڑی کا تیار کرایا اور آخری دفعہ بھیم دیو نے حجری صورت میں جلوہ گر کیا[2]۔ میرے خیال میں راوی نے بجائے بت کے مندر بیان کیا ہے۔ غالباً مندر سے مطلب مندر کی مورتی ہوگی جو سونے یا چاندی وغیرہ کی تیار کی ہوگی، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا شہر سومنات مدت مدید سے آباد تھا اور ساتھ ہی ایک مندر مہادیو کے نام سے موجود تھا جس میں ایک بڑا دالان تھا جس کی چھت ۵۶ ستونوں پر قائم تھی، اسی جگہ لنگ کی پوجا ہوتی تھی، اور یہ لنگ ہندوستان کے بڑے اور مشہور بارہ لنگوں میں سے ایک تھا۔ اس پر سونے کا خول چڑھا تھا، اور جواہرات چاروں طرف جڑے تھے اور اندر سے ٹھوس تھا، جیسا کہ آج بھی دوسرے منادر میں اسی طرز کا لنگ موجود ہے، اور اسی زمانہ کے سیّاحوں کی تحریر سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے[3]۔

لنگ پوجا کے متعلق عوام میں یہ خیال ہے کہ چونکہ وجہ تخلیق یہی لنگ (آلۂ تناسل) ہے، لہذا اس کی پرستش ضروری ہے۔ اس قسم کی پوجا زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو نعمتِ اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ بیرونی نے اپنی کتاب میں جو کچھ اس کے متعلق تحریر کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

اور لنگ، تو وہ مہادیو کے ذکر کی صورت پر ہے، اور میں نے سنا ہے کہ ایک رشی نے مہادیو کو اپنی عورت کے ساتھ دیکھ کر بدگمانی کی اور بددعا دی کہ تیرا ذکر ہی نہ رہے، چنانچہ وہ سپاٹ ہوگیا۔ تب اُس نے رشی کے پاس جا کر دلائل سے اپنی بریت ظاہر کی، اور اس

---

[1] بیرونی ص ۲۵۳ [2] گزٹیر کاٹھیاوار [3] کتاب الہند للبیرونی

کے شکوک دفع کیے۔ اس نے کہا کہ خیر جو ہوا، سو ہوا۔ مگر میں اب اس کا بدل اس طرح کرونگا
کہ جو چیز تیرے پاس نہیں رہی، لوگوں میں اس کو بڑا بنا کر پوجا کرا دونگا۔
پھر آگے چل کر نفس لنگ کے متعلق تحریر کرتا ہے۔ اس لنگ کے پتھر کو عیب سے پاک
ہونا چاہیے۔ اس کی لمبائی اور اس کا سر ذکر کی طرح عورت کے موافق ہونا چاہیے تین چوتھائی
زمین میں گڑا ہوا ور تیسرے حصہ پر ہشت پہل غلاف چڑھا ہو جس کا نام پنڈ ہے، اس کے دور
کا چھوٹا یا باریک کرنا زمین میں فساد پیدا کرنے والا ہے۔ اور زمین میں کم گاڑنا ان کو بیمار
کر ڈالتا ہے، اور نہاتے وقت اس کو کیلیں ماریں تو شہر کا حاکم مع خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔ ساتھ
میں اٹھاتے وقت صدمہ پہنچایا جائے تو بنانے والا ہلاک ہو جاتا ہے اور ملک میں فساد اور مرض
پھیلتا ہے[1]۔

اس لنگ (یا مندر) کے متعلق جو معتقدات تھے اس کی نسبت لکھتا ہے کہ
ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ پرانی بیماریوں سے یہ بت نجات دیتا ہے، اور ہر مایوس کن
بیماری جس کا علاج ناممکن سمجھا جاتا ہو اس کی یہاں دوا ہے۔
جائے وقوع کی نسبت لکھتا ہے: اور خواص کا یہ خیال ہے کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے
سے سمندر میں مد و جزر (جوار بھاٹا) آتا ہے۔ اور ہر دو (عام و خاص) چاند اور سومنات کو ایک
ہی سمجھتے ہیں، اور یہ اس لیے کہ وہ پتھر (سومناتھ) سمندر کے کنارے سرستی ندی کے دہانے سے تقریباً
مغرب جانب تہائی میل سے کم پر گڑا ہوگا، اور سہرادوار کا سے مشرق کی جانب جہاں کرشن
نے قیام کیا تھا، اور جس جگہ ان کا مقتل اور ان کے خاندان کے لڑنے کی جگہ اور ان کے جلائے
جانے کی جگہ ہے، اس سے یہ قریب ہے[2]۔
اسی کے ساتھ ایک دوسرا بت اور تھا، جو مہادیو (شیو) کا مجسمہ تھا۔ یہ سنگ تراشیدہ
مجسمہ طول میں پانچ گز تھا جس میں سے دو گز زیر زمین اور تین گز باہر اور اندر سے خول تھا۔ میری

---

[1] میں پہلے بھی اس کو تفصیل لکھ آیا ہوں۔ بیرونی ص ۲۵۱ [2] بیرونی ص ۲۵۳۔ طبع یورپ

خیال میں یہی مجسمہ ہے جس کو راجہ سوم نے بنوا کر رکھا تھا، اور اس وقت سے لے کر محمود غزنوی تک اس کی پرستش کرتے آئے تھے، پجاریوں اور برہمنوں نے اس کی شان وشوکت بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا چنانچہ اسی خیال سے اس مکان میں روشنی نہیں کی جاتی تھی، بلکہ جواہرات بیش قیمت اس قرینہ سے سجا کر رکھے گئے تھے کہ جن کی چمک دمک سے سارا مکان منور نظر آتا تھا، دو سو من سونے کی زنجیر میں ایک گھنٹہ آویزاں تھا جس کے بجانے پر عبادت کے لیے لوگ جوق جوق جمع ہو جاتے تھے۔ پانچ سو عورتیں بھجن گانے والیاں اور تین سو مرد سازندے ہر وقت موجود رہتے تھے، اور دو ہزار برہمن پجاری وہاں حاضر رہتے تھے اخراجات کے لیے دو ہزار گانوں کی آمدنی وقف تھی[1] اور چھ سو کوس گنگا دور ہونے کے باوجود اس کا پاک اور متبرک پانی غسل سومنات کے لیے روز منگوایا جاتا تھا۔

خسوف وکسوف کے وقت یعنی (سورج اور چاند گرہن کے وقت) دور دراز ملکوں سے کئی لاکھ آدمی جاترا کے لیے آیا کرتے تھے، اور لاکھوں روپیہ کا سامان اور نقد چڑھاوے میں رکھتے تھے۔ جاتریوں کی کثرت تعداد کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے سر مونڈنے کے لیے تین سو حجام یہاں موجود رہتے تھے۔ اسی شان وشوکت کا نتیجہ تھا کہ فقیر سے لے کر شاہ تک اس سے مرعوب تھا، اور ہر شخص دل سے عزت کرتا تھا معمولی خاندان کی لڑکیوں سے لے کر راجہ مہاراجہ تک کی لڑکیاں بطور راہبہ (دیو داسیاں) کے بہ نظر ثواب یہاں آتی تھیں۔ اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے دوسرے بھی سونے کے بت آس پاس رکھے تھے، اور اسی جگہ سونے کی وہ پالکی بھی تھی جو بھیم دیو راجہ بندیل کھنڈ سے چھین کر لایا تھا اور سومنات کے نذر کی تھی[2]۔

اوپر بیان ہو چکا کہ سومنات ابتداءً سورج بنسیوں کے قبضہ میں رہا، اس سے زیادہ ان کا

---

[1] یہ بیان تاریخ فرشتہ کا ہے بعض تاریخوں میں دس ہزار لکھا ہے، جو مبالغہ معلوم ہوتا ہے اور اسی لیے گریٹہ نے تین ہزار تک بتائی ہے۔ [2] پراچین اتہاس گجرات۔

کچھ حال معلوم نہیں پھر چند بنسیوں (جادوبنسی) کے قبضہ میں اس وقت آیا جب غالباً کرشن مہاراج دوارکا پر قابض ہوئے۔ اس جادوبنسی خاندان کی نسبت صرف یہ معلوم ہے کہ اس وقت میں سونے چاندی کے چڑھاوے چڑھائے گئے، اور پھر اس سومنات کے آس پاس اس خاندان نے باہم کشت و خون کر کے اپنے کو فنا کیا، اور اسی کے قریب کرشن مہاراج کا وصال ہوا، اور اسی جگہ ان کا مرقد بنا (یعنی جلانے کی رسم ادا کی گئی) اس کے بعد پھر ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ لنکا کا راجہ راون (یا اسی نام کا کوئی دوسرا راجہ ہوگا) بھی بغرض جاترا آ کر اس پر سونے چاندی کی نذر چڑھائی۔ ۳۰۰ ق م موریا خاندان تک پھر اس کا تذکرہ کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ موریا خاندان کا مشہور راجہ چندرگپت کے عہد میں اس کا گورنر کاٹھیاوار میں رہتا ہے اور اشوک نے خاص گرنار پر (جوناگڑھ کے پاس) ایک کتبہ اپنی یادگار میں چھوڑا ہے، مگر خاص سومناتھ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ کو نہ کوئی مذہبی اہمیت حاصل تھی اور نہ سیاسی۔ پھر ۱۵۰ ق م یونانی جوناگڑھ اور کھمبرچ پر قابض نظر آتے ہیں، لیکن مصر کا مورخ ایرین سومناتھ کے متعلق کچھ نہیں لکھتا، حالانکہ ایک بندرگاہ ہونے کے سبب قابل تذکرہ مقام تھا جس سے میرے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس وقت تک اس کی کچھ ایسی اہمیت نہ تھی جو قابل تذکرہ ہو۔ پھر ۳۰۰ء تک مختلف قوموں نے کاٹھیاوار اور گجرات پر حکومت کی، مگر سومنات کا کچھ تذکرہ نہیں آتا، اور خود ان کے بھی حالات کچھ زیادہ معلوم نہیں ہیں۔

گوجر قوم جب ہند میں آئی اور پانچویں صدی (۵۰۰ء) میں گجرات پر قابض ہوئی تو اس وقت سومنات کی حیثیت ایک بڑے بندرگاہ کی بن چکی تھی۔ اور زیادہ تر شہرت اس کی دیوپٹن کے نام سے تھی۔ جب گوجروں کی ولبھی سلطنت قائم ہوئی، تو یہ بندرگاہ اس کے ماتحت تھی، جب ولبھی پور پہلی دفعہ تباہ ہوا تو ولبھی راجوں نے اس کو راجدھانی بنایا تھا لیکن جب یہ لوگ پھر واپس چلے گئے تو چاوڑا خاندان اس پر قابض ہو گیا، مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ لوگ مستقل حکمراں تھے یا ولبھی خاندان کے ماتحت گورنر کی حیثیت رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے

کہ سوامی شنکر آچاریہ کے عہد (۸۰۰ء/۱۸۴ھ) میں جب ہندو دھرم نے از سر نو اقتدار حاصل کیا اور بدھ مت جلا وطن کیا گیا تو اُنھوں نے ہندوؤں کی تیرتھیں دور دراز مقامات پر قائم کیں، ان میں سے ایک شہر سومنات بھی ہے[۱]۔

پنچا سر کے بعد جب چاوڑا خاندان نے انہل واڑہ اپنا پایۂ تخت بنایا تو اس وقت اُن کے ماتحت تھا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بن راج کا لڑکا یوگ راج کے عہد میں اس کا ولی عہد سومنات جیسے بڑے بندرگاہ میں جاتا ہے، اور غیر ملکی تاجروں (عربوں) کے جہازات کو لوٹتا ہے، یہ عرب تاجر بڑے بڑے جہازات لے کر بغرض تجارت سومناتھ آئے ہوئے تھے۔ لوٹ میں کھیم راج (شیم راج) کو دس ہزار گھوڑے، ہاتھی اور لاکھوں کا مال ملا، اس میں سے صرف گھوڑوں کی قیمت سترہ لاکھ روپیے سے زائد تھی (۸۴۰ء/۲۲۶ھ تقریباً) اس وقت تک یہ شہر محض ایک بندر گاہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھا، اس وقت سے نہ صرف شہر نے بلکہ مندر نے بھی ترقی شروع کی، اور معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں مالدار شہر بن گیا اور چونکہ یہ بحری قزاقوں کا عموماً مسکن رہا ہے اس لیے غالباً تلخ تجربہ کے بعد پہلی مرتبہ بیر سنگھ چوڑا کے عہد (۹۲۰ء/۳۰۸ھ) میں شہر پناہ بنا کر اس کو قلعہ بند کیا۔ اس کے بعد راجہ رتن دیپ چوڑا کے عہد (۹۳۰ء/۳۲۲ھ) میں کلیانی کا راجہ بھون دیت نامی (غالباً کلیانی راجہ کا رشتہ دار تھا خود راجہ نہ تھا) سومناتھ بغرض جاترا آیا اور بڑی عقیدت سے بیش قیمت چیزوں کا چڑھاوا کیا۔

مول راج بانی خاندان سولنکی (گجرات) متوفی ۹۹۷ء/۳۸۷ھ سومناتھ کا بڑا حامی تھا۔ اس کے ابتدائی عہد میں سومنات کے جاتریوں کے لیے راستے پُر امن نہ تھے، چنانچہ مول راج نے اسی کو سبب قرار دے کر قوم میں جوش پیدا کیا اور گرہ ری پو سے جنگ مول لی اور بالآخر ممالک مفتوحہ میں اس کو داخل کر کے راستہ کو پُرامن بنایا۔ قیاس چاہتا ہے کہ مول راج اس کے بعد

---

[۱] اڑیسہ کے آثار قدیمہ مصنفہ ڈاکٹر راجندرلال متر بحث جگناتھ۔ غالباً جب سومنات تباہ ہو گیا تو یہی مٹھ وہاں سے منتقل ہو کر دوارکا چلا گیا، جو اس وقت قائم ہے۔

سومناتھ گیا ہوگا اور نذرانہ کے علاوہ کوئی خاص یادگار اپنی ضرور اس نے قائم کی ہوگی[1]
بھیم دیو متوفی ۴۶۵ھ ۱۰۷۲ء کے ابتدائے عہد میں سلطان محمود غزنوی نے انہلواڑا کو فتح کیا اور بھیم دیو کے تعاقب میں سومناتھ آیا، یہاں والوں نے قلعہ بند ہوکر مقابلہ کیا جس کا بیان یہاں سے تفصیل کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

حملہ گجرات و کاٹھیاوار کے اسباب

محمود غزنوی کے حملہ گجرات کے متعلق یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کن اسباب کی بناء پر یہ حملہ ظہور میں آیا۔ عام فارسی مورخوں نے اس کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ لکھا ہے۔

(۱) یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی ۴۱۵ھ ۱۰۲۴ء میں جب بلخ سے واپس غزنہ ہوا تو مخبروں نے یہ خبر دی کہ ہندؤں کا اعتقاد ہے کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد سومناتھ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے، پھر سومناتھ جس روح کو جس بدن کے لائق سمجھتا ہے بطریقۂ تناسخ اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ سمندر کا مدوجزر سومنات کی عبادت کے لیے ہے۔ اور محمود جن بتوں کو ہندستان میں توڑ آیا ہے، اُن سے سومناتھ ناراض تھا۔ اس لیے اس کی کوئی مدد نہ کی گئی ورنہ کیا مجال جو کوئی ادھر کا رخ کرسکے چشم زدن میں ہلاک کر دیا جائے[2]

اس خبر سے سلطان بے حد متاثر ہوا، اور پھر اس کو یہ بھی حیرت ہوئی کہ باوجودیکہ ہندوستان کے بڑے بڑے بت سرنگوں کر دیے گئے، پھر بھی عام ہندؤں کے خیال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور ابھی تک سومناتھ کے ایک پتھر کو قادرِ مطلق (خدا) مانتے ہیں[3]۔

---

[1] سول راج سومنات گیا تھا اور واپسی پر اس نے گجرات میں متعدد سومناتھ کے مندر تعمیر کرائے (گجرات کی قدیم تاریخ مصنفہ گووند بھائی ہاتھی بھائی دیسائی ص ۱۵۶)
[2] فرشتہ جلد اول۔
[3] ہاشمی کی تاریخ ہند۔ باقی بدایونی، طبقات ناصری، سیر المتاخرین نے اس پر کچھ لکھا ہی۔ جان مالکم نے بھی جو کچھ لکھا ہے وہ فرشتہ کا خلاصہ ہے۔ اور الفنسٹن صاحب نے بھی یہی لکھا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جو سبب فرشتہ نے اوپر بیان کیا ہے، وہ عقلِ سلیم کے لیے کہاں تک قابلِ قبول ہو۔ اور یہ بات کیا کسی قدر تمسخر آمیز نہیں ہے کہ نہ صرف اپنی بلکہ ہزاروں مخلوقِ خدا کی جان جوکھم میں ڈال کے محمود بلخ سے کاٹھیاوار فقط بت توڑنے کے لیے آیا تھا۔ کیا خود محمود کی ساری زندگی میں اس کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے، بلکہ تمام اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ اس لیے میرے خیال میں فقط تنگ نظری اور مذہبی جذبات کی بنا پر یہ سبب تراشا گیا ہے، ورنہ حقیقت سے اس کو کوئی تعلق نہیں، پھر لطف یہ ہے کہ اسی سومناتھ کو گرانے کے لیے ہندوؤں کی راجپوتوں کی فوج بھی ساتھ تھی۔ پس اس کے اصلی وجوہات وہ ہیں، جو میں درج ذیل کرتا ہوں۔

(۲) سومناتھ پٹن ایک مشہور بندرگاہ تھا۔ جہاں دور دور سے جہازات آتے تھے، اور ہر قسم کا مال تجار لاتے تھے اور تیرتھ ہونے کے باعث مخلوق کی ایک بڑی تعداد یہاں آباد تھی اس آبادی میں مسلمانوں کا بھی ایک حصہ تھا جو بغرض تجارت یہاں مقیم ہو گئے تھے۔ اِن مسلمانوں کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہ ہوتا تھا۔ علاوہ بریں ان تاجروں کے اثر سے خود اس نگر کے چھوٹے درجہ کے لوگ جو مسلمان ہو گئے تھے عام باشندوں اور اہل کاروں کا برتاؤ ان کے ساتھ بہت بُرا تھا، بلکہ بعض اوقات ناقابلِ برداشت تھا۔ ان دنوں محمد بن حسن بن علی عراقی ایک بزرگ تھے، جو مکہ سے منگلور، پھر پٹن آئے اور اپنے زہد و اتقا کے سبب عوام میں بڑے محبوب بن گئے اور عام مقبولیت حاصل ہو گئی۔ مسلمانوں کی عام مظلومیت کو دیکھ کر حکامِ وقت سے فریاد کی، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ خصوصاً اُس وقت ان کا دل بہت بھر آیا جب کہ ایک بیوہ بڑھیا کا اکلوتا لڑکا مارا گیا۔ محمد بن حسن بن علی عراقی نے جن کو عام طور پر لوگ محمود شاہ منگرولی کہتے تھے۔ اس بڑھیا کی معرفت ایک خط سلطان محمود غزنوی کے پاس بھیجا جس میں محمود کو یہاں کے مسلمانوں کی مشکلات بتا کر یہاں آنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں گویا یہ کہا گیا تھا کہ تم ہندستان میں حملے کرتے پھرتے ہو اور خاص پٹن میں جو مسلمانوں

کی تکالیف ہیں ان کو دور نہیں کرتے، محمود کو جب خط ملا تو فوراً سامان مہیا کرکے چل پڑا[۵]۔ یہ واقعہ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں میں برسوں سے مشہور ہے اور عام لوگ محمود کے آنے کا سبب یہی بتلاتے ہیں۔ اور محمود شاہ منگرولی کا ایک عورت کو قاصد بنا کر بھیجنا فقط دور اندیشی کے سبب تھا، اگر کسی مرد کے ذریعہ یہ خط بھیجا ہوتا تو بہت ممکن ہے کہ راز قبل از وقت فاش ہو جاتا، میرے نزدیک ایک دوسری بات یہ بھی مدنظر ہوگی کہ عورت اپنے رنج و غم کی داستان غمزدہ دل سے سنا کر جس طرح سلطان کو متاثر اور آمادہ کر سکتی تھی، غالباً ایک مرد کے لیے ناممکن تھا۔ بہرحال بہت ممکن ہے کہ یہ واقعہ ویسا ہی ہو جیسا کہ خلیفہ معتصم کو عموریہ کا واقعہ پیش آیا تھا اور رومی مصائب سے اُس فریادی عورت کو نجات دلائی تھی، وہاں سرحد ملی ہوئی تھی، اور راہ کی مشکلات کا کوئی سوال نہ تھا۔ بخلاف گجرات کے کہ غزنہ سے گجرات آنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اگر ذرہ بھی بھنک کسی کے کان میں پڑ جاتی تو سلطان محمود کے لیے بڑی مشکلات کا باعث ہوتا، غالباً اسی سبب سے محمود غزنوی نے اس کو آخر تک مخفی رکھا، اور اسی

---

[۵] قصہ محمود شاہ منگرولی مطبوعہ اردو گجراتی، یہ کتاب دراصل فارسی میں تھی۔ اس نے ۱۲۱۶ھ میں اردو نظم کا جامہ پہنا، اگرچہ اس میں شاہ ممدوح کے بہت سے کرامات وغیرہ کا بھی ذکر ہے مگر میں نے صرف مواد لے لیا ہے اور شاعرانہ مبالغہ اور بظاہر غیر قیاسی باتوں سے پرہیز کیا ہے۔ اس کتاب کی وقعت ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح راس مالا وغیرہ۔ حاجی محمود شاہ منگرولی کی قبر ویراول پٹن اور سومناتھ کے وسط میں ہے۔ لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔ زائرین ناریل چڑھاتے ہیں۔ منگرولی شاہ کے مقبرہ میں کئی قبریں ہیں اور ان میں تین کتبے ہیں۔ ایک عربی دوسرا فارسی اور تیسرا اردو میں۔ ان میں سے پہلا عربی کا کتبہ مندرجہ ذیل ہے:۔ ہذا قبر الصدر الکبیر المنعم المحترم المکرم المرحوم المغفور السعید الشہید الراجی الی رحمۃ اللہ تعالی ملک الصدور والاکابر شمس الدولۃ والدین حسین ابن محمد علی العراقی تغمدہ اللہ بالرحمۃ والرضوان واسکنہ فی دار الجنان۔ توفی غرۃ ربیع الاول سنہ تسع و تسعین وستہ مائۃ [۶۹۹]۔ ظاہر ہے کہ یہ کتبہ حاجی محمود منگرولی کا نہیں ہے، کیونکہ ان کی وفات ۴۱۶ھ کے بعد پانچویں صدی میں ہوئی ہے اور یہ کتبہ ساتویں صدی ۶۹۹ھ کا ہے۔ اور یہ عہد سلطان علاء الدین خلجی کا ہے۔ اس کتبہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین حسین عراقی وہاں کے مسلمانوں کے صدر (قاضی) تھے۔ راجاؤں کے زمانہ میں مسلمانوں کے مقدمات فیصل کرنے کے لیے اس عہدہ پر مسلمانوں کے عام مشورہ سے ایک شخص مقرر کیا جاتا تھا جیسا کہ مسعودی (۳۰۳ھ) نے تفصیل سے اس کو لکھا ہے۔ اسی قسم کا کتبہ قدیم جوناگڑھ میں مائی گھڑونچی کی شکستہ مسجد کی محراب پر آج بھی اُسی عہد کا موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ حاجی محمود شاہ عراقی منگلوری کے (باقی بر صفحہ ۲۲۸)

ئے اٹک سے لے کر گجرات کے راجاؤں میں سے کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہونے پائی۔

۲) ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی صدی ہجری سے مسلمان بغرض تجارت عرب سے
سندھ، ہند کے سواحل لنکا اور چین تک جاتے آتے تھے، اور ہر سلطنت ان تاجروں
ت اپنا فرض سمجھتی تھی، جیسا کہ سیاحوں کے سفرناموں[۱] سے ولبھی پور، کھنبائیت، مالابا
ی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور جب کبھی ان سلطنتوں نے غفلت یا انکار کیا تو خود اسلامی
ں نے بحسن وخوبی اس کا فرض ادا کیا۔ جیسا کہ سندھ کے مقام دیبل کے واقعہ سے
۔ بدقسمتی سے اُن دنوں سومناتھ اور کچھ دونوں بحری لٹیروں کے مرکز تھے، جہاں جہا
جاتے تھے[۳] جیسا کہ کھیم راج چاوڑا نے عربوں کے اس جہاز کو لوٹ لیا تھا جو لنکا کے
ب کے بہترین گھوڑے بغرض تجارت سومناتھ لائے تھے۔ پس مسلمانوں کی جان و
فاظت کے لیے ضروری ہوا کہ سومناتھ اور کچھ پر حملہ کر کے ان کے مرکز توڑ دیے جائیں۔
ر کا انتخاب لٹیروں نے اس لیے کیا تھا کہ ان کی عیب پوشی کا بہترین ذریعہ تھا سمند
لہ ڈالتے اور پھر مندر میں آکر مقدس پجاریوں میں شامل ہو جاتے اور کچھ کا انتخاب
تھا کہ اگر خشکی سے حملہ کیا تو سمندر میں بھاگ گئے، اور سمندر سے حملہ آور ہو تو کچھ
ان میں جا کر پناہ لی۔

صفحہ سابق) خاندان سے علاء الدین خلجی کے زمانہ میں تھے، فتح گجرات کے بعد جو بغاوت ہوئی اسی میں یہ شہید
ر خاندانی مقبرہ میں دفن کیے گئے۔ دوسرا کتبہ جو فارسی میں ہے وہ اس سے قبل (سومناتھ وصدیراول کے
ضمن میں) نقل کر آیا ہوں جو ۱۰۰۳ھ کا ہے۔ یہ اکبری عہد ہے۔ غالباً عبداللہ جان نے اس کی مرمت کرائی
یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ مقبرہ مبارک جناب حاجی محمود صاحب کی
ماہ ربیع الاول کی پہلی۔ راقم جلال میاں جمال الدین میاں مقام پٹن۔ یہ کتبہ تو بہت ہی حال کا ہے
نے فقط عربی کتبہ کا خلاصہ اُردو میں تحریر کر دیا ہے لیکن شہرت عام کی بنا پر محمود عراقی کی قبر منظوری کا
ر دیا ہے۔ [۲] گزیٹیر بمبئی جلد ۸۔

صفحہ ہذا) [۱] سفرنامہ سلیمان سیرافی [۲] بلاذری ذکر سندھ طبع مصر
ب الہند للبیرونی۔ طبع یورپ۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔

میرے خیال میں ایک تاریخی سبب یہ بھی ممکن ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے گجرات پر بجز ایک سندھی منچلے امیر جنید بن عبدالرحمٰن کے کسی نے محمود سے پہلے حملہ نہیں کیا۔ مگر چونکہ ولبھ رائے کے راج میں مسلمانوں کو بڑا آرام ملتا تھا اس لیے بکثرت مسلمان وہاں آباد ہو گئے تھے جس سے راجہ کو بڑا فائدہ ہوتا تھا، اور چونکہ گجراتی راجاؤں کو ولبھی رائے کے خاندان سے ملکی و مذہبی عداوت تھی، اس لیے وہ یہ دیکھ دیکھ کر جلتے تھے، اسی سبب سے مسلمانوں کے یہ سخت دشمن ہو گئے تھے، چنانچہ سلیمان سیرافی تاجر بصرہ جس نے تیسری صدی ہجری کے ابتدا میں ہندوستان کی سیاحت کی اپنے سفرنامہ میں جہاں گجرات کا حال لکھتا ہے، اس کے ضمن میں وہ کہتا ہے "گجرات کا راجہ مسلمانوں کا سخت دشمن ہے اور ہندو راجاؤں میں اس سے بڑا اسلام کا کوئی دشمن نہیں"[1]

تیسری صدی ہجری کے وسط میں ابوزید الحسن سیرافی نے ان ممالک کا سفر کیا، اس نے بھی قریب قریب وہی رائے لکھی ہے جو اوپر گزری یعنی گجرات کا راجہ مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کی ابتدا میں مسعودی گجرات آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ گجرات کا راجہ مسلمانوں سے سخت نفرت رکھتا ہے اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔

پانچویں صدی ہجری کی ابتدا میں بیرونی آتا ہے، اس کا بیان اوپر گزر چکا۔ کچھ اور سومنات بحری قزاقوں کے مسکن ہیں اور عموماً عربوں کے جہازات لوٹے جاتے ہیں اور راجہ گجرات اس کا کوئی تدارک نہیں کرتا، کیونکہ اس کو اباً عن جدٍ مسلمانوں کی عداوت ورثہ میں ملی ہے۔ سو برس گزرنے پر بھی ان راجاؤں کی عداوت موجود ہے۔ غرض مسلمانوں کے ساتھ گجراتی راجہ کا دشمنی سے پیش آنا کچھ ایسا واقعہ نہ تھا جو پوشیدہ ہو۔ بلکہ ان واقعات کا حال تاجروں اور مسافروں کے ذریعہ تمام دنیائے اسلام کو معلوم ہو گیا تھا محمود بھی ان سے بے خبر نہ تھا بلخ میں جن لوگوں نے شکایت کی، بہت ممکن ہے کہ وہ دراصل گجرات کے مسلمان تاجر ہی ہوں جنہوں نے اپنے مقاصد میں کامیابی کے لیے مذہبی رنگ چڑھایا ہو، اور عوام کو متاثر کرنے میں غالباً اسی

[1] سلسلۃ التواریخ ص۔ مطبوعہ پیرس میں ہے "ولیس احد من الھند اعدی للاسلام منہ۔"

جو پہلے زیادہ کامیابی کی صورت پیدا کردی ہو۔ پس محمود نے بھی مناسب سمجھ کر ایک دفعہ پھر ہندستان پہنچ کر اپنے رعب و داب کا سکہ بٹھلا دے اور عام مسلمانوں کی شکایت کو رفع کردے۔

(۴) جس زمانہ میں محمود غزنوی غزنہ پر حکومت کر رہا تھا اس وقت اسلامی عالم کس حال میں تھا؟ میں چاہتا ہوں کہ اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے، تاکہ گجرات آنے کی ایک معقول وجہ صاف طور پر نظر آجائے۔

مدینہ میں حضرت محمد صلعم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔ پھر جب سیدنا حضرت علیؓ ہوئے تو مسلمان دو فریق ہو گئے، کچھ تو خلیفہ کے ساتھ رہے اور باقی حصہ امیر معاویہ کے ساتھ ہو گیا، سیدنا حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسنؓ ہوئے اور مسلمانوں میں تفریق کو ناپسند کرکے امیر معاویہ سے صلح کر لی اور آپ خود خلافت کے کام سے کنارہ کش ہو گئے، غرض امیر معاویہ کے وقت سے خاندان بنو امیہ خلافت پر قابض رہا۔ ۱۳۲ھ ۷۴۹ء میں یہ خاندان زوال پذیر ہوا، اور اس کی جگہ خاندان عباسؓ کے لوگ خلیفہ ہونے لگے، جن میں کے مشہور لوگ مہدی، منصور، ہارون الرشید، مامون الرشید، معتصم ہیں۔ پایۂ تخت بھی دمشق سے بغداد بدل دیا گیا۔ عباسی خاندان میں اسی آخرالذکر بادشاہ تک خلافت کا دبدبہ رہا۔ اس کی وفات ۲۲۷ھ ۸۴۱ء کے بعد زوال شروع ہو گیا۔ پہلے ترکوں کا اقتدار ہوا، پھر عمادالدولہ آل بویہ نے ۳۲۰ھ ۹۱۲ء میں ترقی شروع کی، اس کے بھائی معزالدولہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اور عباسی خاندان کے بالمقابل فقط سیاسی تفوق قائم رکھنے کے لیے بنی فاطمہ (آل محمد صلعم) کے ساتھ بے انتہا محبت کا اظہار کیا، عباسی خاندان کے ضعف اور کمزوری سے اکثر گورنروں نے فائدہ اُٹھایا۔ انہی میں سے افریقہ کا گورنر بھی خودمختارانہ حکومت عرصہ سے کر رہا تھا، یہاں تک کہ ۲۹۷ھ ۹۰۹ء میں عبیداللہ نامی ایک فاطمی اسمٰعیلی نے اس کے مقابل فوجی طاقت سے فتح حاصل کی اور تمام افریقہ پر قابض ہو گیا اور اس خاندان نے آہستہ آہستہ اس قدر ترقی کی کہ ۳۴۱ھ ۹۵۲ء میں خلیفہ معزلدین اللہ کے وقت مصر، مکہ، مدینہ، شام

یمن وغیرہ سب اس کے زیر حکومت ہو گئے۔

خلافت عباسی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ایک اور شخص نے عروج پایا، یہ شخص ابو سعید قرمطی تھا۔ ۲۸۶ھ/۸۹۹ء سے اس فرقہ قرامطہ نے ترقی شروع کی اور ۳۷۵ھ/۹۸۵ء تک کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ ابتداءً تو آلِ رسول کا نام لے کر اُٹھے، مگر جب کامیاب ہو گئے تو سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ زبان سے تو اسماعیلی خلفائے مصر کا دم بھرتے تھے، مگر عملاً بالکل آزاد تھے، اور خفیہ دعوت کے ذریعہ دور دور ممالک میں اپنے ہم خیال پیدا کر لیے صمصام الدولہ نے جب ان کی قوت بالکل فنا کر دی، تو عمان، حجر اور بحرین وغیرہ میں گوشہ نشین ہو گئے لیکن جب ہمسایہ لوگوں نے ان پر حملے شروع کر دیے تو بھاگ کر قربت کے سبب سندھ اور ملتان میں ان لوگوں سے آملے، جو اُن کے ہم مذہب پہلے ہی سے آ بسے تھے، اور اس قدر طاقتور ہو گئے کہ اِس جگہ اپنی سلطنت جمالی تھی اور خلیفہ بغداد کے عوض خلیفہ مصر یعنی اسماعیلیوں سے بیعت کر کے اُن کے مطیع ہو گئے تھے[1]

اسماعیلی خلفاء برابر ترقی کر رہے تھے ۳۶۵ھ/۹۷۵ء میں عزیز باللہ نے عضد الدولہ بویہ جو بغداد فارس وغیرہ پر قابض تھا، خط وکتابت کر کے یہ طے کر لیا کہ خلفاء فاطمی کا خطبہ عضد الدولہ اپنے زیر تصرف ممالک میں پڑھائے۔ چنانچہ فاطمیوں کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاص بغداد میں بھی (۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء) خلفائے فاطمی کا ایک سال تک خطبہ پڑھا گیا، حالانکہ عباسی خلیفہ موجود تھا، اور اس طرح افریقیہ سے لے کر خراسان تک اسماعیلیوں کی سیاسی بیداری کے باعث اور آلِ بویہ کی رقیبانہ کوشش نے (بخلاف عباسیوں کے) خلفاء عباسیہ کا تقریباً خاتمہ کر دیا تھا۔ ۳۶۰ھ/۹۷۰ء میں بزمانہ ولی عہدی عضد الدولہ کرمان فتح کر کے مکران پر بھی قابض ہو گیا۔ اس زمانہ میں بلوچستان کا بڑا حصہ سندھ میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس لیے مکران اور سندھ ایک دوسرے کے

---

[1] سفرنامہ علامہ بشاری مقدسی [2] سندھ کے دو حصے تھے، ایک کا مرکز ملتان تھا جس کی حد کشمیر سے ملتی تھی، اور دوسرے کا منصورہ جس میں بلوچستان کا ایک حصہ شامل تھا۔

ہمسایہ تھے۔ فتح مکران سے سندھیوں پر بھی خوف طاری ہوا۔ خلیفہ کے ساتھ ساتھ اس کا نام بھی خطبہ میں پڑھنے لگے۔ نیز ایک وفد بھی شیراز (پایۂ تخت عضد الدولہ) سندھیوں نے بھیجا، جو اپنے مقاصد میں کامیاب واپس آیا۔ چنانچہ علامہ مقدسی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ

یہاں (منصورہ، سندھ) چند روز ہوئے کہ عضد الدولہ کا نام بھی خطبہ میں شریک کر لیا گیا ہے اور میں نے اپنے ورود شیراز کے زمانہ میں دیکھا کہ اہل منصورہ کا قاصد عضد الدولہ کے بیٹے کے پاس آیا، اور باریاب ہوا۔

ملتان میں خلفائے فاطمیہ کا خطبہ جاری ہے اور یہاں کوئی حکم بغیر مصر کے فاطمی خلفاء کی منظوری کے اجرا نہیں پاتا۔ اہل ملتان کے ہدایا اور قاصد برابر آتے جاتے رہتے ہیں اور اسماعیلیوں (فاطمی خلفاء) کا یہاں اس قدر اثر ہے کہ بغیر ان کی اجازت کے کوئی شخص ملتان کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا۔[1]

اس اقتباس سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ سندھ حکومت اسماعیلی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ محکوم و زیر اثر تھا۔ ادھر آل بویہ کا یہ حال تھا کہ خلفاء بغداد کو شاہ شطرنج کی طرح عزل و نصب کر رہے تھے اور بظاہر کوئی طاقت ایسی نظر نہ آتی تھی جو خلفائے بغداد کی مدد کرے، اور آل بویہ کے چنگل سے نجات دلائے۔ دوسری طرف بنو فاطمہ مصر اپنی حکومت اور اثر کا دائرہ روز بروز وسیع کر رہے تھے، حاکم بامر اللہ ۳۸۶-۴۱۲ھ / ۹۹۶-۱۰۲ء نے اپنے خفیہ داعیوں (ایجنٹوں) کے ذریعہ نہ صرف مصر و شام، حجاز، بحرین، بلکہ یمن، گجرات، ملتان خراسان تک اثر پھیلانے میں کامیاب ہو گیا تھا ظاہر لدین اللہ کے عہد میں خراسانی حاجی صرف اس سے ملنے کے لیے مصر گئے اور خلعت سے سرفراز واپس آئے۔

---

[1] سفرنامہ علامہ بشاری مقدسی۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم۔ مطبوعہ یورپ بحث سندھ۔ اسماعیلیوں کا دعویٰ ہے کہ ملتان اور سندھ میں ہماری حکومت تھی نہ کہ قرامطوں کی۔ غزنوی اور غوری نے سلطنت ہم سے چھینی۔ اور سومرہ قوم ہماری ہم مذہب تھی۔ میں نے گجرات میں اسماعیلیوں (بوہروں) کی دعوت کی تاریخ الگ ایک رسالہ میں لکھی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیائے اسلام کا یہ حال تھا جبکہ محمود غزنوی نے تخت پر قدم رکھا غزنہ، غور، ترکستان کا ہی صرف علاقہ تھا جہاں اسماعیلی ابھی تک نہیں پہنچے تھے، بغداد کے تخت پر قادر باللہ خلیفہ تھا، جو آل بویہ کی حراست میں ایک قیدی جیسا تھا لیکن آل بویہ کی خانہ جنگی سے کمزور ہو جانے پر اس نے پھر عباسیوں کا اقتدار قائم کرنا چاہا، مگر اس کے لیے ضرور تھا کہ پہلے فاطمیوں کا زور توڑا جائے۔ ایسی کارروائی بغداد میں آل بویہ کے رہتے ہوئے اور اسماعیلیوں کی سیاسی بیداری کے سبب کچھ آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ پایہ تخت سے دور دراز ملکوں میں جو جدید طاقت پیدا ہو رہی تھی ان کی حوصلہ افزائی کر کے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی جائے۔ چنانچہ ایک طرف مغرب (قیروان) میں بادیس کے عہد میں اس کی بڑی جدوجہد کی گئی، جس کا نتیجہ اس کے جانشین قائم بامراللہ عباسی کے عہد میں ظاہر ہوا۔ اگرچہ فاطمیوں کی سیاسی بیداری اور قرب کے سبب دیرپا نہ رہ سکا۔ دوسری طرف مشرق میں محمود غزنوی کو ابھارا اور کامیاب رہا اور اسی لیے محمودی فتوحات کو خلیفہ بغداد نے نمایاں کیا، خطبوں میں اس کا اظہار کیا اور بغداد میں اس کے لیے جشن کیا گیا۔ محمود غزنوی کو بھی ایک خلیفہ کی سخت ضرورت تھی تاکہ اس کی آڑ میں فتوحات کا دروازہ کھولے، اور عوام کی نظر میں باعزت ہو کر دشمنوں سے محفوظ اور ہمعصروں میں ممتاز سمجھا جائے۔ ان دنوں سلطان ہندوستان پر متواتر حملے کر رہا تھا۔ انندپال کی جنگ میں سیاسی حالات کو مدنظر رکھ کر ابوالفتح داؤد (جو خاندان شیبان[1] کا تیسرا بادشاہ ہے) نے راجہ مذکور کا ساتھ دیا جس کے باعث محمود نے سمجھا کہ اگر اس سیاسی رقیب کو جلد زیر نہ کیا گیا تو آئندہ بڑا نقصان

[1] بعض لوگوں نے ان کو سومرہ لکھا ہے۔ سومرہ قوم کے متعلق عام طور پر مورخوں میں اختلاف ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کا خیال ہے کہ یہ لفظ جو عام طور پر سومرہ مشہور ہے وہ دراصل سامرہ ہے اور سامرہ عراق کا مشہور شہر ہے، یہ لوگ وہیں سے آکر آباد ہوئے اور قوت پاکر حاکم ہو گئے۔ مولانا عبدالحلیم شرر صاحب نے اپنی تاریخ سندھ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ لوگ درحقیقت سامرہ شہر کے یہودی النسل لوگ تھے جو مسلمان ہو کر اسماعیلیہ مصر کی مدد سے ملتان پر قابض ہو گئے، الیٹ صاحب کی تحقیقات کا

ہوگا۔ چنانچہ اسی خیال سے محمود غزنوی نے انند پال کی طرف سے مطمئن ہو کر ملتان والوں کی خبر لی، اور دوبارہ سرکشی کرنے پر ملتان کو ممالک مفتوحہ میں شامل کر لیا گیا، ملتان کے اکثر اسماعیلی بھاگ گئے، اور گجرات میں جمع ہو گئے، جہاں پہلے ہی سے اسماعیلی یمن کی راہ سے آئے ہوئے تھے، اور اس طرح گجرات محمود کے لیے سیاسی رقیبوں کا مرکز بننے والا تھا، محمود نے مناسب سمجھا کہ مرکز بننے سے پہلے ہی وہاں اپنی دھاک بٹھلا کران کو منتشر کر دیا جائے۔ بہت ممکن ہی کہ اس غرض کو بھی مدنظر رکھ کر محمود نے گجرات پر حملہ کیا اور صرف اس غرض سے دور کا چکر لگا کر گجرات آیا کہ گجرات والوں کو یا اسماعیلیوں کو اس کی خبر تک نہ ہونے پائے (ہندی اسماعیلی یعنی داؤدی بوہروں کا مفصل حال ایک رسالہ میں علیحدہ میں نے تحریر کیا ہے)

(۵) دنیا میں کوئی بہادر اولوالعزم شخص ایسا نہیں ہوا ہے جس نے اپنی مملکت کو وسیع نہ کیا ہو سکندر، جولیس سیزر، رعمیس مصر، نپولین، کیخسرو، دارا، نوشیرواں، افراسیاب بکرماجیت، اشوک، مہاراج قنوج، ہرش، سیواجی، رنجیت سنگھ، غرض دنیا کے کسی خطہ میں جب کوئی بہادر بلند حوصلہ شخص پیدا ہوا ہے، تو اس نے وسعت مملکت سب سے پہلے اپنا فرض تصور کیا، سلطان محمود غزنوی بھی ایسا ہی اولوالعزم بہادر شخص تھا جس کا خاموش

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) رجحان بھی اسی طرف ہی۔ گو وہ اس نتیجہ پر نہیں پہنچے۔ ابن بطوطہ کی تحریر سے بھی ان کی اصلیت نہیں معلوم ہوتی، صرف اس قدر پتہ چلتا ہی کہ وہ مسلمان تھے۔ محشی ابن بطوطہ کی تحقیقات یہ ہے کہ سومرہ یا سمے یا سلمے دونوں راجپوت تھے اور سندھ کے قدیم باشندے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، اور غالباً اسی سبب سے ہم دیکھتے ہیں کہ فیروز شاہ تغلق کے حملہ ٹھٹھ کے وقت جام سے حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت نے صلح کرادی تاکہ دو مسلمانوں میں خونریزی نہ ہو۔ لیکن اس کے متعلق بہترین تحقیقات "عرب و ہند" میں استاذ محترم علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے کی ہی (ص ۳۱۴) جس میں ثابت کیا ہی کہ یہ لوگ عربی النسل سندھی اسماعیلی تھے۔ اور راقم الحروف کے نزدیک اصل لفظ "سوم رائے" ہے جو عربی تلفظ سے بدل کر سومرہ سومرہ ہو گیا، جیسا کہ بلہرا کی اصل وطب رائے ہی۔ یہ خاندانی اٹیک (لقب) ہے۔ ان کا (سومرہ) ایک نام اسلامی اور دوسرا غیر اسلامی ہوتا تھا۔ جیسا چینی اور برمی مسلمانوں کا آج بھی ہوتا ہی۔

بیٹھا رہنا ناممکن تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس کی سلطنت ایک ایسے مقام پر تھی کہ جس کے تین طرف اسلامی ممالک تھے۔ بخارا، خیوا، ترکستان۔ اس کے خاندانی آقاؤں (سامانی خاندان) کے ہاتھ میں تھے، جن سے بگاڑ پیدا کرنا ناشکری پر محمول کرتا تھا۔ فارس سے لے کر عراق بغداد تک آل بویہ کا ستارہ چمک رہا تھا۔ غرض سوائے ہندوستان اور چین کے کوئی ملک آس پاس ایسا نہ تھا جہاں اپنی حوصلہ مند فوجوں کو اپنی بہادری دکھلانے کا موقع دے سکتا۔ اتفاقات بھی ایسے پیش آئے کہ جے پال اور انندپال کے سبب بار بار ہندوستان ہی آنا پڑا۔ اس کا ارادہ تھا کہ لنکا اور برما تک اپنی فتوحات کا پرچم اُڑائے[1]۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ نزدیک تر راستہ اختیار کیا جائے، غزنہ سے لنکا کا راستہ جو سب سے کم خطرناک ہو وہ یہی گجرات کا راستہ تھا۔ پس ضروری تھا کہ راہِ مقصود سے اس سنگِ گراں کو پہلے اُٹھا دے اسی لیے اُس نے گجرات پر حملہ کیا اور فتح یاب اور کامیاب واپس گیا۔

(۶) سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سبکتگین کے آخر عہد اور محمود کے ابتدائی حملوں میں جے پال اور انندپال (راجہ لاہور) مسلمانوں کے مقابل، ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کو اپنے ساتھ متفق کر کے حملہ آور ہوا، اور آخر شکست کھائی۔ محمود کا تنازعہ صرف انندپال سے تھا، دوسروں سے اس کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پھر مندرجہ ذیل راجے محمود سے بلا وجہ انندپال کے ساتھ مل کر حملہ آور ہوئے۔ راجہ قنوج، راجہ میرٹھ، متھرا، مہابن کا راجہ، کالنجر کا راجہ راجہ اجمیر، گوالیار کا راجہ۔

یہ بات قدرتی طور پر محمود کو ناگوار گزری، گویا کہ ان راجوں نے بلا وجہ محمود کو دعوتِ جنگ (الٹی میٹم) دی۔ چنانچہ محمود نے بھی ایک ایک کر کے سب سے معاوضہ لیا شمالی ہندستان سے اجمیر، مالوہ، گجرات بالکل الگ تھے، اس سبب سے ان تینوں کو تنبیہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ پوری احتیاط اور زبردست طاقت سے ایسے راستے کو طے کر کے آئے کہ

---

[1] تاریخ فرشتہ ذکر سومنات محمود غزنوی۔

ان کو آپس میں ملنے اور مدافعت کرنے کا موقع ہی نہ ملے، اور ایسا ہی ہوا۔

(۷) ان تمام راجاؤں (اجمیر، مالوہ، گجرات) میں سب سے زیادہ مغرور اور دولتمند گجرات کا راجہ تھا، اس لیے اجمیر کے راجہ نے جب راہ فرار اختیار کی تو اس کے پایۂ تخت کو لوٹنا ہی کافی تنبیہ سمجھی گئی۔ بخلاف گجرات کے راجہ کے کہ اس کے ماتحت متعدد زبردست راجاؤں کے سبب وہ مہاراجہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کے پایۂ تخت تک پہنچ جانا اور لوٹ لینا کافی نہ تھا۔

(۸) اس بنیاد پر یہ بھی دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ محمود غزنوی خاص سومنات پر حملہ کرنے کی دراصل کوئی نیت ہی نہ رکھتا تھا۔ بلکہ اس کا اصلی منشا، راجہ گجرات سے معاوضہ لینا تھا۔ اس لیے جب پٹن پہنچنے پر دشمن دستیاب نہ ہوا تو بجائے لوٹ مار کر واپس جانے کے اس نے اس کا تعاقب کیا، اور چونکہ وہ دیول واڑہ چلا گیا تو محمود وہیں پہنچا، پھر سومناتھ کی طرف چلا آیا تھا، لہذا محمود بھی اسی طرف آیا۔ یہاں آنے پر اس کو معلوم ہوا کہ کنتھ کوٹ بھاگ گیا، اب کنتھ کوٹ جانے کے دو ہی بہتر راستے ہو سکتے تھے یا تو کھنبائت بندر لوٹ کر وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر جائے، مگر یہ طول عمل تھا، اور دوسری آسان صورت یہی تھی کہ بندر سومناتھ سے جائے، اگر سومناتھ والوں نے فوراً اطاعت قبول کر لی ہوتی اور راستہ دیدیا ہوتا تو سومناتھ کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر وہ سیدھا کنتھ کوٹ چلا جاتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہو کہ محمود کی ساری عمر میں ایک مثال بھی کوئی نہیں دکھلا سکتا کہ اطاعت قبول کر لینے کے بعد حالت امن میں کسی مندر کو لوٹا ہو یا کسی ہندو کو جبراً مسلمان بنایا ہو، مگر سومناتھ والوں نے راستہ روک دیا اور قلعہ بند ہو کر خواہ مخواہ اس سے جنگ مول لی جس سے دشمنوں نے فائدہ اُٹھایا، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ فتح سومناتھ کے بعد سیدھا کنتھ کوٹ پہنچا حالانکہ فتح کے بعد لوٹ آنا چاہیے تھا، اور جب راجہ کنتھ کوٹ سے بھی بھاگ گیا تو محمود اس کے پیچھے جاتا مگر یہاں آ کر اس کو معلوم ہوا کہ پہاڑی علاقہ میں کہیں چلا گیا۔ اگر محمود کا مقصد

فقط سومناتھ لوٹنا ہوتا تو اس کو اجمیر اور آبو کے راستہ کے بدلے کچھ کا چھوٹا رن طے کر کے جلد سومناتھ پہنچ جانا چاہیئے تھا جیسا کہ واپسی میں کیا، مگر میں دیکھتا ہوں کہ بھیم دیو کے پیچھے پیچھے دوڑا پھرتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ سومناتھ فقط تعاقب میں گیا تھا اور اگر اس کو لوٹ ہی مقصود تھی تو پھر کھنبائت اور بھروچ جیسے مالدار مقام کو کیوں چھوڑ دیا۔

محمود غزنوی کی روانگی

القصہ محمود غزنوی نے جب گجرات فتح کرنے کا ارادہ کیا تو ارکانِ دولت سے اس معاملہ میں مشورہ کیا، راستہ کی تحقیقات کی گئیں، مشکلات معلوم کی گئیں، فوجوں کی مردم شماری کی گئی۔ مجاہدین (مذہبی رضاکار) جوق جوق بھرتی ہونے لگے جن کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ غرض اصلی باتنخواہ چون[۳] ہزار سوار مع تیس ہزار رضاکاروں کے ۱۰ شعبان ۴۱۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۰۲۴ء کو غزنہ سے روانہ ہوا[۱]۔ براہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۱۶ رمضان ۴۱۵ھ ۱۰۲۴ء ملتان آیا۔[۲] پانی کی کمیابی کا حال معلوم کر کے حکم دیا کہ ہر سپاہی اور مجاہد اپنی طاقت کے مطابق خرچ خوراک سے اور مشکیزہ پانی سے بھر لے۔ اس کے علاوہ بیس اور بروایت دیگر تیس ہزار اونٹوں کو کئی روز پیاسا رکھ کر پانی پلایا گیا[۴] اور ان پر خوراک اور پانی لاد دیا گیا۔ ملتان سے بیکانیر اور جیسلمیر ہوتے ہوئے تین سو پچاس میل کا بے آب و گیاہ لق و دق ریگستان طے کرنے لگا۔ پہلی منزل پر ہر سپاہی نے اپنے اپنے توشہ کا سامان خوراک خرچ کیا، اس کے بعد اونٹ ذبح کیے جاتے گوشت سپاہی کھاتے اور اونٹ کے خزانہ سے جو پانی نکلتا وہ صاف کر کے گھوڑوں کو پلایا جاتا اور اونٹوں پر لدی ہوئی مشکوں کا پانی آدمی استعمال کرتے۔ اس طرح دھاوا مارتی ہوئی یہ فوج اجمیر پہنچ گئی۔ اجمیر کا راجہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کیونکہ یہ بات بالکل خلاف توقع تھی۔ جس وقت محمود غزنہ سے روانہ ہوا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہند کا کوئی

---

[۱] فرشتہ (۲) تاریخ صوفی (۳) تاریخ ذکاء اللہ (۴) قصہ محمود شاہ گجراتی

راجہ اس سے بے خبر نہ ہوگا کہ محمود آرہا ہے لیکن کوئی یہ نہ سمجھتا تھا کہ بجلی ہمارے ہی اوپر گرنے والی ہے۔ اسی خیال سے اجمیر کا راجہ بے فکر تھا۔ مگر جب بلا سر پر آپہنچی تو گجرات کے راجہ سے مدد مانگی، مگر مل نہ سکی۔ پس اس کو بجز بھاگ جانے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا، محمود غزنوی اجمیر خالی دیکھ کر جا داخل ہوا، اور نئے سرے سے سامانِ رسد مہیا کرکے چل دیا۔ سامنے تارا گڈھ کا مضبوط قلعہ تھا، مگر وقت ضائع ہونے اور اس کے آنے کی خبر مشہور ہو جانے کے خیال سے تارا گڈھ کو محصور کرنا مناسب نہ سمجھا، اور اس راجہ کی اسی قدر تنبیہ کافی سمجھی گئی۔ پھر جنگل، میدان، گاؤں اور شہر کو طے کرتا ہوا آبو پہنچا[1]۔ چھوٹے چھوٹے راجے اطاعت قبول کرنے لگے۔ راجہ آبو نے بھی نذرانہ دے کر اور اطاعت کا اقرار کرکے اپنی جان چھڑائی اور اپنے ملک سے بلا ٹالی۔ سلطان یہاں سے یلغار کرتا ہوا، گجرات کے ملک میں پہنچ گیا، اور سیدھا پٹن کا رُخ کیا۔ پٹن جس کو عربی کتب میں فتن لکھا ہے اس کا اصلی نام "ان ہل واڑا" ہے۔ اور فارسی عربی مورخوں نے اس کو نہروالا کی شکل میں

---

[1] یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ محمود غزنوی اجمیر سے سیدھا آبو آیا اور اُجین کو اس نے بالکل نہیں چھیڑا۔ اس سبب میرے خیال میں یہ ہے کہ تمام ہندوستان میں اس وقت صرف اُجین ہی کا راجہ بھوج ایک بیدار مغز حکمراں تھا۔ وہ سیاست داں ہونے کے علاوہ علوم و فنون کا بھی بہت بڑا مربی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے خاموشی کے ساتھ محمود غزنوی سے صلح کرلی تھی اور اس سبب سے وہ ادھر نہیں آیا۔ اور اس کی دلیل میرے پاس یہ ہے کہ اسی عہد کا ایک شاعر دھن پال دھرانگری لکھتا ہے کہ محمود غزنوی کو راجہ اُجین نے گوالیار میں شکست دی۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ محمود کو گوالیار میں کوئی شکست نہیں ہوئی۔ غالبًا جو سفیر گوالیار بھیجا گیا تھا جس کی سرحد اُجین سے ملتی تھی وہ جب کامیاب یعنی صلح کرکے واپس آیا ہوگا تو اس نے کہا ہوگا کہ ہم اپنے مقصد میں فتح یاب واپس آئے، عوام نے اس کو جنگ میں فتح یابی تصور کرلی اور اس عہد کے شاعر نے اپنے ممدوح کو فتحمند اور محمود کو شکست خوردہ لکھ مارا۔ ہندوؤں میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں محمود غزنوی کا ذکر آتا ہے۔ اس نے آگے چل کر ایک دعا کرتے ہوئے اپنے بت کو مخاطب کرکے یہ بھی کہا کہ "اے مہادیو تو بڑا طاقتور ہے۔ (ترکوں) محمود غزنوی نے تھانیسر، متھرا اور سومناتھ کو تباہ کردیا، مگر وہ تجھ تک نہ پہنچ سکا (ستیہ پریہ منڈل شری مہاویر اُتساہ)۔ اور ممکن ہے کہ محمود نے اس مرحلہ کو کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھا ہو۔

تبدیل کر دیا۔ یہ شہر اس ملک کا پایہ تخت ہے، اور یہاں کا راجہ گجرات کا مہاراجہ تھا۔ گندھار، منگلور
کھنبائت، سومناتھ، بھروچ، جوناگڈھ وغیرہ میں اس کے باج گزار حکمراں رہتے تھے۔ اس وقت
گجرات کا مہاراجہ سولنکی خاندان سے بھیم دیو[1] تھا (۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء تا ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) گو یہ راجہ اولو العزم اور بہادر
تھا، مگر سلطان محمود کے یوں اچانک آجانے سے یہ بھی متحیر ہو گیا، اور اس عجلت کے ساتھ کوئی
اچھی بروقت مدد نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے مجبوراً نہروالہ جو پایہ تخت تھا چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔
آخر اسی منزل غزنہ سے طے کر کے جب سلطان محمود نے نہروالہ پہنچ کر دم لیا[2] تو بھیم دیو اس سے
قبل بھاگ چکا تھا، لہٰذا اس کے تعاقب میں روانہ ہونے کا قصد کیا۔ پہلے سامان رسد جو
کم ہو گیا تھا، نئے سرے سے مہیا کیا، اور دیگر ضروری اشیاء دستیاب ہو جانے پر منڈھیر (منڈھیرا)
کی طرف بڑھا۔ منڈھیرا ایک بڑا شہر تھا جو وسعت اور رونق میں پٹن سے کسی طرح کم نہ تھا یہ
شہر پٹن ہی کے قریب تھا، اس میں سورج دیوتا کا بڑا مندر تھا جس کے سبب سے یہ بڑا الدار
اور آباد شہر ہو گیا تھا۔ غزنوی فوج پٹن کے بعد اسی شہر میں آئی اور اس نے خوب لوٹ مچائی
جیسا کہ فرخی نے لکھا ہے کہ گجرات میں موڈھ برہمن جو اسی شہر سے نکلے ہوئے برہمنوں کو کہتے ہیں
اسی طرح موڈھ بنیے بھی ہوتے ہیں۔ جناب موہن لال کرم چند گاندھی صاحب موڈھ بنیے ہیں
جو پوربندر میں جا بسے۔ پھر یہاں سے وڈھوان کے راستہ دیول واڑا پہنچا۔ یہ شہر اس نواح
میں دوسرے درجہ کا شمار ہوتا تھا، محمود کے اچانک پہنچنے اور رعب غالب ہو جانے کے سبب
کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی، غالباً بہت خفیف مقابلہ کچھ لوگوں نے کیا، مگر ناکامیاب رہے
اور محمود شہر میں فاتحانہ داخل ہو گیا۔ بھیم دیو یہاں سے بھی چل دیا، اور سومنات ہوتے ہوئے

[1] بھیم دیو کی بجائے بیرم دیو فرشتہ اور طبقات اکبری نے لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے، اور بدایونی راجہائے ہند میں سے ایک نام بیرم دیو لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گجرات کے راجہ کا نام بیرم دیو نہ تھا۔ سیر المتاخرین نے پرج دیو کا مقابلہ محمود سے کرا دیا ہے، مصنف اکبرنامہ نے جامند لکھا ہے اور اسی کی اتباع مراۃ احمدی نے کی ہے اور جامند محرف ہے چامونڈ رجا موڈ بھی کہتے ہیں) کا جو بھیم دیو کا دادا تھا۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں بھیم دیو ہے جو گزیٹیر اور گجراتی تاریخ کے موافق ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ محمود کا یہی ہم عصر ہے۔ [2] یادایام ص ۹ و شعر العجم جلد ۴۔ ذکر شعراء محمودی

کنتھ کوٹ واقع کچھ چلا گیا۔

سلطان محمود دیول واڑا سے فارغ ہو کر ذیقعدہ ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء میں سیدھا بندر سومنات پہنچا، دیکھا کہ سمندر کے کنارے ایک عالی شان قلعہ ہے جس کا سر آسمان سے باتیں کر رہا ہے اور سمندر اس کے قدم چوم رہا ہے اور فصیلوں پر جگہ جگہ پہرہ چوکی کا انتظام ہے۔ چونکہ محمود غزنوی کا متواتر حملہ ہند پر ہوتا رہا تھا اس لیے اس کے نام سے تقریباً اکثر واقف ہو گئے تھے، اگر اطاعت قبول کر کے اس کو راستہ دیدیتے تو سومنات کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچتا، مگر غزنوی فوج کی خبر سن کر سومنات والے فوراً قلعہ بند ہو گئے، پہلے تو اکثر لوگ فصیل پر چڑھ کر تماشا دیکھتے رہے اور قاصدوں کے ذریعہ نامہ و پیام شروع کیا۔ قاصدوں نے دھمکی کے بہت ذرائع اختیار کیے مگر سلطان دھمکیوں سے کچھ خوفزدہ نہ ہوا اور اس نے قلعہ کا محاصرہ شروع کر دیا اور سختی کے ساتھ آمد و رفت قلعہ کی بند کر دی جس سے پجاری برہمنوں کو سخت تکلیف شروع ہوئی اور ان کے روزانہ کے معمولات میں فرق آجانے سے بہت برافروختہ ہو کر فصیل قلعہ پر آئے اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ ہمارا بزرگ سومنات شاید تمہیں اس واسطے یہاں لایا ہے تاکہ تمہیں غارت کر دے۔ تم اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو جلد واپس چلے جاؤ، ورنہ تمہارے زندہ رہنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ہند میں جن بتوں کو برباد کیا ہے، اس کا معاوضہ لیا جائیگا، محمود کی سپاہ نے برہمنوں کے کوسنے اور دھمکیوں کے جواب میں اتنے تیر مارے کہ سب فصیلیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اور سومناتھ مورتی کے آگے گھٹنے ٹیک کر گڑ گڑانے لگے، فوجیوں نے فصیل خالی دیکھی تو کمند لگا کر اوپر چڑھ گئے، اور ایک بلند تکبیر (اللہ اکبر) کے نعرے سے اپنی موجودگی کا ثبوت دیا، قلعہ کے محافظ راجپوت جن کو ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ اس آسانی سے مسلمان فصیل پر چڑھ آئینگے۔ یہ معلوم کر کے بے حد جوش میں آ گئے اور ایک ایسا زبردست جوابی حملہ کیا کہ اکثر مسلمان مارے گئے اور باقی فوجیوں کو واپس آجانا پڑا دوسرے دن صبح سے لے کر شام تک پے در پے حملے مسلمانوں نے کیے، اور بار بار زینے لگا کر فصیل پر

چڑھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ مسلمانوں نے اس کی بھی کوشش کی کہ غنیم کو قلعہ سے باہر نکالا جائے اور میدان میں دست بدست لڑ کر جنگ کا فیصلہ کر دیا جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کو کمک آنے کی کسی طرف سے کوئی اُمید نہ تھی اور اس لیے وہ جلد سے جلد لڑائی کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے۔ بخلاف قلعہ بند فوج کے کہ آس پاس کے ہمسایوں سے مدد کی کامل توقع تھی۔ چنانچہ کورپال حاکم قلعہ سومنات اپنے بہنوئی جے پال حاکم منگرول کا بڑا انتظار کر رہا تھا[1]۔ اس سبب سے وہ جنگ کو طول دینا پسند کرتے تھے۔ مسلمانوں کے جوش دلانے سے یہ باہر نکلے اور شام تک بہادری سے جان دیتے رہے۔ یہ بڑھ بڑھ کر جوش غضب میں حملے کرتے، مگر محمود کی تجربہ کار فوج جو ایلک خان کی پہاڑی فوجوں کو بھی ترکستان میں شکست دی چکی تھی آب شمشیر سے سرد کر دیتی[2]۔ رات کو غنیم کی فوج نے شبخوں مار کر چوکی پہرہ کی فوج کو مار ڈالا اور کامیاب واپس آئے[3]۔ محمود جو بھیم دیو کے تعاقب میں یہاں تک آیا تھا سومنات والوں کے روکنے سے بھیم دیو کو اس بات کا موقع مل گیا کہ تمام کاٹھیاواری راجوں کو سومناتھ کی محافظت کے لیے آمادہ کر دے، چنانچہ تیسرے دن ہر دو فریق جنگ کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ ایک نیا شگوفہ کھلا یعنی کاٹھیاواڑ کے چھوٹے چھوٹے راجے سومناتھ کے بچانے کے لیے آموجود ہوئے، اور اس درمیان بھیم دیو مہاراجہ گجرات کو بھی یہ موقع مل گیا کہ ایک فوج تیار کر کے مقابلہ کرے، چنانچہ ایک بھاری فوج لے کر سومنات پہنچ گیا۔ یہ وقت محمودی فوج کے لیے بڑی مصیبت کا تھا لیکن بہادر محمود اس سے ذرا خوف زدہ نہ ہوا، وہ اس آنے والے وقت سے پہلے ہی واقف تھا، پشاور کی گھاٹیوں اور ملتان کے ریگستانوں میں ایسے معرکے جیت چکا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس بلا کو کس طرح ٹال سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے تھوڑی سی فوج قلعہ کی حراست کے لیے چھوڑ کر بقیہ فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا اور ان فوجوں کو حکم دیا کہ دشمنوں

---

[1] قصۂ منگرولی شاہ [2] فرشتہ جلد اول [3] قصۂ محمود شاہ منگرولی

چھوٹی چھوٹی ٹولیاں جہاں کہیں ملیں تباہ کردی جائیں، اس طرح سے چھوٹے چھوٹے ٹھاکروں اور راجاؤں کو اس کا موقع ہی نہ دیا کہ سومنات تک پہنچیں یا کسی بڑے راجہ کے زیر علم کچھ کرسکیں۔ ان سے نبٹ کر محمود ایک تجربہ کار فوج کے ساتھ بھیم دیو اور راجہ دیوشیل[1] (کاٹھیاوار کا ایک راجہ) کے مقابلہ کو نکلا، میدانِ کارزار گرم ہوا، اور تلواریں ایک دوسرے کا خون چاٹنے لگیں۔ لڑائی زوروں پر تھی، مسلمانوں کی فوج کم ہوتی جاتی تھی اور غنیم کی فوجوں میں ہر لحظہ اُن لوگوں سے اضافہ ہو رہا تھا جو محمودی فوج کے خوف سے ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے۔ سلطان محمود اس معاملہ کو دیکھ کر متردد تھا کہ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے آخر مسلمانوں میں ایک طرح کا ضعف نظر آنے لگا، اور ایسا خیال کیا جانے لگا کہ غنیم محمودی فوج کو کاٹ کر رکھ دیگا اور ان کو غزنہ دیکھنا پھر نصیب نہ ہوگا۔ عام طور پر فارسی تاریخوں میں ایسا لکھا ہے کہ محمود نے اپنے مرشد[2] کا دیا ہوا کپڑا زیب تن کیا، اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا کے آگے سربسجود ہو کر فتح کی دعا مانگی، پھر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی فوج میں آگیا اور اس نے دل بڑھانا شروع کیا، غالباً فوج کو سمجھایا ہوگا کہ غزنہ یہاں سے بہت دور اور گجرات کے ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف ریگستان، اور دشمنوں کی فوج مقابل کھڑی ہوئی ہے، اگر شکست ہوئی تو تم کہاں جاؤ گے اور کس طرف تم کو پناہ مل سکتی ہے، اس لیے لڑ کر جان دینا بہرحال بہتر ہے۔ بغرض محمود کے استقلال اور دل بڑھا کر پے در پے حملوں نے کایا پلٹ دی۔ غزنوی فوج جو اتنے دنوں سے محمود کے ہمرکاب لڑی ہے، وہ ایسے وقت میں چھوڑ کر کہاں جاسکتی تھی، بے جگری کے ساتھ ایسا پر زور حملہ کیا کہ بھیم دیو کی فوج تاب نہ لاسکی اور پانچ ہزار مقتولوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلی اور غزنوی افواج کو کامل فتح نصیب ہوئی۔ بھیم دیو اور راجہ دیوشیل کا تعاقب اس وقت مناسب نہ سمجھا

---

[1] دیوشیل راجے دراصل ولبھی پور کی تباہی کے بعد چھوٹے چھوٹے علاقوں پر قابض ہو گئے تھے اور یہ خاندان کا لقب ہے۔ [2] سلطان کے مرشد کا نام شیخ ابوالحسن خرقانی ہے۔ فرشتہ جلد اول۔

گیا، اس لیے یہ لوگ بھاگ کر اپنے پایۂ تخت میں آئے اور سلطان فتح پاکر پھر سومنات کی محاصر فوج میں آملا۔ ادھر قلعہ والوں کی بھی آس ٹوٹ چکی تھی۔ اور بہادر راجپوتوں کو سوائے لڑکر جان دینے کے کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آیا، تلواریں سونت سونت کر جھپٹ پڑے اور مایوسانہ جنگ شروع کردی۔ محمودی فوج جس کا دل اس فتح نمایاں سے بہت بڑھ گیا تھا بڑی تیزی سے اس نے حملہ کیا اور زینے لگا کر فصیل پر چڑھنے لگی۔ قلعہ کی فوج کو سوائے بھاگ جانے کے کوئی اور راہ نظر نہ آئی، کیونکہ ان پر غزنوی فوج کا رعب غالب آگیا تھا، چار ہزار آدمی سومنات سے نکل کر کشتیوں میں سوار ہوگئے اور بھاگ جانے کا ارادہ کیا لیکن سلطان نے خبر پاتے ہی فوراً ایک حصہ فوج کو کشتیوں پر سوار کرکے ان کے تعاقب میں روانہ کیا، جن میں سے کچھ مارے گئے اور اکثر ڈوب گئے اور بقیہ قید کرکے لائے گئے۔ اب قلعہ میں مسلمان ہی مسلمان نظر آتے تھے اور ہر طرف دار و گیر کا شور تھا، غرض محمود غزنوی نے قلعہ کا معقول بندوبست کیا، اور پھر سومنات مندر کی طرف بڑھا۔ مندر کی مختلف عمارتیں دیکھتا ہوا اور خدا کا شکر بجا لاتا ہوا مندر کے خاص اس حصہ میں گیا جہاں سومناتھ مورتی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اس عجیب و غریب شکل و صورت کو دیکھ کر ایک گرز مورتی کی ناک پر ایسا مارا کہ ناک اڑ گئی اور توڑ دینے کا حکم دیا۔ پجاری بیچارے یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اور نہایت عاجزی سے التجا کی کہ اس مورتی کو واگزار کیا جائے تو ایک کثیر رقم[1] خزانہ عامرہ میں داخل کردی جائیگی۔ ارکانِ دولت نے بھی سلطان کو اس عریضہ کے منظور کرلینے پر مائل کیا لیکن سلطان نے کچھ سوچ کر کہا کہ میں بت فروش کے بجائے بت شکن بننا زیادہ پسند کرتا ہوں، یہ کہہ کر بت کو ایک گرز سے توڑ ڈالا، بت ٹوٹنے پر اس کے شکم سے بڑے قیمتی پتھر نکلے۔ ایسے بیش بہا لعل و جواہرات کی قیمت اس سے کئی گنا زیادہ تھی جو پجاری بطور نذرانہ پیش کر رہے تھے، سلطان نے سومنات مورتی

---

[1] فرشتہ نے لکھا ہے کہ مورتی کے ہم وزن سونا دینا چاہا تھا۔ دوسری تاریخوں نے زر کثیر کا لفظ لکھا ہے، لیکن محمود شاہ منگرولی کے قصہ میں بیالیس لاکھ لکھا ہے۔

کے چار ٹکڑے کیے۔ ایک مکہ اور ایک مدینہ بھیجا، اور دو ٹکڑے غزنہ میں جامع مسجد اور دربار عام کے زینے کے پاس ڈال دیئے[1]۔ اس مہم میں مسلمانوں کا جانی نقصان تین ہزار کا ہوا۔ جامع التواریخ کے حوالے سے فرشتہ نے لکھا ہے کہ حوالی سومنات میں ایک اور دوسرا مندر تھا۔ جہاں معلق مورتی تھی جسے سلطان دیکھ کر بہت متعجب ہوا، لیکن جب حکمائے وقت سے اس کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آس پاس کی دیواریں مقناطیس کی ہیں اور یہ بت لوہے کا ہے۔ اور قدرتی تجاذب کے سبب زمین اور چھت کے درمیان معلق ہے۔ سلطان نے ایک دیوار کو گرانے کا حکم دیا، اور اس کی تعمیل کے ساتھ ہی مورتی سرنگوں تھی۔ محمود غزنوی سومنات کے معاملات کا فیصلہ کرکے اور مالِ غنیمت[2] لے کر بھیم دیو کے مقابلہ کو چلا، جو برابر جنگی تیاری میں مصروف تھا۔ بھیم دیو کو جب اس کی خبر ہوئی کہ سلطان محمود غزنوی آرہا ہے تو گھبرا کر بھاگ نکلا، اور قلعہ کنتھ کوٹ (کچھ) میں جاکر پناہ لی[3]۔ محمود نے بھی اپنا رُخ اسی طرف پھیرا، اور

---

[1] میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ بھیجنے کا صرف ایک سبب تھا، اور وہ یہ کہ اپنی حریف اسمٰعیلی سلطنت کے اقتدار کو کم کرنا اور اپنی قوت اور فتوحات کی نمائش کے ذریعہ خلیفہ عباسی کا اقتدار اور رعب بڑھانا تاکہ حریف کو معلوم ہوجائے کہ فاتح ہندو سندھ و گجرات کے زیر حمایت خلیفہ بغداد ہے۔

[2] ڈاکٹر لیبان نے تمدن ہند میں کل مال غنیمت کا اندازہ پندرہ کروڑ لکھا ہے۔

[3] مورخین متحیر ہیں کہ یہ مقام کہاں ہے؟ فرشتہ نے اس کو کھندبہ لکھا ہے، اور اس کا فاصلہ سومنات سے چالیس[40] کوس لکھا ہے۔ مرأۃ احمدی نے نام نہیں بتایا، مگر فاصلہ پینتالیس کوس لکھا ہے۔ اکثر لوگ اس مقام کو گندھار لکھتے ہیں جو بھروچ کے پاس تھا۔ کرنل برگس گندیوی کا پتہ دیتے ہیں جو سورت سے پچیس میل پر ہے۔ ڈاکٹر بولر ملک کچھ کے کنتھ کوٹ کا حوالہ دیتے ہیں۔ گاندھ دی جو ساحل کاٹھیاواڑ پر ہے، کچھ لوگ اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ الفنسٹن اس کی اصل گندابا لکھتا ہے، مگر کوئی مقام نہیں لکھتا ہے۔ خود میری رائے یہ ہے کہ کنتھ کوٹ واقع کچھ ہی صحیح ہے، اور یہی گجرات میں زیادہ مشہور ہے۔ چنانچہ طبقات اکبری ص ۲۲۱ پر ہے۔ کہ از آب گزشتہ بجانب کنت (کنتھ) از طرف کچھ رفت۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلعہ کنت (کنتھ کوٹ) کا مقام رن طے کرنے کے بعد کچھ کی طرف ہے جو مضبوط اور دشوار مقام ہے۔ شاعر فرخی نے اس سے بھی زیادہ تفصیل اور صاف طور سے لکھا ہے۔ چونکہ اس سے پہلے بھی گجراتی راجوں نے اس مقام کو اپنی مصیبت کے وقت میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مول راج سولنکی کو بھی جب اجمیری فوج نے شکست دی تو بھاگ کر اسی جگہ پناہ گزین ہوا تھا۔

تعاقب کرتا ہوا سر پر آموجود ہوا لیکن چاروں طرف اس کے پانی دیکھ کر رک گیا، اور غوطہ خوروں کے ذریعہ پایاب جگہ معلوم کرائی، غوطہ خوروں نے عرض کیا کہ اگر سمندر میں مدوجزر (چڑھاؤ) شروع ہو جائے تو البتہ بڑا خطرہ ہے۔ سلطان نے بسم اللہ کہہ کر گھوڑا سمندر میں ڈال دیا، پھر فوج نے بھی اس کی پیروی کی اور تھوڑی دیر میں جزیرہ محمودی فوج کے نرغے میں تھا، فوج بزور شمشیر قلعہ میں پہنچی اور قلعہ کی ہر چیز فاتحوں کے رحم پر موقوف نظر آتی تھی لیکن محمود غزنوی کو گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا یعنی مہاراجہ گجرات بھیم دیو کشتیوں پر سوار ہو کر پہلے ہی نکل بھاگا تھا۔ اس لیے سلطان محمود غزنوی مع اپنی فوج کے وہاں سے واپس ہو گیا۔ اسلامی تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ سولنکی خاندان کا راجہ بھیم دیو یہاں سے بھاگ کر پھر کہاں گیا۔ فرشتہ کے ایک جملہ سے ایسا استنباط ہوتا ہے کہ آبو اور اجمیر کی طرف چلا گیا، جہاں فوجی تیاری میں مشغول رہا سلطان محمود غزنوی اس جزیرہ سے واپس آکر سیدھا نہروالہ پہنچا اور کچھ دنوں تک اس جگہ مقیم رہا۔ ایک دن شکار کو گیا تو دیکھا کہ ایک کتے نے خرگوش پر حملہ کیا، اس نے بھی جوابی حملہ کیا۔ سلطان نے بیحد متعجب ہو کر کہا کہ یہ آب و ہوا کا اثر ہے[ل]۔ اور برسات کا موسم اسی جگہ گزارا۔ برسات کی رت ہندوستان کے لیے موسم بہار ہے، اس زمانہ کی سرسبزی شادابی، رنگ برنگ کے پھول پھل قسم قسم کے میوہ جات سے یہ ملک ایسا دل آویز ہو جاتا ہے کہ بہشت بریں سے تشبیہ کچھ غیر موزوں نہیں، نہروالہ جو دریائے سرسوتی کے کنارے کوہ آبو کے نیچے واقع ہے۔ موسم برشگال میں اپنی سرسبزی کے باعث بہت دلکش مقام تھا محمود غزنوی کو یہ مقام بہت پسند آیا اور ارادہ کیا کہ سلطنت کے دو حصے کر دیے جائیں، ایک حصہ کا پایہ تخت غزنہ ہو، جہاں ولیعہد شاہزادہ مسعود غزنوی حکومت کرے، اور دوسرے حصہ کا پایہ تخت پٹن نہروالہ

ل ظفر والدین اص ۸۔ ایسے لطائف کا بہترین فیصلہ حضرت سعدیؒ نے کیا ہے "دکسنور مغلوب بصول علی الکلب" یعنی بلی کتے سے بھاگتی ہے مگر جب اس کی جان پر آبنتی ہے تو مجبور ہو کر وہ بھی حملہ کر بیٹھتی ہے۔ یہی حال خرگوش کا ہے۔ بلکہ ہر کمزور کا ہے۔ اس کو لطافت ہوا سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق فطرت سے ہے۔

ہو جہاں خود مقیم ہو کر مملکت ہند کا بندوبست کرے، اور اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع تر کرتا رہے چنانچہ خیال تھا کہ لنکا اور پیگو (برہما) تک سلطنت کو وسعت دے اور جہازوں کا بیڑا ہر وقت تیار رکھے، تاکہ فتوحات میں اس سے مدد مل سکے[۱] لیکن غزنہ کے بڑے بڑے اراکین دولت نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ اور عرض کیا کہ خراسان کی ایک ایک چوٹی کن کن مصائب کو جھیل کر دشمنوں سے پاک وصاف کی ہے اور کیسے کیسے جنرل وفادار اس میں کام آئے ہیں اس لیے مصالح ملکی کے خلاف ہے کہ غزنہ چھوڑ کر نہروالہ کو پایہ تخت بنایا جائے۔ اور اگر نہروالہ مستقل طور پر پایہ تخت بنایا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ یہ سن کر نو خیز سلجوقی یا تاتاری غزنہ پر چڑھ دوڑتے غرض سلطان محمود غزنوی اراکین دولت کو پست ہمت دیکھ کر اس معقول ارادے سے باز آیا اور واپسی غزنہ کا مشورہ کرنے لگا لیکن دقت یہ تھی کہ اس مفتوحہ علاقہ (گجرات) کا بندوبست کس طرح کیا جائے، آخر مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ اسی ملک کے کسی لائق شخص کو حکومت سپرد کر دی جائے، جو سالانہ خراج ارسال کرتا رہے۔ لوگوں نے دیوشیل[۲] راجہ کا نام لیا کہ اگر اسے بلائیں تو وہ سر آنکھوں سے حاضر ہو اور وہ فی الحال ایک حصہ ملک پر حکمراں بھی ہے۔ بادشاہ نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ تب دوسرا شخص دیوشیل نامی جو ایک مندر میں رہتا تھا کا نام پیش کیا گیا جو شاہی نسل سے تھا سلطان محمود نے اس کو پسند کیا اور اس کو بلا کر گجرات کی تاج بخشی کی۔ راجہ گجرات نے عرض کیا کہ اس کا ہم نام دیوشیل اس کا دشمن ہو رہا اس کو راجہ نہ

---

[۱] اس سے بھی میرے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ محمود کا مطلب یہ ہے کہ بحری طاقت پیدا کر کے ایک طرف لنکا اور پیگو تک قبضہ کیا جائے اور دوسری طرف خلیج فارس (عمان، بصرہ، بغداد) اور بحر عرب (یمن، جدہ وغیرہ) پر اپنی سلطنت کی دھاک بٹھائے تاکہ حریف اسماعیلی سلطنت کا رعب کم کر کے خلیفہ عباسی کے پردہ میں اپنا اقتدار زیادہ کرے، اور حریف کو اس ذریعہ سے سیاسی مات دے۔

[۲] اسلامی تاریخ میں نام دابشلیم لکھا ہے۔ درحقیقت یہ لفظ دیوسیل ہے اور بقاعدہ زبان دکن آخر میں میم فاعلی کا اضافہ کر دیتے ہیں تو "دیوشیلم" ہوا جس کو معرب کر کے دابشلیم کر دیا۔ یہ کوئی نام نہیں ہے بلکہ خطاب ہے جس کے معنی گیانی راجہ ہے۔ عربی کتابوں میں راجہ دابشلیم کے ساتھ "بیدپا" حکیم کا بھی نام آتا ہے۔ اس کی اصل وید پال برہمن ہے یا ودیاپتی سے بنا ہو کلیلہ دمنہ مشہور کتاب جس میں دابشلیم اور بیدپا کا ذکر آتا ہے اصل سنسکرت میں اس کا مصنف وشنو شرما ہے۔

بنایا اس لیے دشمن ہو جائیگا، تو آپ کے جانے کے بعد وہ مجھ سے راج واپس لے لیگا، اور ابھی میری سلطنت ایسی مضبوط نہیں ہے کہ اس سے لڑ کر کامیابی ہو۔ نیز محمود کو بھی یہ بات یاد تھی کہ جنگ سومنات میں بھیم دیو سے لڑنے آیا تھا بھیم دیو کو شکست دے کر گجرات سے باہر کر چکا تھا۔ اب باری دیو شیل کی تھی، غرض بادشاہ محمود نے ایک فوج روانہ کر کے اس سے جنگ کی اور کامیاب ہوا۔ راجہ دیو شیل گرفتار ہو کر سلطان محمود کے سامنے لایا گیا۔ راجہ گجرات نے عرض کیا کہ اس ملک میں شاہی خاندان کے خون بہانے کا رواج نہیں ہے[1]۔ بلکہ راج گدی کے نیچے ایک سرداب میں بند کر دیتے ہیں جہاں وہ اپنی موت سے مرجاتا ہے۔ اس وقت کوئی سرداب موجود نہیں ہے، اس لیے آپ غزنہ ساتھ لیجائیں۔ جب میں سرداب تیار کرلوں تو آپ اسے بھیجدیجیے گا، چنانچہ محمود غزنہ ساتھ لے گیا، اور جب سرداب تیار ہوگیا تو ایلچی گیا اور دیو شیل کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ جب قریب نہروالہ پہنچا تو راجہ گجرات خدم و حشم کے ساتھ باہر نکلا سخت دھوپ کے سبب ایک درخت کے نیچے سُرخ رومال چہرہ پر رکھ کر سو رہا۔ ایک شکاری جانور نے پارۂ گوشت سمجھ کر چنگل مارا جس سے آنکھیں ضائع ہوگئیں، اور اس ملک کے دستور کے مطابق چونکہ آنکھوں سے معذور شخص راجہ نہیں ہو سکتا، اس لیے راجہ دیو شیل سابق جو غزنہ سے بطور قیدی آیا تھا، لوگوں نے اسی کو راجہ بنایا، اور دیو شیل سنیاسی کو جو اب اندھا ہوگیا تھا قید کر کے اسی سرداب میں رکھا جو اس نے راجہ دیو شیل کے لیے بنایا تھا[2]۔

یہ کہانی عام فارسی تاریخوں میں ہے اور غالباً روضۃ الصفا پہلی کتاب ہے جس میں یہ بے سند کہانی لکھی گئی ہے۔ جس کو اس نے ایک رسالہ میں دیکھا تھا۔ اس روایت کی تصدیق نہ تو عربی تاریخوں سے ہوتی ہے اور نہ گجراتی تاریخوں سے، بہر حال اگر یہ قصہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کو صرف اس طرح ادا کرسکتے ہیں کہ دیو شیل سے مراد یا تو بھیم دیو کا چچا درلب سین ہے

---

[1] یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ راجپوتانہ میں بھی یہ دستور تھا۔ شاہان مغلیہ ہند جب کسی شاہی خاندان کے ممبر کو فوراً نہ مارنا چاہتے تو کسی مضبوط قلعہ میں رکھ کر افیوں کا ست پلاتے تھے تاکہ آہستہ آہستہ نیم جاں ہو کر مر جائے۔ [2] فرشتہ جلد اول

یا اس کا باپ ناگراج، اس خاندان کے یہی دو شخص تھے، جو راج چھوڑ کر سنیاسی بن گئے تھے
لیکن دوسرے دیوشیل کے عناد کا قصہ کسی طرح اس سے چسپاں نہیں ہوتا۔ اس لیے کم از
کم یہ ماننا پڑیگا کہ شاہی خاندان کا کوئی دوسرا شاہزادہ بھی کسی حصہ ملک پر قابض تھا، جو اتنی
طاقت رکھتا تھا کہ اس سے ملک چھین سکتا۔ لیکن جدید تحقیق یہ ہے کہ گوجر قوم کی ایک شاخ
ولبھی تھی جو بھاؤنگر کے پاس ولبھی پور آباد کر کے اس ملک پر راج کرتی تھی۔ ان لوگوں نے
دوسو پچاس برس حکومت کی چھٹی صدی سے لے کر آٹھویں صدی تک بڑی شان سے حکومت
کرتے رہے، اس خاندان کے آخری چھ راجوں کو "شیلادت" کہتے ہیں۔ اس سلطنت کے فنا
ہو جانے پر ملک میں اسی خاندان کے مختلف شاہزادے چھوٹے چھوٹے حصہ ملک پر قابض ہو کر
جو گجرات کے طاقتور راجاؤں کے خراج گزار تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے وقت میں اسی
خاندان کا ایک راجہ تھا جس کی حکومت صرف پربھاس پٹن کے علاقہ تک محدود تھی اسی
کو محمود نے تاج بخشی کی۔ غالباً شیلادت، دیوشلیم، داب شلیم اور دیوشیل سب کے ایک ہی معنی
ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ گجرات کا انتظام کر کے محمود نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن جس طرح
یہاں آنا دشوار تھا اسی طرح واپس جانا بھی دشوار ترین کام تھا سلطان محمود غزنوی نے نہایت
دور اندیشی سے سندھ کا راستہ اختیار کیا اور کچھ کا رن طے کر کے سندھ پہنچ گیا۔ راہبری
کے لیے ایک راہبر ساتھ لیا، اور اس نے دانستہ بے راہ کر دیا اور فوج کو ایسے دشت بیابان
میں لے گیا جہاں کوسوں پانی کا نام نہیں۔ پانی کے سوال پر راہبر نے کہا کہ ہم سومنات کے
پجاری بلکہ فدائی ہیں۔ ہم قصداً تم کو ایسی جگہ لائے ہیں جہاں تم بن پانی کے مرو۔ یہ سن کر اس
کو قتل کا حکم دیا گیا اور خود محمود عالم بے اختیاری میں سربسجود خدا کے آگے ہو گیا۔ اور خلوص دل
سے دعائے نجات مانگی، یہ رات کا آخری حصہ تھا کہ سپیدۂ صبح کی روشنی نے راستہ کا صحیح پتہ بتایا
ہو گا۔ اور جب پانی تلاش کرنے کا حکم دیا، تو دور سے چند آبی پرندے نظر آئے اور ان کی موجودگی
سے پانی کا گمان کیا گیا، چنانچہ خیال صحیح نکلا، ایک چشمہ پر پہنچے اور تمام فوج خدا کا شکر کر کے پانی

سے سیراب ہوئی۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب محمود سومنا تھ سے کچھ کے رن پہنچا تو اس کا
رہبر جو ہندو تھا اس کو دور تک ریگستان میں لے گیا، اور کسی آبادی کا جب نشان نہ ملا تو اس
سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ ہم کو راجہ نے بہت انعام واکرام دے کر صرف اسی لیے روانہ
کیا ہے کہ تم کو اس رن میں لیجائیں، چنانچہ میں نے یہ فرض ادا کر دیا، اب تم میں سے ایک آدمی
بھی زندہ وسلامت نہیں جا سکتا اور میری نسبت تم کو اختیار ہے جو جی چاہے کرو۔ اسی
وقت چند مرغابیاں اُڑتی ہوئی نظر آئیں، لشکریوں نے ان کے پیچھے گھوڑے ڈال دیے اور
چلتے چلتے آخر پانی کے ایک کنارے پر پہنچے، وہاں سے ایک گاؤں نظر آیا، جہاں ایک آدمی
اس سے راستہ دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں تو نہیں جانتا ہوں مگر اس گاؤں میں ایک
بڈھا رہتا ہے وہ بتلا سکتا ہے۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار کر کے اس بڈھے کے پاس لے گئے۔ اس
نے کہا کہ سوائے ایک دفعہ کے آج تک میں نے کسی کو اس پانی سے عبور ہوتے ہوئے نہیں دیکھا
پس اگر مجھ کو طاقت ہوتی اور وہاں تک پہنچ سکتا تو تم کو بتلا دیتا۔ محمود نے اس کو گھوڑے
پر سوار کرا کے آگے چلنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ہدایت کے مطابق اس مقام پر پہنچے مگر گھاٹ
کہیں نظر نہ آیا، چند آدمیوں سے پانی کا حال معلوم کرایا، مگر کسی جگہ پایاب نہ نکلا آخر اس
جگہ سے بادشاہ اپنے گھوڑے کو ڈال کر بہ توکل خدا باہر نکل آیا، اور اس کا لشکر بھی اس کے
پیچھے بے خطر پار ہو گیا[1]۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک شبانہ روز میں پانی کی عدم یابی
سے فوج کا بُرا حال ہوا ہوگا۔ کتنے ایسے ہونگے جو راہی ملک بقا ہوئے ہونگے اور بڑی بڑی مصیبتیں
جھیل کر نجات پائی ہوگی۔ غرض بڑی مصیبت اور مشقت اٹھا کر سندھ ہوتے ہوئے یہ لوگ ملتان
پہنچے، اور وہاں سے ۴۱۷ھ ۱۰۲۶ء میں غزنہ پہنچے اور تحائف بیش بہا کے ساتھ سلطان نے اس مژدۂ فتح
کو خلیفہ القادر باللہ عباسی کے پاس بغداد پہنچایا۔ اس خوشی میں خلیفہ نے ایسا بڑا جشن کیا کہ
گویا خود خلیفہ کو یہ فتح نصیب ہوئی تھی[2]۔ اس سے پہلے یعنی عالم شاہزادگی میں سامانی بادشاہ

[1] جامع الحکایات عوفی ص ۲۱۹ قلمی مملوکہ دار المصنفین [2] فرشتہ جلد اول نول کشور

نے سیف الدولہ کا خطاب دیا تھا پھر خلیفہ نے امین الملت، یمین الدولہ کا خطاب اس وقت دیا، جب تخت غزنہ پر رونق افروز ہو چکا ہے اور فتح گجرات کے بعد خلیفہ نے کہف الدولۃ والاسلام کا خطاب مع سند امارت خراسان، ہندوستان، نیم روز اور خوارزم (موجودہ خیوہ) عنایت فرمایا۔ اور محمود ہی پہلا مسلمان فرمانروا ہے جس کے نام کے ساتھ "سلطان" کا استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے سب "امیر" کہلاتے تھے۔[۱]

راجہ بھیم دیو اور راجہ اجمیر وغیرہ بڑی جمعیت اور استقلال سے محمود کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے تاکہ ایک دفعہ پھر قسمت آزمائی کی جائے، لیکن محمود نے ایسا مناسب نہ سمجھا۔ فوج محمودی یوں بھی بہت کم رہ گئی تھی، نیز بصورت شکست مال غنیمت ہاتھ سے جانے کا اندیشہ تھا۔ اس طرح[۲] یہ لوگ انتظار ہی کرتے رہے اور وہ سندھ پہنچ گیا۔ جب اس کی خبر بھیم دیو کو ہوئی تو وہ ایک فوج تیار کر کے انہل واڑہ پر آ پڑا اور دیوشیل سے راج واپس لے لیا۔ بھیم دیو گجرات پر دوبارہ قبضہ حاصل کر کے جہاں اور تمام انتظامات میں مصروف ہوا وہاں سومناتھ کی بھی مرمت کرائی اور سنگین مورتی اس کی اصلی جگہ پر پھر نصب کرائی۔ غالباً یہ واقعہ ۴۱۸ھ / ۱۰۲۷ء کا ہے۔ سدھ راج کی ماں می نل دیوی ایک دفعہ سومناتھ تیرتھ کو جا رہی تھی کہ لوگوں کو واپس ہوتے ہوئے دیکھ کر وجہ دریافت کی تو جاتریوں نے ٹیکس کا عذر کیا، چنانچہ اس کی سفارش سے بہتر لاکھ کا ٹیکس معاف کیا گیا اور پھر خود بھی سومناتھ کی زیارت کے لیے گئی۔ اور یقین ہے کہ لاکھوں روپیے کے نذرانے مندر پر چڑھائے ہونگے۔ پھر سدھ راج متوفی ۵۳۸ھ / ۱۱۴۳ء بھی بڑی شان و شوکت سے اس کی زیارت کے لیے گیا، اور قیمتی تحفے مندر کے لیے نذر کیے۔ سدھ راج

---

[۱] خلیفہ کی ان عنایات اور خطابات کی ترتیب سے بھی میری رائے کی تائید ہوتی ہے کہ اس سے مشرق میں اقتدار کا قیام مد نظر تھا اور رقیب اسماعیلیوں پر فوقیت کا خیال تھا۔

[۲] تمام مورخین اس طرح بیان کرتے ہیں لیکن صاحب سیر المتاخرین نے خدا جانے کس سند کی بناء پر لکھا ہے کہ واپسی میں راجہ بھوج دیو نے لڑ بھڑ کر سب مال غنیمت واپس لے لیا اور فوج تباہ حال غزنہ پہنچی۔ دیوان رنچھوڑ جی مصنف تاریخ سورٹھ نے بھی بلا سند اسی طرح لکھا ہے، حالانکہ تمام اسلامی مورخین نے اس کے خلاف لکھا ہے۔

کا جانشین کمار پال متوفی ۵۶۸ھ / ۱۱۷۲ء جس نے جینی مذہب اختیار کر لیا تھا، اس نے بھی اپنی تخت نشینی کے بعد سومنات کی کافی خدمت کی۔ اس لیے مندر کی ہر جگہ سے مرمت کرائی اور پھر اس کے ترقی دینے میں معقول حصہ لیا۔

ان نامور راجاؤں کی اولوالعزمیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ محمود کی آمد کا اثر بالکل محو ہو گیا اور سومناتھ پھر اپنی حقیقی شان کے ساتھ سومناتھ بن گیا چنانچہ (بھدر) (کالی دیوی) کا جو کتبہ ۵۶۵ھ / ۱۱۶۹ء سمبت ۱۲۲۵ کا دستیاب ہوا ہے اس میں اس شہر کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ شہر کس قدر شاندار ہو گیا تھا، اور لوگوں کے دلوں میں اس کی کس قدر وقعت تھی۔ تحریر مذکور یہ ہے کہ "یہ شہر عالم کا چہرہ اور دنیا کا زیور ہے، مال و دولت کا خزانہ اور مہادیو کی خاص مہربانیوں کا مرکز ہے" الخ

اساول جو احمد آباد بسنے کے بعد اس سے ملحق ہو گیا، ایک مرکزی اور تجارتی مقام تھا، مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی۔ ایک مسجد کا کتبہ برآمد ہوا ہے اس پر ہے۔ ھذا المسجد فی الرابع والعشر من ربیع الاولی سنۃ خمس واربعین واربعمائۃ (۴۴۵ھ) آج کل کانچ کی مسجد جمال پور میں یہ کتبہ موجود ہے لیکن ماہرین فن اس کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ "این کتبہ قدیم است" کے حروف اور پہلی لائن کے حروف ملتے جلتے ہیں۔ لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ کسی قدیم مسجد کا کتبہ ہے اس کے ویران ہونے پر اس مسجد میں لا کر لگا دیا گیا ہوگا۔ جیسا کہ خان پور احمد کے پتھر کی مسجد میں ہے یا منگلور کی جامع مسجد کا کتبہ بوڑھ واڑ کی مسجد میں ہے

بوستاں میں حضرت سعدی شیرازی نے جو حکایت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سومنات بھی تشریف لائے تھے، لیکن اس کی کوئی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے۔ شیخ سعدی کی وفات مسلمہ طور پر ۶۹۱ھ / ۱۲۹۱ء میں ہوئی ہے۔ اور اگر ان کی عمر ایک سو بیس برس تسلیم کریں (جس میں میرے نزدیک کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ خلاف عقل، کیونکہ دنیا میں اس عمر کے بہت آدمی گزرے ہیں) تو سنہ ولادت ۵۷۰ھ / ۱۱۷۵ء ہوگا۔ یہ عہد جے پال سولنکی کا تھا۔ شیخ موصوف سعد زنگی کے عہد حکومت

میں وطن سے نکلے، اور ابوبکر کے ابتدائے عہدِ حکومت تک واپس وطن نہ ہوئے، یہی زمانہ ان کی سیاحت کا ہے، سعد زنگی وفات ۶۲۳ھ / ۱۲۲۶ء میں ہوئی، یہ عہد ۵۷۵ھ / ۱۱۷۹ء تا ۶۴۰ھ / ۱۲۴۲ء بھیم دیو ثانی سولنکی کا ہے۔ اس کا زمانہ بڑا پرآشوب رہا۔ پہلے چوہانوں نے گجرات پر حملہ کر کے ملک میں بدامنی پیدا کی، پھر دہلی کا قطب الدین ایبک دو دفعہ گجرات پر حملہ آور ہو کر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد خود ماتحت گورنروں نے بغاوت کر کے ملک کے مختلف حصوں پر قبضہ کر لیا۔ جن میں سب سے زیادہ مضبوط و طاقتور خاندان غالباً باگھیلا تھا، غرض اس بدامنی اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا جب سعدی سومناتھ وارد ہوئے۔ چنانچہ یہ کہانی خود ان کی زبانی اس طرح ہے:۔

جب[1] میں سومناتھ پہنچا اور ہزاروں آدمیوں کو دیکھا کہ ایک بت (مورتی) کی پرستش کے لیے دور دور سے لوگ آتے ہیں، اور اس سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اس بات کی تحقیق کے لیے میں نے ایک برہمن سے ملاقات پیدا کی، ایک روز اس سے دریافت کیا کہ یہ لوگ اس بےحس مورتی پر کیوں اس قدر فریفتہ ہیں، اور اس کے سامنے اس مورت کی سخت مذمت کی۔ برہمن نے مندر کے پجاریوں کو اس کی خبر کر دی۔ سب نے آکر مجھ کو گھیر لیا۔ میں نے مصلحتاً ان سے کہا میں نے کوئی بات بداعتقادی سے نہیں کہی۔ میں خود اس مورتی پر فریفتہ ہوں لیکن چونکہ میں نووارد ہوں اور پوشیدہ راز سے ناواقف ہوں اس لیے اس کی حقیقت دریافت کرنا چاہتا ہوں تاکہ سمجھ اور بوجھ کر اس کی پوجا کروں۔ انہوں نے یہ بات پسند کی اور کہا کہ آج کی رات تو مندر میں رہ تجھ کو اصل حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ میں رات بھر وہاں رہا صبح کے وقت اس بستی کے مرد و عورت جمع ہوئے اس مورتی نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا، جیسے کوئی دعا مانگتا ہو۔ یہ دیکھتے ہی سب جے جے پکارنے لگے، جب سب چلے گئے تو برہمن نے مجھ سے ہنس کر کہا کہ کیوں اب تو کچھ شبہ نہیں رہا۔ میں ظاہرداری سے رونے لگا، اور اپنے سوال پر شرمندگی ظاہر

---

[1] بوستان سعدی، باب ہشتم۔

کی سب برہمنوں نے مجھ پر مہربانی کا اظہار کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس مورتی کے سامنے لے گئے، میں نے مورتی کے ہاتھ پر بوسہ دیا، اور بظاہر چند دنوں کے لیے برہمن بن گیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب میرا اعتبار بڑھ گیا، تو ایک رات کو جب سب چلے گئے تو میں نے مندر کا دروازہ بند کر دیا اور مورتی کے تخت کے پاس جا کر غور سے دیکھا، وہاں مجھے پردہ نظر آیا جس کے پیچھے ایک پجاری چھپا بیٹھا تھا، اور اس کے ہاتھ میں ایک ڈور تھی۔ معلوم ہوا کہ جب وہ اس ڈور کو کھینچتا ہے تو فوراً اس مورت کا ہاتھ اُٹھ جاتا ہے۔ اسی کو عام لوگ کرشمہ سمجھتے ہیں۔ اُس پجاری نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا تو وہ کھسیانا ہو کر وہاں سے بھاگا میں بھی اس کے پیچھے دوڑا اور اس خوف سے کہ وہ کہیں مجھے پکڑ کر مروا نہ ڈالے۔ اس کو پکڑ کر ایک کوئیں میں گرا دیا، اس کے بعد میں فوراً وہاں سے بھاگ نکلا اور ہندھ[1] ہوتا ہوا یمن کے راستہ حجاز پہنچا[2]۔

اُستاذ محترم علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس واقعہ پر چند اعتراض کر کے بیان کی غلطی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ان واقعات کے بیان میں عام غلطیاں تو یہ ہیں:۔

(۱) بت کو ہاتھی دانت کا بتایا ہے، حالانکہ ہاتھی دانت کو ہندو پاک نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لیے اس کا بت نہیں بنا سکتے۔

(۲) برہمنوں کو لکھا ہے کہ وہ پا ژند پڑھتے تھے، حالانکہ پاژند ہندوؤں کی کتاب نہیں ہے بلکہ پارسیوں کی کتاب ہے۔

(۳) برہمنوں کو کہیں گبر اور کہیں مطران کہتے ہیں، حالانکہ مطران عیسائیوں کے پادری کو کہتے ہیں۔

(۴) مطران کو پھر آذر پرست کہا ہے۔ یہ اور بھی لغویت ہے۔

(۵) شیخ کتنی ہی بت پرستی کرتے لیکن یہ ناممکن تھا کہ ایک ایسے عظیم الشان بتخانہ میں

---

[1] عموماً عرب سیاح سندھ کے علاوہ باقی تمام صوبوں کو ہند ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس لیے ہند سے غالباً کھنبائت یا کوئی دوسری بندرگاہ مراد ہوگی، ورنہ ہند میں (دہلی) سعدی کا آنا کسی طرح ثابت نہیں ہے۔ [2] حیات سعدی ص ۳۲

تمام برہمن اور پجاری اکیلے ان کے ہاتھ میں بت خانہ چھوڑکر باہر نکل جاتے اوران کو یہ موقع ملتا کہ چاروں طرف کے دروازے بند کرکے جو چاہتے کرتے۔

علامہ موصوف پھر آگے چل کے منشا غلطی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تازہ ولایت تھے، خدا جانے کس چیز کو کیا سمجھا، اورکس واقعہ کو کیونکر لکھ گئے ، اکثر انگریزوں کا یہی حال ہے کہ وہ دو چار دن ہندوستان میں رہ کرسفرنامہ لکھتے ہیں جس کو پڑھ کر ہندستانیوں کو غور کرنا پڑتا ہے کہ یہ کس ملک کی داستان ہے[1]

علامہ موصوف کا بیان ایک حد تک بالکل صحیح ہے لیکن خاص اس واقعہ میں تحقیقات سے بہت کچھ ترمیم کی گنجائش نکل آئی ہے۔

(۱) اول تو یہ خلاف واقعہ ہے کہ ہندو ہاتھی کے دانت کو حرام سمجھتے ہیں، بلکہ تمام مذہبوں میں ہاتھی دانت ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کو پاک سمجھا گیا ہے اور نہ صرف اس کی مورتی بناتے ہیں بلکہ تبرکاً مندر (چھوٹے چھوٹے) بھی تیار کرتے ہیں۔ چنانچہ متعدد گجراتی راجے جب زیارت کے لیے نکلتے تو ہاتھی دانت کے بت اور چھوٹے مندر ساتھ رکھتے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس ملک (گجرات وکاٹھیاواڑ) میں عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ بوقت شادی ہاتھی دانت کی چوڑی ہاتھوں میں ہو۔ دورحاضر میں بھی بنارس کے ایک مندر میں ہاتھی دانت کی مورتی موجود ہے۔

(۲، ۳، ۴) باقی تین نمبروں کا ایک ہی جواب ہے یعنی یہ صحیح ہے کہ غیر ملکی ہونے کے سبب عہدوں کا صحیح نام نہ لے سکے اور اپنے ملک والوں کو سمجھانے کے لیے وہی الفاظ استعمال کیے جن کو اہل ایران آسانی سے سمجھ سکتے تھے، اور ایسی مثالیں آج بھی غیر ملک میں جانے سے پیش نظر ہو جاتی ہیں۔ ایک ہندی مسلمان جب چین یا برما جاتا ہے تو اس کے معبد کو مندر اور ان کے پجاری کو برہمن ابتداءً بلا تکلف کہہ دیتا ہے۔ اور دوستوں سے جب کبھی گفتگو

---

[1] شعرالعجم ج ۲ ص ۴۱۔

کریگا تو اس کو جلد سمجھانے کے خیال سے وہی مندر اور برہمن کا لفظ استعمال کریگا، حالانکہ ان کے لیے وہاں خاص خاص الفاظ موجود ہیں۔ میرے خیال میں سعدیؒ نے ایسا ہی کیا ہے۔ اور یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ جس طرح پارسی آگ روشن کرکے ژند یا اوستا پڑھتے ہیں اسی طرح ہندو آگ جلا کر "ہون" کرتے ہیں اور اشلوک پڑھتے ہیں۔ حضرت سعدی نے اسی طرح دیکھا اور پارسی اصطلاحات سے اپنے ملکیوں کو سمجھایا۔

(۵) نمبر میں جو بات کہی گئی ہے اس کا منشا رغلطی یہ ہے کہ ایک عظیم الشان مندر کا جملہ غالباً سومناتھ کی مناسبت سے تحریر کیا گیا ہے اور سومناتھ سے میرے خیال میں مراد وہی سومناتھ ہے جو عام فارسی تاریخوں میں مذکور ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سومناتھ کا جو ذکر عام فارسی تاریخوں میں آتا ہے اس سے مراد اکثر وہ مندر سومناتھ ہے جس پر محمود غزنوی نے حملہ کیا تھا، ورنہ شہر سومناتھ میں جس کو عام طور پر سومناتھ پٹن کہتے ہیں، ہزاروں مندر تھے جو اپنے اپنے طرز کے باعث عجائبات میں شمار ہونے کے لائق تھے پس بہت ممکن ہے کہ شہر سومناتھ میں سے کوئی دوسرا مندر ہو، جس کا ذکر سعدی نے کیا ہو اور نظم میں بیان کرنے کے باعث تفصیل چھوڑ دی ہو[۱]۔ نظامیہ بغداد کو دیکھ کر دوسرے دولتمند شہروں میں بھی نظامیہ ہی کے نام سے مدارس قائم ہو گئے تھے۔ جیسا کہ نیشاپور وغیرہ کے حالات میں درج ہے اسی طرح گجرات و کاٹھیاواڑ کے دوسرے شہروں میں بھی سومناتھ کے نام سے مندر قائم کیے گئے تھے۔ جیسا کہ بقول بیرونی جنوبی ہند کے ہر گھر میں سومناتھ کے لیے ایک جگہ مقرر ہوتی تھی[۲]۔ اور آج بھی احمد آباد میں سومناتھ مندر موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سعدی نے اسی میں سے کسی کا ذکر کیا ہو، اور اجنبی ہونے باعث نام صحیح طور پر محفوظ نہ رکھ سکے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مندر جس کا ذکر سعدی نے کیا ہے، وہ محمود والا شاندار مندر نہ تھا۔ بلکہ شہر سومناتھ میں فصیل شہر سے باہر ایک مندر تھا جو اس وقت ذرا بلندی پر

---

[۱] حیاتِ سعدی [۲] کتاب الہند للبیرونی ص ۲۵۲- طبع یورپ۔

واقع ہوا اور آج ۱۹۳۰ء تک مسلمانوں میں شیخ کا مندر مشہور ہے، گو آج سورج دیوتا کے نام سے اس مندر کو شہرت دے کر آباد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، مگر ابھی تک ویران پڑا ہے ایک نظر گرد و پیش دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عہد عروج میں بھی یہ کوئی عظیم الشان مندر ہو گا بلکہ ایک متوسط درجہ کا مندر ہو گا، جہاں اس قسم کا واقعہ ہونا کوئی بعید از قیاس بات نہیں معلوم ہوتی۔

شکستِ بھیم دیو کے اسباب

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ بھیم دیو جیسا سورما جس نے سندھ کے راجہ کو گرفتار کر لیا تھا اور جس نے اپنی فوجی طاقت سے اُجین کو پامال کر ڈالا تھا اور جس کا سپہ سالار بھی ایک مشہور شہسوار تھا، اس نے کس طرح شکست کھائی، غور کرنے سے مندرجہ ذیل وجوہ نظر آتے ہیں۔

(۱) جب محمود اجمیر پہنچ گیا، اور بھیم دیو کو اس کی خبر ہوئی تو اس کو مطلق یقین نہ تھا کہ یہ بلا یکایک میرے ہی سر پر آجائیگی، خیال تھا کہ محمود اجمیر کو فتح کر کے مال غنیمت کے ساتھ لدا پھندا غزنہ واپس ہو جائیگا، لیکن اچانک جب ترکی گھوڑوں کی ٹاپ کانوں میں متواتر آنے لگی تو یہ وہ وقت تھا جس کے لیے بھیم دیو قطعاً تیار نہ تھا، اور اس لیے وقت کم ہونے کے سبب کچھ غیر معمولی تیاری جنگ نہ کر سکتا تھا مجبوراً پایہ تخت چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا۔

(۲) جب محمود سومناتھ پہنچا اور اس کا محاصرہ شروع کیا تو اس عرصہ میں بھیم دیو نے ایک فوج مرتب کر لی لیکن یہ بات صاف ظاہر ہے کہ پایہ تخت دشمنوں کے قبضہ میں آجانے سے خزانہ کا بہت کچھ حصہ لوٹ میں آگیا ہو گا۔ ایسی صورت میں بھیم دیو نے جو فوج تیار کی ہوگی یقین ہے کہ وہ رنگروٹوں کا ایک گلہ ہو گا، بخلاف غزنوی فوج کے

کہ ترکستان کے تجربہ کار بڑے افسر کے علاوہ وہ پہاڑی فوج تھی جس کا دن رات جنگ کرنا ہی مشغلہ ہے اور یہ قوم آج بھی ہزار برس گزر جانے پر ویسی ہی جنگجو ہے جیسی پہلے تھی۔

(۳) غزنوی فوج میں اگرچہ مختلف نسل کے لوگ موجود تھے مثلاً عرب، ترک، افغان، ہندو[1]، مگر سب کے سب ایک جھنڈے اور ایک افسر کے ماتحت یکدلی سے کام کر رہے تھے لیکن بھیم دیو کے پاس صرف اپنی ہی فوج تھی، باقی فوج دوسروں کے ماتحت تھی۔ جو آس پاس کے زیادہ تر چھوٹے چھوٹے ٹھاکر تھے یا چھوٹے درجہ کے راجے۔ اس کے علاوہ بھیم دیو کے تعلقات پڑوس کی سلطنتوں سے کچھ اچھے نہ تھے۔ بندھیل کھنڈ، سندھ، اجین، اجمیر، بنارس وغیرہ کے راجاؤں نے اسی سبب سے اس کی کچھ مدد نہ کی، اور اس نااتفاقی نے گھر ویران کر ڈالا، افسوس کہ ہندوستان کا یہ پرانا مشغلہ ہے جس کے سبب ہمیشہ اغیار کامیاب ہو گئے ہیں۔ آج بھی ہندوستان میں یہی دیو وہی کام کر رہا ہے جو آج سے ہزار برس پہلے کر رہا تھا، کاش ہندوستان اس بات کو سمجھتا۔

(۴) مسلمان چار سو سال سے ہندوستان، افغانستان، ترکستان، ایران، شام، عرب، مصر، افریقہ، یورپ پر حملے کر کے فتح کر چکے تھے۔ اس سبب سے اُن کے پاس ہر ملک کے جدید اسلحہ موجود ہونگے جیسے روغن نفت جس سے ہندی بالکل ناآشنا تھے۔ ایسے ہی دوسرے قسم کے اسلحہ جیسے منجنیق[2] وغیرہ ایسے آلات تھے جو غالباً ہندیوں کے استعمال میں کبھی نہیں

---

[1] بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے، مگر تاریخ اس کی شاہد ہے کہ محمود کی فوج میں ہندو فوج کا ایک خاص درجہ تھا، غزنہ میں ان کے لیے بارکیں بنی ہوئی تھیں، اور اس پر شاہی اعتماد اس قدر تھا کہ بعض دفعہ اہم جنگی موقعوں پر بھیجی جاتی تھی۔ مسعود اور محمود دونوں بھائیوں کی جنگ میں محمد کی طرف سے سوندے رائے (سندر رائے) ہندو جرنیل میدان جنگ میں لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ باغی احمد حاکم پنجاب کی سرزنش کے لئے جرنیل ناتھ کو کام آتا ہوا تاریخ میں پڑھتے ہیں۔ پھر سپہ سالار تلک کو مع اپنی فوجوں کے فتح کا شادیانہ بجا کر پنجاب میں داخل ہوتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں (طبقات اکبری) اور بدایونی سوندھی رائے نام لکھتا ہے۔ اور دوسرا نام ناتھ ہے۔ فرشتہ نے سوبند رائے، ناتھ لکھا ہے اور بعض تواریخ میں ان کے علاوہ ایک اور جنرل کا نام سکھ پال بتایا ہے۔

[2] منجنیق (من جے نیق)، اس لفظ کی وجہ تسمیہ عجیب عجیب بیان کی گئی ہے۔ بعضے فارسی (باقی بر صفحہ آئندہ)

آئے، مہابھارت کی جنگ میں جن جن ہتھیاروں کے نام آتے ہیں وہ بیشک عجیب ہیں لیکن یہ یقین کرنے کے لیے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہو کہ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ پانچویں صدی ہجری میں بھی وہ سب ہتھیار موجود تھے، یا کام میں لائے جاتے تھے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہو کہ غزنوی فوج کی فتح میں اس جدید اسلحہ کو بھی دخل ہے، جو ان کے پاس موجود تھے۔

(۵) طریقہ جنگ بھی ایک عجیب چیز ہے جس سے قوموں کی قسمتیں پلٹ جایا کرتی ہیں غزنوی فوج جو تقریباً پچیس برس سے راجپوتوں کے ساتھ لڑ رہی تھی راجپوتی طریقۂ جنگ سے پوری آگاہ تھی، اور اس جوڑ کا توڑ رکھتی تھی، اسی سبب سے بڑی فوجوں کو شکست دے چکی تھی لیکن غزنوی فوج جس نے طریقہ جنگ ایسا نکالا تھا جو ہندوستان میں غالباً رائج نہ تھا۔ یعنی ان کا طریقۂ جنگ یہ تھا کہ سواروں کی پلٹن دائرہ بنا کر حملہ آور ہوتی تھی اور ایک پلٹن جب وار کر لیتی تو وہ پیچھے ہو جاتی اور دوسری پلٹن جو اس کے پیچھے ہوتی اس کی جگہ لے لیتی، اور اس طرح یہ فوج جلد نہ تھکتی تھی، اور دائرہ کے سبب خود منتشر نہ ہوتی تھی، بلکہ بعض اوقات دشمنوں کو نرغے میں لے لیتی تھی۔

(۶) سب سے بڑا فرق دونوں فوجوں میں جو تھا وہ یہ کہ بھیم دیو کی فوج ایک نوکر فوج تھی، جس کا منشا صرف اسی قدر تھا کہ بھیم دیو کے حکم کی تعمیل کی جائے، لیکن محمود کی فوج میں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) من جہ نیک کا معرب بتلاتے ہیں۔ لیکن اغلباً یہ لفظ یونانی "من جانے نوک" سے مشتق ہے جس کے معنی جادو اور کرتب کے ہیں۔ ابن خلکان کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ لفظ کسی دوسری زبان سے معرب ہے۔ توپوں کی ایجاد سے پہلے تک ان آلات کا قلعہ کی دیواریں توڑنے اور قلعہ کے اندر شعلہ گیر اور جلتی ہوئی اور بدبودار سڑی ہوئی چیزیں اور پتھر پھینکنے کے لیے یورپ اور اسلامی ممالک اور چین میں رواج تھا۔ مارکوپولو کے سفرنامے میں سترہ تصویریں اس کی دی ہیں منجملہ ان کے ایک مندرجہ ذیل ہے:۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں سندھ کے مقام دیبل کو فتح کرتے وقت جو منجنیق استعمال کی تھی اس پر پانچ سو آدمی کام کرتے تھے اور اس کا نام العروس یعنی دلہن رکھا تھا۔

(خلاصہ حاشیہ ابن بطوطہ جلد ۲ اردو)

تیس ہزار صرف وہ لوگ تھے جو جان دینے ہی کے خیال سے آئے تھے، اور جن کی کوئی تنخواہ ماہانہ مقرر نہ تھی، وہ یہ سمجھ کر آئے تھے کہ اپنے ملک اور قوم کی بہر صورت عزت رکھنی ہی چاہیے اس میں ایک بھی زندہ نہ بچے۔

سچ پوچھو تو اگر بھیم دیو کو بھی مہلت ملتی اور اپنی سرفروش سورماؤں کو جمع کرنے کا موقع پاتا تو یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوتا کہ ان میں فتح یابی کا سہرا کس کے سر باندھا جائیگا۔

بہرحال یہ واقعات اور اسباب تھے، جن کے باعث بھیم دیو نے شکست کھائی اور ممکن ہے کہ دوسرے واقعات بھی ہوں جن سے میں اس وقت تک ناواقف ہوں۔

اکثر مورخین آخر میں سلطان محمود غزنوی کے اخلاق پر تنقید بھی کرتے ہیں لیکن یہ موضوع میری بحث سے خارج ہے، اس لیے اس کے متعلق میں کچھ زیادہ نہیں لکھ سکتا، صرف اسی قدر عرض کرونگا کہ محمود غزنوی نہ صرف ایک بادشاہ تھا، بلکہ ایک بڑا بہادر سپہ سالار بھی تھا مستقل مزاج بھی تھا، دوراندیش تھا، اور سب سے بڑھ کر بہت بڑا سخی تھا، جان ملکم صاحب نے اپنی تاریخ ایران میں صحیح لکھا ہے کہ وہ اگر بخیل ہوتا تو یہ بات قطعاً ناممکن تھی کہ اس کے پاس ایسے وفادار پرجوش اور سرفروش سپاہی ہر وقت جمع رہتے۔ نیز بڑے بڑے علماء، فضلاء، زہاد، شعراء ادیب اور دوسرے اہلِ کمال دربار میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ فردوسی کے معاملہ میں وزراء کی دشمنی سے زیادہ خود فردوسی اپنی غلط فہمی کا شکار ہوا (چہار مقالہ عروضی ص ۴۷ - ۵۱ م یورپ)

محمود اپنے وقت کا سکندر اعظم تھا، سکندر اپنی فتوحات میں کبھی ناکامیاب نہیں رہا یہی حال محمود کا تھا، سکندر سارا ہند فتح کرنا چاہتا تھا، مگر اس کے جنرلوں نے ہمت ہار دی محمود کو بھی لنکا اور برہما فتح کرنے میں اس کے افسر مانع آئے، سکندر کا دائرہ فتوحات بہت وسیع تھا، محمود بھی اس کے قریب قریب تھا۔ سکندر نے لوگوں کو تاج بخشی کی۔ محمود نے بھی بارہا اس کا نمونہ دکھلایا، سکندر نے اپنے زمانہ کے فوجی نقشے کو بدل کر نیا نقشہ بنایا تھا۔ یہ

فخر محمود کو بھی حاصل تھا جیسی بہادری سکندر نے فتح ملتان کے وقت دکھلائی تھی، اسی طرح محمود نے بھی ایلک خاں (ترکستان) کے مقابلہ میں ظاہر کی۔ الغرض سکندر کی طرح ایشیا کا یہ سکندر (محمود) بھی اپنے وقت کا بڑا فاتح تھا اس کی ساری عمر میں ایک واقعہ بھی غیر مسلم کو بہ جبر مسلم بنانے کا نہیں ملتا۔ اور نہ حالت امن میں کسی مندر کے توڑنے کا کوئی ثبوت ہے۔

محمود غزنوی کی وفات کے بعد خانگی نزاعوں نے سلاطین غزنہ کو بہت کم اس کا موقعہ دیا کہ ہندوستان میں مفتوحہ علاقوں کو قابو میں رکھیں یا اس میں اضافہ کریں، اور جہاں تک اسلامی تاریخوں کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ پھر کسی غزنوی سلطان نے گجرات پر حملہ نہیں کیا۔ البتہ راس مالا میں جو روایت ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گجرات کے راجہ نے جاترا کا ارادہ کیا تھا، اور اس کے لیے بڑے بڑے سامان کیے تھے پنڈتوں، سادھوں کے ایک بڑے گروہ کو ساتھ لیا تھا اور پایۂ تخت پٹن سے ایک منزل آگے جا چکا تھا کہ یکایک خان غزنہ کے حملہ کی خبر گجرات میں پہنچی، جس سے راجہ بہت پریشان ہوا۔ سادھوؤں اور پنڈتوں سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے، اگر جنگ کرتے ہیں تو جاترا کا تمام سازوسامان بیکار رہا جاتا ہے، اور پھر جنگ دوسر دارد، اور جاترا کے لیے چلے جاتے ہیں تو ملک حملہ آوروں کا تختۂ مشق بنتا ہے۔ ایک سادھو نے جواب دیا کہ آپ مطلق فکر نہ کریں، میں آج رات اس معاملہ کا فیصلہ کر دونگا، غرض رات جب آئی تو راجہ کیا دیکھتا ہے کہ خان غزنہ کا پلنگ جس پر وہ سویا ہے، سامنے موجود ہے، اور مہاراج کھڑے فرما رہے ہیں کہ لے اب فیصلہ کر لے۔ خان غزنہ یہ کرامت دیکھ کر متحیر ہو جاتا ہے اور سادھو کو مرشد اور راجہ کو پیر بھائی تسلیم کرتا ہے اور مصالحت کی شرط پر دم اپنے خیمے میں واپس آتا ہے۔ اور دوسرے دن خان غزنہ کے کوچ کر جانے پر راجہ مع خدم و حشم جاترا کو چلا جاتا ہے[1]۔

---

[1] جاترا کا ذکر راس مالا میں نہیں ہے، دیگر کتب میں ہے۔

یہ ایک ایسا قصہ ہے جس کی تصدیق سے اسلامی تاریخیں خالی ہیں لیکن اگر اس میں سے زائد باتیں نکال دی جائیں اور متانت سے اس پر غور کیا جائے تو اس قدر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کسی خانِ غزنہ نے حملہ کا ارادہ کیا تھا، اور مہاراجہ گجرات جاترا جانے کے سبب جنگ نہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے کسی ودوان سادھو کے ذریعہ صلح پر آمادہ کر لیا ہے اور پیشکش لے کر واپس جانے کی شرط کرالی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ سلاطین غزنہ یا کسی سردار غزنہ کے گجرات جانے کے متعلق کسی تاریخ میں مذکور نہیں ہے یسلطان مسعود کی فتوحات میں مکران قصبہ (جو قندھار کے علاقہ میں تھا) قلعہ سرستی، ہانسی، سون پت ہے۔ اس کے بعد جس قدر سردار آئے وہ زیادہ تر گنگا کے رُخ پر فتوحات بڑھاتے رہے، کسی نے گجرات کا رخ نہ کیا۔ ۴۲۳ھ میں سلطان علی بن مسعود کے وقت البتہ سردار علی بن ربیع غزنہ سے فرار ہو کر پشاور آیا اور ملتان و سندھ وغیرہ پر قبضہ کر کے ایسا مضبوط و مستحکم انتظام کیا کہ ہر طرف امن ہی امن نظر آنے لگا، افغان جو لوٹ مار بطور تفریح کیا کرتے تھے اس کا بھی معقول بندوبست کیا، ممکن ہے کہ اس نے گجرات کا بھی ارادہ کیا ہو، اور راجہ نے صلح سے کام نکالا ہو، لیکن راس مالا میں راجہ کمار پال کا نام آتا ہے جو ۱۱۴۳ء ۵۳۸ھ سے ۱۱۷۴ء ۵۷۰ھ تک حکمراں رہا۔ اس کے ہم عصر بہرام شاہ، خسرو شاہ، خسرو ملک ہیں۔ ان میں سے بہرام شاہ نے کئی بار ہندوستان میں آکر فتوحات کو ترقی دی اور اپنے سرداروں کو اس جگہ چھوڑ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی ہو۔ ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ ایک غزنوی شہزادے نے جب نگر کوٹ فتح کر لیا، تو ممکن ہے کہ اس کا ارادہ آگے گجرات جانے کا ہو اور کمار پال کو اس کی خبر لگ گئی ہو اور نیک سادھو کے توسط سے صلح کر لی ہو۔

یہ بات بھی قابلِ تحریر ہے کہ برٹش گورنمنٹ ۱۸۴۳ء میں بڑے دھوم دھام سے جو صندلی دروازہ سومنات کے نام سے موسوم کر کے غزنہ سے ہند لائی تھی اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اول تو ایسا کوئی دروازہ محمود لے ہی نہیں گیا، اور کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے، دوسرے علاء الدین جہانسوز نے غزنہ کو اس طرح آگ کی نذر کیا کہ بقول جان مالکم صاحب قصر سے

جھونپڑے تک اور خانۂ خدا سے خانۂ مخلوق تک سب جل کر برباد ہوا۔ اس سات روز کی آتش فشانی میں جہاں تمام غزنہ تباہ ہو گیا کیا صرف صندلی دروازہ کا برٹش گورنمنٹ کی قسمت سے بچ جانا قرین قیاس ہو سکتا ہے[1]

سکۂ ہندی محمودی

سلطان محمود غزنوی کے عہد میں جو سکہ رائج تھا، اس کا نمونہ لندن کے انڈیا آفس میں ہے، اس کا ایک سکہ درج ذیل کیا جاتا ہے جس کے ایک طرف عربی اور دوسری طرف ہندی میں ہے۔

عربی	ہندی	
القادر	ابیا کتمک	نوٹ
لا الٰہ الا اللہ	محمد اوا تر پیا	محمود نے ہندوستان کا پایۂ تخت
محمد رسول اللہ	فی محمود پور	(صدر مقام) لاہور کو قرار دیا تھا۔
یمین الدولہ امین الملۃ		اور اس کا نام بدل کر محمود پور رکھا تھا۔
محمود		
بسم اللہ ضرب ہذا الدرہم		(پنجاب میں اردو صفحہ ۳ م لاہور)
بمحمود پور سنہ ثمان عشرہ واربعمائۃ ۴۱۸ھ		

---

[1] سومناتھ کے متعلق زیادہ تحقیقات تاریخ ہند جلد اول (تاریخ آل سبکتگین) میں تحریر کیا ہے۔ اور اسی جگہ اس صندلی دروازہ کے متعلق مفصل بیان درج ہے اور یہ بھی تحقیق سے لکھا ہے کہ سومناتھ میں کوئی ایسی مورتی نہ تھی جس کے شکم سے خزانہ نکلا ہو۔ جبکہ محمود نے گرز سے اس کو توڑ ڈالا تھا۔ بلکہ وہ تو لنگ کی مورتی تھی جو لمبا ذکر کی شکل کا تھا۔ البتہ مندر کی لوٹ سے بہت کچھ ملا جس میں مندر کی تجوری (خزانہ کا صندوق) شامل ہے۔

فصل دوم

خاندانِ غوری

طبقات ناصری میں ہے کہ ضحاک[1] تازی کو جب فریدوں شاہ ایران نے گرفتار کیا تو اُس کا ایک لڑکا ہند کا گورنر تھا جس کا نام بسطام[2] تھا فریدوں کے لشکر نے جب اس پر چڑھائی کی تو یہ بھاگ نکلا، اور شمالی پہاڑوں میں گھومتا پھرتا ہوا غور پہنچا، اور محفوظ مقام سمجھ کر مقیم ہوگیا، خاندان ضحاک کے لوگ بھی ادھر اُدھر سے اس کے پاس جمع ہوگئے۔ فریدوں نے پھر چاہا کہ ایک فوج بھیج کر ان کو جڑ سے اکھیڑ دے، لیکن سلم، تور اور ایرج کی جنگ نے فریدوں کی ہمت پست کردی اور خراج لے کر مجبوراً صلح کرلی اور بسطام باطمینان کوہستانِ غور میں حکومت کرنے لگا، یہ خاندان عہد اسلام تک برابر اس کوہستان میں رہا جو برائے نام ایران کا باج گزار تھا۔ خلافت حضرت علیؓ میں شنبث نامی شخص اسلام لایا اور اپنے قبیلہ کا امیر بنایا گیا، عہد عباسیہ میں ان سے فوجی خدمت لی گئی، اصفاری اس کو فتح نہ کرسکے لیکن سامانیوں کے عہد میں یہ علاقہ برائے نام باج گزار ہوگیا، بعض غوری قبائل میں اسلام ابھی تک شائع نہیں ہوا تھا۔ اس لیے غور کے مسلم قبائل اور غیر مسلم آپس میں جنگ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ محمد بن سور امیر قبیلہ ہوا اور اس نے تمام علاقہ غور پر مکمل قبضہ حاصل کیا، سلطان محمود غزنوی نے محمد بن سور کو معہ اس کے لڑکے کے گرفتار کرلیا اور تمام غور اپنے مقبوضہ علاقہ میں شامل کرلیا۔ محمد بن سور نے زہر کھالیا تو محمود نے اس کے لڑکے کو آزاد

---

[1] یہ شخص درحقیقت یمن (جنوبی عرب) کا رہنے والا تھا۔ ایک زبردست فوج سے ایرانی بادشاہ جمشید کو شکست دے کر ایران پر قابض ہوگیا۔ اور ایک ہزار برس تک اس خاندان نے حکومت کی۔ یہ ضحاک خاندان کا آخری بادشاہ تھا جو فریدوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

[2] اصلی نام کچھ اور ہوگا عربوں نے اس کو اپنی زبان میں بدل کر "بسطام" کردیا۔

کردیا اور بڑے لڑکے ابو علی کو اس علاقہ کا رئیس بنایا مسعود بن محمود کے عہد میں ابو علی کو اس کے برادرزادہ عباس بن شیث مار کر خود تخت نشین ہوا۔ اس کے ظلم سے تنگ آکر ابراہیم غزنوی سے لوگوں نے شکایت کی، جس نے اس کو گرفتار کر کے ایک قلعہ میں قید کر دیا، اور اس کے لڑکے محمد بن عباس کو تخت سپرد کیا اس کے بعد اس کا لڑکا قطب الدین حسن جانشین ہوا، قطب الدین جب ایک جنگ میں مارا گیا تو عزالدین حسن اس کا لڑکا وارث تخت ہوا امیر عزالدین حسن کے سات بیٹے تھے۔ شجاع الدین علی، فخرالدین مسعود، قطب الدین محمد، علاء الدین حسین، شہاب الدین محمد، سیف الدین، بہاء الدین سام۔ امیر مذکور نے اپنی طاقت کو بہت ترقی دی اور خود مختار حکمراں کی طرح حکومت کرنے لگا۔ کیونکہ غزنوی طاقت کمزور ہو چکی تھی۔ ان سات بھائیوں میں سے باپ کے بعد سیف الدین سوری تخت نشین ہوا۔ قطب الدین محمد اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر غزنہ چلا آیا۔ بہرام شاہ غزنی نے اس کی بڑی عزت کی اور اپنی لڑکی سے شادی کر دی۔ مگر قطب الدین نے شاہانہ ٹھاٹھ سے رہنے کا جو رویہ اختیار کیا۔ تو بہرام شاہ نے بدظن ہو کر اس کو مروا دیا۔ جب یہ خبر غور میں پہنچی تو سیف الدین سوری ایک بڑی فوج لے کر غزنہ آپہنچا۔ بہرام شاہ ہند چلا آیا لیکن غزنہ کے لوگ سیف الدین سوری سے راضی نہ تھے، اس لیے خفیہ بہرام شاہ کو بلا بھیجا۔ اور سیف الدین سوری کو گرفتار کر لیا اور پھر بڑی ذلت کے بعد سولی پر چڑھایا۔ جب یہ حال غوریوں کو معلوم ہوا، تو بہاء الدین سام ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء میں انتقام کی غرض سے ایک فوج لے کر روانہ ہوا، مگر راستہ ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے علاء الدین حسین جو ایک سپاہی منش آدمی تھا، فوجوں کی کمان لے کر فوراً غزنہ پہنچ گیا۔ بہرام شاہ نے بہت کچھ ٹالنا چاہا مگر وہ صلح کی طرف مائل نہ ہوا۔ آخر جنگ ہوئی۔ بہرام شاہ نے راہ فرار ہند کی طرف لی، اور علاء الدین نے سات روز تک غزنہ میں لوٹ مار جاری رکھی اور تمام شہر میں آگ لگ جانے سے راکھ کا ایک ڈھیر ہو گیا۔ اسی باعث علاء الدین حسین کو جہاں سوز بھی کہتے ہیں۔

بھائیوں کی لاش لے کر غور واپس آیا ۵۵۱ھ / ۱۱۵۶ء میں فوت ہوا۔ اور اس کا لڑکا سیف الدین تخت نشین ہوا اور اپنے دونوں چچازاد بھائیوں کو آزاد کر دیا۔ جن کو علاء الدین جہانسوز نے متوہم ہو کر قلعہ میں قید کر دیا تھا[1]۔ یہ دونوں علاء الدین جہاں سوز کے بھائی بہاء الدین سام کے لڑکے تھے۔ جن کا نام شہاب الدین محمد اور شمس الدین محمد تھا۔ جو بعد میں معز الدین والدنیا شہاب الدین محمد غوری، اور غیاث الدین والدنیا شمس الدین محمد غوری کے نام سے مشہور ہوئے۔

سیف الدین ایک جنگ میں اپنے سپہ سالار کے ہاتھ سے مارا گیا جس کے بھائی کو سیف الدین نے کسی وقت مارا تھا۔ سیف الدین کے بعد غیاث الدین تخت پر بیٹھا اور شہاب الدین سپہ سالار مقرر ہوا۔ اس وقت سلطنت غزنہ برائے نام تھی اور سلجوقی بھی کمزور ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کو اپنی سلطنت وسیع کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ اور بعد فتح غزنہ اور کابل آہستہ آہستہ خراسان، سیستان، ایران، ترکستان کو قبضۂ تصرف میں لاتے رہے۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری جس کی ولادت ۵۳۳ھ / ۱۱۳۸ء ہے۔ ایک بہادر اور اولوالعزم سردار تھا اس نے اس طرف سے اطمینان کر کے ہند کی طرف حملے شروع کر دیے۔ ۵۷۱ھ / ۱۱۷۵ء میں اس نے ملتان پر حملے کیے[2]۔ جہاں سلاطین غزنویہ کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر پھر اسمٰعیلیوں نے سر اٹھایا تھا۔ جن کو بعض مورخوں نے غلطی سے قرامطہ لکھا ہے۔ فتح ملتان کے بعد اوچھ کو جو دریائے سندھ اور پنجاب کے پانچوں دریاؤں کے سنگھم پر واقع ہے فتح کیا[3]۔ دو سال کے بعد یعنی ۵۷۳ھ / ۱۱۷۸ء میں ملتان اور اوچھ پھر آیا۔ اور ریگستان کو طے کرتا ہوا گجرات کی سرحد میں آ پہنچا[4]۔ اس وقت گجرات کے تخت پر مول راج تھا۔ (۵۷۲ھ / ۱۱۷۷ء تا ۵۷۵ھ / ۱۱۷۹ء) جو نافہم بچہ تھا[5]۔ تاہم وزراء اور باگھیلہ خاندان کے اولوالعزم راجپوت

---

[1] طبقات ناصری ص ۶۸ مطبوعہ کلکتہ [2] فرشتہ نے ۵۷۲ھ میں لکھا ہے۔ [3] تاریخ ہند ہاشمی ص ۱۷۹، حیدرآباد [4] عام تاریخوں میں یہی سنہ درج ہے مگر ظفر الوالہ میں ۵۷۴ھ دیا ہے۔ [5] طبقات ناصری ص ۱۱۶ میں بھیم دیو کو بچہ لکھا ہے لیکن گجراتی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مول راج بچہ تھا اور یہی صحیح ہے۔

اور بھیم دیو ثانی جو اس زمانہ میں سلطنت میں دخیل ہو گئے تھے، انہوں نے بڑی بہادری اور جانبازی سے جنگ کی اور جنگی ہاتھیوں کی شمولیت نے فوج کو بارعب بنا دیا۔ اس کے علاوہ گجراتیوں نے بھی فوج میں تاتاریوں کو بھرتی کر کے فوج میں داخل کر لیا تھا اور بڑی تعداد میں موجود تھی (تاریخ ہاشمی جلد ۲ ص ۲۱۴ مطبوعہ حیدرآباد)

اس وقت تک سلطان غوری کو راجپوتوں سے مقابلہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا، اور اس سبب سے ہندی بہادروں کی تلوار کی کاٹ سے وہ ناواقف تھا۔ اس نے سندھیوں کی طرح گجرات کے راجپوتوں کو بھی سمجھا لیکن تجربہ نے اس کو بتا دیا کہ ایسا نہیں ہے۔ الغرض سلطان شہاب الدین غوری کو شکست نصیب ہوئی اور ریگستان کچھ کو طے کرتا ہوا اور نہایت مصائب برداشت کرتا ہوا بمشکل غزنہ پہنچا۔

شہاب الدین غوری جب گجرات سے غزنہ پہنچ گیا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ نہروالہ میں جو فلاں تاجر ہے اس کا ایجنٹ یہاں موجود ہے جس کے پاس دس لاکھ بالوترہ (سکہ) موجود ہے اگر اس سے لے کر خزانہ میں داخل کر لیا جائے تو نقصان کا معاوضہ ہو جائے۔ سلطان نے کہا کہ یہ مال مجھ پر اُس وقت حلال ہوتا جب میں نے اس کو نہروالا میں حاصل کیا ہوتا۔ غزنہ میں اس سے لینا انصاف کے خلاف ہے۔[1]

شکست غوری کے اسباب

غوریوں کی شکست کے متعلق جب غور کیا جاتا ہے تو میرے خیال میں حسب ذیل اسباب نظر آتے ہیں:۔

(۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی سلطان کی طرح گجرات کو خصوصیت سے فتح کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ ملتان اور اُچھ میں آیا تھا۔ خیال کیا کہ لاؤ لگے ہاتھ گجرات میں بھی اپنی دھاک بٹھاتے جائیں۔ چنانچہ بعض تاریخوں میں ایسا بھی لکھا ہے کہ ضروریاتِ غزنہ کے سبب

[1] جامع الحکایات عوفی۔

جلد واپس چلا گیا اور دوبارہ گجرات پر حملہ نہ کرنا میرے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ورنہ دہلی کی طرح دوبارہ شکست کا معاوضہ لینے کے لیے اس کا آنا ضرور تھا۔ اور میرے خیال میں اسی سبب سے محمود غزنوی کی طرح سامان رسد کا کوئی معقول بندوبست نہیں کیا تھا اور ریگستان کے عبور کے لیے پانی کا مطلق اہتمام نہ تھا جس کے سبب فوج پر بڑی تباہی آئی۔

(۲) ہندوستان پر غزنویوں کے بار بار حملے سے اور غزنوی فوجوں میں ہندوؤں کی بھرتی کے سبب ہندو اسلامی طریقۂ جنگ سے واقف ہوگئے تھے اور اس کا رد بھی سیکھ گئے تھے چنانچہ اسی سبب سے نہ صرف گجراتیوں سے غوری نے شکست کھائی بلکہ دہلی کے رائے پتھورا نے بھی شکست دی مگر جب غوری نے طریقۂ جنگ کو بدلا اس وقت وہ کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ دہلی کی دوسری جنگ میں جب راجپوتوں نے سواروں کا دائرہ بناکر جنگ شروع کی اور دونوں بازوؤں کو پھیلا کر بیچ کا راستہ جب صاف کردیا تو غوری اس چال میں نہ آئے۔ بلکہ اشکانی (ایران کی ایک قوم جس نے تقریباً پانسوں برس ایران پر حکومت کی) قوم کی طرح شکست خوردہ فوج کی مثل پیچھے ہٹنے لگے۔ راجپوتوں نے اس کو شکست سمجھا اور اپنے اپنے بازوؤں سے الگ ہوکر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے غوری اسی کے منتظر تھے تازہ دم فوج لے کر جو عقب میں موجود تھی گھیر لیا، اور ایسا سخت حملہ کیا کہ راجپوت تاب نہ لا سکے اور غوریوں کی جیت ہوئی۔

(۳) اگرچہ سولنکی خاندان ضعیف اور کمزور ہوگیا تھا، مگر باگھیلہ خاندان عروج اور ترقی پر تھا اور سلطنت میں دخیل تھا۔ انوراج باگھیلہ۔ لون پرساد باگھیلہ اور اس کا لڑکا ویر دھول جیسے بیدار مغز لوگوں کے ہاتھ میں زمام حکومت تھی۔ یہ خاندان ترقی پذیر قوت رکھتا تھا۔ اس لیے ایک زندہ اور بہادر قوم ہونے کے سبب طاقتور راجپوتوں کا گروہ اس کے گرد جمع ہوگیا تھا اور انہی کی بہادری کا نتیجہ فتح کی شکل میں نمودار ہوا۔

(۴) غزنویوں کے بار بار کے حملے نے ہندو راجاؤں کو ہوشیار کردیا تھا۔ اس لیے

شہاب الدین غوری کا آنا محمود غزنوی کی طرح اچانک نہ تھا، بلکہ گجراتیوں کو اس کی اطلاع مل گئی تھی اور تیاری کا موقع مل گیا تھا۔ پس جو فوج غوری کے مقابل لڑی وہ کوئی رنگروٹوں کا مجمع نہ تھا بلکہ بہادر، کارآزمودہ، راجپوتوں کی ایک باقاعدہ فوج تھی۔

(۵) ایک بڑی بات یہ ہے کہ اس وقت تک غوریوں کو کوہستانی جنگ کا مشغلہ رہا تھا اور اسی میں ان کو تجربہ تھا۔ میدانی جنگ کا کبھی ان کو اتفاق نہیں ہوا تھا۔ یہ گویا پہلی میدانی جنگ تھی جو ان کو کرنی پڑی۔ بیشک سندھ میں بھی انہوں نے میدان ہی میں جنگ کی تھی لیکن وہاں مقابلہ چند اسمٰعیلی باغیوں سے تھا جو غزنی خاندان کے ضعیف ہونے پر سرکش اور باغی ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ محمود غزنوی کے برعکس اس نے آنے کا راستہ ریگستان کچھ کا اختیار کیا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس وقت یہ فوج گجرات پہنچی تو خستہ ہو کر تھک گئی تھی اور اس کو دم لینے کا کوئی موقع نہ ملا۔ بخلاف اس کے گجراتی فوج بالکل تازہ دم تھی۔

(۶) گجراتی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی اور غوری فوج صحرائے کچھ کو طے کرنے کے بعد تھوڑی رہ گئی تھی جو دل شکستہ ہونے کے سبب جم کر نہ لڑ سکی۔

(۷) اس کے علاوہ گجراتی فوجوں میں تاتاری ملازم موجود تھے جو غوریوں کے بالمقابل دادِ شجاعت دے رہے تھے اور یہ بالکل جوڑ کے توڑ تھے[۱]۔

(۸) شہاب الدین غوری کے پاس فوج بھی تھوڑی تھی اور اس کے مقابل میں گجراتی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی جو ہر طرح مسلح اور تیار تھی اور باقاعدہ تجربہ کار اور متحدہ تمام گجراتی راجپوتوں کی چیدہ فوج تھی[۲]۔

شہاب الدین محمد (معز الدنیا والدین) غوری کے بہترین سپہ سالار (جنرل) جو ہندوستان میں فتوحات کو ترقی دیتے رہے وہ ناصر الدین قباچہ، قطب الدین ایبک اور بختیار خلجی تھے۔

---

[۱] تاریخ ہاشمی جلد نمبر ۱ مطبوعہ حیدرآباد دکن [۲] پراچین گجرات ص ۲۴۷۔

وزرا میں ضیاء الملک، موئد الملک، سنجری، شمس الملک کیدانی تھے۔ جن کی دانشمندانہ اور مدبرانہ کارروائیوں نے غوری سلطان کی شہرت کو بام ترقی پر پہنچایا۔ شہاب الدین غوری گرمیوں میں عموماً غزنہ اور سردیوں میں ہندوستان مقام رکھتا تھا۔ اس کی فوج کے میمنہ کا جھنڈا سیاہ اور میسرہ کا سرخ ہوتا تھا۔ فرمان کا سرنامہ نصرمن اللہ تھا۔ بتیس[۳] سال سلطنت کرکے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کا سنہ وفات ان دونوں شعروں سے ظاہر ہوتا ہے:-

شہادت ملک بحر و بر معز الدین | کز ابتدائے جہاں شہ چو او نیامد نیک
سوم ز غرۂ شعبان بسال ششصد و دو[۲] | فتادہ در رہ غزنہ بہ منزل دمیک[۱]

اس کے سکہ ہند کا نقشہ یہ ہے:-

(ہندی میں) السلطان الاعظم معز الدنیا والدین ابو المظفر محمد بن سام

شری ہمیرا۔ شری محمد سام پرتھوی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ الناصر لدین اللہ امیر المومنین

سکہ نقرئی شہاب الدین محمد غوری ۶۰۲ھ

---

[۱] طبقات ناصری

[۲] خلافت اور ہندوستان ص ۳۲

غوریوں کا نسب نامہ
ضحاک
بسطام
شنبش
سور
شیث
محمد
عباس
ابو علی
محمد
قطب الدین حسن
عز الدین
قطب الدین محمد
شہاب الدین محمد
بہار الدین سام
شجاع الدین علی
فخر الدین مسعود
سیف الدین سوری
علاء الدین حسین
غیاث الدین محمد
معز الدین محمد عرف شہاب الدین غوری
سیف الدین
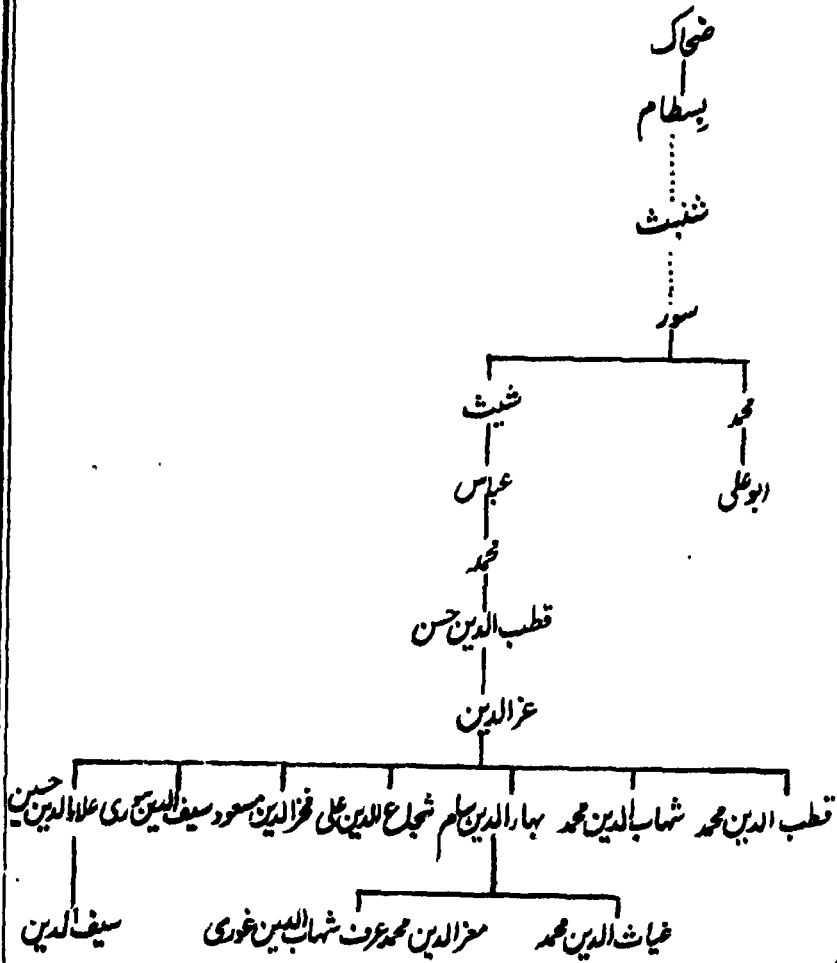
فصل سوم

قطب الدین ایبک (اے بک)[3]

قطب الدین ایبک ترکی نژاد شخص تھا بچپن میں ایک ترکی تاجر اس کو ترکستان سے لاکر نیشاپور (جو ایران کا مشہور شہر ہے) لے گیا۔ اور قاضی قضاۃ (چیف جسٹس) فخر الدین عبد العزیز کوفی کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ قاضی صاحب خود امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد میں سے تھے، اور صاحب علم و فضل اور حاکم نیشاپور تھے۔ اپنے بچوں کے ساتھ قطب الدین کی بھی تعلیم و تربیت کا خیال رکھا۔ چنانچہ قرآن قطب الدین نے اُن کے بچوں کے ساتھ ہی پڑھا۔ شہسواری اور تیراندازی میں کمال حاصل کیا اور فقہ کی بھی تعلیم حاصل کی[1]۔ قاضی صاحب موصوف کے انتقال کے بعد ایک سوداگر نے قاضی صاحب کے صاحبزادے سے بقیمت گراں خرید لیا[2]۔ اور غزنہ میں سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے تحفۃً پیش کیا جسے سلطان نے معقول قیمت پر خرید لیا۔ قطب الدین اگرچہ اوصاف حمیدہ میں کامل تھا لیکن ظاہری صورت اس کی کچھ پسندیدہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی اور اسی وجہ سے لوگ اس کو ایبک شل[3] کہتے تھے، مگر اخلاق کے لحاظ سے وہ اکثروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ وہ ابتدا سے سخی اور بہادر تھا، چنانچہ ایک رات مجلس عیش و طرب میں شہاب الدین نے سب

---

[1] ظفر والہ جلد ۲ مطبوعہ یورپ [2] ظفر والہ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ خود فخر الدین صاحب سے خرید کر غزنہ لے گئے باقی مورخوں نے خصوصاً فرشتہ نے بعد وفات غزنہ جانا لکھا ہے۔ [3] طبقات ناصری و فرشتہ کی تاریخ ہند جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ میں "اے" بمعنی چاند اور بک (بیگ) بمعنی آقا کے لکھے ہیں۔ اور فرشتہ نے طبقات ناصری کے الفاظ کا غلط مطلب سمجھا ہے۔ اس نے ایبک کے معنی ٹوٹی چھوٹی انگلی کے سمجھے ہیں حالانکہ شل اس معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ کتبات میں اس کا املا اس طرح ہے اے۔ بک۔ اس زمانہ میں اسی نام کے اور بھی کئی غلام تھے مثلاً شمس الدین کے ساتھ جو غلام خرید گیا اس کا نام اے بک تھا۔ اسی طرح سیف الدین اے بک تھا جس سے معلوم ہوا کہ یہ لقب اچھے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ نہ کہ عیب میں۔ (حاشیہ ابن بطوطہ)

لوگوں کو انعام دیا قطب الدین کو بھی معقول انعام ملا لیکن مجلس سے باہر ہونے تک وہ سب مال نوکروں اور فراشوں کو دے کر خالی ہاتھ گھر واپس آیا۔ سلطان شہاب الدین کو جب یہ خبر ملی تو اس کی فیاضی اور سیر چشمی سے بہت خوش ہوا اور درجہ بدرجہ ترقی دے کر شاہی اصطبل کا داروغہ مقرر کیا اور جنگ سلطان شاہ (مرغاب کا امیر) میں سامان رسد کا امیر تھا۔ باوجود بڑی بہادری دکھانے کے بھی قید ہوا کیونکہ صرف تھوڑی سی فوج کے ساتھ رسد کا سامان مہیا کرنے میں مشغول تھا کہ اچانک دشمنوں نے گھیر لیا۔ جب شہاب الدین کی فتح ہوئی تو لوگ قطب الدین کو بیڑی کے ساتھ لائے۔ سلطان نے بیڑی کٹوا کر بڑی عزت کی اور غزنہ پہنچ کر "کہرام" اس کے سپرد کیا۔ اور ہندوستان میں اپنا نائب بنایا۔[1] ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں میرٹھ فتح کیا۔ اور ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء میں دہلی لے لیا۔[2] ۵۹۰ھ/۱۱۹۳ء میں شہاب الدین غوری کا مقدمہ لشکر بن کر آگے بڑھا اور راجہ قنوج و بنارس (جے چند) کو شکست دے کر تمام ممالک شمالی پر قبضہ کر لیا۔ رمضان ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء میں قلعہ ہانسی جس کا گورنر نصرۃ الدین سالار تھا۔ اس پر جیون رائے نے جو بھیم دیو راجہ گجرات کا سپہ سالار تھا، حملہ کیا۔ وہ لڑائی کی طاقت اپنے میں نہ دیکھ کر قلعہ بند ہو گیا اور اپنے اعلیٰ افسر قطب الدین کو اطلاع دی جس نے بڑی تیزی سے اس کی مدد کے لیے کوچ کیا۔ جیون رائے یہ سن کر گجرات واپس چلا آیا۔[3] اس وقت قطب الدین ایبک نے طرح دے دی اور دہلی واپس آیا لیکن ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء میں ایک تادیبی مہم لے کر گجرات پر حملہ آور ہوا۔ جیون رائے سپہ سالار گجرات نے لشکر جرار سے قلعہ کے پاس مقابلہ کیا جس میں اس کو شکست ملی۔ قطب الدین نے اس کا تعاقب کیا۔ سپہ سالار ہمت کر کے پھر ایک دفعہ حملہ آور ہوا۔ مگر باوجود جرأت اور بہادری کے کامیابی نہ حاصل ہوئی اور جانبازی کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ بھیم دیو ثانی راجہ گجرات نے جب شکست کی خبر سنی تو بھاگ کر دوسری جگہ پناہ لی۔ اور انہلواڑہ

---

[1] طبقات ناصری کلکتہ (۲) کامل ابن اثیر۔ حاشیہ ابن بطوطہ اردو صفحہ ۵۲ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ گجرات سے سید ناصر الدین رائے پرتھوی کے عہد میں گھوڑا فروخت کرنے آئے تھے۔ سونی پت میں اس کے داماد نے گھوڑا چھین لیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔ فتح دہلی کا یہی باعث ہوا۔ (۳) فرشتہ نے سپہ سالار کا نام جیتوان لکھا ہے جو یقیناً غلط ہے۔ مرآۃ محمدی نے میرے خیال میں صحیح نام لکھا ہے اور اسی لیے میں نے بھی اس کو اختیار کیا۔

نہروالہ پٹن کو خالی کر دیا۔ قطب الدین نہروالہ میں داخل ہو کر مال غنیمت کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ اور بعض تاریخوں میں ہے کہ قطب الدین نے نہروالہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ یہاں قیام مشکل ہے تو خرچ جنگ وصول کر کے واپس آیا ۵۹۲ھ ۱۱۹۵ء میں چندراتی و آبو وناگور کے راجپوتوں نے راجہ گجرات سے اتفاق کر کے اجمیر کو مسلمانوں سے چھین لینے کا قصد کیا۔ یہ سن کر قطب الدین اس طرف روانہ ہوا، گجرات کا لشکر ابھی نہیں آیا تھا، مگر لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں قطب الدین کا گھوڑا زخمی ہو کر گرا، اور خود قطب الدین بھی زخمی ہو گیا۔ لوگ اس کو اٹھا کر اجمیر لائے اور اس طرح مسلمانوں کو شکست نصیب ہوئی۔ راجپوت بہت خوش ہوئے۔ اس درمیان گجرات کی فوج بھی پہنچ گئی راجپوتوں میں ایک نیا جوش پیدا ہوا اور بڑی ہمت اور دلیری کے ساتھ گجراتی فوج کو لے کر اجمیر کا محاصرہ کیا۔ قطب الدین کے پاس اس وقت فوج تھوڑی تھی، اس سبب سے باہر نکل کر محاصرہ کو توڑ نہیں سکتا تھا۔ یہ خبر جب سلطان شہاب الدین غوری کو ملی تو اس نے ایک جرار فوج مدد کے لیے روانہ کی جس کے ساتھ اسلام خاں، اسد الدین، ارسلان، قلیچ، نصیر الدین حسین، اعز الدین مولد و شرف الدین محمد جیسے امرا کبار موجود تھے۔ جب راجپوتوں کو اس کی خبر ملی تو پست ہمت ہو گئے اور ہر شخص نے اپنے گھر کا رستہ لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین کو راجہ گجرات سے سخت تکلیف پہنچی اس لیے قطب الدین نے راجہ گجرات کی تادیب اور تنبیہ کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۵ صفر ۵۹۳ھ ۱۱۹۶ء میں اجمیر سے گجرات کی طرف ایک تجربہ کار لشکر کے ساتھ روانہ ہوا راجہ گجرات معہ اپنے مددگاروں کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ قطب الدین کو معلوم ہوا کہ آبو گڑھ میں آس پاس کے تمام راجہ راستہ روکنے کے لیے موجود ہیں۔ اور گجراتی فوج بھی آگئی ہے۔ غرض قطب الدین اسی طرف متوجہ ہوا۔ راستہ کے مختلف قلعوں پر قبضہ کرتے ہوئے آبو گڑھ پہنچ گیا۔ دونوں فوجوں میں ایک خوں ریز لڑائی ہوئی۔ ترکی فوجوں نے دروں میں گھس کر قتل عام شروع کر دیا۔ راجپوتوں نے بھی پیٹھ پھیرنے کی قسم کھائی تھی۔ دونوں طرف سے بڑی جم کر لڑائی ہوئی۔ دونوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے۔ آخر کار قطب الدین کی ترکی فوجوں نے ایک بہادرانہ

حملے کے ساتھ جنگ کا میدان جیتا۔ اور راجپوتوں کو شکست ملی۔ اس جنگ میں پچاس ہزار دشمن مارے گئے اور بیس ہزار ترکی فوج نے گرفتار کیے۔ قطب الدین کو بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اور پھر بڑی شان سے گجرات میں داخل ہوا اور خاص انہلواڑہ (نہروالہ) پٹن پر قابض ہوگیا، اور ایک بڑے افسر کو پٹن کا گورنر بنا کر خود دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ غالباً اسی سال یا سال آئندہ (سنہ ۵۹۴ھ) قطب الدین کو غزنہ جانے کی ضرورت پیش آگئی اور وہ غزنہ چلا گیا میرا خیال ہے کہ اسی سبب[1] سے وہ گجرات پر قبضہ نہ کر سکا۔ نہ گجرات کو کوئی مدد بھیجی اور نہ خود ہی آسکا، بدیں سبب اس کے قبضہ سے نکل گیا۔ یہ گورنر پٹن میں کب تک رہا، مجھے کسی تاریخ سے اس کا پتہ نہ لگ سکا، لیکن گجراتی تاریخوں سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ کچھ ہی دنوں کے بعد بھیم دیو نے پٹن پر قبضہ کر لیا۔ بیرونی جنگ اور اندرونی بغاوتوں سے گجرات کی سلطنت بہت کمزور ہوگئی، اور اسی سبب سے بھیم دیو ثانی کی آنکھ بند ہوتے ہی سولنکی خاندان ختم ہوگیا اور باگھیلہ خاندان گجرات کا مہاراجہ بن گیا۔ افسوس ہے کہ مجھے قطب الدین ایبک کے سکے دستیاب نہیں ہوئے۔

سلطان شمس الدین التمش کا زمانہ سنہ ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء سے سنہ ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء تک ہے۔ اس کے عہد میں نور الدین محمد عوفی ایک بڑا عالم فاضل شخص گزرا ہے۔ جامع الحکایات اسی کی تصنیف ہے۔ اس میں عوفی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ میں کھنبایت میں تھا جو سمندر کے کنارے پر واقع ہے۔ جہاں بہت سے سنی مسلمان رہتے تھے جو مذہب کے بہت پابند اور سخی تھے۔ میں نے سنا کہ یہ شہر گجرات کے راجہ جے سنگھ متوفی سنہ ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء کے قبضہ میں تھا جس کا پایہ تخت انہلواڑہ (نہروالا پٹن) تھا۔ اس کے عہد میں یہاں آتش پرستوں (پارسی) اور مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی۔ مسلمانوں کی ایک مسجد تھی جس کے پاس ایک منارہ بھی تھا جس پر کھڑے ہو کر مؤذن اذان دیتا تھا۔ پارسیوں نے ہندوؤں کو مسلمانوں پر

---

[1] ظفر الوالہ عربی تاریخ گجرات میں لکھا ہے کہ اس وقت سے لے کر تا تحریر مصنف نہروالہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ صحیح نہیں ہے۔ علاء الدین خلجی کے وقت سے البتہ نہروالہ پر مستقل قبضہ مسلمانوں کا ہوا۔

حملہ کرنے کے لیے اُبھارا، جنھوں نے وہ مینار توڑ ڈالا، مسجد جلادی اور اسی مسلمان شہید کر ڈالے۔ مسجد
خطیب کا نام قطب علی تھا، وہ بچ کر انہلواڑہ چلا گیا۔ اور اس نے تمام مظالم کی فریاد کی، راجہ
درباریوں میں سے کسی نے اس کی فریاد نہ سُنی اور کسی نے نہ توجہ کی نہ مدد کی۔ ہر ایک دربار
ہم مذہبوں کو بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ قطب علی نے سُنا کہ راجہ شکار کو جانے والا ہے
میں جا کر راجہ کے رہگزر پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب راجہ ادھر پہنچا تو قطب علی
کیا کہ آپ ہاتھی کو ٹھہرا کر میری جو شکایت ہے وہ سُن لیں۔ راجہ نے سواری روک لی۔ قطب
نے ایک نظم جو ہندی میں (غالباً عونی کا مطلب ہندی سے دیسی زبان یعنی گجراتی ہوگا
تھی اور اُس میں وہ تمام واقعہ لکھا تھا راجہ کو دیدی۔ راجہ نے اس نظم کو پڑھ کر اپنے ایک نو
دیا کہ قطب علی کو حفاظت سے اپنے پاس رکھے اور جب میں کہوں تو اسے دربار میں پیش
اس کے بعد راجہ لوٹا اور اپنے نائب کو بلا کر کہا کہ تمام ریاست کا کام تم کرتے رہنا میں
روز کے لیے تمام کام چھوڑ کر زنانہ میں رہونگا۔ اس عرصہ میں سلطنت کے کاروبار کے
کسی طرح دق نہ کیا جائے اور اُسی شب کو راجہ ایک سانڈنی پر سوار ہو کر کھنبایت روا
اور چالیس فرسنگ کے راستہ کو ایک شبانہ روز میں طے کیا اور سوداگر کے بھیس میں شہ
داخل ہوا[1]۔ بازار اور کوچوں میں الگ الگ موقعوں پر ٹھہر کر قطب علی کی شکایات کی تحقیقات
راجہ پر اچھی طرح روشن ہو گیا کہ مسلمانوں پر بڑا ظلم ہوا ہے اور وہ قتل کیے گئے ہیں۔ بعد
ایک برتن سمندر کے پانی سے بھروایا اور ساتھ لے کر پٹن روانہ ہو گیا۔ جہاں اپنی روانگی سے
رات کو پہنچ گیا۔ صبح کو اس نے دربار کیا اور قطب علی کو بلا کر کہا کہ تم اپنا سارا واقعہ بیا
اس نے تمام و کمال حقیقت سُنائی۔ درباری آدمیوں نے چاہا کہ اس کو غلط بیانی کا
دیں اور دھمکائیں۔ اس پر راجہ نے اپنے پانی والے کو بلا کر فرمایا کہ وہ پانی کا برتن حا

---

[1] ایک فرسخ یا ایک فرسنگ تین میل کا، اور ایک میل چار ہزار گز کا، اور ایک گز چوبیس انگل کا
کشوری باب الفاء مع الراء) اس حساب سے پٹن کھنبایت سے ۱۲۰ میل ہوا، اور وہ فی ساعت پانچ میل

کو دے تاکہ اس میں سے پئیں۔ ہر شخص نے چکھ کر چھوڑ دیا اور سمجھ لیا کہ کھارا پانی سمندر کا ہے پینے کے قابل نہیں۔ اس کے بعد راجہ نے کہا کہ چونکہ اس معاملہ میں مختلف مذہب والوں کا تعلق تھا اس لیے میں نے کسی پر بھروسہ نہ کیا اور خود کھنبایت جا کر اس معاملہ کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر فی الحقیقت بڑا ظلم ہوا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میرا فرض ہے کہ تمام رعایا کے حال کی نگرانی رکھوں اور ان کی ایسی حفاظت کروں کہ وہ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ غیر مسلموں میں دو دو آدمیوں کو (غالباً جو اس معاملہ میں فساد کرنے میں رہبر تھے) سزا دی جائے اور ایک لاکھ سوتر یا بالوترا (چاندی کا سکہ) سے اس مسجد اور مینار کی تیاری کا حکم دیا۔ اور چار پارچہ کا خلعت عطا کیا۔ اس خلعت کے کپڑے اب تک (۶۲۵ھ / ۱۲۲۷ء) تک حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں۔ اور کسی بڑے تہوار کے دن دکھائے جاتے ہیں۔ یہ سب مسجد و مینار کچھ دن پہلے تک کھڑے تھے۔ لیکن جب مالوہ کے لشکر نے انہلواڑہ کے ملک پر حملہ کیا اس وقت وہ توڑ ڈالے گئے۔ سید شرف تمن (سعید الدین شرف تاجر) نے اپنے خرچ سے انہیں پھر بنوایا۔ اور ایک کے بجائے چار مینارے تعمیر کرا کر اس پر سونے کے کلس لگائے اور اپنے مذہب کی عمارت کو غیر اسلامی ملک میں چھوڑ گیا اور وہ عمارت اب تک موجود ہے۔ جے سنگھ سے مراد عوفی کی سدھ راج جے سنگھ ہے جس کا عہد ۴۸۸ھ / ۱۰۹۴ء سے ۵۳۸ھ / ۱۱۴۳ء تک رہا[1]

محمد عوفی ۶۲۵ھ / ۱۲۲۷ء تک سندھ میں ناصر الدین قباچہ کے پاس رہا اور اس کی فرمائش سے کتاب جوامع الحکایات کی تصنیف شروع کی بعد وفات ناصر الدین قباچہ سلطان التمش کی خدمت میں چلا آیا اور عرصہ تک دہلی میں رہا۔ جوامع الحکایات کی بعض تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ء تک ہوئی۔ پس اگر وہ کھنبایت اور پٹن آیا تو ۶۲۵ھ / ۱۲۲۷ء اور ۶۳۰ھ / ۱۲۳۱ء کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔ سدھ راج جے سنگھ کی وفات ۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء میں ہوئی اس حساب سے محمد عوفی واقعہ متذکرہ بالا سے ایک سو برس کے بعد گجرات میں آیا۔

---

[1] جامع الحکایات باب دوم در ذکر ملوک طوائف و احوال ایشان قلمی۔ مملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ۔

فرشتہ جلد اول ص ۳۱۶ میں ہے کہ ۶۲۰ھ میں ناصرالدین قباچہ کے عہد میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کچھ دنوں کے لیے سندھ پر قابض ہوگیا تھا۔ اس وقت ایک فوج گجرات پر لوٹ مار کے لیے اس نے بھیجی تھی۔ کسی تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ گجرات کے حدود میں کہاں تک گئی۔ لیکن جوینی کے اس بیان سے کہ "وہ فوج نہروالہ سے واپس آئی تو لوٹ کے مال میں اونٹ بکثرت لائی[1]" یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ نہروالہ کے بجائے مارواڑ اور کاٹھیاواڑ کی سرحد پر کسی شہر کو لوٹ کر واپس ہوئی اور اسی لیے اونٹ ہی بکثرت ملے جو مارواڑ کی خاص چیز ہے، ورنہ کسی گجراتی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

مراۃ احمدی نے بحوالہ راس مالا و گجرات کا پراچین اتہاس یہ تحریر کیا ہے کہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ گجرات کے راجہ ویردھول (بیردھول) باگھیلہ کے وزیر وستوپال نے ایک لاکھ فوج لیجا کر سلطان معزالدین کا لشکر جو گجرات پر چڑھ آیا تھا، اس سے گجرات کے جنگل میں مقابلہ کرکے سارے لشکر کو قتل کر ڈالا۔ راجہ آبو بھی اپنے ہم مذہب کی حمایت کو گیا تھا۔ تاہم سلطان کی طرف کا ڈر راجہ کے دل سے نہ گیا، اور ہر وقت متفکر رہتا تھا۔ اتفاقاً سلطان کی والدہ نے حج کے لیے سفر کیا[2] تو گجرات کے ساحل سمندر پر وستوپال کی سازش سے لٹیروں نے سلطان کی والدہ کا اسباب لوٹ لیا۔ مگر بعد میں راجہ نے وہ اسباب پھر دلا دیا۔ اور بہت خاطر مدارات کی اور جب یہ خبر دلی پہنچی تو سلطان بہت خوش ہوا اور راجہ کو انعام دینا چاہا، راجہ نے عرض کیا کہ گجرات پر چڑھائی نہ کیجائے یہ بڑا انعام ہے۔ سلطان نے قبول کیا اور راجہ بے فکر ہوگیا۔ اس قدر لکھ کر پھر اس کی تردید کرتا ہوا لکھتا ہے۔ مگر یہ قصہ محض غلط ہے۔ اس لیے کہ اسلامی تاریخوں میں اس کا کچھ بھی ذکر نہیں ہے حتیٰ کہ سلطان کی والدہ کا حج کو جانا بھی مذکور نہیں ہے۔ علاوہ اس کے بیردھول ۶۲۳ھ/۱۲۲۶ء سے ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء تک حکمراں رہا۔ خاندان غلامان میں دو معزالدین ہوئے، اول معزالدین بہرام شاہ ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء

[1] جہاں کشائے جوینی ج ۲۔ ص ۱۱۶ و ۱۴۸۔

[2] بروایت راس مالا مؤلفہ کرنل فاربس صاحب مرشد نے سفر حج کا ارادہ کیا تھا۔

سے ۶۳۹ھ ۱۲۴۱ء تک اور دوسرا معزالدین کیقباد اس خاندان کا آخری بادشاہ ہے۔ غرض اول معزالدین بھی بیردھول کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قصہ من گھڑت او بے پایہ ہے لیکن میرے نزدیک ایک دوسری صورت ایسی ہے جو ممکن ہے کہ تحقیقات سے کچھ صحیح ثابت ہو۔ یعنی جیسا کہ اوپر گزرا معز الدین سے مراد خاندان غلامان کا معزالدین نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مصداق شہاب الدین غوری ہے جس کو معزالدین محمد بھی کہتے ہیں، اور جس کا نائب قطب الدین ایبک ہند کا گورنر تھا۔ معزالدین محمد (شہاب الدین) غوری نے ۵۷۴ھ ۱۱۷۸ء میں گجرات پر حملہ کیا اس کی مدافعت کے لیے نائیکا دیوی اپنے شیر خوار بچہ مول راج مع اس کے چچا بھیم دیو ثانی کے نکلی۔ اس کے ساتھ ملک کے تمام راجے متفقہ طور پر اُس کے ہمراہ تھے۔ انہی میں خاندان باگھیلہ کا بانی ارنو راج اور لون پرشاد اور اس کا وزیر وستوپال (جو لون پرشاد کے لڑکے بیردھول کا بھی وزیر تھا) وغیرہ بھی تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ انہی لوگوں کی ہمت سے ایک لاکھ کی متفقہ فوج جمع ہوئی، اور بہادر غوریوں کی بلا گجرات کے سر سے اس وقت ٹلی۔ وستوپال اور تیج پال دونوں بڑے بیدار مغز تھے۔ انہوں نے اپنی فراست سے ضرور سمجھا ہوگا کہ معزالدین محمد غوری گو اس وقت شکست کھا کر چلا گیا ہے لیکن یقیناً مکمل تیاری کے ساتھ واپس آئیگا جس کا مقابلہ کچھ آسان نہ ہوگا اس لیے وہ اس فکر میں لگا رہا ہوگا کہ کسی طرح سلطان کو خوش کر کے آئندہ حملہ کا سدباب کیا جائے۔

حج کے راستے اُس وقت مختلف تھے۔ (۱) غزنہ یا غور سے براہ خشکی عراق ہو کر مکہ (۲) سندھ کے بندرگاہ دیبل یا منصورہ سے براہِ سمندر بصرہ اور بصرہ سے مکہ (۳) سندھ کے بندرگاہ سے براہِ سمندر مُخہ (یمن) اور پھر وہاں سے مکہ (۴) کھنبایت اور بھروچ سے براہ سمندر مُخہ اور پھر وہاں سے مکہ۔ اگرچہ بری سفر اس زمانہ میں ایسا ہی تکلیف دہ تھا، جیسا بحری سفر، تاہم جس کو جہاں سے

لہ مرأۃ احمدی صفحہ ۱۳۔ مطبوعہ بمبئی۔

نزدیک پڑتا چلا جاتا۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ فتح سندھ کے بعد سلطان کی والدہ یا مرشد (یا دونوں) سندھی بندرگاہوں سے روانہ ہوئے ہوں۔ اور اُس زمانہ میں طریقہ جہازرانی یہ تھا کہ لوگ جہاں تک ممکن ہوسکتا تھا، عموماً کنارے کنارے ساحلی مقامات سے گزرتے ہوئے لیجاتے تھے ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ گجراتی ساحل کے بالمقابل جب جہاز آیا ہو تو وستوپال اپنی تدبیر کو کام میں لایا ہو، جیسا کہ اوپر گزرا۔ اور پھر خفیہ معاہدہ کے ذریعہ یہ التجا کی ہو کہ گجرات پر حملہ نہ کیا جائے جس کو سلطان نے مصلحت وقت سمجھ کر قبول کر لیا ہو۔ چنانچہ بہت ممکن ہے کہ دیگر اسباب کے ساتھ یہ بھی ایک سبب ہو کہ خود معزالدین محمد غوری یا اُس کے نائب نے اس وقت تک گجرات پر کوئی حملہ نہیں کیا جب تک کہ خود کرن باگھیلہ کے سپہ سالار جیون رائے نے قطب الدین کو نہ چھیڑا ورنہ بالکل ممکن تھا کہ جس طرح پرتھوی راج سے شکست کھانے پر اُس سے انتقام لیا اسی طرح گجراتیوں سے بھی انتقام لیتا۔ اب رہی یہ بات کہ کسی اسلامی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں۔ تو غالباً اس کا سبب میرے خیال میں یہ ہے کہ یہ کوئی ایسا بڑا واقعہ نہ تھا جس کو تاریخ میں جگہ دیجاتی۔ علاء الدین خلجی کی بیگم (ملکۂ جہاں) ملک کافور اور خسرو خاں گجراتی کی کارروائیوں سے تنگ آکر مکہ چلی گئی تھی، مگر تاریخ میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ اگر ذکر ہوتا تو ضیا برنی کی اس تحریر پر کسی کو کوئی شک کرنے کا موقعہ نہ ملتا کہ خاندان خلجی کا کوئی آدمی نہ رہ گیا تھا، اس لیے تغلق تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اور یہ واقعہ بھی ہم کو ابن بطوطہ سے معلوم ہوا جس نے مکہ میں اُس خاندان کے لوگوں (ملکہ جہاں وغیرہ) کو دیکھا تھا۔ پس میرا دعویٰ یہ تو نہیں ہے کہ یہ واقعہ غلط ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ صحیح اس واقعہ کے ساتھ ہو جو آگے بیان کیا جاتا ہے جو عہد التمش میں پیش آیا۔ اور ہوسکتا ہے کہ شمس الدین التمش کا مرشد یا اس کی والدہ حج کے لیے جاتی ہو اور سنجر کی ناکامیابی کے انتقام کے خیال نے ویردھول کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو۔ مرآۃ احمدیؔ[1] میں ہے کہ سلطان سنجر نے سات ہزار کا لشکر دے کر الف خاں کو نہروالہ فتح کرنے

---

[1] مرآۃ احمدی جلد دوم صفحہ ۷۳۔

کو بھیجا۔ جب وہ پہنچا تو راجہ نہروالہ ہردمول باگھیلہ نے اس کا مقابلہ کیا۔ پانچ برس گیارہ ماہ تک لڑائی ہوتی رہی، مگر تصفیہ نہ ہوا تھا کہ سلطان سنجر کی وفات ہوئی اس لیے الف خاں نے راجہ سے بہت کچھ لے کر سنجر کی طرف مراجعت کی۔ سردار موصوف نے قلعہ کے سامنے جو مسجد تیار کی اس میں تاریخی اشعار یہ ہیں جن سے ۶۵۵ھ معلوم ہوتا ہے۔

بنا شد مسجد جامع منور	نباشد مثل او در ملک دیگر
خلیل اللہ در مکہ حرم ساخت	بہ مثلش در پٹن شد بیت خوشتر
بہ شہر نہروالہ دار اسلام	شدہ مسجد بحکم شاہِ سرور
بفرقش عرش میگردد فلک وار	برائے دیدنِ محراب و منبر
حریم کعبہ شد در دار اسلام	کہ احسنت المداین گشت بہتر
بنا شد خانہ از امر خداوند	بگو از لفظ ہادی بیتِ اکبر ۶۵۵ھ
بنا کرد است عالی بیتِ اسلام	از و رونق شدہ دینِ پیمبر
بہ سنہ شش صد و پنجاہ و پنج بود	ز ہجرت سید سالارِ محشر
رساند در مہِ ذی قعدہ اتمام	الف خاں نامور سلطان سنجر

مرأۃ محمدی نے اس پر تنقید یہ کی ہے کہ اس وقت (۶۵۵ھ) ویردھول باگھیلا کا راجہ ہونا پایا جاتا ہے۔ دھرمول راجہ تو خاندانِ باگھیلا میں کوئی ہوا ہی نہیں۔ نام میں مرأۃ احمدی کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اور حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ دھرمول کا نام خود مرأۃ احمدی کی ہندو راجاؤں کی فہرست میں بھی نہیں ہے، اور نہ تاریخ اسلام میں۔ الف خاں سلطان سنجر کا نام ہے[2]۔

سب سے پہلے اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مرأۃ محمدی نے ہردمول کی جگہ جو ویردھول بتلایا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ویردھول ۶۵۵ھ سے بہت پہلے مر چکا تھا۔ اس کی وفات بقول مرأۃ محمدی ۱۲۳۸ء اور بروایت دیگر ۱۲۴۲ء ۶۴۰ھ میں ہوئی اس

---

[1] مرأۃ محمدی صفحہ ۳۲۔ [2] ایضاً

کے علاوہ اس کی راجدھانی دھولکا تھی۔ پٹن اس وقت تک اس کے قبضہ میں نہ تھا، بلکہ ویسل دیو اُس وقت پٹن پر قابض تھا۔ اور پہلا واقعہ ۶۵۵ھ کا بتلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اصل واقعہ کو لیجیے۔ اس میں متعدد باتیں غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ سلطان سنجر کون تھا۔ محمود غزنوی کے بعد سے آل سبکتگین کے آخری بادشاہ خسرو ملک تک کوئی شخص اس نام کا غزنوی بادشاہ نہیں ہوا۔ اور نہ کوئی الپ خاں سنجر کے نام سے سپہ سالار ملتا ہے۔ آل سلجوق میں ایک بادشاہ سنجر نامی ضرور ہوا ہے۔ مگر تاریخ میں یہ بات مسلم ہے کہ اس کی فوجیں غزنہ سے کبھی آگے نہیں آئیں۔ خاندان غوری کے جتنے سلاطین ہوئے ان میں سے کسی کا نام سنجر نہ تھا۔ خاندانِ غلامان میں سے قطبی ہوں یا شمسی کسی کا نام سنجر نہ تھا اور نہ قطب الدین ایبک کے عہد تک کسی جنرل کا نام سنجر تھا[1]۔ عہد شمسی (شمس الدین التمش) متوفی ۶۳۳ھ میں البتہ متعدد افسروں کے نام سنجر ملتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ملک تاج الدین ارسلاں خاں سنجر خوارزمی۔ اس شخص کو اختیار الملک ابوبکر مصر یا عدن سے خرید کر دہلی لایا اور التمش نے خرید کر مختلف عہدوں پر ممتاز کیا۔ عہد رکن الدین اور سلطانہ رضیہ میں بھی اودھ اور پنجاب میں حاکم رہا۔ سلطان ناصر الدین محمود کے وقت میں ۶۵۷ھ میں باغی ہو گیا۔ مالوہ اور کالنجر کی طرف جا کر پھر بنگال چلا گیا۔ ملک عز الدین بلبن نے آخر اس کو گرفتار کر کے مار ڈالا۔

(۲) ملک تاج الدین سنجر تبر خاں بعہد شمس الدین التمش خریدا گیا۔ معز الدین نے امیر آخور بنایا۔ اور سلطان ناصر الدین نے نائب امیر حاجب پھر مختلف صوبوں کا حاکم رہا۔ سلطان بلبن کے ساتھ میوات تک گیا اور ۶۵۸ھ تک زندہ تھا۔

(۳) ملک تاج الدین سنجر کربت خاں۔ بڑا بہادر تھا۔ دو گھوڑوں پر بیک وقت سواری کرتا کبھی ایک پر کبھی دوسرے پر۔ ۶۳۴ھ سے مختلف عہدوں پر دہلی اور اودھ میں رہا۔ آخر عمر میں بہار گیا اور فصیل

---

[1] طبقات ناصری کی فہرست سلاطین۔

کے نیچے ایک تیر سے زخمی ہو کر وفات پائی۔

(۴) ملک تاج الدین سنجر قتلق عہد شمس الدین میں خرید کر جامہ دار بنایا گیا۔ عہد رضیہ سلطانہ میں بدایوں کا گورنر ہوا۔ ۶۴۲ھ میں کالنجر فتح کرنے کے لیے تیاری کر رہا تھا کہ لوگوں نے حسد سے پان میں زہر دے دیا اور چند دن کے بعد انتقال کر گیا۔

(۵) ملک تاج الدین سنجر کزلک خان سلطان شمس الدین التمش نے جبکہ بدایوں کا گورنر تھا۔ قطب الدین یا شہاب الدین غوری کے عہد میں اس کو خریدا اور اپنے بچے کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ جب جوان ہوا تو مختلف عہدوں کے بعد امیر آخور (داروغہ اصطبل جو اس عہد میں ایک بڑا عہدہ تھا) کیا۔ ۶۲۵ھ میں نظام الملک محمد جنید وزیر کے ساتھ سندھ گیا اور یکے بعد دیگرے تمام سندھ پر قابض ہو گیا۔ اور سلطان نے اُسی جگہ اس کو گورنر بنایا۔ اس نے بھی ملک کا بہترین انتظام کیا۔ ۶۲۸ھ میں ملتان اور گجرات اس کے حوالہ ہوا۔ ۶۲۹ھ میں اس نے وفات پائی[1]

مذکورۂ بالا تحریر سے اس قدر تو واضح ہو گیا کہ اس عہد شمس الدین میں صرف کزلک خاں سنجر تھا جس کے متعلق یہ تشریح ہے کہ وہ گجرات کی طرف بھیجا گیا۔ اور چونکہ کسی سنجر کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں آتا ہے جس نے گجرات پر حملہ کیا ہو، اس لیے متعدد وجوہ کی بنا پر یہ مان لینا پڑیگا کہ سلطان سنجر سے مراد مرآۃ احمدی کی روایت میں بھی کزلک خاں سنجر ہے (۱) اول تو یہی ایک سنجر نامی شخص ملتا ہے جس نے اس صدی میں گجرات پر حملہ کیا ہے (۲) یہی شخص ہے جس کو ملتان اور "اچھ" یعنی سندھ کا گورنر بنایا گیا اور غالباً اسی جگہ سے اس نے فوج نہر والہ بھیجی جیسا کہ مرآۃ احمدی کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، کہ مولانا یعقوب الف خاں سنجر کے ہمراہ "ٹھٹھ" (سندھ) سے نہر والہ پٹن آئے اور اسی جگہ مقیم ہو گئے۔ (۳) یہی شخص ہے کہ ۶۲۸ھ میں اس نے نہر والہ پٹن پر فوج کشی کی اور ۶۲۹ھ میں مر گیا۔ مرآۃ احمدی میں الپ خاں سنجر کی واپسی کا سبب یہی تحریر کیا ہے یعنی سلطان سنجر کی وفات۔

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۲۳۲ و ۲۳۳۔ مطبوعہ کلکتہ

امر دوم قابلِ غور تاریخ مسجد ہے۔ سنجر کی وفات ۶۲۹ھ اور حملہ ۶۲۱ھ اور تاریخ مسجد ۶۵۶ھ
ہے۔ دونوں میں تقریباً ستائیس برس کا تفاوت ہے تو میرے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ بنا مسجد تو
سنجر ہی کے وقت میں پڑی لیکن اس مسجد کی تکمیل ۶۵۶ھ میں ہوئی۔ کیونکہ الپ خاں ناکمل چھوڑ
کر چلا گیا تھا اور میرے[1] اس خیال کی تائید خود اسی کتبہ کے اشعار سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک
مصرعہ ہے کہ "شدہ مسجد بحکم شاہِ سرور" اور ایک دوسرا مصرعہ ہے کہ "بنا شد خانہ از امرِ خداوند" ان
دونوں مصرعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے حکم سے اس کی بنیاد رکھی گئی پھر آخری شعر سے
اس کی تکمیل کو بتایا ہے کہ "رساند در مہ ذیقعدہ اتمام" یعنی ذوالقعدہ ۶۵۵ھ کو تمام ہوئی۔ اس کی
مثال اسی ملک میں میرے پیش نظر ہے۔ یعنی منگلور (مانگرول) کو عزالدین نے بعد فیروز شاہ تغلق
۷۷۰ھ میں فتح کیا۔ اور اس کی یادگار میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی لیکن ۷۸۵ھ میں جا کر
اس کی تکمیل ہوئی اور بہت ممکن ہے کہ سلطان سنجر کی وفات کے بعد اس کی تعمیر راجہ گجرات نے روک
دی ہو اور پھر ایک عرصہ کے بعد معزز مسلمانوں کی سفارش سے تکمیل تک پہنچی ہو۔ تیسری بات قابلِ
بحث یہ ہے کہ ملک سنجر خود آیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے

پس در سالے کہ بطرف ملتان رفت، در شہور	پس جس سال ملتان گیا ۶۲۸ھ کے مہینوں
سنہ ثمان وعشرین وستہ مائۃ ولایت گجرات و	میں گجرات اور ملتان اس کے سپرد ہوا اور
ملتان حوالہ او شد چوں ازاں جا مراجعت	جب اس جگہ سے واپس آیا تو کہرام کا صوبہ
کرد۔ اقطاع کہرام بدو مفوض شد۔ و بعد از	اس کو دیا گیا۔ اور ایک مدت کے بعد تبرہند
مدتے محروسہ تبرہند بدو داد۔	کا علاقہ اس کے حوالہ ہوا۔

لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ گجراتی تاریخوں سے بہ تحقیق ثابت ہے کہ اس وقت گجرات پر راجہ
بھیم حکمراں تھا اور فتح سے پہلے ملتان اور اچھ (سندھ) ناصرالدین قباچہ کے زیر حکومت تھے ۶۲۴ھ
میں اوچھ یعنی سندھ فتح ہوا اور ۶۲۵ھ میں وہاں کی حکومت اس کو ملی ۶۲۸ھ میں ملتان اور

[1] مرأۃ احمدی ص ۳۰ ج ۲۔ مطبوعہ بمبئی۔

گجرات کو زیر اقتدار لانے کا حکم صادر ہوا۔ اور ۶۲۳ھ میں مرگیا۔ اسی صورت میں یہ کہنا کہ واپسی گجرات کے بعد صوبہ کہرام اور مدت کے بعد تبرہند اس کے سپرد کیا گیا کسی صورت سے صحیح نہیں ہوسکتا پھر دوسری جگہ ۶۲۵ھ کے تحت میں لکھتا ہے کہ جب وزیر دہلی کی طرف چلا گیا۔ اور اس کو صوبہ دار بنایا گیا تو اس نے صوبہ کا مکمل انتظام کیا۔ مخلوق کو دلاسہ دیا، امن وامان قائم کیا، انصاف سے ملک اور رعایا کو خوشحال بنایا۔ اور ایک مدت کے بعد سلامتی ایمان کے ساتھ ۶۲۹ھ میں مرگیا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء عہد صوبہ داری ۶۲۵ھ سے وفات ۶۲۹ھ تک وہ سندھ میں رہا۔ اسی صورت میں واپسی گجرات کے بعد (۶۲۸ھ) صوبہ کہرام اور تبرہند کی صوبداری کی کیا صورت ممکن ہے۔ اس لیے میرے خیال میں یا تو یہ موجودہ نسخہ صحیح نہیں یا صاحبِ طبقات سے اس معاملہ میں واقعات کا تقدم اور تاخر ہوگیا یعنی کہرام اور تبرہند کی صوبہ داری اصل میں سندھ کی صوبہ داری سے پہلے کا واقعہ ہے، اور ترتیب یہ ہے کہ پہلے چاشنی دار ہوا، پھر میر آخور۔ اس کے بعد کہرام کا صوبہ اور بعد میں تبرہند کا علاقہ اس کے متعلق ہوا۔ یہ سب ۶۲۵ھ سے قبل ہوا۔ ۶۲۵ھ میں سندھ اور پھر ملتان اور گجرات۔ لیکن ایک عرصہ سے سندھ میں خانہ جنگی جاری تھی پہلے قباچہ اور قطب الدین ایبک میں جنگ رہی پھر مغلوں اور خوارزم شاہ کی یورش۔ اور آخر میں التمش کی جنگ آزمائی سے ملک پریشان حال تھا۔ اس کے علاوہ مغلوں (تاتاریوں) کے حملہ کا ہر وقت اندیشہ رہتا تھا۔ اس لیے سخت ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی لائق گورنر یہاں رہ کر ملک کو با امن اور سرسبز بنائے اور مدافعت کا بھی سامان ہر وقت تیار رکھے ان قرائن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک تاج الدین سنجر خود تو سندھ ہی میں مقیم رہا اور اپنے کسی افسر کو گجرات فتح کرنے بھیجدیا۔ جو سنجر کی وفات تک وہاں رہا اور خبر وفات سن کر واپس آگیا۔ ایام قیام میں اس نے سنجر کے حکم سے مسجد کی بنیاد رکھی جس کی تکمیل ۶۵۵ھ میں ہوئی۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ حملہ آور گجرات میں برس چھ مہینے سے زائد مقیم نہ رہے۔ اس لیے مرآۃ احمدی کی یہ تصریح صحیح نہیں ہے کہ پانچ برس اور گیارہ مہینے تک سات ہزار فوج سے پٹن کو محاصرہ میں رکھا اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس فوج کی عقب سے

برابر مدد آتی رہی۔ تو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ باگھیلا خاندان اس وقت بڑا طاقتور تھا اور ویر دھول جیسا بہادر راجہ ۶۲۵ھ میں زندہ تھا جس کے وزیر نے غوری کو ایک لاکھ فوج سے زبردست شکست دی تھی۔ اور اس کو بھی اگر مان لیں کہ بھیم دیو اور باگھیلا خاندان میں سخت مخالفت تھی تو بھی کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ چھ برس تک بھیم دیو کے سر پر ایسی مصیبت رہی ہو اور بھیم دیو نے باگھیلا خاندان کو اس مصیبت کے وقت میں بھی دوست بنانے کی کوشش نہ کی ہو اور بہت ممکن ہے کہ گجرات سے مراد پنجاب کا گجرات ہو۔ اصل یہ ہے کہ چونکہ مرأۃ احمدی کے پیش نظر شاہان مغلیہ کے فرامین اور اس کے عہد کی مرہٹی جنگ تھی اس لیے دوسری باتوں میں متعدد مقامات پر اس سے مسامحت ہوگئی ہے۔ چنانچہ شیخ معزالدین سلیمان شہید کے حالات میں لکھتا ہے کہ علاء الدین خلجی خود شیخ موصوف کے ساتھ گجرات فتح کرنے آیا تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ بلکہ الغ خاں نے جو علاء الدین کا بہترین جنرل تھا۔ فتح کیا تھا۔ جیسا کہ خود مرأۃ احمدی کے ابتداء عہد اسلام کے عنوان کے تحت مذکور ہے[1] سب سے آخری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس کتبہ کے جو اشعار لکھے گئے ہیں کیا واقعی وہ ۶۵۵ھ کے مکتوب ہیں؟ میرا خیال یہ ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں ان اشعار کو ایک دفعہ پھر غور سے پڑھو۔ آپ کو صاف نظر آئیگا کہ یہ اشعار بعد کے ہیں۔ ان اشعار میں بار بار لفظ دارالاسلام کا آتا ہے۔ چنانچہ ایک مصرعہ میں ہے "بہ شہر نہروالا دارِ اسلام" ایک دوسرا مصرعہ ہے "حریم کعبہ شد در دارِ اسلام" سوال یہ ہے کہ نہروالا پٹن اس وقت (۶۲۸ھ یا ۶۵۵ھ) میں دار الاسلام کب تھا۔ تمام تاریخوں سے یہ بات مسلم ہے کہ علاء الدین خلجی سے (۶۹۷ھ) پہلے یہ شہر دارالاسلام نہیں ہوا۔ اسی عہد کے سیاح ادیب محمد عوفی جو ۶۲۵ھ میں بذات خود کھنبایت میں موجود تھا۔ اور اپنی کتاب جامع الحکایات میں جو (۶۲۰ھ سے ۶۳۰ھ تک کی تالیف ہے لکھتا ہے

ورجا ناسخ است کہ عنقریب رائت دولت سلطان السلاطین اور قوی امید ہے کہ عنقریب

بادشاہ اسلام شمس الدنیا والدین ذوالامان اہل الایمان وارث بادشاہ شمس الدین التمش

---

[1] مرأۃ احمدی جلد دوم صفحہ ۷، مطبوعہ بمبئی

ملکِ سلیمان صاحب الحاکم فی تلک العالم اعلی اللہ شانہٗ و ....

اظہر برہانہٗ آں دیار فتح کند۔ اس ملک گجرات کو فتح کرے[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت (۶۲۵ھ سے ۶۲۳ء) تک یہ ملک فتح نہیں ہوا تھا۔ اور بادشاہ اسلام کے مقبوضات سے باہر تھا۔ اس وقت پٹن میں بھیم دیو ثانی اور دھولکا میں باگھیلا خاندان تھا۔ خود مرأۃ احمدی کی بھی روایت یہی ہے کہ سنجر کی خبرِ وفات کے سبب مسجد ناتمام اور پٹن بغیر مفتوح کیے راجہ سے کچھ لے کر افسر واپس چلا گیا۔ پس اس کو اسی صورت میں دار الاسلام کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے میرے خیال میں یہ کتبہ علاء الدین خلجی کے عہد میں ملک سنجر الپ خاں کا ہے جو ۶۹۷ھ میں گجرات کا پہلا گورنر تھا۔ یہ تسلیم کرنے سے ہر طرح کے اشکال رفع ہو جاتے ہیں۔ اس وقت نہروالہ دار الاسلام بھی تھا اور حاکم ملک کا نام سنجر اور خطاب الپ خاں تھا۔ اور الپ خاں کو بعد میں لوگ تحریف کر کے الف خاں کہنے لگے۔

خلاصہ

(۱) ساتویں صدی ہجری کے ابتدا اور وسط میں کوئی بادشاہ ایسا عام تاریخ میں نہیں ملتا جو گجرات پر حملہ آور ہوا ہو جس کا نام سنجر ہو اور اس کا افسر الپ خاں ہو۔

(۲) عہدِ شمسی میں جس قدر افسروں کے نام سنجر ملتے ہیں ان میں سے صرف کزلک خاں ہی ہے جس کی نسبت گجرات پر حملہ ہونا لکھا ہے (اور بہت ممکن ہے کہ یہ گجرات پنجاب میں ہو۔

(۳) ملک سنجر کزلک خاں والی سندھ کے ماتحت ایک افسر نے گجرات پر حملہ کیا اور شہر پناہ کے باہر اس زمانہ میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی (۶۲۸ء)

(۴) سنجر کی وفات کے سبب مسجد نامکمل اور پٹن بغیر فتح کیے افسر واپس چلا گیا (۶۲۹ھ)

(۵) مولانا یعقوب صاحب اسی افسر کے ساتھ ٹھٹھہ سے پٹن تشریف لائے اور اسی مسجد میں درس دیتے رہے۔

(۶) ۶۵۵ء میں اس مسجد کی تکمیل ہوئی۔

[1] جامع الحکایات قلمی صفحہ ۸۸ مملوکہ دار المصنفین

(۷) کتبہ مسجد ملک سنجر الپ خاں کے عہد کا ہے جبکہ نہروالا فتح ہو کر دارالاسلام بن چکا تھا۔ ۶۹۷ھ میں لیکن تاریخ تکمیل مسجد بخیال یادگار رہنے دیا۔

(۸) چونکہ والی سندھ اور والی گجرات دونوں کے نام سنجر تھے۔ اس لیے اشتباہ پیدا ہو گیا۔

سلطان غیاث الدین بلبن

بلبن درحقیقت ایک غلام تھا، جو ترکستان سے بغداد لایا گیا۔ پھر خواجہ جمال الدین بصری بغداد سے بعہد بھیم دیو ثانی گجرات لائے (شاید کھنبایت میں لائے ہونگے اور کچھ دن مقیم رہ کر) دہلی لے گئے۔ اور ۶۳۰ھ میں التمش کے ہاتھوں فروخت کر ڈالا[1] سلطان غیاث الدین بلبن جس نے ۶۶۶ھ سے بیس برس تک حکمرانی کی۔ اس کے دربار میں ارکین سلطنت نے مالوہ اور گجرات فتح کرنے کے لیے درخواست کی تھی، مگر دور اندیش سلطان نے منظور نہیں کیا۔ اور کہا کہ ملک مقبوضہ کا جب تک عمدہ انتظام نہ ہو اس وقت تک دوسرے ملک کی طمع کرنا مصلحت ملکی کے خلاف ہے، اور اس کے علاوہ گجرات پر حملہ نہ کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ اس عہد میں تاتاری مغلوں کا بڑا زور تھا۔ وہ بار بار حملہ کرکے ہندوستان میں گھسنا چاہتے تھے۔ بلبن بڑا تجربہ کار سپاہی اور بیدار مغز مدبر تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اگر فتوحات کا دروازہ میں نے کھولا تو ملک سے غافل سمجھ کر مغل فوراً سرحدی علاقہ میں گھس آئینگے۔ اس لیے اس نے فتوحات پر ملکی انتظام کو ترجیح دی۔

سکہ غیاث الدین بلبن

یہ سکہ جوناگڈھ سے دستیاب ہوا

السلطان الاعظم غیاث الدنیا والدین ابو المظفر بلبن السلطان	الامام المستعصم امیر المومنین

ضرب ہذہ السکۃ بحضرۃ دہلی فی سنۃ ثمانین و ستمائۃ

بلبن

السلطان الاعظم غیاث الدنیا والدین

[1] طبقات ناصری۔ مطبوعہ کلکتہ

سلطان غیاث الدین بلبن
↓
بغرا خاں جو بنگالہ کا گورنر رہا
↓
معز الدین کیقباد
↓
شمس الدین کیکاؤس

اسی عہد میں بمقام جوناگڑھ مائی گھڑونچی کی مسجد تیار ہوئی۔ فی الحال یہ مقام موجودہ جوناگڑھ سے فاصلہ پر ہے اور ایک ویران جگہ میں ہے۔ آس پاس کچھ مزارات ہیں۔ صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ مائی گھڑونچی کون تھی اور اس کا اس مسجد سے کیا تعلق ہے اور اس کی کیا تاریخ ہے۔ بہر حال اس مسجد کا اصلی در فی الحال گر گیا ہے۔ صرف تھوڑا حصہ باقی ہے جس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد یا اس احاطہ میں داخل ہونے کا صدر دروازہ یہی تھا۔ اس سے آگے اصل مسجد ہے۔ یہ مسجد معمولی طرز کی ہے۔ عمارت گو سنگین ہے مگر چھوٹی ہے۔ ہر طرف سے شکستہ ہو رہی ہے۔ مگر باوجود ہونے سات سو برس کی قدیم عمارت کی حفاظت کا خیال افسوس ہے کہ ریاست کے کسی افسر کو نہیں ہے۔ دالان کے وسطی در پر جو محراب ہے، ایک تحریر اس میں موجود ہے اس کی نقل مندرجہ ذیل ہے۔

امر ببناء هذا المسجد المبارك الصدر المفضل	اس مسجد مبارک کے بنانے کا حکم ۶۸۵ھ میں معزز
المعظم المفخم المجد المكرم، صدر الصدور	مکرم بزرگ حاجی عفیف الدین ابوالقاسم ابن
حاجي الحرمين عفيف الدنيا والدين ابو	علی الایرجی نے دیا۔ جو خدا سے اس کی خوشنودی
القاسم ابن علي الايرجي راجيًا من الله رضوانه	کے امیدوار رہے۔ ۶۸۵ھ خدا اس کو قبول
في سنة خمس وثمانين وستمائة تقبل الله	کرے، اس کو اور اس کے والدین کو بخش دے
منه وغفر له ولوالديه	

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی کی فتح گجرات سے بہت پہلے مسلمان یہاں آباد ہو چکے تھے۔ اور یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی ایک بڑی تعداد میں ہوگی اور اسی لیے ایک مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور چونکہ حکومت اپنی نہیں تھی اس لیے یہ مسجد غالباً پبلک کی طرف سے

تیار کی گئی۔ بنانے والا غالباً کوئی مالدار تاجر ہے۔ نام کے ساتھ جو خطابات ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑا معزز آدمی ہے اور تمام مسلمانوں کا سردار (یا قاضی) بھی ہے۔ ابن بطوطہ اور مسعودی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں ہند میں مسلمانوں کی حکومت نہیں تھی اور تجارت کے سلسلہ سے یہاں آباد ہو گئے تھے جیسے کھنبایت، بھڑوچ، گندھار، چیمور، مالابار وغیرہ، وہاں حکومت کی طرف سے مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ ذی علم اور نیک آدمی کو بطور ہنیل (یا قاضی) مقرر کر دیتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی عفیف الدین ابو القاسم ایرجی بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جو جوناگڈھ میں بطور تاجر مقیم تھے۔ غالباً ان مسلمانوں کا بیوپار سومناتھ اور منگلور کے بندرگاہ کے ذریعہ ایران اور بصرہ سے ہوگا۔ جو زیادہ تر عراقی گھوڑے فروخت کرنے آتے تھے، جیسا کہ کھیم راج متوفی سنہ ۸۶۶ھ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے جو سومناتھ میں عرب مسافروں (تجاروں) کے جہازات لوٹنے کے بارے میں مشہور ہے۔

باب چہارم

گجرات دہلی کے ماتحت

فصل اوّل

علاء الدین خلجی

قوم خَلُج کی نسبت فرشتہ نے جو بات لکھی ہے۔ قریب قریب وہی بدایونی بھی لکھتا ہے کہ خلج دراصل قلیج تھا۔ جو بزبان ترکی "تلوار" کو کہتے ہیں۔ عوام نے "ق" کو "خ" سے بدل کر قلیج سے خلج کر دیا اور خلج نوح ؑ کے ترکوں میں سے ایک کا نام تھا جس سے قوم خلجی نے ترقی پائی۔

خلجی قوم دراصل ترکی نسل سے تھی جو نامعلوم زمانہ میں ترکستان سے نکل کر افغانستان کے علاقہ میں آباد ہو گئی تھی۔ عرصۂ دراز کی بودوباش سے ترکی زبان کی جگہ افغانی زبان بولنے لگی اور پھر افغانی خون کی آمیزش نے ان کو افغانی ہی بنا دیا۔ یہ ایک بہادر قوم تھی اور اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ محمود غزنوی کی فوج میں اس کے افراد بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ غوریوں کے وقت میں بھی خلجی مختلف عہدوں پر نظر آتے ہیں۔ اور خصوصاً بنگالہ و بہار کا فاتح ایک خلجی ہی (محمد بن بختیار خلجی) ہے جس نے اپنی بہادری سے دنیا کو حیرت زدہ بنا دیا۔ ایک مست ہاتھی کو اپنے گرز گراں سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اور صرف اٹھارہ سواروں سے بنگالہ کا پایۂ تخت ندیا فتح کیا[1]۔ اس کے بعد شمس الدین التمش اور الغ بیگ غیاث الدین بلبن کے عہد میں بھی مختلف مقامات کی صوبہ داری پر خلجی مامور رہے۔ ملک فیروز بن یغرش[2] خلجی۔ سمانہ ضلع پنجاب کی چھاؤنی کا

---

[1] ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ صفحہ ۶۳۔ [2] اصل ترکی لفظ یکرش بکسرہ اول و سوم ہے معرب ہو کر یغرش ہو گیا۔ ترکی اور ہندی میل سے جو پیدا ہو اس کو یکرش کہتے تھے (مؤید الفضلا رباب یاء)

نائب سپہ سالار تھا۔ غیاث الدین بلبن کے عہد میں مغلوں کے ساتھ اس بہادری سے مقابلے کیے کہ مغلوں کو ہند میں ٹھہرنا دشوار ہوگیا۔ معزالدین کیقباد کے ابتدائی عہد میں شاہی اصطبل کا افسر تھا اور آخری عہد میں سپہ سالار رہا۔ اور جب نظام الملک وزیر کو معزالدین نے اپنے باپ ناصرالدین بغرا خاں حاکم بنگالہ کے حسب مشورہ زہر دلوا کر مار ڈالا تو سلطنت کا کام درہم برہم ہوگیا، اور چونکہ معزالدین کیقباد خود مختلف عوارض میں مبتلا تھا سلطنت کا کام نہیں کرسکتا تھا۔ اسی واسطے اس نے ملک فیروز بن یغرش خلجی سپہ سالار کو شائستہ خاں کا خطاب دے کر وزارت بھی سپرد کی یہ واقعہ معزالدین کے مرنے سے صرف چند ماہ قبل کا ہے (۶۸۸ھ / ۱۲۸۹ء)

سکہ جلال الدین فیروز شاہ خلجی

السلطان الاعظم	الامام
جلال الدنیا والدین	المستعصم
ابوالمظفر فیروز شاہ	امیر المومنین
السلطان	

ضرب ہذہ الفضہ بحضرت دہلی فی سنہ احدی وتسعین وستہ مائۃ (۶۹۱)

۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء میں چند ترکی امرا نے کیقباد کو بے کار سمجھ کر "شمس الدین کیکاؤس" کیقباد کے خرد سال لڑکے کو تخت شاہی پر بٹھانا چاہا لیکن مشکل یہ تھی کہ فیروز خلجی سپہ سالار با اختیار تھا، اس نے بمشورہ امرائے ترک اس خار کو راستہ سے دور کردینا چاہا خلجی کو بھی اس کی خبر لگ گئی اور پوری فوجی طاقت سے اس کا ردعمل کیا۔ چنانچہ کامیاب طریقہ سے کیلوکھڑی (دہلی) جاکر شمس الدین کیکاؤس پر قابو حاصل کیا، اور امرائے ترک کو زور و زر سے رام کرلیا۔ اور معزالدین کے مرنے پر چند ماہ بعد خود تخت شاہی پر قدم رکھ کر جلال الدین فیروز شاہ خلجی نام رکھا۔ اس کا بھتیجا علاء الدین بن نصیر الدین (بعض مورخوں نے شہاب الدین لکھا ہے) جو داماد بھی تھا، اپنی ساس ملکہ جہاں سے ناراض ہوکر اپنی جاگیر کڑہ مانک چلا گیا۔ جہاں سے

دس ہزار سوار لے کر دیوگڑھی (موجودہ دولت آباد واقع دکن) پر حملہ آور ہوا۔ اور بے شمار دولت دولت آباد سے لے کر واپس آیا۔ دولت کی فراوانی نے اس کو خودسر بنا دیا۔ اور تخت شاہی اپنے لیے موزوں سمجھ کر اپنے چچا شاہ جلال الدین خلجی کو فریب سے مار کر تاج شاہی سر پر رکھا اور زر بخشی کے ذریعہ دہلی تک مع لشکر کے پہنچ گیا اور منجنیق کے ذریعہ سونا پھینک کر دہلی والوں کو زیر کر لیا۔ دہلی پہنچ کر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا، اور ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء میں پہلا دربار بمقام سیری (دہلی قدیم) کیا[1]۔ جس میں امراء کے مناصب بڑھائے گئے اور لوگوں کو انعامات دیے گئے چنانچہ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف ضیاء برنی کے چچا علاء الملک کو اودھ کی گورنری، اور اس کے باپ مؤید الملک کو مراد آباد کی کمشنری پر ممتاز کیا گیا۔ اور الماس بیگ (برادر سلطان علاء الدین خلجی) کو الغ خاں اور ملک نصرت (سلطان علاء الدین خلجی کی بہن کا شوہر) جلیسری کو نصرت خاں اور ہزبر الدین ملک یوسف (سلطان علاء الدین خلجی کا بھانجہ) کو ظفر خاں۔ اور ملک سنجر (برادر نسبتی سلطان علاء الدین خلجی) کو الپ خاں اور عین ماہرو کو عین الملک کا خطاب دیا۔

فتح گجرات

سلطان علاء الدین خلجی نے اپنی تخت نشینی کے تیسرے سال فتح گجرات کا ارادہ کیا۔ فتح گجرات کے کیا اسباب پیدا ہوئے، یہ کسی قدیم اسلامی تاریخ میں نہیں ہے لیکن صاحب مرآۃ محمدی نے اپنی تاریخ گجرات میں مندرجہ ذیل وجہ بیان کی ہے "کہ راجہ کے مادھو اور کیشو دو ناگر بھائی وزیر تھے۔ مادھو کی عورت بہت حسین اور خوبصورت تھی۔ اس لیے جبراً راجہ نے اس کو اپنے محل میں داخل کر لینا چاہا۔ خود مادھو کہیں باہر گیا ہوا تھا اس کی خبر جب اس کے بھائی کیشو کو معلوم ہوئی تو اس نے راجہ کے آدمیوں کا مقابلہ کیا اور آخر اس جنگ میں اس نے اپنی جان نثار کر دی۔ مادھو جب باہر سے واپس آیا اور اس کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے مصلحت

---

[1] بدایونی اور طبقات بہادر شاہی میں ۱۹۔ ذی الحجہ ۶۹۵ھ ہے اور فرشتہ میں ۶۹۶ھ لکھا ہے

اسی میں دیکھی اور جان کی سلامتی اسی میں پائی کہ دہلی چلا جائے۔ ...... چنانچہ دہلی پہنچ کر اس نے سلطان علاء الدین کو گجرات فتح کرنے کی بڑی ترغیب دی اور اس میں وہ کامیاب ہو گیا[1]

الغرض اوائل ۶۹۷ھ ۱۲۹۷ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے باستدعاء وزیر مادھو فتح گجرات کے لیے الماس بیگ الغ خاں اور ملک نصرت خاں کو حکم دیا الغ خاں پندرہ ہزار کی ایک جرار فوج کے ساتھ روانہ گجرات ہوا جس میں خاص ہندوستانی فوج کے علاوہ سندھیوں کی بڑی تعداد تھی۔ اور نومسلم مغل (تاتاری) بھی تین ہزار شامل ہو گئے تھے۔ جن کے افسر محمد شاہ و تمر بیگ و قتلغ بیگ تھے۔ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے انہل واڑہ (نہروالا) پٹن پہنچے[2]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالوہ اور آبو کے راجوں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور اس خلجی فوج کو روکنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ اور یا وزیر مادھو نے ان کو پہلے ہی سے راضی کر لیا تھا۔ غالباً اسی سبب سے بلا روک ٹوک فوج پٹن (نہروالہ) پہنچ گئی اور کوئی واقعہ درمیان میں ایسا پیش نہ آیا جو قابل تحریر ہو۔ لیکن مصنف "تیرتھ کلپ جین پرکھا" کی روایت یہ ہے کہ فوج آبو ہو کر نہیں بلکہ میواڑ، ڈونگرپور، موڑاسا ہو کر اساول پہنچی اور گجرات کی متحدہ فوجوں نے اسی جگہ مقابلہ کیا۔

غرض راجہ بھی آنے والی مصیبت سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے بھی کافی تیاری کی تھی تیس[3] ہزار سوار اور اسی ہزار پیدل اور تیس جنگی ہاتھی میدان جنگ میں الغ خاں کے مقابل[4] لایا۔ یہ راجہ باگھیلا خاندان کا آخری راجہ تھا۔ اس کا نام راجہ کرن باگھیلہ تھا۔ لڑائی طرفین سے خوب ہوئی، اور ہر فریق نے داد مردانگی دی، لیکن فتح کسی کے حق میں نہ ہوئی۔ اس جنگ نے بہت طول پکڑا اور آخر بڑی کشمکش کے بعد بروز چہار شنبہ تاریخ ۲۰ ماہ جمادی الاول ۶۹۸ھ میں تقریباً سولہ[6] ماہ کے بعد الغ خاں کامیاب ہوا[5]۔ اور راجہ کرن باگھیلہ پٹن سے بھاگ گیا اور

---

[1] مرأۃ احمدی صفحہ ۳۴۔ گجراتی تاریخوں میں درج ہے کہ وزیر کو گھوڑا خریدنے کے لیے کشمیر بھیج دیا۔ واپسی کے وقت اپنی عورت کا حال معلوم کر کے دہلی چلا گیا۔ [2] بدایونی۔ ۶۹۸ھ اور مرأۃ احمدی ۶۹۶ھ لکھتا ہے۔
[3] ظفر الوالہ بحوالہ تاریخ حسام خاں ص ۹۹ ج دوم مطبوعہ لندن
[4] بدایونی ص ۱۸۹۔ مطبوعہ کلکتہ [5] ظفر الوالہ ج ۲

نقشۂ جنگ گجرات الغ خان الماس بیگ

تمام لشکر اس کا منتشر ہوگیا۔ اور الغ خاں نے بڑی سرعت سے نہروالہ پر قبضہ کرلیا۔ اور اسی سبب سے راجہ کرن اپنے محل سے کوئی چیز بھی نہ لے سکا۔ یہاں تک کہ اپنی چہیتی رانی کنولا دیوی کو بھی ساتھ لے جانے کا موقع نہ ملا۔ محل کے تمام سامان، اسباب اور لوگ مع خزانۂ شاہی لوٹ میں آگئے۔ اور باگھیلہ خاندان کے راجپوت ہمیشہ کے لیے سلطنت کھو بیٹھے۔ کرن شکست کھا کر کاٹھیاواڑ چلا گیا۔ اور اُدھر سے فوجوں کے جمع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ سومناتھ میں تھا کہ الغ خاں بھی آپہنچا اور سومناتھ فتح کر ڈالا۔ اس ایک شکست سے راجہ کرن اس قدر گھبرایا کہ پھر اس کا پیر نہ جما اور گجرات کو خیرباد کہہ کر سیدھا دیوگڈھ (دولت آباد دکن) راجہ رام دیو کے پاس مدد حاصل کرنے کے لیے پہنچا۔ لیکن راجہ رام دیو کا حال خود پتلا تھا۔ وہ علاءالدین خلجی سے یونہی خوف زدہ رہتا

تھا۔ وہ کرن باگھیلہ کی مدد کر کے اپنے کو مصیبت میں کیوں ڈالتا۔ مجبوراً مایوس ہو کر باگلانہ چلا آیا۔ اور اسی جگہ اپنی زندگی کے آٹھ سال ختم کر دیے۔ باگلانہ (باگھیلانہ) فی الحال ناسک ضلع میں ستانہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کا راجہ بیرم جی (ویرم جی) عہد شاہجہانی میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اور دولت مند خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا۔[۱]

الغ خاں الماس بیگ انہل واڑہ پٹن کا بندوبست کر کے بہ تعاقب راجہ کرن باگھیلہ آگے بڑھا اور اساول پر قبضہ کیا۔[۲] جو موجودہ احمد آباد کے قریب اس زمانہ میں ایک بارونق شہر تھا۔[۳] الغ خاں بہ تعاقب کرن سومناتھ جا کر واپس نہروالہ آیا۔ اور نہروالہ کی مورتی (بت) کو دہلی بھیج دیا جو دیوان عام کے پاس عرصہ تک پڑی رہی۔ یہ بت سومناتھ کے نام پر بنایا گیا تھا اور مرجع عوام ہو رہا تھا۔ الغ بیگ وہاں ایک مسجد بنا کر کے واپس آیا۔[۴] ادھر نصرت خاں نے کھنبایت کا راستہ لیا۔ یہ اس وقت گجرات کا مشہور بندرگاہ تھا اور تاجروں سے بھرپور۔ نصرت خاں حملہ کر کے شہر میں گھس گیا۔ اور پھر تمام کھنبایت کو سرے سے لوٹ لیا۔ چونکہ مسلمان مالدار تاجر رہتے تھے۔ اس لیے لوٹ کا مال خوب ہاتھ آیا۔ انہی میں سے ایک غلام تھا جس کا نام کافور تھا۔ جو آگے چل کر ملک کافور ہزار دیناری مشہور ہوا اپنے آقا سے بہ جبر چھینا گیا۔[۵] نصرت کے ماتحتوں نے باقی تمام گجرات پر تسلط حاصل کیا اور اسی طرح سارا گجرات اور کاٹھیاواڑ گھوگھا سے لے کر مادھوپور تک مفتوح ہو کر علاء الدین خلجی کے زیر فرمان ہو گیا۔ الغ خاں نے الپ خاں کو ناظم اور مادھو کو وزیر بنا کر اور گجرات کا بندوبست کر کے واپس دہلی ہوا۔[۶] لیکن بعض گجراتی تاریخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الغ خاں نے خان سرور غوری کو اپنا نائب مقرر کر کے واپس آیا اور نائب تقریباً تین برس تک رہا۔ اور اس عرصہ میں گجراتیوں نے ایک بڑا بلوہ کر کے آزاد ہو جانا چاہا لیکن

---

[۱] مرآۃ محمدی صفحہ ۴۳ [۲] ظفر الوالہ صفحہ ۷۷۵ جلد دوم [۳] بدایونی نے سومنات وغیرہ جانا یہ تعاقب کرن لکھا ہے جو شکست کھا کر طاقت جمع کرنے کے لیے کاٹھیاواڑ کا چکر لگا رہا تھا۔

[۴] بدایونی صفحہ ۱۹۰ جلد اول [۵] فرشتہ جلد اول [۶] مرآۃ محمدی صفحہ ۳۴ و ۳۵۔ مرآۃ احمدی کے خاتمہ پر ہے کہ خان سرور غوری کو پٹن کا گورنر بنایا جس نے اپنے نام پر تالاب بنایا جو آج تک ہے۔

زبردست فوجی طاقت سے یہ فساد فرو کر دیا اور الپ خاں کو گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ گویا فتح گجرات کے تین سال بعد الپ خاں آیا اور مادھو وزیر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بعد فتح نہروالہ، الغ خاں کا ہراول بن کر سومنات گیا تھا، اور الغ خاں کے پہنچنے سے پہلے ہی اُس نے جنگ شروع کر دی اور اسی جنگ میں مارا گیا۔ پس ایسی صورت میں تاویل صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مادھو کو وزیر دیوانی سپرد کی مگر وہ اس عہدہ سے فائدہ نہ اُٹھا سکا۔ جب واپسی کے وقت جالور کے قریب لشکر پہنچا تو الغ خاں نے مالِ غنیمت کا پانچواں[1] حصہ الگ کرنے کے بہانہ سے لوگوں سے لوٹ کا مال وصول کرنا شروع کیا اور اس میں اس قدر سختی برتی کہ سپاہی عاجز آ گئے۔ خصوصاً نو مسلم مغل جو صرف لوٹ ہی کی غرض سے شامل جنگ ہوئے تھے اور جن کی گھٹی میں لوٹ مار تھی کیونکر اس کو برداشت کر سکتے تھے؟ ان کا سردار محمد شاہ تھا اس نے انتقام لینا چاہا۔ اپنے ہم خیال کینہ دوز نو مسلم مغلوں کو جمع کر کے جو تقریباً تین ہزار تھے ملک اعز الدین برادر نصرت کو جو الغ خاں کا امیر صاحب اختیار تھا۔ ہلہ کر کے مار ڈالا۔ اور شور مچاتے ہوئے الغ خاں کے ڈیرے میں گھسنا چاہا الغ خاں موقع پا کر باہر نکل آیا۔ اور جس صورت سے بھی ممکن ہوا اپنے آپ کو نصرت خاں کے خیمے پہنچا یا سلطان علاء الدین کا بھانجہ جو الغ کے خیمے میں بے خبر سوتا تھا بلوائیوں نے الغ خان سمجھ کر مار ڈالا۔ غرض تمام لشکر میں ایک ہل چل مچ گئی۔ قریب تھا کہ تمام مال و اسباب لٹ جائے مگر تجربہ کار نصرت خاں نے فوراً سپاہی جمع کر لیے اور باغیوں کی سرکوبی شروع کر دی۔ گھبرا کر باغی منتشر ہو گئے۔ اکثر مارے گئے۔ کچھ گرفتار ہوئے اور سرغنہ بھاگ کر رنتھنبور کے راجہ کے پاس پناہ گزین ہوئے۔ اور یہی سبب علاء الدین کی فتح رنتھنبور کا ہوا۔ اس فتنہ سے الغ خاں نے بھی ان سپاہیوں کو تنگ کرنا موقوف کیا اور تمام مال و دولت لے کر دہلی پہنچا[2]۔ بادشاہ نے مغل سپاہیوں کی فتنہ جوئی کا خیال کر کے اور اپنے بھانجے کے عوض تمام نو مسلم مغلوں کو قتل کرنے کا حکم دیا بلکہ

[1] مسلمانوں میں ایسا قانون ہے کہ لوٹ کا مال جو بعد جنگ جمع ہو اس میں سے پانچواں حصہ خزانہ شاہی (بیت المال) میں جمع کیا جاتا ہے اور باقی سپاہیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔
[2] تاریخ وصاف جلد اول میں ہے کہ صرف عورتیں بیس ہزار لوٹ میں آئیں۔

ملک نصرت وزیر نے گجرات کے غنائم میں سے دو چیزیں پیش کیں ایک راجہ کرن کی رانی کنولا دیوی اور دوسری چیز ملک کافور غلام تھا۔ دونوں حسن صورت میں اپنے آپ نظیر تھے۔ اسی سبب سے دونوں بادشاہ کے منظور نظر ہوئے۔ کنولا دیوی باقاعدہ بادشاہ بیگم بنا کر محل میں داخل کی گئی۔ اور ملک کافور کو آہستہ آہستہ ملک نائب کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ کنولا دیوی اگرچہ شاہی حرم میں داخل ہو کر بڑے عیش سے گزر کرتی۔ مگر لڑکی کی یاد نے اس کے عیش کو تلخ کر رکھا تھا۔ ۱۳۰۶ء میں جب ملک کافور ایک جرار لشکر لے کر دکن فتح کرنے چلا تو رانی نے سلطان علاء الدین خلجی سے باادب گزارش کی کہ آپ کے زیر سایہ ہر طرح سے میں مطمئن ہوں لیکن ایک خلش ہے جو میرے لیے سوہان روح ہے۔ اُمیدوار ہوں کہ میری استدعا قبول فرمائی جائے۔ حکم ہوا کہ عرض کرو۔ رانی نے کہا کہ میری دو بیٹیاں تھیں، جن میں سے ایک مر چکی ہے اور دوسری چھوٹی جس کی عمر تیرہ سال کی ہے۔ اپنے باپ کے پاس بگلانہ میں ہے۔ اس کے بغیر میری زندگی تلخ ہے اور اس کی جدائی ہم پر بڑی شاق ہے۔ سپہ سالار ملک کافور کو حکم دیا جائے کہ وہ لڑکی دہلی میں پہنچا دی جائے۔ سپہ سالار کو حکم دیا گیا۔ نیز گورنر مالوہ و گجرات کو اس میں حتی الوسع سعی اور جدوجہد کی تاکید کی گئی۔ ناظم گجرات نے بگلانہ پیغام بھیجا کہ لڑکی میرے حوالہ کر دو۔ مگر راجہ گجرات کرن باگھیلہ نے ہتک سمجھ کر نامنظور کیا اور اس سے پہلے کا واقعہ یہ ہے کہ جب بغرض امداد دیوگڑھ راجہ گجرات پہنچا تو رام دیو کے لڑکے نے اُس لڑکی سے شادی کا پیغام دیا۔ مگر چونکہ رام دیو مرہٹہ تھا اور راجہ گجرات راجپوت۔ اور راجپوت اپنے کو مرہٹوں سے اعلیٰ اور مرہٹوں کو ادنیٰ سمجھتے ہیں۔ اس لیے کرن باگھیلہ نے انکار کر دیا۔ اب جو دیول دیوی کی مانگ علاء الدین کی طرف سے ہوئی تو راجہ سمجھ گیا کہ اگر لڑکی میرے پاس رہی تو یقیناً چھن جائیگی۔ اس لیے مسلمانوں کو دینے سے راجہ رام دیو کے لڑکے کو دیدینا بہرحال اچھا ہے۔ ادھر گجرات کا ناظم ایک جرار فوج لیے بگلانہ پہنچ گیا اور پے در پے حملوں سے راجہ کرن کو پریشان کر ڈالا۔ دو ماہ تک جس طرح سے

لہ فرشتہ جلد اول۔ علاء الدین کا بیان۔

ممکن ہوا راجہ کرن مقابلہ کرتا رہا۔ اسی درمیان راجہ رام دیو کا لڑکا سنگلدیو (شنکر دیو) نے اپنے باپ
کے بلا اجازت اپنے بھائی بھیم دیو کو بڑے بیش قیمت تحائف کے ساتھ راجہ کرن کے پاس بھیجا
اور یہ پیغام دیا کہ راجپوت (گوجر) اگرچہ ترکستان ہی سے آئے ہوئے ہیں اور ترکوں کے ہم قوم ہیں
پھر بھی مذہبی اختلاف کے سبب ایک دوسرے سے ملنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے بہتر ہے
کہ تم لڑکی میرے عقد میں دے کر روانہ کر دو تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے اور ترک کوچ کر جائیں۔ راجہ
کرن نے دیوگڑھ سے فوجی امداد کی اُمید پر دیول دیوی کو بھیم دیو کے سپرد کر دیا اور وہ لے کر غیر معروف
راہ سے دیوگڑھ روانہ ہو گیا۔ ادھر ناظم گجرات کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت مضطرب ہوا کہ اس پری
کو دیو اُڑا لے گیا۔ تو پھر میں بادشاہ کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہونگا۔ یہ خیال کر کے
کرن باگھیلہ پر سختی سے حملے شروع کیے کہ بیچارہ تمام سامان چھوڑ کر حیران و پریشان بھاگ نکلا۔
اور دیوگڑھ کی راہ لی۔ ناظم گجرات بھی تعاقب کرتا ہوا دیوگڑھ سے ایک دن کے راستہ پر آ گیا۔
مگر گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا، حیران تھا کہ کیا کرے، تقریباً مایوس ہو گیا تھا۔ دریا کے کنارے دیوگڑھ
کے قریب خیمہ زن تھا کہ فار ایلورا دیکھنے کے لیے چار سو سپاہی اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ اتفاقاً
وہاں ہندؤں کی فوج نظر پڑی، اور غلطی سے ایسا سمجھا کہ رام دیو کی فوج نے ہم پر چھاپہ مارنے
کا قصد کیا ہے۔ حالانکہ یہ فوج بھیم دیو کی تھی جو دیول دیوی کے ساتھ غیر معروف پہاڑی راستہ
سے دیوگڑھ کے قریب پہنچ گئی تھی۔ فوراً جنگ کے لیے تیار ہو کر تیر اندازی شروع کر دی اور باوجود
کثرت فوج کے بھی ترکوں کے تیروں سے عاجز آ کر لوگ بھاگنے لگے اور تھوڑی دیر میں فوج ادھر
اُدھر منتشر ہو گئی۔ ایک تیر دیول دیوی کے گھوڑے کو لگا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ سپاہیوں نے
اس پر ہجوم کیا اور ہر سپاہی اس کو اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک لونڈی
نے کہا کہ دیکھو یہ راج کماری دیول دیوی ہے اس کا ادب کرو۔ یہ سنتے ہی تمام سپاہیوں میں
مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور فوراً اس کو ایک محافہ میں سوار کرا کر ناظم گجرات کے پاس لے گئے
ناظم گجرات کو بے انتہا مسرت ہوئی اور فوراً وہاں سے گجرات روانہ ہو گیا۔ اور پٹن پہنچ کر بڑے

ترک اور احتشام سے شاہزادیوں کی مانند دہلی روانہ کیا اور اُسی سال کے آخر میں اپنی ماں کنولا دیوی کے پاس پہنچ گئی، جس کے دیکھنے سے بیگم کو بے انتہا مسرت ہوئی۔ شاہزادہ خضر خاں چونکہ نہ صرف ساتھ رہا کرتا بلکہ ساتھ کھیلتا تھا۔ اس لیے آپس میں دونوں کے محبت ہوگئی اور بالآخر تعشق تک نوبت پہنچی۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو دونوں کی شادی کر دینے کا ارادہ کیا لیکن خضر خاں کی ماں اس میں آڑے آئی، کیونکہ اپنے بھائی الپ خاں کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتی تھی، چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوگئی لیکن خضر خاں کے عشق میں کچھ کمی نہ آئی اور دن رات عشق میں ترقی ہی ہوتی گئی۔ تو سلطان علاء الدین خلجی نے آخر دیول دیوی سے شادی کر دی اور اس وقت سے اس کا نام تبدیل کر کے دول رانی رکھا گیا۔ دول رانی نے وفاداری سے ہمیشہ خضر خاں کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ جب خضر خاں گوالیار میں مقید ہوا[۱] تو بھی اس کے ساتھ رہی اور جب

---

[۱] گوالیار کا قلعہ ایک چٹان پر واقع ہے جو زمین سے تین سو فٹ اونچی ہے، پونے دو میل لمبی ہے اور کہیں چھ سو فٹ اور ایک جگہ دو ہزار آٹھ سو فٹ چوڑی ہے قلعہ کی دیواریں تیس سے پینتیس فٹ تک بلند ہیں دیواروں کے نیچے پہاڑی کو اس طرح تراشا ہے کہ نیچے سے اوپر تک ایک دیوار سی سمجھنی چاہیے۔ قلعہ کے شمال کی طرف نیچے کو پرانا شہر بستا ہے اور جنوب کی طرف ایک میل کے فاصلہ پر لشکر ہے۔ قلعہ پر چڑھنے کا راستہ مشرقی طرف ہے۔ پہلے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اب آدھ میل لمبی چکردار سڑک ہے۔ مشرق کی طرف آٹھ دروازے ہیں :-
(۱) عالمگیری دروازہ (۲) بادل گڈھ دروازہ۔ اس دروازہ پر کانسے کا ڈھلا ہوا ایک بیل کھڑا تھا جس کو ابراہیم لودی ۹۲۴ھ ۱۵۱۸ء میں دہلی لے گیا تھا (۳) ہنڈولہ دروازہ (۴) بھروں دروازہ (۵) گنیش دروازہ (۶) لچھمن دروازہ (۷) ہتھیا پول دروازہ یہ دروازہ راجہ مان سنگھ نے (۸۸۹ھ ۱۴۸۶ء تا ۹۲۲ھ ۱۵۱۶ء) بنایا تھا۔ کنگھم صاحب لکھتے ہیں کہ ہاتھی جو یہاں تھا اُسی نے بنوایا ہوگا لیکن ابن بطوطہ نے اس کو مان سنگھ سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ معتمد خاں کا منشی "ہیرامن" لکھتا ہے کہ یہ ہاتھی مظفر خان نے بنایا تھا جو ۱۰۳۹ھ ۱۶۲۹ء سے ۱۰۵۷ھ ۱۶۴۷ء تک اس قلعہ کا حاکم رہا ہے۔ لچھمن دروازہ کے قریب بھی ایک ہاتھی پتھر کا بنا ہوا موجود ہے لیکن اس کا نیچے کا کل دھڑ کسی نے کاٹ کر کسی بت کا سائبان بنا دیا ہے۔ گوالیر کا قلعہ نہایت مضبوط اور ناقابل فتح سمجھا جاتا ہے۔ ابوریحان بیرونی بھی گوالیار اور کالنجر کے قلعوں کی بابت لکھتا ہے کہ یہ دونوں تھوڑی سی خبرداری کرنے سے ایسے ہوسکتے ہیں کہ دشمن ان پر غالب نہیں ہوسکتا لیکن محمود کے حملے کے وقت یہاں کے راجہ نے مقابلہ نہیں کیا اور اطاعت منظور کرلی تھی شمس الدین التمش کے وقت راجہ نے مقابلہ کیا ایک سال کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔ اور پھر ابراہیم لودی نے اس کو دو سال کے محاصرہ کے بعد لیا۔ مغرب کی طرف بعض مقام ایسے ہیں کہ وہاں سے ایک بہا

خضر خاں مارا گیا تو اس کے بچانے میں اُس نے اپنی انگلی بھی کٹوائی خضر خاں کے مرنے کے بعد قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے نکاح میں آئی اور اس کے بعد خسرو خاں گجراتی کے قبضہ میں آئی۔

اور جری دشمن قلعہ کو زیادہ تر آسانی سے فتح کر سکتا ہے۔ میجر پوپہم نے ۱۷۸۰ء ۱۱۹۴ھ میں اور جنرل وائٹ نے ۱۸۰۵ء ۱۲۲۰ھ میں اور ۱۸۵۸ء ۱۲۷۵ھ میں لفٹنٹ روز نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ کالنجر کے بہ نسبت اس قلعہ میں پانی کا ذخیرہ زیادہ تر کافی ہے مغرب کی جانب ایک گھاٹی ہے جس کو اروا ہی کہتے ہیں۔ اس میں آٹھ کوئیں اور نو باولیاں ہیں۔ ان کا پانی بہت شیریں اور بہ صحت ہے شمس الدین التمش نے ایک دیوار بنا کر ان سب کو قلعہ کے اندر لے لیا تھا۔ ان کے علاوہ قلعہ کے اندر بھی کئی تالاب ہیں۔ ان میں سب سے پُرانا سورج کنڈ ہے جس کی بابت کہتے ہیں کہ ۱۰۳۰ء میں راجہ بسوا پتی نے ایک سورج کے مندر کے ساتھ تیار کرایا تھا۔ (۲) ترکونیا تالاب شمالی گوشے میں واقع ہے (۳) جواہر تلاؤ شاہجہاں کے محل کے مقابل واقع ہے (۴) ساس بہو کا تلاؤ۔ یہ تالاب اب خشک پڑا ہے۔ کھرگ رائے بھاٹ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقط دو تین صدی پُرانا ہے (۵) مان سرور قلعہ کے مغرب جانب واقع ہے۔ راجہ مان سنگھ کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں اب پانی نہیں ٹھہرتا (۶) رانی تالاب ۱۵۰۰ء میں راجہ مان سنگھ کی رانی نے بنوایا تھا۔ اس کے متصل چھیدی تلاؤ ہے جو اس رانی کی کنیز نے بنوایا تھا فضل علی نے جو کھرگ رائے اور ہیرامن کی طرح گوالیار کا مورخ ہے شاہجہاں کے وقت میں لکھا ہے کہ یہ تالاب خشک پڑا رہتا تھا۔ آخر کار اس کو ایک سرنگ کے ذریعہ رانی کے تلاؤ سے ملا دیا گیا (۷) گنگولہ تلاؤ قلعہ کے وسط میں واقع ہے (۸) کٹورا تلاؤ (۹) ایک کھمبہ تلاؤ (۱۰) دھوبی تلاؤ (۱۱) نوری ساگر معتمد خاں نوری کا بنوایا ہوا ہے ۱۶۸۷ء میں مغرب کی جانب دھونڈھر دروازہ کے مقابل قلعہ کی حد سے باہر نکلا ہوا ایک قید خانہ ہے جس میں شہزادے اور امراء قید میں رکھے جاتے تھے، اس کو نوچوکی کہتے ہیں۔ اسلامی عمارتوں میں جہانگیر اور شاہجہاں کے محل اور ایک نہایت خوشنما جامع مسجد ہے جو عالمگیری دروازہ کے متصل واقع ہے۔ اور خواجہ محمد غوث گوالیاری اور تان سین کے مقبرے ہیں۔ گوالیر (گوالیار) کی تین تاریخیں موجود ہیں۔ (۱) کھرگ رائے بھاٹ نے شاہجہاں کے ابتداء عہد میں لکھی اور باولی داس نے اس کو ۱۷۹۶ء ۱۲۱۱ھ تک مکمل کیا (۲) فضل علی نے شاہجہاں کے عہد میں تاریخ لکھی اور زیادہ تر اس نے ایک برہمن گھنشام کی تاریخ سے ترجمہ کیا (۳) ہیرامن ولد گردھر داس معتمد خاں کے منشی نے ایک مفصل تاریخ ۱۶۶۷ء کے قریب تحریر کی۔ فضل علی کی تحریر کے مطابق گوالیار کا قلعہ سمت ۳۳۲ بکرماجیتی میں بنایا گیا۔ روایت یہ چلی آتی ہے کہ اس پہاڑی پر ایک رشی گوالیپا رہتا تھا۔ راجہ سورسین کچھواہہ جزامی تھا۔ ایک روز شکار میں اس کو پیاس لگی اور وہ رشی کی مڑھی میں پانی پینے آیا۔ رشی نے اس کو پانی دیا تو وہ پانی پیتے ہی اچھا ہو گیا۔ راجہ نے کہا کہ میں شکریہ میں کیا کروں۔ تو رشی نے کہا کہ اس پہاڑی پر قلعہ بناؤ۔ اور جس تالاب کا یہ پانی ہے اس کو پختہ کر کے وسیع کر دو۔ رشی نے یہ بھی کہا کہ آج سے تیرا نام سوہن پال ہے اور تیری اولاد سے چوراسی راجے راج کرینگے اور جب تک وہ اپنے نام میں پال لگاتے جائینگے، راج ان کے پاس رکھیگا۔

یہ جو کچھ لکھا تاریخ فرشتہ کی روایت ہے لیکن اس زمانہ میں یعنی ۷۱۵ھ میں امیر خسرو دہلوی شاعر مشہور نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "دول رانی خضر خاں" ہے مگر عام طور پر مثنوی عشقیہ کے نام سے

کھرگ رائے کہتا ہے کہ چوراسیویں راجہ نے اپنا نام تیج کرن رکھ لیا۔ کہتے ہیں کہ یہ راجہ ۱۱۲۶ء میں مقام دیوسہ راجہ انمل کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے گیا اور قلعہ میں اپنے بھانجے پرمل دیو پنوار کو چھوڑ گیا۔ تیج کرن کو وہاں ایک سال لگ گیا۔ اتنے میں بھانجے کے دل میں دغا آئی اور اس نے قلعہ واپس دینے سے انکار کر دیا، اور خود راجہ ہو بیٹھا۔ التمش کے عہد تک پنوار حکومت کرتے رہے ۱۲۳۲ء میں سلطان شمس الدین التمش نے ایک سال کے محاصرہ کے بعد اس کو فتح کر لیا۔ اگرچہ اس سے پہلے قطب الدین ایبک نے بھی قلعہ کو فتح کر لیا تھا لیکن اس پر پنوار راجہ پھر قابض ہو گئے تھے۔ ۱۲۳۲ء سے لے کر ۱۳۹۸ء تک یہ قلعہ مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں رہا اور اکثر اس کو قید خانہ کے طور پر استعمال کیا جاتا۔ تیمور کے آنے سے کچھ پہلے اس قلعہ کو تور خاندان کا راجہ بیر سنگھ دیو فریب سے دبا بیٹھا، اور سید خضر خاں اور اس کے بیٹے کو خراج ادا کرتا رہا۔ لیکن اس کے بعد جونپور اور مالوہ کے مسلمان بادشاہوں کی رقابت کے سبب سے جن میں سے ہر ایک گوالیار پر قابض ہونا چاہتا تھا یہ قلعہ بدستور ہندوؤں کے قبضہ میں رہا۔ راجہ مان سنگھ نے خراج اور نذریں دے کر سلطان بہلول اور سکندر کو خوش رکھا۔ ابراہیم لودی کا بھائی جلال خاں بغاوت کر کے شکست کے بعد راجہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ ابراہیم کو بہانہ درکار تھا۔ کیونکہ اُس کا باپ اور دادا دونوں اس آرزو میں مر گئے تھے کہ کسی طرح گوالیار کے قلعہ کو مسخر کر لیں۔

ابراہیم نے خان اعظم ہمایوں کے ماتحت تیس ہزار کا لشکر بھیجا۔ اس عرصہ میں مان سنگھ مر گیا اور اس کے بیٹے بکرما جیت نے ایک سال کی جنگ کے بعد اطاعت قبول کر لی اور قلعہ حوالہ کر دیا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد ہمایوں نے آگرہ کا رُخ کیا اور گوالیار کا بھی محاصرہ کیا۔ مقابلہ کے بعد بکرما جیت کی اولاد اور رانیوں نے کہیں نکل جانے کا ارادہ کیا لیکن وہ سب گرفتار ہو گئے۔ ہمایوں نے ان کے ساتھ شریفانہ سلوک کیا جس کے شکریہ میں اس کو وہ مشہور ہیرا دیا جو وزن میں تین سو تین رتی تھا اور جس کی بابت بعض مصنفوں کا بیان ہے کہ کوہ نور وہی ہے۔ یہ ہیرا پہلے سلطان علاء الدین خلجی شاہ مالوہ کے قبضہ میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رانا کھمبو راجہ چتوڑ اور سلطان کی لڑائی کے وقت گوالیار کا راجہ رانا کا معاون ہوگا، اور اس وقت وہ ہیرا اس کے ہاتھ آ گیا ہوگا۔ بابر نے فوراً رحیم داد خاں ایک افسر کو بھیجا اور شیخ محمد غوث کی مدد سے قلعہ کو تاتار خاں کے قبضہ سے لے لیا۔ اس کے بعد دو دفعہ منگت رائے اور رام سہائے تور نے اس پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ بکرما جیت کا لڑکا رام سہائے چتوڑ کے رانا کے پاس چلا گیا۔ فتح چتوڑ کے بعد اس کے لڑکے سال باہن نے اکبر کی ملازمت کر لی۔ مغلی گورنروں میں سے مظفر خاں، خانجہاں سید عالم اور معتمد خاں نے قلعہ کی تعمیر اور مضبوط کرنے میں بڑی سعی کی۔ عالمگیری دروازہ کے پاس جو مسجد ہے وہ معتمد خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ کرنل سلیمن لکھتے ہیں کہ یہ مسجد ایسی خوبصورت بنی ہے کہ گویا معمار اس پر سے آج ہی اترا ہے۔ ایک اور مسجد کی جگہ سندھیا کا بالا قلعہ ہے سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں گوہد کے جاٹ رئیس

مشہور ہے۔ اس میں جو واقعات لکھے ہیں میرے خیال میں ناظرین کو اس سے بھی واقف رہنا چاہیے کیونکہ خضر خاں نے خود اس کا مسودہ تیار کر کے امیر خسرو کو نظم کرنے کے لیے دیا تھا۔ کہیں کہیں تاریخی کتاب سے مختلف بھی ہے۔

راجہ کرن باگھیلہ راجپوت خاندان کا آخری راجہ تھا جو گجرات کے شہر انہل واڑہ میں حکومت کرتا تھا۔ ۶۹۷ھ میں دہلی کے شہنشاہ علاء الدین خلجی سے راجہ کے تعلقات کشیدہ ہو گئے چنانچہ سنہ مذکور کے ابتدائی مہینوں میں الماس بیگ، اُلغ خاں جو سلطان کا بھائی تھا، اور نصرت خاں جالیسری جو سلطان کا وزیر تھا، مہم گجرات کے لیے مامور ہوئے۔ اور مادھو جو راجہ کرن کا وزیر تھا اور اس سے ناراض ہو کر دہلی چلا آیا تھا رہبری کے لیے ہمراہ کر دیا گیا۔ یہ دونوں ایک جرار لشکر لے کر راجہ کرن والیِ گجرات پر حملہ آور ہوئے۔ راجہ شاہی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور اپنے صدر مقام انہلواڑہ[۱] کو چھوڑ کر یدحواسی کے ساتھ فرار ہو گیا اور باگلانہ (جو آج کل ضلع ناسک ملک خاندیس میں شمار کیا جاتا ہے) میں جا کر قیام کیا۔ الغ خاں کو اس جنگ میں مال غنیمت کے ساتھ راجہ کرن کی ایک رانی کنولا دیوی اور دوسری عورتیں بھی ہاتھ لگیں۔ جو اسیر ہو کر دہلی آئیں۔ کنولا دیوی باقاعدہ سلطان علاء الدین کے حرم میں داخل کی گئی۔ اور اس نے بوجہ اپنی خوبصورتی، خوش سیرتی اور سلیقہ مندی کے سلطان کے دل میں بہت قدر و منزلت پیدا کر لی۔ ۷۰۶ھ میں ملک کافور جب فتح دکن کے لیے جا رہا تھا تو کنولا دیوی نے ایک دن موقع پا کر اور سلطان کو خوش دیکھ کر یہ درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں جو وہاں چھوٹ گئی تھیں، ان میں سے ایک تو خدام شاہی پر تصدق ہو چکی ہے مگر دوسری زندہ ہے، خون کے تعلق سے دل بے اختیار تڑپ رہا ہے، اگر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نے قلعہ پر قبضہ کر لیا لیکن ۱۷۸۳ء میں مادھوجی سندھیا نے اس سے یہ قلعہ چھین لیا ۱۸۰۳ء سے اس پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں وہاں کی فوج بھی باغی ہو گئی تھی لیکن اگلے سال پھر قلعہ فتح ہو گیا اور لارڈ ڈفرن کے عہد تک انگریزوں کے قبضہ میں رہا۔ اسی سال جھانسی کے ساتھ اس کا تبادلہ کر لیا گیا جہاں اب مہاراجہ گوالیار رہتے ہیں (سفرنامہ ابن بطوطہ کا حاشیہ ص ۲۵۵ مطبوعہ رفاہ عام لاہور)

[۱] بعض گجراتی اور سنسکرت کتابوں میں درج ہے کہ یہ جنگ اسادل کے پاس ہوئی اور راجہ کرن باگھیلہ اسی جگہ شکست کھا کر باگلانہ بھاگا۔ اور غالباً اسی سبب سے کنولا دیوی کو ساتھ نہ لے سکا، وہ غالباً پٹن میں تھی۔

حضور کی توجہ ہو جائے تو میرا مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ بیٹی کو ماں کے ساتھ ملانے میں حضور سے قیامت کے دن کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔ امیر خسرو نے عشقیہ میں اس کو اس طرح شروع کیا ہے:

شبے خوش دید دارائے زمن را — ایک رات بادشاہ کو خوش دیکھ کر
بعرض آورد راز خویشتن را — اپنے دل کا بھید یوں عرض کیا۔

پھر آگے چل کر لڑکیوں کا تذکرہ کرتی ہے:-

کہ از شاخ جوانی بر درختم — کہ میرے درخت پر جوانی کی شاخ سے
دو غنچہ ناشگفتہ داشت بختم — میرا نصیب دو بن کھلی کلی رکھتا تھا۔

اس کے بعد اپنی خوش قسمتی کو اپنی نسبت اس طرح ادا کرتی ہے:-

شدم من خوش زبخت روشن خویش — میں اپنی خوش نصیبی سے مسرور ہوں
ولی ماند آں دو گل در گلشن خویش — لیکن وہ دونوں پھول اپنے باغ میں رہ گئے۔

اب وہ اصل مطلب ادا کرتی ہے:

دوم ماندہ است وچوں پیوند خون ست — دوسری زندہ ہے اور چونکہ وہ میری لخت جگر ہے
دل من بہر آں خوں بے سکون ست — بدیں سبب میرا دل اس کے لیے بےچین ہے۔

وے گر مہر شہ بر بندہ تابد — اگر بادشاہ کی مہربانی میرے اوپر ہو تو خوں
بگرمی خوں بخوں پیوند یابد — کے ساتھ خون مل کر سکوں حاصل کرے۔

چونکہ سلطان علاء الدین اپنے بیٹے خضر خاں کے لیے پہلے ہی سے کسی عمدہ موقع کا متلاشی تھا اس لیے رانی کنولا دیوی کی یہ تجویز اس کو پسند آئی۔ راۓ کرن کو رشتہ کا پیغام بھیجا گیا اور

---

[1] (مقدمہ دول رانی مطبوعہ علی گڈھ) غالباً کنولا دیوی نے یہ دیکھا ہوگا کہ شاہزادہ خضر خاں کی ماں "ملکۂ جہاں" کا اقتدار بڑھتا جاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان کا جو رجحان میری طرف بڑھ رہا ہے اس کے باعث مجھے کچھ نقصان پہنچائے یا بعد سلطان مجھے کوئی تکلیف اُٹھانا پڑے۔ بدیں خیال اس نے یہ تدبیر سوچی کہ دیول دیوی کی شادی خضر خاں کے ساتھ کر دی جائے۔ اس صورت میں وہ بعد علاء الدین بھی آرام سے رہ سکتی ہے کیونکہ خضر خاں ولی عہد اور وارث تخت تھا۔

اس نے نہایت خوشی سے اس پیغام کو منظور کیا اور چاہتا تھا کہ شاہانہ جہیز کے ساتھ دیول دیوی کو دہلی روانہ کردے، چنانچہ رائے کرن کی خوشی اور مسرت کو امیر خسروؒ اس طرح ادا کرتے ہیں۔

سرِ رایانِ ملکِ ہندو آں کرن — ہندوؤں کے ملک کا راجہ کرن جو اس زمانہ میں اپنے

کہ بُد صاحبقراں رائے دراں قرن — وقت کا صاحبقران تھا۔

ازیں شادی کہ آمد ناگہانش — اس مسرت سے جو اس کو اچانک حاصل ہوئی

نگنجید اندرون پوست جانش — جامہ میں پھولا نہ سماتا تھا۔

لیکن پھر سلطان کی رائے بدل گئی اور گجرات کو ممالک محروسہ میں شامل کرلینے کا فیصلہ کرلیا[1]۔ غرض ملک کافور فتح دکن کے لیے مالوہ ہوتا ہوا گجرات پہنچا، اور وہاں سے دکن چلا گیا۔ بموجب حکم سلطانی حاکم مالوہ اور گجرات اس کے مدد و معاون قرار پائے۔ حاکم گجرات نے بگلانہ کا محاصرہ کیا۔ الپ خاں اور "پنج مین" کے علاوہ دوسرے سردار بھی اس میں جد و جہد اور سعی بیحد کر رہے تھے۔ الپ خاں نے راجہ کرن کو پیغام بھیجا کہ "دیول دیوی" حوالہ کردو تاکہ اس کی ماں تک پہنچادی جائے۔ راجہ کرن نے اسے نامنظور کیا۔ اس سے قبل کا واقعہ یہ ہے کہ راجہ کرن جب شکست پاکر خاندیس کی سرحد پر پہنچا تو اس نے دیوگڈھ دولت آباد کے راجہ رام دیو سے مدد کی درخواست کی مگر اس نے مدد دینے کا کوئی وعدہ نہ کیا وہ جانتا تھا کہ ایسا کرنا علاء الدین خلجی سے جنگ مول لینا ہے۔ لیکن اس کے لڑکے شنکر دیو نے راجہ کرن کو اس کی لڑکی سے شادی کا پیغام بھیج دیا چونکہ شنکر دیو مرہٹہ[2] تھا اور راجہ گجرات راجپوت۔ اور راجپوت

---

[1] رانی کنولا دیوی کی یہ تجویز اور راجہ کرن کی رضامندی کسی معتبر تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ اس لیے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ معاملات نج کے طور پر طے ہوئے تھے، اور غالباً یہ معاہدہ ہوا ہوگا کہ گجرات کا راج کرن کو واپس دیا جائے اور وہ دیول دیوی سے خضر خاں کی شادی کردے۔ غالباً اسی سبب سے وہ راضی ہوگیا تھا، اس نے دل میں خیال کیا ہوگا کہ ایسا سمجھونگا کہ ترک میری لڑکی کو اُٹھالے گئے، جیسا کہ فیروز شاہ تغلق کی ماں نے اپنے خاندان کو یہ فقرہ کہہ کر تسکین دی تھی۔ لیکن پھر سلطان کی رائے کیوں بدلی۔ میرے خیال میں ملکہ جہاں نے اس جوڑ کا توڑ کیا۔ یعنی اپنے بھائی الپ خاں کی لڑکی سے شادی کرلینے کے لیے اس نے ان تمام تدبیروں کو درہم برہم کردیا اور جب سلطان کا ارادہ بدل گیا تو الپ خاں کی لڑکی سے نسبت پختہ ہوگئی تو گجرات ممالک محروسہ میں داخل کرلیا گیا۔ تاہم کنولا دیوی کی خاطر دیول دیوی کو دہلی لے آنے کا حکم صادر کردیا گیا۔ [2] (صفحہ ۳۰۶ پر دیکھیے)

اپنے کو مرہٹوں سے اعلیٰ سمجھتے ہیں اس لیے کرن باگھیلا نے انکار کر دیا۔ اب جو دیول دیوی کی مانگ علاؤالدین کی طرف سے ہوئی تو راجہ سمجھ گیا کہ میرے پاس لڑکی رہی تو ایک نہ ایک دن ضرور چھن جائیگی۔ ادھر الپ خاں ناظمِ گجرات نے ایک بڑی فوج کے ساتھ پے در پے حملوں سے راجہ کرن کو پریشان کر ڈالا دو ماہ تک جس طرح سے ہوا راجہ مدافعت میں سرگرم رہا، اسی درمیان شنکر دیو نے اپنے باپ کی بلا اجازت اپنے بھائی بھیم دیو کو بڑے بیش قیمت تحائف کے ساتھ راجہ کرن کے پاس بھیجا کہ آریہ راجپوت اگرچہ ترکستان ہی سے آئے ہیں اور اس لیے ترکوں کے ہم قوم ہیں، پھر بھی مذہبی مخالفت کے سبب ایک دوسرے سے ملنا دشوار ہے، اور ہم تمہارے ہم مذہب ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ تم لڑکی کو میرے عقد میں دے کر روانہ کردو۔ تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے اور ترک کوچ کر جائیں۔ راجہ کرن نے دیوگڈھ سے فوجی امداد کی امید پر دیول دیوی کو تمام شرائط طے کر کے بھیم دیو کے سپرد کر دیا اور وہ لے کر غیر معروف راستہ سے دیوگڈھ روانہ ہو گیا۔ ادھر ناظمِ گجرات کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت مضطرب ہوا کہ اس پری کو دیو اڑا کر لے گیا تو پھر میں بادشاہ کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہونگا۔ یہ خیال کر کے کرن باگھیلہ پر اس سختی سے حملے شروع کیے کہ بیچارہ تمام سامان چھوڑ کر حیران پریشان بھاگ نکلا اور دیوگڑھ کی راہ لی۔ ناظم گجرات بھی تعاقب کرتا ہوا دیوگڈھ سے ایک دن

(نوٹ صفحہ ۳۰۵، ۲؎ مورخوں نے اس کے نام مختلف لکھے ہیں، کسی نے سنگل دیو اور کسی نے سنکھن دیو۔ اسی طرح اس کے بھائی کا بھیلم دیو حالانکہ صحیح گجراتی نام شنکر دیو اور بھیم دیو ہے (دیکھو کتاب کرن باگھیل گجراتی مصنفہ رجسٹرار آف ودیاپیٹھ احمد آباد)

(نوٹ صفحہ ہذا ۱؎ جناب مولوی رشید احمد صاحب انصاری جنہوں نے ایک مفید مقدمہ "دول رانی خضر خاں" معروف بہ مثنوی عشقیہ پر لکھا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گجرات پر دو دفعہ حملہ کیا گیا۔ اول دفعہ جبکہ کنولا دیوی اور بار دوم جبکہ دیول دیوی پر قبضہ ہوا۔ حالانکہ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے گجرات پر حملہ صرف ایک ہی دفعہ ہوا۔ اور دوسری جنگ باگلانہ میں ہوئی جو ناسک ضلع میں واقع ہے اور آج کل جس کو ستانہ کہتے ہیں اور اس آخری جنگ میں ناظم گجرات خود شامل تھا۔ فرشتہ میں صاف لکھا ہے کہ رایان دکن کی سرکوبی کے لیے جب ملک کافور فوج لے کر چلا تو کنولا دیوی نے دیول دیوی کے متعلق بات کی۔ سلطان نے ناظم مالوہ اور ناظم گجرات کو ملک کافور کی اطاعت اور مدد کے لیے اور دیول دیوی کو حاصل کرنے کے لیے (باقی برصفحہ ۳۰۷)

کی راہ پڑ گیا۔ مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ حیران تھا کہ کیا کرے تقریباً مایوس ہو چکا تھا، دریا کے کنارے دیوگڈھ کے قریب خیمہ زن تھا کہ ہراول کے چار سو سپاہی جو سردار "پنج من" کے ماتحت تھے اجازت لے کر غار ایلورا دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے اتفاقاً وہاں ہندوؤں کی فوج پر نظر پڑی اور غلطی سے ایسا سمجھا کہ راجہ رام دیو کی فوج نے ہم پر چھاپہ مارنے کا قصد کیا ہے۔ حالانکہ یہ فوج بھیم دیو کی تھی جو دیول دیوی ساتھ غیر معروف پہاڑی راستہ سے دیوگڈھ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ ترک فوراً جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور تیر اندازی شروع کر دی اور باوجود کثرت فوج کے بھی ترکوں کے تیروں سے عاجز آ کر بھاگنے لگی اور تھوڑی دیر میں فوج ادھر ادھر منتشر ہو گئی۔ اسی ہنگامہ میں ایک تیر دیول دیوی کے گھوڑے کو لگا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ سپاہیوں نے اس پر ہجوم کیا اور اس کو اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ایک لونڈی نے کہا کہ دیکھنا یہ راج کماری دیول دیوی ہے اس کا ادب رکھو۔ یہ سنتے ہی تمام سپاہیوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سردار پنج من کو اپنی اس کامیابی پر بڑا فخر حاصل ہوا۔ اس نے فوراً محافہ میں سوار کرایا اور ناظم گجرات کے پاس لے گیے۔ ناظم گجرات کو بھی بے انتہا مسرت ہوئی۔ فوراً وہاں سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۶) تاکید کی پھر لکھتا ہے "الغ خاں ناظم گجرات" نے گجرات سے فوج لے کر بگلانہ (باکلانہ) کا قصد کیا اور رائے کرن نے جنگ کر کے دو ماہ تک اپنا مقام بچایا۔ تاریخ بدایونی میں ہے "نہروالا (انہلواڑہ) را بعد از ہزیمت رائے کرن نہب وغارت کردہ تعاقب او نمود۔ و رائے کرن در پناہ بیرم دیو (رام دیو) کہ والی دیوگیر (دیوگڈھ) بود از ولایت دکن پیوست" پس جب دکن چلا گیا اور پھر گجرات آ نایا قبضہ کرنا اس کا ثابت نہیں ہوتا تو دوبارہ حملہ گجرات کیا معنی؟ ضیاء برنی لکھتا ہے کہ "در سال سوم جلوس علائی (۶۹۷ھ) الغ خاں و نصرت خاں با امراء و سر لشکراں و حشم بسیار جانب گجرات لشکر کشیدند نہروالا و تمام گجرات را نہب و تاراج کردند و کرن رائے گجرات از نہروالا بگریخت و برام دیو در دیوگیر (دیوگڈھ) رفت" گجرات کی عربی تاریخ ظفر الوالہ میں ہے "فلما کانا بالقرب من نہروالا خرج الیہما (یعنی الغ خاں و نصرت خاں) صاحبا الرائے کرن وکانت بینہم شدۃ انجلت بہزیمۃ الرائے الی دیوگیر واستاسر اہلہ" ان تاریخی شہادتوں سے معلوم ہو گیا کہ راجہ کرن پھر دوبارہ گجرات میں داخل نہیں ہوا جس سے جنگ دوم گجرات میں ہوتی البتہ گجراتی تاریخوں سے اس قدر واضح ہوتا ہے کہ الغ خاں کے چلے جانے کے بعد گجرات میں بلوہ ہو گیا جس کو جلد رفع کر دیا گیا۔ اور الپ خان کے مستقل گورنر بنانے پر تمام گجرات میں امن ہو گیا۔

گجرات روانہ ہوگیا اور پٹن پہنچ کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شہزادیوں کی مانند روانہ کیا اور اسی سال کے آخر میں اپنی ماں کنولادیوی شاہ بیگم کے پاس پہنچ گئی جس کے دیکھنے سے بیگم کو بے انتہا مسرت ہوئی۔ دیول دیوی محل سرا میں داخل ہوکر خاص قصر شاہی میں رہنے لگی شاہزادہ خضر خاں چونکہ بچہ تھا اور دیول دیوی بھی چھوٹی تھی اس لیے اکثر اوقات دونوں ساتھ کھیلا کرتے تھے[1]۔ ایک دن سلطان نے خلوت میں خضر خاں کو طلب کیا اور ملکۂ جہاں[2] (ماہک بیگم) کو اشارہ کیا کہ جو تجویز ہوئی ہے اس کو ظاہر کردینا چاہیے۔ ملکہ جہاں نے کہا کہ حضور کا منشا مبارک ہے کہ تمہاری شادی دیول دیوی سے کردی جائے۔ خضر خاں مارے شرم کے کچھ نہ کہہ سکا اور چپ چاپ باہر چلا آیا لیکن دیول دیوی کی محبت اس کے تمام رگ و پے میں سرایت کرگئی۔ اس وقت دیول دیوی کی عمر آٹھ سال کی تھی[3] اور خضر خاں دس سال کا، دیول دیوی کو اس رشتہ کی کچھ خبر نہ تھی مگر وہ اپنے بھائی کی شباہت کے سبب جو خضر خاں میں پائی جاتی تھی خضر خاں سے محبت کرتی تھی لیکن خضر خاں واقف تھا کہ وہ کسی روز اس کی دلہن بننے والی ہے۔ دونوں اکثر اوقات ساتھ رہتے

---

[1] دیول دیوی کے متعلق مصنف مرآۃ احمدی نے لکھا ہے کہ جب دیول دیوی گرفتار ہوئی تو ہنوز خرد سال تھی۔ الغ خاں نے اپنی فرزندی میں قبول کرکے پرورش کی اور پھر بحکم سلطانی خضر خاں سے شادی کردی میرے خیال میں یہ بیان کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اول تو اس کی ماں موجود تھی غیر کے ہاں پرورش پانے کی حاجت ہی کیا تھی۔ پھر اس قدر اصرار کے ساتھ تو کنولا رانی نے اس کو منگوایا تھا اس نے کیسے گوارا کیا کہ وہ اس کی آنکھوں سے دور الغ خاں کے سپرد کردی جائے دوسرے الغ خاں فتح گجرات کے چھ سات ماہ بعد تو مر گیا وہ کیونکر بحکم سلطانی شادی کرسکتا تھا۔ اگر مان لیا جائے کہ الغ خاں سے مطلب الپ خاں ہے تو اول تو وہ گجرات میں رہتا تھا اور بہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ دیول دیوی دہلی سے پھر کبھی گجرات نہ آئی۔ سوم خود الپ خاں کی بیٹی سے خضر خاں کی شادی ہوئی تو کیا جان کر اپنی بیٹی کے ساتھ سوکن بھی داماد کو دیتا۔

[2] یہ نام ابن بطوطہ نے لکھا ہے جو ۷۴۲ھ میں بمقام کہ اس بیگم سے ملا تھا لیکن ظفر الوالہ میں برخلاف ابن بطوطہ کے اس کا نام ماہ رو لکھا ہے۔

[3] دیول دیوی کی نسبت امیر خسرو نے آٹھ سال لکھا ہے لیکن عام مورخین اس بارے میں جو لکھتے ہیں آگے چل کر اس کے متعلق کافی بحث کرونگا اور کتب تاریخی کے تتبع سے جو میری رائے قائم ہوئی ہے اس کا بھی اظہار کرونگا۔

تھے اور نہایت شوق سے کھیلا کرتے تھے۔ جب دیول دیوی نے نویں برس میں قدم رکھا اور خضر خاں
بھی سن بلوغ کو پہنچتا ہوا معلوم ہوا تو ایک روز سلطان نے ملکۂ جہاں (مہا بیگم) کو بلا کر کہا کہ
ماشاءاللہ اب خضر خاں جوان ہوگیا ہے اس کی شادی کی فکر ہونی چاہیے۔ آخر باہمی مشورہ سے یہ قرار
پایا کہ خضر خاں کے ماموں الپ خاں کی لڑکی سے رشتہ کا پیغام بھیجا جائے جو ملکۂ جہاں کی بھانجی
تھی۔ الپ خاں نے نہایت فخر اور خوشی سے اس رشتہ کو منظور کیا۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو نے
اس کو اس طرح لکھا ہے۔

الپ خاں کاں بلندی یافت از بخت	الپ خاں جس نے اپنے نصیب کو بلند مرتبہ پر پایا
پذیرفت آں مبارک مژدہ از تخت	تخت شاہی کی طرف سے اس مبارک خوشخبری کو

قبول کیا۔

قصر شاہی کی مستورات پر جب یہ راز ظاہر ہوا تو خیر اندیشی اور نیک خواہی کی راہ سے اُن کی
ایک جماعت ملکہ جہاں کے حضور میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ الپ خاں کی لڑکی بھی
کوئی غیر نہیں ہے۔ وہ بھی آپ ہی کی لڑکی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ اس کو کوئی تکلیف یا رنج
پہنچے۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس سے لاپروائی یا غفلت برتی جائے۔ خضر خاں کا رشتہ جب
سے اعلیٰ حضرت (سلطان علاءالدین خلجی) نے دیول دیوی کے ساتھ کردیا ہے۔ اسی کے نام
پر دالہُ وشیدا ہے دوسری لڑکیوں کی طرف مطلق اس کو توجہ نہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ دونوں کو
الگ کردیا جائے۔ چنانچہ دونوں کے لیے جُدا جُدا مکان مقرر کردیا گیا۔ ہفتہ عشرہ میں گاہ گاہ
ملاقات ہوتی تھی لیکن جب خضر خاں اور دیول دیوی کے عشق و محبت کا چرچا شاہی محل میں
زیادہ ہونے لگا اور ملکہ جہاں کو اس کے متعلق متواتر خبریں ملنے لگیں اور یہ واقعہ پایۂ ثبوت کو
پہنچ گیا تو اس نے حکم دیا کہ دیول دیوی لال محل میں بھیجدی جائے۔ چنانچہ ملکہ جہاں کے حکم
کے بموجب دیول دیوی کو سنگھاسن (تخت رواں) میں بٹھاکر مع سہیلیوں اور کنیزوں کے
لال محل کی طرف روانہ کردیا۔ اس واقعہ کی خبر فوراً خضر خاں کو پہنچی، خضر خاں اس وقت

اُستاد کی خدمت میں حاضر تھا۔ یہ سُن کر جو حالت ہوئی وہ بہت دردناک ہی غرض یہ وحشتناک خبر
سُن کر شاہزادہ مکتب سے بے تحاشا بھاگا اور رانی دیول دیوی کے سکھ پال (تخت رواں) کو جا پکڑا
دونوں مل کر خوب روئے اور طرفین سے محبت کی نشانیوں کا تبادلہ ہو کر ایک دوسرے سے
رخصت ہوئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ خضر خاں کا رشتہ دیول دیوی سے اگرچہ سلطان کر چکا تھا، مگر
بمشورۂ والدۂ خضر خاں (ملکہ جہاں) یہ معرض التوا میں پڑ گیا اور الپ خاں کی لڑکی سے شادی
قرار پا گئی اور اس کا سامان ہونے لگا تین سال تک متواتر اس کی تیاری ہوتی رہی جب
وقت آیا تو اس جشن شادی میں تمام شہر اور کوچہ و بازار کی آرایش کی گئی۔ جابجا ڈیرے، خیمے
استادہ کیے گئے اور زریں پردے اور شامیانے برپا کیے گئے تمام در و دیوار پر عجیب و غریب
نقوش و تصاویر آویزاں و نمایاں کیے گئے اور تمام گلی کوچوں میں ریشمی فرش بچھائے گئے
غرضیکہ نوبت اور شادیانے، تلوار اور خنجر کے کرتب دکھلانے والوں کے اکھاڑے، نٹوں
اور شعبدہ بازوں کے تماشے، گیند کا آسمان میں اُچھالنا۔ تلوار کو پانی کی طرح نگل جانا۔ ناک
کے راستے چاقو چڑھا لینا۔ بہروپیوں کے سانگ۔ ولایتیوں[1] اور ہندستانیوں کے راگ و
باجے۔ ہندستانی گانے والیوں کے ناچ اور راگ کی محفلیں، جابجا منجنیقوں کا نصب کیا
جانا اور ان سے روپیوں اور اشرفیوں کی بارش کا ہونا یہ تمام باتیں ہیں جن سے اس جشن
کو ترتیب دی گئی[2]۔ منجموں کی ساعت سعید مقرر ہونے پر شمس الحق خضر خاں گھوڑے پر
سوار ہوا۔ تمام امرا و ارکان دولت پاپیادہ ساتھ ہوئے، ہاتھیوں پر زریں عماریاں کسی
تھیں اور چاروں طرف برہنہ تلواروں اور خنجروں سے نظر بد کا راستہ بند کر دیا گیا تھا۔ راستہ
میں موتیوں اور جواہرات کی بکھیر ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ جلوس الپ خاں کے مکان پر

---

[1] ولایتی سے مراد ترکی اور افغانی ہیں، کیونکہ اس زمانہ میں فرنگیوں (یورپین) کا نام و نشان بھی ہند میں نہ تھا۔
[2] جشن کی تفصیل فقط اس لیے لکھ دی ہے کہ اس سے اُس زمانہ کی تہذیب اور جشن کا حال معلوم ہو۔

پہنچا۔ شاہزادے نے مسند پر جلوس فرمایا اور تمام اراکین دولت اپنے اپنے درجوں کے مطابق دائیں اور بائیں بیٹھے۔ ۲۳۔ رمضان المبارک ۷۱۱ھ کو صدر جہاں نے منجموں کی بتائی ہوئی ساعت سعید میں خطبہ نکاح پڑھا اور ایک گراں قدر مہر پر عقد ہوگیا۔ تمام حاضرین پر موتیوں اور جواہرات کی بکھیر ہوئی۔ لوگوں کو قیمتی انعامات سے مالامال کردیا گیا اور بعد فراغت نکاح یہ جلوس اسی ترتیب سے واپس آیا۔ غرہ ذی الحجہ شب دوشنبہ ۷۱۱ھ حسب مقررہ منجمین ایک پہر رات گزرنے کے بعد شاہزادہ محل میں داخل ہوا۔ زرنگار فرش پر ایک پرتکلف کرسی بچھائی گئی اور اس پر شاہزادہ بٹھایا گیا موتی اور جواہرات نچھاور کیے گئے۔ موتیوں کے نورانی سیارے فضا میں سرگرم سیر تھے کہ اچانک سامنے سے ابر دور ہوگیا (یعنی دلہن کی رونمائی ہوئی) یہ تمام باتیں ہوئیں لیکن خود خضر خاں کے دل کا کیا حال تھا اس کو حضرت امیر خسرو کی زبانی سنیے:-

ہمہ شاداں زخضر خاں غم اندیش	غمگین خضر خاں سے سب کوئی خوش تھا خود خضر خاں
خضر خاں ہم ولیکن باغم خویش	بھی لیکن اپنے غم کے سبب اپنے آپ اور قرابت داروں
نہ از خویش و نہ از خویشاں خبر داشت	کی خبر نہ رکھتا تھا کیونکہ اس کا جسم اس جگہ مگر دل دوسری
کہ تن آنجا و دل جائے دگر داشت	جگہ (دیول دیوی کے پاس) تھا

گو خضر خاں کی شادی ہوگئی مگر اس کی مرضی کے خلاف ہوئی وہ شرم کے سبب اپنے ماں باپ کے منشاء کے خلاف لب کشائی نہ کرسکا اور یہ ایسی بات تھی جو ملکہ جہاں اور قصر شاہی کی خواتین کو اچھی طرح معلوم تھی مگر یہ غالباً وہ سمجھتی تھیں کہ شادی کے بعد دیول دیوی کو فراموش کر دیگا۔ لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا۔ خضر خاں کا عشق اور اس کی شیفتگی دن بدن بڑھتی گئی جب معاملہ حد سے گزر گیا اور خضر خاں نے دیکھا کہ والدین کی غفلت بدستور ہے تو مجبوراً اس نے اپنے ایک محرم راز کو اپنی والدہ ملکہ جہاں کے پاس بھیجا اس نے خضر خاں کی حالت زار اس طرح ظاہر کی کہ ملکہ اس سے بیحد متاثر ہوئی پھر اس نے کہا کہ بھتیجی کی خاطر اپنے لڑکے کو

ہلاک کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ یہ سن کر ملکۂ جہاں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آخرکار ملکۂ جہاں نے سلطان علاء الدین خلجی سے اجازت طلب کر کے گھر کے چند خاص آدمیوں کی موجودگی میں خضر خاں اور دیول دیوی کا نکاح ہو گیا۔ چنانچہ مثنوی عشقیہ میں ہے:۔

نہفتہ باد رونی خاصۂ چند — چند مخصوص آدمیوں کے روبرو
نشست عقد کابین کرد پیوند — خفیہ طور پر عقد ہو گیا۔

خضر خاں جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اس کی حالت میں ایک تبدیلی واقع ہوئی اُس نے تمام منہیات سے توبہ کر لی اور حضرت نظام الدین بدایونیؒ سے بیعت کر کے ان کے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہو گیا اور عبادت میں زندگی بسر کرنے لگا۔ عرصہ تک یہی حال رہا۔ آخر جب علاء الدین خلجی بیمار ہوا[1] تو خضر خاں نے نذر مانی کہ اگر سلطان کو صحت ہوئی تو پا پیادہ ہتنا پور (شاید دہلی کے پاس کسی بزرگ کا مزار تھا) کی زیارت کو جاؤنگا، اور سلطان کو جب قدرے صحت ہوئی تو اپنی منت پوری کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ملک کافور نے (جو اس وقت نائب ملک تھا) بادشاہ کو خضر خاں سے ناراض کرا دیا جو صرف عیادت کے لیے آیا تھا۔ اور اسی طرح اس کے خسر الپ خاں سے بدظن کرا کے اُسے قتل کرا دیا جس کو سلطان نے گجرات سے محض مشورہ کے لیے بلایا تھا۔ چنانچہ خضر خاں کو حکم دیا گیا کہ فوراً امروہہ چلا جائے اور بلا طلب ہرگز دہلی نہ آئے جب میرٹھ پہنچا تو اُس سے ولی عہدی کے علامات چتر و دورباش وغیرہ بھی واپس کرنے کا حکم ملا۔ چنانچہ ملک حسام الدین کے سپرد کر کے وہ امروہہ چلا گیا جہاں پہنچ کر وہ سخت رنج والم میں مبتلا رہا۔ جب کچھ سکون ہوا تو اس نے غور کیا اور سمجھا کہ میں بالکل بے قصور ہوں وہ عتاب شاہی کی تلخی سے ناواقف تھا، اس نے خیال کیا کہ بے خطا ہونے کے سبب سلطان کی ناخوشی کا ایسی حالت میں اندیشہ نہ ہونا چاہیے۔ یہ سوچ کر بلا طلب دہلی پہنچ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ سلطان اس وقت اس کے آنے سے بہت خوش ہوا

[1] ضیاء برنی مرض استسقاء لکھتا ہے اور بدایونی سل و دق تجویز کرتا ہے

اور پدرانہ شفقت سے گلے لگایا اور معذرت کی لیکن چند روز کے بعد جب خضر خاں غافل ہو گیا۔
اور عیش و عشرت میں مشغول ہو کر دربار کی پابندی ترک کر دی تو نائب ملک کافور کو موقع مل گیا
اس نے کہا خضر خاں اور شادی خاں بعض امراء کی سازش سے آپ کی جان لینے کے خواہاں
ہیں۔ اور چند غلاموں اور خواجہ سراؤں سے اس کی تائید کرا دی۔ سلطان نے حکم دیا کہ خضر خاں
اور شادی خاں قلعہ گوالیار میں قید کیے جائیں۔ اور ملکہ جہاں کو بھی محل سرا سے نکال کر پرانی دہلی
میں بھیج دیا گیا ان واقعات سے اور نیز ملک کافور کی بدعنوانیوں سے ملکی بغاوتوں کی جو خبریں
متواتر آنے لگیں تو علاء الدین کی علالت بڑھتی گئی۔ حالت روز بروز ردی ہوتی جاتی تھی اور
کسی طبیب کی دوا کارگر نہ ہوتی تھی۔ آخر اسی حالت میں مورخہ ۶ شوال ۷۱۵ھ / ۱۳۱۵ع میں علاء الدین
نے وفات[1] پائی۔ دوسرے دن ملک کافور خضر خاں کے چھوٹے بھائی شہاب الدین کو جس
کی عمر سات سال کی تھی تخت شاہی پر بٹھا کر خود حکومت کرنے لگا اور ملک سنبل کو باربکی کا
عہدہ دے کر فوراً گوالیار روانہ کیا کہ خضر خاں اور شادی خاں کی آنکھیں بے نور کر دے چنانچہ
گوالیار پہنچ کر اس کے سپاہی آنکھوں کو بے نور کر دیتے ہیں۔ ملک کافور یہ چاہتا کہ خضر خاں
کے تیسرے بھائی مبارک خاں کا بھی کام تمام کر دے۔ لیکن تقدیر نے تدبیر پلٹ دی اور جن
لوگوں کو قتل کے لیے مقرر کیا تھا ان لوگوں نے رات کے وقت جب سب لوگ اپنے اپنے
گھر کو واپس چلے گئے ملک کافور کے خیمہ میں گھس کر اس کو قتل کر ڈالا۔ خضر خاں کو جب اس
کی خبر ملی تو خدا کا شکر کیا، مگر کچھ خوش نہ ہوا۔ مبارک خاں اس واقعہ سے دو ماہ تک اپنے چھوٹے
بھائی شہاب الدین عمر خاں کی نیابت میں اور پھر روز یکشنبہ ۲۴ محرم ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ع کو تخت پر
رونق افروز ہو کر کاروبار سلطنت انجام دینے[2] لگا۔ اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خطاب
اختیار کیا اور شہاب الدین کو اندھا کر کے گوالیار خضر خاں کے پاس روانہ کر دیا۔ اور پھر اپنے

---

[1] عام مورخین ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ع لکھتے ہیں (یہ سنہ مثنوی عشقیہ کا ہے)
[2] مقدمہ دول رانی میں یہ سنہ ہے۔ ورنہ عام مورخین ۷۱۸ھ لکھتے ہیں۔

جلوس کے دوسرے سال ۷۱۷ھ میں فوج کشی دکن کی واپسی کے وقت جب بمقام جھائیں پہنچا[۱] تو ملک شادی سر سلاحدار کو گوالیار روانہ کیا۔ تاکہ جملہ شاہزادوں کو قتل کر کے اُن کے اہل و عیال کو دہلی لے آئے، اس قتل کا اصلی سبب تو وہ سیاسی مصلحت تھی جو ملک اسد الدین اسلطان علاء الدین کا بھتیجا نے سازش قتل مبارک شاہ کر کے پیدا کر دی تھی لیکن خضر خاں پر اس وقت تک کوئی سیاسی جرم ثابت نہیں ہوا تھا اس لیے مبارک شاہ نے ایک نیا حیلہ تراشا یعنی دیول دیوی کو طلب کیا جس کے جواب میں خضر خاں نے شاہی حکم ماننے سے قطعاً انکار کر دیا۔ اس جواب کو امیر خسرو کی زبان سے بھی سُن لیجیے۔

کر شہ را ملک رانی چوں وفا کرد	کہ بادشاہ کے ساتھ جب سلطنت نے وفاداری کی
دول رانی بہ من باید رہا کرد	تو دول رانی (دیول دیوی) کو مجھے بخش دینا چاہیے۔
چو با من ہمسر است ایں یار جانی	جبکہ میرا دلی دوست میرے ساتھ ہے
سرِ من دور کن، زاں پس تو دانی	تو پہلے میرا سر قلم کر لو پیچھے تم جانو۔

بادشاہ اس جواب سے طیش میں آیا اور ملک شادی کو حکم دیا کہ فوراً گوالیار جا کر شاہزادوں کو قتل کر دے۔ چنانچہ ملک شادی ایک رات دن میں مسافت طے کر کے گوالیار پہنچا اور شاہی حکم سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ مستورات میں شور قیامت برپا ہوا، شاہزادے سامنے لائے گئے۔ قتل کا حکم دیا جاتا ہے مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی ہے۔ آخر کار ایک نیچ ذات کا آدمی اپنے افسر سے تیغ آبدار لے کر خضر خاں کو قتل کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے شاہزادوں کی باری آتی ہے اور قتل کیے جاتے ہیں اور ان کی لاشیں بصد حسرت و یاس قلعہ گوالیار کے ایک برج میں جس کا نام بجے مندر ہے دفن کی گئیں"۔ (مترجم) الخ

اسلامی مورخوں کی تحریر کے بموجب دیول دیوی ۶۹۳ھ میں پیدا ہوئی وہ چار سال کی تھی کہ آغوش مادر سے محروم کر دی گئی۔ اپنی زندگی کے تیرہویں دور کو ختم کر رہی تھی کہ دہلی پہنچی

[۱] اس حساب سے ۷۱۸ھ ہونا چاہیے۔

اٹھارہ انیس برس کی عمر میں خضر خاں سے اس کا نکاح ہوا تقریباً چوبیس زینے عمر کے طے کر چکی تھی کہ اپنے عزیز از جان شوہر کے ساتھ قید خانہ پہنچی اور اسی سال اپنے محبوب کی ظاہر میں آنکھوں کو بے نور ہوتے ہوئے اپنی روشن آنکھوں سے دیکھا چھبیس برس کے سن میں بیوہ ہو گئی خضر خاں جب تک زندہ رہا رانی دیول دیوی نے بڑی وفاداری سے اس کا ساتھ دیا یہاں تک کہ گوالیار کے جیل خانہ میں بھی ہم اس کو دیکھتے ہیں۔ قطب الدین کی طلب پر بڑی آسانی سے ملک شادی کے ساتھ دہلی پہنچ کر شاہ بیگم بن سکتی تھی مگر اس نے تخت پر محبت کو ترجیح دی اور وفاداری کے ساتھ زندگی کے آخری لمحہ تک خضر خاں کا اس نے ساتھ دیا۔ دیول دیوی کی عمر کے متعلق مختلف تاریخوں کے تتبع سے جو سنین معلوم ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

واقعات	سنہ	عمر	کیفیت
ولادت	۶۹۳ھ	۱	
حملہ گجرات	۶۹۷ھ	۴	امیر خسرو کے نزدیک حملہ گجرات کے وقت اس
نسبت خضر خاں بہ دیول دیوی	۷۰۴ھ	۱۲	کی عمر کل چھ ماہ کی تھی اس حساب سے آخر
حملہ باگلانہ	۷۰۶ھ	۱۴	تک چار سال کا فرق رہتا ہے یعنی خسرو خاں
شادی خضر خاں با دختر الپ خاں	۷۱۱ھ	۱۹	کے وقت وہ چوبیس سال کی تھی۔
نکاح دیول دیوی با خضر خاں	۷۱۳	۲۱	نکاح ماہ رمضان میں اور رخصتی ماہ ذی الحجہ
قید گوالیار	۷۱۵ھ	۲۳	میں ہوئی یہ سنہ مقدمہ دول رانی میں بہ بدایونی
کورچشمی خضر خاں	۷۱۶ھ	۲۴	۷۱۱ھ لکھا ہے جو میرے نزدیک صحیح نہیں۔
جلوس قطب الدین	۷۱۷ھ	۲۵	
قتل خضر خاں	۷۱۸ھ	۲۶	
قتل قطب الدین	۷۲۰ھ	۲۸	
قتل خسرو خاں گجراتی	۷۲۰	۲۸	

مولوی ذکاءاللہ صاحب نے اپنی تاریخ ہند میں ایک روایت لکھی ہے کہ دیول دیوی خضر خاں کے بچانے میں خود بھی ماری گئی لیکن صحیح یہی ہے کہ خضر خاں کے قتل کے بعد ملک شادی تمام خاندان خلجی کے نظربندوں کو جن میں دیول دیوی بھی شامل تھی دہلی لے آیا۔

گجرات کی عربی تاریخ ظفرالوالہ میں ہے کہ دیول دیوی مع اپنی والدہ کے دہلی پہنچا دی گئی۔ جہاں اس کی مرضی کے خلاف قطب الدین نے نکاح کرلیا بعض تاریخوں میں تحریر ہے کہ قطب الدین کے قتل کے بعد وہ خسرو خاں کے تصرف میں آئی بہرحال خسرو خاں کے وقت اس کی عمر اٹھائیس برس کی تھی۔ اور یہ آخری بات ہے جو تاریخوں میں دیول دیوی رانی کے متعلق ملتی ہے اس کے بعد کے واقعات سے تاریخ خاموش ہے۔ کچھ نہیں معلوم کہ کب تک زندہ رہی اور کب اس نے وفات پائی ممکن ہے کہ خسرو خاں کے قتل کے وقت جو ہنگامہ برپا ہوا اس میں کسی نے ہم وطن اور طرفدار سمجھ کر قتل کر دیا ہو۔ اور یہ بھی پردۂ خفا میں ہے کہ آیا وہ صاحب اولاد تھی یا اس سے محروم۔

اسی عہد (۷۱۵ھ) میں مشہور شاعر حضرت امیر خسروؒ نے اس واقعہ کو نظم کر کے ایک کتاب لکھی ہے جس کو عام طور پر لوگ مثنوی عشقیہ کہتے ہیں لیکن خود امیر خسرو نے اس کا نام "دولرانی خضر خاں" رکھا ہے اور اس تبدیلی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس پری پیکر کے نام کا اول حصہ "دیو" سے شروع ہوتا تھا۔ اس لیے اس کو بدل کر ہم نے "دول" کر دیا جو دولت کی جمع ہے چنانچہ لکھتے ہیں

دول رانی کہ ہست اندر زمانہ — زطاؤسانِ ہندوستاں یگانہ
برسم ہندوی از نام نالبش — دراول بود دیولدے خطابش
بنام آں پری چوں دیو رہ داشت — فسوں بندہ زاں دیوش نگہداشت
چناں رسمے بدل کردم مراعات — کہ از ہندی عَلَم برزد بہندات
یکے عِلّت در و بفگندم از کار — کہ دیول را دول کردم بہ ہنجار
دول جمع دولتہاست در شمع — دریں نام است دولتہاے بس جمع

چو رانی بود صاحب دولت و کام ۔ دول رانی مرکب کردمش نام

ہند میں اس کے مختلف نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن اس کتاب کا بہترین نسخہ ظاہری حسن کے لحاظ سے وہ ہے جو خدا بخش خاں کی لائبریری (بانکی پور پٹنہ) میں ہے جس کو نواب شہاب الدین احمد خاں ناظم گجرات نے بمقام احمد آباد ۹۹۵ھ میں تیار کرایا، اور محمد شریف وقوعی نیشاپوری نے اس کی تصحیح کی۔ اسی مثنوی کو بڑی صحت کے ساتھ مع ایک بہترین مقدمہ کے مولوی رشید احمد صاحب سالم انصاری نے حسب منشاء نواب محمد اسحٰق خاں صاحب مرحوم سابق سکریٹری علی گڑھ کالج ۱۹۱۷ء میں شائع کرائی ہے جو بڑی تحقیق اور محنت سے لکھی گئی ہے۔

سکہ سلطان علاء الدین

(۱) ہندی: سری شلیفہ شرطیان سری علاء الدین

(۲) عربی میں: السلطان علاء الدنیا والدین سکندر ثانی

ابو المظفر محمد شاہ یمین الخلافۃ ناصر

السلطان امیر المومنین

ضرب ہذا السکۃ بحضرت دہلی سنہ تسع وسبعمائۃ (یہ سکہ ۷۰۹ھ میں بمقام دہلی ڈھالا گیا)

ملک کافور ہزار دیناری

اس کا اصلی نام ملک کافور تھا اور اس کے آقا نے بغداد کے بازار میں ایک ہزار کو خریدا تھا اور بحیثیت تاجر ہونے کے ادھر اُدھر بیوپار کرتا ہوا گجرات کے مشہور بندر کھنبایت میں پہنچا مجھے نہیں معلوم کہ آیا مستقل طور پر اس نے یہاں اقامت کر لی تھی یا مسافرانہ قیام تھا۔ بہر حال ملک نصرت جالیسری نے جب اس بندر پر حملہ کیا اور لوٹ مار شروع کی تو اس غلام پر بھی بہ جبر اُس کے آقا سے چھین کر قبضہ کیا[1]۔ یہ غلام نہایت شکیل، خوبصورت (اسم با مسمیٰ) کافور تھا اور اسی سبب سے ملک نصرت نے سلطان کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھا۔ سلطان نے ابتدا میں (۶۹۷ھ – ۱۲۹۷ء) تو اس کو معمولی طریقہ پر رکھا لیکن جس طرح دن گزرتے گئے اور بڑے بڑے امراء مرتے گئے اُس کا درجہ بڑھتا گیا۔ ظفر خاں، ملک نصرت وزیر، الغ خاں فاتح گجرات کی وفات کے بعد اس کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ امراء کبار میں سے عین الملک ملتانی اور الپ خاں ناظم (الی) گجرات مرکزی مقام سے دور ہونے کے سبب اس کے اقتدار میں مخل نہ ہو سکے ۷۰۲ھ (۱۳۰۲ء) میں ملک کافور

[1] مراۃ احمدی نے صفحہ ۳۵ میں غلطی سے یہ لکھا ہے کہ ملک نصرت نے خرید کر دہلی پہنچایا۔ مصنف کو ہزار دیناری کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے، بدایونی، نیز دیگر مورخین نے اس کو لکھا ہے کہ بجبر حاصل کیا۔ یعنی اس کے آقا سے چھین لیا۔

گجرات کا پہلا گورنر

گجرات کے پہلے گورنر کے متعلق عام تاریخوں کے مطالعہ سے جو خیال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ الماس بیگ اُلغ خاں جو گجرات کا فاتح ہے وہی وہاں کا ناظم (گورنر) بھی تھا جس نے تقریباً بیس برس گجرات پر حکومت کی مرآۃ احمدی جو تاریخ گجرات کی مشہور کتاب ہے، اس نے ہر جگہ اس گورنر کا نام اُلغ خاں ہی لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک ایک ہی شخص ہے جو فاتح بھی تھا اور ناظم بھی چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

بعد فتح نہروالہ (انہل واڑہ) اُلغ خاں کے قبضہ میں حکومت گجرات سپرد ہوئی۔ اسی زمانہ سے گجرات میں ناظم مقرر ہو کر آنے لگے۔ پٹن (نہروالہ) کی جامع مسجد سُرخ پتھر کی تعمیر کی ہوئی اُلغ خاں کی ہے غالباً اسی کی پیروی یادِ ایام کے مصنف مرحوم نے کی ہے بلکہ ایک قدم اس سے بھی آگے رکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ قیدیوں میں رانیاں اور راجہ کی بیٹی دیول دیوی رانی بھی ہاتھ آئی۔ ان سب کو اُلغ خاں نے دہلی روانہ کر دیا اور نہروالہ کو مرکز حکومت قرار

(بقیہ صفحہ ۳۱۷) ایک فوج کے ساتھ تلنگانہ اور جھارا سٹر بھیجا گیا اور کامیاب واپس آیا۔ ان امراء ثلاثہ کے مرنے کے بعد اس کو ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ع میں نائب ملک کا درجہ ملا۔ اور امیر الامراء بنایا گیا۔ اخیر عمر میں بادشاہ بوجہ پیری کے بدمزاج ہو گیا تھا اور اکثر اوقات متوہم رہتا۔ ان حالات کی بناء پر ملک کافور مزاج میں بہت دخیل ہو گیا اور بادشاہ بھی اسی کی آنکھ سے دیکھنے لگا اور اسی کے کان سے سننے لگا۔ ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ع میں پھر ورنگل گیا جہاں سے راجہ رام دیو کو لے کر مع تحائف دہلی پہنچا۔ چند مشہور ہاتھی اور سات ہزار گھوڑے اور خراج سالانہ مقرر کر کے واپس آیا۔ ۷۱۰ھ میں معبر (مدراس) سے راس کماری تک فتوحات حاصل کرتا ہوا چلا گیا ۷۱۱ھ ۱۳۱۱ع میں تین سو بارہ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے اور چھیانوے ہزار من طلا اور کئی صندوق جواہرات لے کر دہلی واپس آیا اور بادشاہ کی نظر سے گزارا۔ راجہ رام دیو مر چکا تھا اور اس کے بجائے اب گدی پر اس کا لڑکا تھا۔ جو نہ صرف خود باغیانہ خیالات رکھتا تھا، بلکہ صوبہ دکن کے اکثر راجاؤں کو بغاوت پر آمادہ کر لیا تھا، اس نے خراج بھی ادا نہ کیا تھا، حالانکہ اس کا لائق باپ عمر بھر ادا کرتا رہا۔ بدیں سبب ملک کافور کو دیوگڈھ بغرض تنبیہ ایک جرار لشکر کے ساتھ بھیجا گیا وہاں جا کر دیوگڈھ کے راجہ سے زبردست مقابلہ کر کے فتح یابی حاصل کی، راجہ مارا گیا اور ملک قلمرو سلطانی میں داخل کیا گیا اور دکن کے دوسرے راج سب اطاعت شعار اور خراج گزار (باقی بر صفحہ ۳۱۹)

دے کر خاص نہر والہ میں جامع مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ جو غالباً گجرات میں سب سے پہلی مسجد تھی [1]۔ اسی اُلغ خاں کو اہل گجرات الپ خاں کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

فرشتہ نے بھی ہر جگہ اُلغ خاں ہی لکھا ہے۔ البتہ صرف ایک جگہ وہ اس نام پر لفظ "ناظم" کا اضافہ کرتا ہے جس سے ناظرین کو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں یعنی پہلے وہ فاتح تھا اور بعد میں وہی ناظم مقرر ہو گیا۔ مرآۃ محمدی جو اس موضوع (تاریخ گجرات) پر جدید کتاب ہے کے مصنف نے صفحہ ۴۴ میں الماس بیگ اُلغ خاں پر جو حاشیہ لکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:-

"تاریخ فرشتہ میں فاتح اور ناظم دونوں کو الغ خاں اور طبقات اکبری میں دونوں کو الف خاں لکھا ہے۔ مگر مرآۃ احمدی کے مصنف نے غلطی سے فاتح اور ناظم دونوں کو ایک ہی شخص جان کر الغ خاں لکھ دیا ہے۔ اور اسی کی تقلید اکثر انگریزی اور گجراتی مورخوں نے کی ہے۔ منتخب التواریخ نے ناظم کا نام الپ خاں لکھا ہے (ص ۱۹۸ کلکتہ) اور ص ۱۸۹ میں فاتح گجرات کا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ہو گئے اور مالوے دکن میں وہ رُعب بٹھایا کہ مدت تک دکنیوں کو سر گوشی کا بھی خیال نہ آیا۔ یہ واقعہ ۷۱۲ھ کا ہے اس کے ان کامیابیوں کے باعث سلطان خوش ہو کر دکن کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ اور غالباً ۷۱۶ھ تک رہا۔ ان باتوں سے کافور کے خیالات میں بڑا تغیر پیدا کر دیا۔ اس نے خیال کیا کہ شاہزادے ابھی چھوٹے چھوٹے اور نوعمر ہیں اور خاندان علائی کے تمام مدعیان سلطنت (مثلاً الغ خان برادر سلطان الکت خاں سلیمان بھتیجا سلطان وغیرہ) کو خود علاء الدین اپنے ہاتھوں تباہ کر چکا ہے۔ اس لیے تھوڑی جد و جہد سے بادشاہ دہلی بن سکتا ہوں۔ چنانچہ دکن میں اس نے اس کی تیاری شروع کر دی اور اسی تیاری میں مصروف تھا کہ علاء الدین نے اپنی زیادتی بیماری کے سبب الپ خاں ناظم گجرات اور ملک نائب کافور کو دکن سے بلا بھیجا۔ یہاں پہنچ کر اس نے علاء الدین کا حال بہت پتلا دیکھ کر اپنے مقاصد کی کامیابی میں بہت زیادہ کوشاں ہوا۔ اتفاق وقت دیکھو کہ اسی زمانہ میں علاء الدین نے خلوت میں مشورۃً بطور شکایت کے کہا کہ ملکہ جہاں اور خضر خاں میری بیماری میں کچھ خدمت نہیں کرتے، بلکہ ان کو اس کی پرواہ تک نہیں ہے۔ ملک کافور نے موقع غنیمت جان کر عرض کیا کہ خضر خاں تخت حاصل کرنے کی فکر میں ہے اور ملکہ جہاں اور الپ خاں کے ساتھ آپ کے قتل کی سازش کی گئی ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ نہایت متوہم ہوا اور خضر خاں کو جو ولی عہد تھا امروہہ کی طرف روانہ کر دیا، اور حکم دیا کہ بغیر طلب نہ آنا جب صحت ہو جائیگی (باقی بر ص ۳۲۰)

[1] دیگر واقعات کی طرح یہ قیاس بھی غلط ہے اس سے بہت پہلے بندر کھنبایت میں مسجدیں تیار ہو چکی تھیں جہاں عرب تاجر دوسری صدی ہجری سے مقیم تھے۔ (دیکھو مسعودی جلد اول و ابن بطوطہ جلد دوم)

جونام تحریر کیا ہے وہ الغ خاں ہی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مذکور یہی بات صحیح سمجھتا ہے۔

سیر المتاخرین نے حسب عادت اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ خود علاءالدین نے گجرات فتح کیا یا الغ خاں نے۔ مولوی ذکاءاللہ صاحب اُردو میں سب سے مبسوط تاریخ ہند کے مؤلف اپنی تاریخ جلد دوم میں ہر جگہ الغ خاں ہی لکھتے ہیں۔ صرف خضر خاں کی شادی کے موقع پر الپ خاں لکھا ہے جس کی لڑکی سے خضر خاں کی شادی ہوئی تھی۔ لیکن جلد چہارم صفحہ ۱۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "سنہ ۶۹۶ھ میں اس نے (سلطان علاءالدین) گجرات کو سپاہ بسر کردگی الف خاں (جس کو گجرات کے لوگ الپ خاں کہتے ہیں) اور نصرت خاں کے بھیجی"۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جب نہروالہ فتح ہوگیا اور راجہ کرن باگھیلہ شکست پاکر بھاگ گیا، الف خاں ملک کا حاکم مقرر ہوا۔ ان دونوں متضاد بیانوں سے معلوم ہوا کہ وہ اصل حقیقت سے باخبر نہ تھے اور بلا تحقیق جو ملا اس کو نقل کردیا۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) تو تم کو بلا لیا جائیگا۔ اور الپ خاں کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ اس کو دربار میں بلایا گیا، اور جب خلعت شاہی وہ پہننے لگا تو اس کو ملک نائب اور کمال الدین نے قتل کردیا۔ خضر خاں نے جب سلطان کی صحت کا حال سُنا تو اپنی منت پوری کرنے کی غرض سے بغیر اجازت دہلی چلا آیا، اور باپ سے ملا۔ باپ نے بھی محبت پدری سے مجبور ہوکر گلے سے لگایا اور اندر محل میں جاکر والدہ سے ملنے اور رہنے کی اجازت دیدی۔ خضر خاں بھی محل میں جاکر غافل ہوگیا اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے لگا۔ اپنا دربار الگ جمایا اور شاہی دربار سے غیر حاضر رہنے لگا۔ ملک کافور نے اس موقع کو بھی غنیمت جانا اور بادشاہ کے کان بھرے کہ دیکھیے آپ کی بغیر اجازت پھر چلے آئے۔ اور اب محل میں مشورے ہوتے ہیں۔ انہی دنوں میں جبکہ الپ خاں تازہ وارد تھا۔ ملکہ جہاں نے درخواست کی کہ شاہزادہ شادی خاں کی شادی الپ خاں کی دوسری لڑکی سے کرنے کی اجازت دیجیے۔ ملک کافور نے اس پیوند اتحاد کو بھی سازش کا ایک جزو بتایا۔ اور بادشاہ کو یوں ناگوار گزرا کہ دیکھو تو ہماری تو دن بدن حالت بری ہوتی جارہی ہے اور ان لوگوں کو شادی کی فکر ہے۔ غرض ملک کافور کی بن آئی اور جادو چل گیا۔ بادشاہ کا مزاج برہم ہوا خضر خاں اور شادی خاں کو گوالیار کے قلعہ میں بند کردیا گیا۔ اور ملکہ جہاں کو لعل کوشک سے نکال کر پرانی دلی بھیج دیا اب میدان صاف تھا۔ بادشاہ بھی آخری دم پر آگیا۔ اور چند ہی روز کے بعد اس نے جان دیدی (باقی بر صفحہ ۳۲۱)

صوفی نبدی صاحب نے جو تاریخ ہند اپنے نام سے لکھی یا لکھوائی ہے، اس میں ہر جگہ الغ خاں ہی لکھا ہے۔ حالانکہ اس مقام کا کل حصہ ضیائے برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ ہے اور اس میں دونوں ناموں میں فرق موجود ہے۔

امیر خسرو نے مثنوی عشقیہ میں حملہ گجرات کے وقت الغ خاں کا نام لیا ہے۔ اور خضر خاں کی شادی کے وقت الپ خاں کا ذکر کیا ہے اور ایک مقام پر الف خاں بھی ہے جس کے متعلق یہ خیال بالکل درست ہے کہ الف خاں درحقیقت الپ خاں کی تصحیف ہے۔ چنانچہ ضیاء برنی نے عہدہ داروں کی جو فہرست دی ہے اس میں الف خاں کوئی شخص نہیں ہے اسی طرح اکثر معتبر تاریخیں بھی اس نام سے خالی ہیں۔ مندرجہ بالا سطور سے بین طور پر یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ فاتح اور ناظم دونوں کی شخصیت دو ہے یا ایک ہی۔ اس لیے اس اشکال کے حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسری کتابوں سے مدد لیجائے۔ گجرات کی عربی تاریخ ظفر الوالہ کے مصنف محمد بن عمر المکی نے ۶۹۷ھ کے تحت میں لکھا ہے: وصل الغ خان الی نهر والہ وکانت للملوئے کرن واستولی علیہا۔ الغ خاں نہروالہ (انہل واڑہ) پہنچ کر جہاں کا راجہ کرن تھا قابض ہو گیا۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خود ملک کافور ہی نے زہر دیدیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ علاء الدین کی وفات کے بعد ملک کافور نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ ملک سنبل کو گوالیار بھیجا کہ خضر خاں اور شادی خاں کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اندھا کر دے اور شہاب الدین کو جو صرف چند برس کا تھا بادشاہ بنایا اور قطب الدین مبارک شاہ کو بھی قتل کر ڈالنے کے لیے چند معتبر لوگوں کے حوالہ کر دیا۔ ملکۂ جہان نے ان کو کہہ سن کر ملا لیا، اور جب رات زیادہ آگئی اور قصر ہزار ستون کے دروازے بند ہو گئے تو بشیر اور مبشر دونوں قصر کے سب سے آخری منزل پر چڑھ گئے، جہاں ملک کافور رہا کرتا تھا اور گھس کر ملک کافور کو مار ڈالا اور ۷۱۶ھ میں قطب الدین مبارک شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ ملک کافور جس قدر بہادر اور ایک اولوالعزم سپہ سالار تھا، اسی قدر مکار بھی تھا۔ اس نے مکاری سے خضر خاں کو ولی عہدی سے معزول اور شہاب الدین کو جو چھ برس کا لڑکا تھا تخت نشین کیا۔ اس نے خیال کیا کہ قطب الدین ایبک، التمش، بلبن، خلجی وغیرہ کے مثل میں بھی بادشاہ دہلی بن جاؤنگا۔ لیکن یہ اس کا صرف خبط تھا۔ ممکن ہے کہتا حیات شہنشاہی کرتا۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے:۔

وبیانها جهز علاء الدین الغ خان و نصرت خان الی الگجرات فلما دنا بالقرب من نهروالہ خرج الیهما صاحبها الرائے کرن وکانت بینهم شدۃ انجلت بهزیمۃ الرائی الی دیوگیر واستاسر اهلہ[1]	اور اس کا بیان یہ ہے کہ علاء الدین نے الغ خاں اور نصرت خاں کو گجرات ساز و سامان کے ساتھ بھیجا جب دونوں نہروالہ کے قریب پہنچے تو راجہ کرن ان کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ طرفین سے بڑی سخت جنگ کے بعد راجہ کرن شکست کھا کر دیوگڈھ چلا گیا اور اس کا خاندان گرفتار ہو گیا۔

اس کے بعد لکھتا ہے۔

سلک الغ خان طریقا الی دهلی بما معهما من غنائم گجرات وعائلۃ الرائے کرن ومنها زوجتہ	الغ خاں دہلی کی طرف چلا اور ان دونوں (الغ خاں و نصرت خان) کے ساتھ گجرات کے لوٹ کا مال تھا اور راجہ کرن کا خاندان جس میں اس کی رانی بھی تھی۔

پھر جلد ثانی کے صفحہ ۷۹۱ میں لکھتا ہے۔

الی ان قال یوما وعندہ الغ خان وظفر خان ونصرت خان والپ خان	یہاں تک کہ ایک دن علاء الدین نے کہا اور اس کے پاس الغ خاں اور نصرت خاں ظفر خاں اور الپ خاں تھے

ایک دوسرے مقام پر ۶۹۹ھ / ۱۲۹۹ء کے تحت حملہ رنتھنبور کے متعلق بہ حوالۂ تاریخ حسام خاں تحریر کرتا ہے۔

تجهز الغ خان ونزل بظاهر بیانہ وبلغ همیردیو وطئے ذلک۔	الغ خاں تیار ہو کر بیانہ کے سامنے اترا اور یہ خبر همیر دیو کو پہنچی

اسی سال جبکہ قلعہ مذکور فتح ہو گیا ہے تو علاء الدین نے اس قلعہ کو الغ خاں کو دے دیا ہے وہ لکھتا ہے:۔

[1] ظفر الوالہ جلد ثانی صفحہ ۷۸۹

عربی	اردو
قال المورخ بعد جد وجهد كان الفتح	مورخ کہتا ہے کہ بڑی کوشش کے بعد فتح علاء الدین
بعلاء الدين وظفر بالرائى هنبر ديو	کی ہوئی اور راجہ ہمیر دیو نے شکست پائی وہ خود اور
(همير ديو) ومن اوای هو من المغل	مغلوں میں سے جو لوگ اس کے پاس پناہ گزین
وقتلهم جميعًا واعطى اخاه القلعة	تھے سب گرفتار ہو کر قتل کیے گئے اور سلطان نے اپنے
ما فيها والولاية[1]	بھائی کو وہ قلعہ مع تمام سامان کے اور پورا صوبہ اس
	کے حوالہ کیا۔

آگے چل کر صفحہ ۸۱۰ میں اسی کی پھر تکرار کرتا ہے۔

عربی	اردو
وانعم بها وبما فيها وما يليها من الولاية و	علاء الدین نے اپنے بھائی الغ خاں کو وہ قلعہ اور جو
جما بين لاخيه الغ خان ورجع الى دهلى	کچھ اس قلعہ میں تھا مع مضافات صوبہ انعام
وكان الفتح فى الثالث من ذيقعده	دے کر دہلی لوٹا اور یہ فتح تیسری ذیقعدہ ۷۰۰ھ
سنة سبع مائة (۷۰۰ھ)	میں ہوئی۔

اُلغ خاں کے متعلق تمام حالات لکھ کر اب الپ خاں کے متعلق لکھتا ہے کیونکہ نصرت خاں اور ظفر خاں کی بابت وہ پہلے لکھ چکا ہے:۔

عربی	اردو
وسيأتى ما كان منه بالپ خان فى	اور علاء الدین کے مرض موت میں جو واقعہ الپ خاں
مرض موته	کے متعلق ہوا وہ آگے آئیگا۔

اور صفحہ ۸۲۶ میں ہے۔

عربی	اردو
واتفق بينه وبين الپ خان اخى محبوبته	سلطان کی محبوبہ (زوجہ) ماہرو بیگم کے بھائی الپ خاں
ماهرو من العداوة ما كان بها خراب	اور ملک کافور کے درمیان عداوت پیدا ہو گئی اور
للملك العلائى واثناء ذالك ابتلى علاء	اسی سے علاء الدین کے ملک کی تباہی رونما ہوئی
الدين بعلة الاستسقاء وكان به كل	اور اسی درمیان علاء الدین مرض استسقا میں مبتلا

[1] ظفر الوالہ جلد دوم ص ۸۰۴۔

یوم فی ازدیاد و کافور و الپ خان فی نقیض ولکن کان کافور فی نیابۃ دیو گیر والپ خان فی نیابۃ گجرات

ہوگیا اور دن بدن مرض ترقی پذیر تھا اور کافور اور الپ خاں ایک دوسرے سے برسرپیکار لیکن کافور دکن کا گورنر اور الپ خاں گجرات کا گورنر تھا۔

چند سطور کے بعد لکھتا ہے:۔

فلما حضر کافور وراہ فی اعراض عن خضر خان والحریہ سعی فی قتل الپ خان بما عرف من تغییر مزاجہ و بلغ خبر قتل الپ خان من بجوات من اتباعہ فخرجوا من اطاعتہ وشاعت الفتنۃ

پس جب کافور آیا اور علاء الدین کو خضر خاں اور بیوی سے ناراض پایا تو علاء الدین کے تغیر مزاج کے سبب سے الپ خاں کے قتل میں جد و جہد کرنے لگا اور جب الپ خاں کے قتل کی خبر گجرات میں پہنچی تو اس کے کارندے جو گجرات میں تھے باغی ہوگئے اور فساد ہر طرف پھیل گیا۔

اس بیان سے آپ کو صاف معلوم ہوگیا کہ الغ خاں اور الپ خاں دو الگ آدمی ہیں البتہ امیر خسرو کے الف خاں کی طرح اس کتاب میں بھی دو جگہ بجائے الپ خاں کے الغ خاں آگیا ہے جس کے متعلق آخر میں انشاء اللہ عرض کرونگا۔ اسی مورخ کا ہمعصر عبدالقادر بدایونی ہے جس نے بہت زیادہ وضاحت سے اس مسئلہ کو صاف کردیا ہے سلطان علاء الدین خلجی کے عنوان سے لکھتا ہے۔

در بست و دوم ذی حجہ سنہ خمس وتسعین (۶۹۵) و ستہ مائۃ باتفاق برادر خویش الماس بیگ لوائے سلطنت دہلی برافراشت و الغ بیگ خاں وسنجر خسر پورہ خود را کہ میر مجلس بود الپ خاں وملک نصرت جلیسری را نصرت خاں و ملک بدر الدین را ظفر خاں

۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ میں اپنے بھائی الماس بیگ کے مشورہ سے دہلی کی سلطنت کا جھنڈا گاڑ کیا اس کو الماس بیگ الغ خاں اور اپنے لڑکے کے سسر سنجر کو جو میر مجلس تھا۔ الپ خاں کا اور ملک نصرت جلیسری کو نصرت خاں اور ملک بدرالدین کو ظفر خاں کا خطاب دے کر سیری (دہلی) کے میدان میں

خطاب دادہ در صحرای سیری نزول نمود[1] قیام کیا۔

سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی کا نام الماس بیگ تھا۔ اور اس کو خطاب الغ خاں دیا گیا علاء الدین کے لڑکے (خضر خاں) کے سسر کا نام سنجر تھا اس کو خطاب الپ خاں کا دیا گیا، یہ شخص اس وقت مجلس کے عہدہ صدارت پر ممتاز تھا اسی کے ساتھ ملک نصرت جلیسری کو نصرت خاں اور ملک بدرالدین کو ظفر خاں کا خطاب ملا۔ پھر چند سطور کے بعد تحریر کرتا ہے کہ

در محرم سنہ ستہ و تسعین و ستمائۃ (۶۹۶ھ) الغ خان و الپ خاں را برسر ارکلی خان و سلطان رکن الدین نامزد کرد	محرم ۶۹۶ھ میں الغ خاں اور الپ خاں کو ارکلی خاں اور سلطان رکن الدین کے لیے مقرر کیا۔

۶۹۸ھ کے ماتحت لکھا ہے۔

الغ خاں را با عساکر قاہرہ در ولایت گجرات برسر رائے کرن کہ سی ہزار سوار و ہشتاد ہزار پیادہ و سی زنجیر پیل داشت تعین فرمود و الغ خاں نہروالہ را بعد از ہزیمت یافتن رائے کرن نہب و غارت کردہ تعاقب او نمود	الغ خاں کو ایک بڑی فوج کے ساتھ صوبہ گجرات میں راجہ کرن باگھیلہ کے مقابل کے لیے مقرر کیا جس کے پاس تیس ہزار سوار اور اسی ہزار پیادہ اور تیس زنجیر ہاتھی تھے۔ اور الغ خاں نے راجہ کی شکست کے بعد نہروالہ کو لوٹ کر اس کا پیچھا کیا۔

اسی سلسلہ میں الغ خاں کی واپسی گجرات کے متعلق اس فساد کا ذکر کر کے جو الور کے مقام پر لشکریوں نے برپا کیا تھا۔ آگے لکھتا ہے۔

و الغ خاں بکوچ متواتر بحضرت دہلی رفت و ولایت جہاین در تصرف الغ خاں سپردہ قصد چتور نمود	اور الغ خاں پے در پے کوچ کرتا ہوا دہلی گیا اور جہاں بن کا علاقہ الغ خاں کے سپرد کر کے خود چتوڑ کی طرف کا ارادہ کیا۔

[1] تاریخ بدایونی جلد اول۔ کلکتہ۔

رنتھنبور کے محاصرہ کے وقت دہلی میں جو فساد حاجی مولا نے کیا تھا اس کے فرو ہونے کے بعد اُلغ خاں کو انتظام کے لیے دہلی بھیجا گیا۔ جہاں اُس نے اپنی سیاست سے امن قائم کر دیا ہے اس کے متعلق بدایونی جلد اول صفحہ ۱۹۴ میں لکھتا ہے۔

وسلطان الغ خاں را بہ دہلی نامزد فرمود	اور سلطان نے الغ خاں کو دہلی جانے کے لیے نامزد
تا جماعت را کہ دریں فتنہ متفق بودند	کیا تاکہ اس جماعت کو جو اس بلوہ میں شریک تھی
پیروی نمودہ بہ معرض تلف درآورد	اس کو کافی سزا دے کر برباد کر دے۔

اس کے صلہ میں سلطان رنتھنبور کی ولایت اس کی جاگیر میں مقرر کرتا ہے۔

وسلطان قلعہ رنتھنبور را با ولایت در جاگیر	اور سلطان قلعہ رنتھنبور کو مع علاقہجات کے اُس کی
او مقرر فرمودہ بازگشت	(الغ خاں) جاگیر میں مقرر کر کے واپس ہو گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی تذکرہ الغ خاں کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اب الپ خاں کا ذکر کرتا ہے جس سے ملک کافور عداوت رکھتا تھا۔ کیونکہ کافور چاہتا ہے کہ تمام طاقتور امرا اور وارثانِ سلطنت کا کانٹا نکال کر خود تخت شاہی حاصل کرے۔ اس سے علاءالدین کو برانگیختہ کرنے کے واسطے وہ الپ خاں اور خضر خاں کی شکایت کرتا ہے اور بدگمان کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر بدایونی مورخ صفحہ ۱۹۸ جلد اول میں تحریر کرتا ہے۔

ملک نائب، آمدن خضر خاں را بصد آب و	اور ملک نائب نے خضر خاں کے آنے کو بڑے آب و
تاب بہ سلطان باز نمودہ گفت کہ الپ خاں	تاب سے دکھلا کر کہا کہ گجرات سے آکر الپ خاں
از گجرات آمدہ بہ تدبیر دوراندیشی در کار ملک و	نے ملکی امور کے لیے دوراندیشی سے اور اپنی نیابت
طمع نیابت و وکالت خود خواہر زادہ را	اور وکالت کی طمع سے اپنے بھانجہ (خضر خاں) کو
طلبیدہ۔	بلایا ہے۔

اس کے بعد الپ خاں کے قتل کے متعلق لکھتا ہے:۔

واین سخنان را راست شمردہ در حال بہ سیاست	ان باتوں کو سچ سمجھ کر فوراً الپ خاں کے متعلق

الپ خاں حکم فرمود آں بیچارہ را ملک نائب کا حکم صادر کیا اور اس بیچارہ کو ملک نائب اور کمال الدین
ملک کمال الدین گرگ چو گوسپند سلیم گرفتہ گرگ نے بکری کی طرح قصر بادشاہی کے اندر
اندروں قصر پادشاہی پارہ پارہ کردند ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اب اس کے بعد خضر خاں کو پایۂ تخت سے دور بھیج دینے کے متعلق کہتا ہے۔

کہ خضر خاں چوں از کشتن خال خویش چونکہ خضر خاں اپنے ماموں کے مارے جانے سے ڈر
ہراس یافتہ مناسب کہ بجائے خود بوند گیا ہے اس لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کو اس
فرمان شد تا بجہت اصلاح امور ملکی طرح چھوڑ دیا جائے۔ حکم ہوا کہ چند دن ملکی مصلحت
چند روز بجانب امروہہ رفتہ بسر برد۔ کی بنا پر امروہہ میں رہے۔

ضیا برنی جو گویا چشم دید گواہ ہے اُس نے اپنی تاریخ میں ہر جگہ اس کا خیال رکھا ہے چنانچہ ناظم ات کے متعلق وہ ہر جگہ الپ خاں استعمال کرتا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے:۔

واو را (ملک نائب کافور) والپ خاں کہ خسر دنیا اور ملک نائب کافور اور الپ خاں میں جو خضر خاں کا
خضر خاں بود عداوت جانی افتاد خسر تھا۔ جانی دشمنی پیدا ہو گئی۔

پھر دوسری جگہ تحریر کرتا ہے کہ

وملک نائب را از دیوگیر (دیوگڈھ یا دولت اور ملک نائب کافور کو دیوگڈھ سے اور الپ خاں کو
آباد) والپ خاں را از گجرات در شہر طلبید گجرات سے شہر دہلی میں بلا لیا۔

پھر آگے چل کر لکھتا ہے:۔

و بے ہیچ جرمے و خیانتے الپ خاں از سلطان اور بغیر کسی جرم و بد دیانتی کے الپ خاں کو سلطان
علاء الدین بکشایند و خضر خاں را بند کنانید علاء الدین کے ذریعہ مروا ڈالا۔ اور خضر خاں کو
و در گوالیار فرستاد۔ و مادر خضر خاں را از قید کرا کے گوالیار میں بھجوایا۔ اور خضر خاں کی ماں
کوشک لعل انداز انید و ہم در روز قتل کو کوشک لعل (لال محل یا لال قلعہ) سے باہر نکلوا لیا
الپ خاں و جلا و بند خضر خاں خانمان اور اسی الپ خاں کے قتل اور خضر خاں کی جلاوطنی و

سلطان علاء الدین برافتاد — قید کے دن علاء الدین کے خاندان کی بنیاد متزلزل ہوگئی۔

لیکن جہاں جہاں فاتح گجرات کا ذکر کرتا ہے وہاں وہ اُلغ خاں لکھتا ہے۔

دراوائل سال سوم جلوس علائی اُلغ خاں	تخت نشینی علاء الدین کے تیسرے سال میں الغ خاں
و نصرت خاں با امراء و سرلشکراں و حشم بسیار	اور نصرت نے امراء اور سرداران لشکر کو لے کر بڑے
جانب گجرات لشکر کشیدند۔	تزک و احتشام کے ساتھ گجرات پر لشکر کشی کی۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

بانہب و تاراج گجرات الغ خان و	گجرات کو لوٹ مار کر الغ خاں و نصرت خاں
نصرت خاں با غنائم بسیار مراجعت کردند	لوٹ کی بیشمار دولت کے ساتھ لوٹے۔

آگے چل کر پھر لکھتا ہے:۔

والغ خاں و نصرت خاں با مال و پیل	الغ خاں اور نصرت خاں ہاتھی غلام اور تمام
و برده و غنائمے کہ از نہب گجرات بدست	مال و دولت کو لے کر جو گجرات کی لوٹ میں ہاتھ
آمده بود در دہلی آمدند۔	آئی تھی دہلی آئے۔

اسی طرح ایک جگہ اور لکھتا ہے

وہم دریں سال کہ الغ خاں و نصرت خاں	اور اسی سال میں الغ خاں اور نصرت خاں گجرات
در گجرات نامزد شده بودند ظفر خاں در	بھیجے گئے اور ظفر خاں سیوستان کے لیے نامزد ہوا
سیوستان نامزد شد۔	

ضیاء برنی نے جہاں امراء و عہدہ داران سلطنت کی فہرست لکھی ہے وہاں بھی الگ الگ نام لکھے

الغ خاں الماس بیگ برادر سلطان	ظفر خاں عارض ممالک
نصرت خاں وزیر	الپ خاں امیر ملتان

اس واقعہ کے تقریباً بیس برس بعد (۷۳۴ھ / ۱۳۳۴ء) مغرب کا مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ

۱؎ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ بیان علاء الدین خلجی۔

آتا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہوا لکھتا ہے۔

"پھر بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اس کی بڑی ملکہ خضر خاں کی ماں تھی اس کا نام ماہک تھا اس ملکہ کا ایک بھائی تھا اس کا نام سنجر تھا۔ اس نے بھائی سے قسم لی کہ وہ اس کے بیٹے خضر خاں کو بادشاہ بنوانے میں کوشش کریگا ...... ملک کافور نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ اس طرح کا عہد ہوا ہے۔ بادشاہ نے اپنے خواص کو حکم دیا کہ جب سنجر میرے پاس آوے اور میں اس کو خلعت دوں اور وہ پہننے لگے تو تم اس کی مشکیں باندھ کر نیچے گرا دیجیو اور اس کو مار ڈالیو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا..... جب اس کو (خضر خاں) کو معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے اس کے ماموں کو قتل کر ڈالا تو نہایت غمگین ہوا اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا الخ"[1]

ان شواہد سے آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ اُلغ خاں اور الپ خاں دو الگ آدمی تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ الپ خاں ملکہ جہاں ماہک بیگم کا بھائی تھا، اور خضر خاں کا ماموں۔ اور اسی الپ خاں کی لڑکی سے خضر خاں کی پہلی شادی ہوئی اور یہی الپ خاں ہے جس کو علاء الدین نے گجرات سے علالت کے وقت (مرض الموت میں) مشورہ کی غرض سے بلایا تھا۔

اب یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اُلغ خاں نے بے شک گجرات فتح کیا لیکن الماس بیگ اُلغ خاں کبھی اور کسی وقت اپنی تمام عمر میں گجرات کا گورنر نہیں ہوا کیونکہ فتح گجرات کے بعد وہ کچھ زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہا۔ وہ رنتھنبور کی فتح کے بعد ہی چند روز میں دہلی جاتے ہوئے فوت ہوا اور اس سبب سے اس کو کسی جگہ کی گورنری کا موقع ہی نہیں ملا۔ البتہ جالور اور جھابن میں جو اس کی جاگیر میں تھے کچھ دنوں مقیم رہا۔ چنانچہ بدایونی لکھتا ہے۔

وسلطان قلعہ رنتھنبور را با ولایت در جاگیر او مقرر فرمودہ باز گشت و او در راہ
اور سلطان نے قلعہ رنتھنبور کو مع اس کے صوبہ کے اس کی (الغ خاں کی) جاگیر میں مقرر کر کے

---

[1] ابن بطوطہ جلد ۲ باب ۲ فصل ۹

روز در راہ بیمار شد و رخت ازیں جہان بردو رتھنبور نسبت باو حکم بہشت شداد پیدا کردہ بود۔[1]

واپس ہوا۔ اور وہ (الغ خاں) اسی روز راہ میں بیمار ہوا اور اس دنیا سے چل بسا اور رتھنبور اس کے لیے ایسا ثابت ہوا جیسے شداد کے لیے اس کی جنت

فرشتہ رتھنبور کی فتح کے سلسلہ میں الغ خاں کی نسبت لکھتا ہے۔

"پھر بطور سیر کے بادشاہ اوپر گیا سو اُن کے نقد و جواہرات جو شمار سے باہر تھے مع قلعہ و ولایت کے الماس بیگ کو عطا فرما کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ الماس بیگ پانچ چھ ماہ کے بعد سخت بیمار ہو کر دہلی روانہ ہوا لیکن راہ میں مر گیا۔[2]"

ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں گویا اپنی آنکھوں کی دیکھی اس طرح لکھتا ہے

و الغ خاں چہار و پنج ماہ در غیبت سلطان حشم بسیار گرفت و خواست کہ عزم تلنگ و معبر مصمم گرداند و قضا اجل در آمد و او را بوقت آوردن شہر مبارک دریافت و مردہ او را در شہر آوردند۔ و ہم در خانہ او دفن کردند و مصیبت او سلطان را اندوہگیں کرد بہ روح او صدقات بسیار داد۔[3]

اور الغ خاں نے سلطان کی غیر حاضری میں چار پانچ ماہ کے اندر بڑی شان پیدا کر لی اور اس کا قطعی ارادہ تھا کہ تلنگ اور معبر (مدراس) جائے کہ موت پیچھے سے آئی اور اس کا علم لوگوں کو شہر مبارک (دہلی) لاتے وقت ہوا یعنی اس کی موت شہر دہلی لاتے وقت راستہ میں ہوئی اور اسی کے گھر میں اس کو دفن کیا گیا اور اس مصیبت نے سلطان کو غمگین بنا دیا اور بغرض ثواب اس نے بہت خیرات کی۔

ظفر والہ بمظفر والہ میں ہے۔

وتوفی الماس بیك الغخان بن نصر الخلجی .... وھو احد الاربعۃ الذین

اور الماس بیگ الغ خاں بن نصر الخلجی مر گیا اور وہ ان چار آدمیوں میں سے تھا جس پر اس

---

[1] تاریخ بدایونی ج ۱ ص ۱۹۲ - [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ - بیان علاء الدین [3] فیروز شاہی ص ۲۸۳

ھو ملاك امرہ ومع ذلك كان لبلادھم	(علاءالدین) کی سلطنت کا دارمدار تھا اور باوجود
يتمنى ان يرى دمهم فى اظافر غيرہ [1]	ان باتوں کے اس کی دلی خواہش تھی کہ اس
	کی موت غیر کے ہاتھوں سے ہو جائے۔

تاریخ حسام خاں میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ علاءالدین خلجی اپنے چاروں جنرلوں سے جو اس کے قوت بازو تھے اور اس کے فتوحات کو ہمیشہ ترقی دیتے رہے۔ ہر وقت خوف زدہ رہتا اس کا ہر لمحہ اس فکر میں گزرتا تھا کہ کس طرح ان کا زور کم کیا جائے۔ وہ ان کی موت کا برابر خواہاں تھا لیکن دوسرے کے ہاتھ سے۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے اپنے ہاتھوں کو ان وفاداروں کے خون سے رنگین کیا۔ چنانچہ تاریخوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور اس کے حسب منشا پورے ہو گئے۔ ظفر خاں جنگ مغل میں شہید ہوا۔ اور نصرت خاں نے جنگ رنتھنبور میں ایک پتھر کی ضرب سے اس دار فانی کو الوداع کہا۔ اور الغ خاں کو اسی فتح کے چار پانچ ماہ بعد زہر دیا گیا اور بہت سخت علیل ہونے پر دہلی روانہ ہوا، مگر راستہ ہی میں مرگیا۔ چنانچہ حسام خان اپنی تاریخ میں علاءالدین کا حال فتح قلعہ مذکورہ کے متعلق لکھ کر تحریر کرتا ہے۔

انہ فی رجوعہ رنتھنبور سم الغ خان	بات یہ ہے کہ رنتھنبور سے لوٹتے وقت الغ خاں کو
فامتد بہ الی نحو اربعتا وخمستا اشھر	زہر دیا گیا اور مرض نے چار پانچ ماہ تک طول کھینچا
وکان مشتغلاً فی ھذہ المدۃ بجمع	اور وہ ان دنوں ارنکل کی تسخیر کے لیے فوج جمع
العسکر لتسخیر ارنکل من ارض	کرنے میں مشغول تھا۔ وہ سخت بیمار ہو گیا اور
دکن فمرض واشتد بہ فحمل الی	لاتے ہوئے راہ میں مرگیا اور اس کی لاش دہلی
دھلی فمات فی طریقہ وجیئ بمیتا	جب پہنچی تو وہ خود اسی کے مکان میں دفن
الی دھلی ودفن فی منزلہ	کی گئی۔

ان بیانات سے واضح ہو گیا کہ الغ خاں الماس بیگ فاتح گجرات ۱۳۰۰ء میں دہلی آتے

---

[1] ظفر الوالہ جلد ۲ صفحہ ۸۱۱۔

ہوئے فوت ہوگیا۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ مردہ ہوکر بیس برس تک گجرات پر حکومت کرتا رہا
پس یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ حکومت کرنے والا درحقیقت سنجر المخاطب بہ الپ خاں تھا۔
نہ الماس بیگ اُلغ خاں۔ ان کتب تواریخ پر غائر نظر ڈالنے سے غلط فہمی کی اصل وجہ صاف
نظر آجاتی ہے کہ غیر محقق مورخوں نے الغ خاں اور الپ خاں میں بوجہ غیر ملکی لفظ ہونے
کے فرق نہ کیا بلکہ غلطی سے تصحیف کرکے الف خاں تک بنادیا۔ غیر ملکی و غیر اسلامی تاریخوں
میں زیادہ شائع ہونے کا اصلی سبب یہی ہے۔ چنانچہ پنڈت بی بے کدھیر نے جو جینی مذہب
کا تیرتھی ہے اور بہادر شاہ گجراتی کا ہمعصر ہے اپنی کتاب شترنجی (شت رُن جی) تیرتھ پربندھ
میں ہر جگہ اُلغ خاں ہی لکھا ہے[1]۔ بات یہ ہے کہ فاتح الغ خاں کی گجرات میں ہر جگہ شہرت ہوگئی
تھی۔ اس کے بعد الپ خاں آیا تو الغ خاں اور الپ خاں میں عام لوگوں نے فرق نہ کیا۔
دوسری بات یہ ہے کہ میرے خیال میں سب سے پہلے بے احتیاطی اس مسئلہ میں فرشتہ نے کی
فرشتہ نے دونوں جگہ الغ خاں استعمال کیا۔ اور فرق کے لیے ناظم یا والی کا اضافہ تو کیا مگر
اصلی نام اس نے کسی جگہ استعمال نہیں کیا۔ اور اسی سے بعد کے مورخوں میں غلط فہمی پیدا
ہوئی۔ کیونکہ فرشتہ کے بعد جس قدر تاریخیں ہندوستان میں لکھی گئیں بیشتر ان میں سے وہ
ہیں جو فرشتہ کی روش پر لکھی گئی ہیں۔ خود فرشتہ نے ایسا کیوں لکھا؟ میرے خیال میں اس نے
ذرا بے پروائی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ تاریخ فرشتہ کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ
خود فرشتہ نے تو صحیح لکھا ہے لیکن اس کی اس تھوڑی سی تساہلی نے دوسروں کو غلط فہمی میں
مبتلا کردیا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ لوگوں کو عام طور پر لفظ اُلغ اور الپ وغیرہ کے معنی معلوم
نہ ہونے کے سبب بھی غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اور اس لیے اس مسئلہ کو صاف کرنے کے واسطے
ان الفاظ کی تحقیق درج ذیل کرتا ہوں "اُلغ" بہ ضمہ اول و ثانی و غین معجمہ بزبانِ ترکی بمعنی
"بزرگ" ہے چنانچہ توحید باری میں شاعر طباطبا کہتا ہے۔

---

[1] شت رُن جی تیرتھ پربندھ اصل سنسکرت صفحہ ۳۰۔

کافر و ترسا یہود و گبر و مُغ	کافر، ترسا، یہود، گبر، مُغ سب کی نظر اسی بڑے
جملہ را رُو سوئے آں سلطان اُلغ	بادشاہ (خدا) کی طرف ہے۔

اور الپ بہ فتح اول و ثانی با بائے فارسی بہ معنی بہادر۔ یہ بھی ترکی لفظ ہے اور اسی سے الپ ارسلان اور قزل ارسلاں ہے جس کے معنی بہادر شیر اور سُرخ شیر کے ہیں اسی طرح لفظ "اکت" ہے جس کے معنی چھوٹے کے ہیں۔ اور دوسرا ترکی لفظ "قتلغ" ہے جس کے معنی متوسط اور درمیانہ کے ہیں۔ ممکن ہے کہ اکت خاں اور قتلغ خاں کا خطاب بھی لوگوں کو دیا جاتا ہو۔ مگر الغ خاں اور الپ خاں کی نسبت تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ کر محقق ہو گئی ہے کہ شاہانِ اسلام اس کا استعمال بطور خطاب کیا کرتے تھے خصوصاً جب تک ترکوں کا دور رہا اس کا رواج بہت زیادہ رہا اور مغلیہ سلطنت میں متروک ہو گیا۔ چنانچہ ہم تاریخوں میں پڑھتے ہیں کہ سلطان ناصر الدین محمود کے وقت میں اُلغ خاں کا خطاب غیاث الدین بلبن کا تھا۔ اور علاء الدین خلجی کے وقت الماس بیگ اُلغ خاں ہوا اور اسی طرح سلطان غیاث الدین (تغلق) کے عہد میں اس کا لڑکا محمد (تغلق) اُلغ خاں ہوا۔ غرض الغ خاں اور الپ خاں اُس عہد کے خطابات ہیں جو امراء کو ملا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں عہدے آج کل امیر الامراء اور خان بہادر کے ہم معنی ہیں۔ چنانچہ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ محمد علاء الدین خلجی نے تخت نشیں ہو کر سب سے پہلے یہی کام کیا کہ الماس بیگ کو اُلغ خاں اور سنجر کو الپ خاں اور ملک نصرت کو نصرت خاں کا خطاب دے کر عزت افزائی کی کیونکہ یہ وہی اشخاص تھے جن کی جانفشانیوں سے اس کو سلطنت کے تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔ انہی کی قوتِ بازو سے ملک ہند مسخر و باجگذار بنا۔ اور انہی کی بہادری سے چنگیزی ترکوں میں علاء الدین کی صولت و ہیبت بیٹھی۔ پس جب تک یہ چاروں امراء زندہ رہے۔ سنجر صرف الپ خاں رہا لیکن جب ظفر خاں و نصرت اور الغ خاں وفات پا گئے اور ان کی جگہ خالی ہو گئی تو علاء الدین نے ان عہدوں پر دوسروں کو فائز کرنا چاہا۔ ساتھ ہی وہ اس بات سے بھی ڈرتا تھا کہ امراء

---

[1] بہارِ عجم جلد اول باب الف و لام

کی طاقت پھر کہیں زبردست نہ ہو جائے لیکن ان جنرلوں کو ان کی فتوحات اور بہادریوں کے صلے دیے بغیر بھی چارہ نہ تھا۔ جو دن رات ملک کی حفاظت میں ان سے خدمات ظاہر ہوتے رہتے اور اب پرانے جنرلوں میں سے صرف گنتی کے چند لوگ رہ گئے تھے اور خود اس کے خاندان میں تجربہ کار اور لائق الپ خاں ہی تھا۔ اسی وجہ سے جب ۷۰۶ھ میں ملک غازی (غیاث الدین تغلق) اور عین الملک ملتانی اور الپ خاں نے بڑی بہادری سے مغلوں کا منہ پھیر دیا تو اس صلہ میں ملک تغلق کو پنجاب و ملتان کا گورنر بنایا، اور عین الملک کو فتح مالوہ کے بعد مالوہ کا گورنر اور الپ خاں کو چونکہ پہلے ہی سے ایک بڑے صوبہ پر قابض تھا۔ اس لیے اس کی ہمت افزائی کے واسطے امیرالامراء (یا الغ خاں) کا خطاب[1] دیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ باعزاز تمام گجرات روانہ کر دیا۔ اور اسی عہدہ امیرالامرائی پر آخر میں ملک کافور کو بھی سرفراز کیا تھا۔ بہرحال شاید اسی لحاظ سے فرشتہ نے ہر جگہ الغ خاں لکھا ہے اور دوسروں نے بھی کہیں کہیں اس کا استعمال کیا۔ جو ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن فرشتہ نے ایک معمولی فروگزاشت سے الماس بیگ، الغ خاں اور ملک سنجر الغ خاں (سابق الپ خاں) میں ناظرین کو مشتبہ کر دیا۔ اور غلط فہمی سے لوگ سمجھنے لگے کہ دونوں ایک ہی ہیں حالانکہ وہ کسی جگہ بھی سنجر یا الپ خاں کا نام لے لیتا تو غلط فہمی دور ہو سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور اس طرح عام لوگوں میں ایسی بات پھیل گئی۔ جو واقعہ کے بالکل خلاف تھی اس مذکورہ بالا عبارت میں میں نے فرشتہ کے "الغ خاں" اور امیرالامراء لکھنے کی تاویل کی ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے فرشتہ ہی نے اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ ضیاءالدین برنی نے کسی جگہ بھی الپ خاں کو الغ خاں نہیں لکھا ہے جو گویا چشم دید گواہ ہے۔ فرشتہ کا ہمعصر بدایونی بھی اس معاملہ میں ضیاءالدین برنی کا مؤید ہے۔ بعد کی تاریخوں میں فقط فرشتہ کی اتباع کے سبب سے غلطی واقع ہوئی۔ اس سبب سے میرے نزدیک علاءالدین خلجی کے عہد میں گجرات کا کوئی گورنر الغ خاں نامی ہوا ہی نہیں۔

[1] فرشتہ جلد اول علاءالدین خلجی۔

ملک سنجر پہلا ناظم (والی) گجرات

۶۹۷ھ تا ۷۱۶ھ
۱۲۹۷ء — ۱۳۱۶ء

نام سنجر تھا۔ ابتداءً بادشاہ علاء الدین کے ساتھ تھا۔ جب سلطان علاء الدین نے اس کی بہن ماہک بیگم کے ساتھ نکاح کر لیا تو دونوں کے تعلقاتِ محبت میں اضافہ ہو گیا۔ شروع شروع اس کو میر مجلس کا عہدہ تھا۔ ابتدار سلطنت علائی میں اس کی وفاداری و کارگزاری کے سبب اس کو الپ خاں کا خطاب ملا۔ جب الغ خاں ملتان کی طرف چلا تاکہ ارکلی خاں پسر جلال الدین خلجی کا کچھ بندوبست کرے۔ تو الپ خاں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ ارکلی خاں کی گرفتاری کے بعد الغ خاں چلا آیا اور الپ خاں ملتان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اور اسی سبب سے الپ خان کو ملتانی بھی کہتے ہیں۔ کچھ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ ملتان میں کب تک رہا۔ شاید جلد ہی اس کے لیے دوسری جگہ مقرر کر دی گئی اور ملتان عین الملک ملتانی کے سپرد کر کے واپس آ گیا۔ پھر صحیح طور پر تاریخوں سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ حملہ گجرات میں الغ خاں کے ساتھ تھا یا نہیں۔ لیکن یہ بالکل یقینی ہے کہ فتح گجرات کے بعد الپ خاں وہاں کا والی بنایا گیا[1]۔ جیسا کہ بدایونی اور فرشتہ میں تصریح لکھا ہوا ہے۔ ملک سنجر الپ خاں گجرات پہنچ کر انتظام مملکت میں مشغول ہو گیا لیکن سنجر کے کارنامے معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک دفعہ گجرات کی کیا حالت تھی، بتلا دی جائے۔ الغ خاں بڑے بڑے حاکم نشین شہروں کو بزور تیغ فتح کر کے چلا گیا۔ لیکن گجرات نام صرف بڑے بڑے شہروں کا نہ تھا۔ ان کے علاوہ بھی کئی راج دھانیاں تھیں جو ابھی تک مقبوضہ نہ تھیں۔ دریائے صابرمتی کے مغرب میں بہت سے اقطاع ملک پر باگھیلہ نسل کی ایک شاخ قابض تھی اور اس

---

[1] لیکن بعض تاریخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتح گجرات کے بعد کسی سردار خاں غوری کو عارضی طور پر الغ خاں نے مقرر کر دیا تھا جو تقریباً تین برس رہا۔ پھر جب گجراتیوں نے بغاوت کی تو الپ خاں (تین برس بعد فتح گجرات) گورنر ہو کر گجرات آیا۔ اس حساب سے الپ خاں ۷۰۰ھ میں گجرات کا گورنر مقرر ہوا اور سولہ برس تک گجرات میں بحیثیت ناظم مقیم رہا۔

ہنس کی اور پیوندی ایڈر کے راٹھور اور نرسنگھم کے پرمار تھے وہ مختلف مقامات پر کوہستان بیرپور کے قریب دریاے ماہی کے کناروں پر پوسنیا تک مالک تھے جو غایت شمالی حد پر تھی۔ چھوٹا رن' کچھ، اور خلیج کھمبایت کے درمیان جو میدانی ملک ہے۔ اس پر "جھالا" با اختیار تھے۔ انہی قوموں کی کوئی شاخ اور اصل باشندوں کی خالص اور مخلوط اولاد "چون وال" میں پھیلی ہوئی تھیں جنگل اور پہاڑوں کے دشوار گذار مقاموں پر متسلط تھیں بعض راجپوتوں کی حمایت سے مشرق میں پاواگڈھ میں کالی کا پھریرا اڑ رہا تھا اور مغرب میں کھنگار اپنے نامور قلعہ جوناگڈھ وغیرہ کو زور سے پکڑے ہوئے تھے۔ اور اس کی دیواروں کے اندر سے جزیرہ نما پر اپنا رعب رکھتے تھے۔ جس پر وہ مدت سے بے شرکت غیرے فرما نروائی کر رہے تھے گھوگھہ اور بیرم اور علاقہ گوہل واڑ جو سمندر کے کنارے پر ہے گوہیلہ حکومت رکھتے وہ اپنے تئیں باگھیلہ کی نسل سے بتاتے ہیں غرض خاندان سدھ راج کی بہت سی راجدھانیاں تھیں جو بالکل اور پورے طور پر ان کے مطیع نہ تھیں انہوں نے وہی اپنا قدیمی تعلق جو انہل واڑے کے مہاراج کے ساتھ تھا مسلمانوں کے ساتھ قائم رکھا یعنی کچھ مطیع کچھ آزاد ایسی صورت میں الپ خاں کے لیے ضروری تھا کہ وہ کچھ ایسا بندوبست کرے کہ رعایا اور حکمراں زمینداروں میں ہل چل پیدا کیے بغیر اس کو حکومت مضبوط ہو جائے۔ اس لیے اُس نے سب سے پہلے یہ بندوبست کیا کہ ہر جگہ اُس نے تھانے قائم کیے اور محفوظ مقامات تیار کرائے۔ ان تھانوں کے ذریعہ سے ملک میں بڑا امن قائم ہو گیا۔ ان تھانوں کی ماہیت یہ تھی کہ ان کو پولس اور فوجی دونوں قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ گویا ایک قسم کی ملٹری پولیس تھی جو بوقت ضرورت فوج کا بھی کام دے۔ ملک میں جب امن قائم ہو گیا تو تعمیرات اور آبادی کی طرف توجہ کی مختلف مکانوں کے علاوہ اس نے ایک جامع (جمعہ مسجد) کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد گجرات کے قدیم شہر اور پایہ تخت انہل واڑا (نہروالہ) پٹن میں بنائی گئی جو نہ صرف عالی شان اور خوشنما اور وسیع تھی بلکہ ایسی صنعت اور کاریگری سے تیار کی گئی کہ دور دور سے لوگ اس وقت تک اس کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ وہ عمارت اپنے فن کا ایک نمونہ ہے

اس کے ستونوں کی کثرت سے اکثر شمار کرتے وقت دھوکا ہو جاتا ہے اور کم لوگ ہونگے جو شمار میں غلطی نہ کرتے ہونگے۔ الپ خاں کے وقت یہ مسجد وسط شہر میں تھی لیکن آج کل یہ شہر سے فاصلہ پر ہو گئی ہے[1]

۷۰۳ھ ۱۳۰۴ء میں علی بیگ اور ترپال خواجہ تاتاری ایک لاکھ چالیس ہزار سوار سے براہ تبت کوہ سوالک کے دامن میں اتر کر امروہہ تک حملہ کرتے ہوئے چلے آئے۔ اس کی روک تھام کے لیے بڑے بڑے جنرل تجربہ کار بلائے گئے چنانچہ غازی ملک تغلق اور ملک نائب کافور، عین الملک ملتانی اور الپ خاں سنجر سب کے سب نے محاذ جنگ پر پہنچ کر داد شجاعت دی۔ مغلوں کو فاش شکست ملی اور سرداران مغل گرفتار کر لیے گئے۔ اور اس فتح کے صلہ میں علاء الدین خلجی نے اپنے وفادار اور بہادر سرداروں کو خطابات اور جاگیریں اور انعامات سے مالا مال کیا۔ اس زمرہ میں الپخاں کو خطاب امیر الامراء[2] (الغ خاں) کا ملا اور پھر ایک جرار فوج کے ساتھ باشان و شوکت گجرات کی صوبہ داری کے عہدہ پر واپس کیا گیا۔ اب الپ خاں نے فتوحات کا دائرہ وسیع کرنا چاہا چنانچہ چوہان راجپوتوں سے جھالور کا مقام چھین لیا (آج کل یہ علاقہ ریاست جودھپور میں ہے) پھر نوساری، بھروچ، گندھار پر فاتحانہ قبضہ کیا اور اس قدر عمدہ اور اعلیٰ انتظام صوبہ گجرات کا کیا کہ کسی کو شکایت کی گنجائش نہ رہی اور ہر طبقہ کے لوگ اس سے راضی اور خوش رہے۔ اس کی اس خوش انتظامی کا پتہ اس موقع سے چلتا ہے کہ متعدد بار گجرات سے باہر رہنے

---

[1] صاحب مرأۃ احمدی کے زمانہ تک تھی اب تو اس کی ایک اینٹ بھی باقی نہیں ہے۔

[2] فرشتہ نے اس موقعہ پر جو لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے اور الکت خاں کو گجرات کا امیر الامراء کیا اور زبردست فوج کے ساتھ ادھر (گجرات) روانہ کیا۔ اس عبارت سے مرأۃ محمدی نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی پڑھ لیجیے ۷۰۳ھ میں سلطان کا برادر زادہ سلیمان شاہ ملقب بہ الکت خاں گجرات کا امیر الامراء ہو کر بڑے لشکر کے ساتھ نہروالہ آیا (صفحہ ۳۵) لیکن شاید مصنف مرأۃ محمدی کو یاد نہیں رہا کہ ایسا ہونا بالکل خلاف عقل ہے کیونکہ سلیمان الکت خاں رنتھنبور کی فتح سے پہلے ۶۹۹ھ میں شکار قمرغہ کے دن افغان پور کے پاس مارا گیا پھر وہ ۷۰۳ھ میں گجرات کیونکر آتا؛ اصل یہ ہے کہ الماس بیگ کو الغ خاں کہتے تھے اور الپ خاں کو اس سے چھوٹا ہونے کے سبب الکت خاں۔ بس یہی سنجر الپ خاں ہے جس کو الکت خاں بھی کہتے تھے۔ اور اس واقعہ کے بعد سے الغ خاں بھی ہو گیا لیکن اس خطاب کا راوی فقط فرشتہ ہے۔ باقی مورخ اس سے خاموش ہیں

کا اتفاق ہوا۔ مگر کسی قسم کی شورش اس کی غیبت میں نہ ہوئی ۷۰۶ھ/۱۳۰۶ء میں ملک کافور کی امداد کا حکم ہوا جو فتح دکن کے لیے جا رہا تھا۔ اور اس سنہ میں بگلانہ بھی فتح کر لیا جو گجرات اور خاندیش کی سرحد پر واقع تھا اور جہاں اس وقت تک کرن باگھیلہ آئندہ اُمید پر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا اور اسی جنگ کے اختتام پر تعاقب کرتے ہوئے دیوگڈھ کے پاس دیول دیوی ملی تھی جس کے حاصل کرنے کے لیے علاء الدین کا فرمان صادر ہو چکا تھا۔ ۷۰۹ھ میں اس نے گوہیل واڑا مع پایۂ تخت سجک پور اور ران پور کے فتح کر لیا[۱]۔ الپ خاں نے سولہ برس گجرات میں حکومت کی ۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء میں حسب طلب سلطان علاء الدین اپنا نائب مقرر کر کے دہلی چلا گیا۔ جہاں ملک کافور ہزار دیناری کے ورغلانے سے بحکم علاء الدین ملک کافور اور کمال الدین گرگ نے مار ڈالا اس طرح ایک مدبر، بہادر، تجربہ کار رکن سلطنت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔

الپ خاں کو عمارات کا بحد شوق تھا۔ اس نے کڑی کا قلعہ بڑے اہتمام سے تیار کرایا۔ اور میرے خیال میں غالباً یہ پہلی دفعہ تیار ہوا۔ الپ خاں کو اپنی غیر مسلم رعایا کا بھی بڑا خیال تھا۔ حتی الامکان ان کے مذہبی احساسات کو ٹھیس نہیں لگنے دیتا، اور ان کی دلجوئی کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ماتحت افسروں نے شترنجہ پہاڑ پر جینی مندر کو توڑ ڈالا جب جینی سادھو نے الپ خاں کو اس کی خبر دی تو فوراً اس کی تعمیر کا حکم دیا۔ سادھو نے عرض کیا کہ بہتر ہوتا کہ کوئی آدمی آپ اپنا ساتھ کر دیتے۔ الپ خاں نے اس کو منظور کر لیا اور بہرام نامی ایک شخص کو ساتھ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ کاریگر ساتھ لیجا کر اس کو دوبارہ تعمیر کر دو۔ اور جینی ساہوکار کے لڑکوں کو دکن میں عہدے دیے گئے۔ اسی کے عہد میں علاء الدین خلجی شکار کے لیے سورت کے علاقہ میں آیا اور شکار کر کے واپس گیا۔ یہ واقعہ ۷۱۰ھ کا ہے[۲]۔

---

[۱] مرآۃ مصطفیٰ آباد ص ۵۶ حصہ دوم کریمی بمبئی۔

[۲] بدایونی جلد (۱) مطبوعہ کلکتہ بحوالہ خزائن الفتوح و تاریخ پالن پور صفحہ ۴۴ جلد ۱۔ عہد علائی کا ایک واقعہ تاریخ میں میری نظر سے گزرا ہے جو درج ذیل ہے۔ علاء الدین کے دربار میں ایک دفعہ یہ ذکر آیا کہ اب ہندوستان میں کوئی راجہ ایسا نہیں رہا جو علاء الدین کے احکام کی تعمیل عار سمجھتا ہو۔ اس پر جالا وار (کاٹھیاواڑ) (باقی بر ص ۳۴۹)

پٹلاد میں بابا اجون شاہ کا ایک مقبرہ ہے۔ اس میں ایک کتبہ لگا ہوا ہے جو کسی مسجد کا ہے اس کا بنانے والا بدرالدین ملک دینار ہے۔ اس وقت الپ خاں سنجر گجرات کا ناظم تھا اور علاءالدین خلجی دہلی کا شہنشاہ۔ اس میں اختیارالدین کا بھی نام آتا ہے۔ کھنبایت میں ایک قبر ہے جس پر اختیارالدولہ والدین باریک متوفی ۷۱۶ھ تحریر ہے۔ غالباً یہی کھنبایت کے ساتھ پٹلاد کا بھی حاکم ہوگا۔

عہدِ علائی کی بعض خصوصیات

سلطان علاءالدین اپنے زمانہ کا یگانہ روزگار تھا۔ باوجودکہ خود اس کی تعلیم کچھ بہت زیادہ نہ تھی پھر بھی علماء کا بڑا قدرداں تھا۔ اس کے عہد میں بڑے پایہ کے علماء وفضلاء تھے علوم نقلی وعقلی کے ماہرین سے اس کا دربار بھرا رہتا تھا۔ ہندستان میں جو کچھ اس کے کارنامے ہوئے وہ ابد تک قائم رہینگے سلطان علاءالدین اپنے زمانہ کا بہترین جنرل تھا، وہ بڑا مدبر تھا رفاہ عام کے کاموں میں اس نے بہت دلچسپی لی۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ تاتاری مغلوں کا جو سیلاب آیا اُس کو بڑی پامردی اور بہادری اور استقلال سے روکا۔ اس نے کبھی کسی وقت بھی اگر بزدلی دکھلائی ہوتی تو یقین کیجیے کہ ہندوستان کی سرزمین میں مشکل ایک بالشت بھر بھی زمین ملتی جو تاتاریوں کے گھوڑوں کی ٹاپ سے پامال نہ ہوگئی ہوتی۔ اور یہ نہ صرف علاءالدین خلجی کی خوش قسمتی تھی بلکہ خود ہند کے لیے بھی قابلِ فخریات تھی کہ اس کے وقت میں ایسے چند تجربہ کار جنرل موجود تھے جنھوں نے اپنی بہادری سے تاتاریوں کا کاشیہ

(بقیہ صفحہ ۳۳۸) کے راجہ نے کہا کہ ابھی ایک شخص ہے اور وہ میں ہوں۔ علاءالدین اس وقت تو خاموش رہا مگر کچھ دنوں کے بعد علاءالدین نے ایک فوج بھیجدی جس کا سالار ایک کنیز گل بہشت نامی کو بنایا۔ اس فوج نے جاکر محاصرہ کیا اور قریب تھا کہ فتح کرلے کہ اچانک اس کی موت ہوگئی۔ اس کے مرنے پر ایک دوسرے افسر نے حملہ کرکے فتح کرلیا۔ چونکہ اس حکایت کی کسی اور دوسری اسلامی تاریخ سے بجز ظفرالوالہ کے تائید نظر سے نہیں گزری اس لیے اس کو متن میں نقل نہیں کیا۔

منہ پھیر دیا، اور ان کے حوصلے پست کر ڈالے صرف غازی ملک غیاث الدین تغلق جو سندھ اور پنجاب کا گورنر تھا ۔ انتیس ۲۹ مرتبہ تاتاریوں سے جنگ کر چکا تھا۔ غرض تاتاری حملوں سے ہندوستان کی سرزمین کو پاک رکھنا علاء الدین کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ خاص اسی کام کے لیے اس کو حالت امن میں پانچ لاکھ فوج رکھنی پڑتی تھی جس کا اکثر حصہ سندھ پنجاب اور شمالی ہند میں مقیم رہتا تھا، اور بڑے تجربہ کار جنرل اس جگہ کے گورنر بنائے جاتے تھے۔ اگر یہ انتظام علاء الدین نے نہ کیا ہوتا تو بعد فتح سندھ تاتاریوں نے جو ارادہ گجرات کی طرف کا کیا تھا وہ کامیاب ہو گیا ہوتا۔

اسی عہد میں خان سرور نامی ایک امیر نے پٹن میں ایک تالاب تعمیر کرایا جو آج تک اس کے نام سے مشہور ہے۔ فی الحال قابل مرمت ہے، مگر افسوس ہے کوئی توجہ نہیں کرتا۔

ارزانی غلہ وغیرہ

علاء الدین کے زمانہ میں تمام اشیاء کی بیحد ارزانی تھی، ہر چیز کا دام مقرر تھا اور کافی دیکھ بھال محکمہ کی طرف سے ہوتی تھی، یہاں تک کہ گانے اور بجانے والوں کی بھی فیس سرکاری طور پر مقرر ہو گئی تھی جس سے عام مخلوق کو اس قدر سکھ اور آرام ہو گیا تھا کہ اس کی مثال پھر کسی بادشاہ کے عہد میں نہیں ملتی۔ اس کے زمانہ میں چیزیں کس قدر سستی تھیں اور کس نرخ سے فروخت ہوتی تھیں اس کی ایک فہرست درج ذیل کرتا ہوں جس سے اس زمانہ کے متعلق آپ کافی طور پر قیاس کر سکینگے۔

جنس	قیمت رائج	فی من[1]	جنس	قیمت رائج	فی من
گندم	۷½ جیتل (پیسہ)	″	شالی (جوار)	۵ جیتل	″
جو	۴	″	ماش	۵	″

[1] من اس زمانہ کا ۱۴ سیر پختہ حال کی برابر تھا یعنی گجرات کے حساب سے ۱۲ سیر ہوتا تھا۔

جنس	قیمت رائج	فی من	جنس	قیمت رائج	فی سیر
چنا	۵ جیتل (پیسہ)	"	نمک	$\frac{1}{5}$ جیتل	"
موٹھ	۳ "	"	اسپ اعلیٰ	۱۲۵ روپیہ	فی راس
شکرتری	$1\frac{1}{2}$ "	"	ٹٹو	۱۲ "	"
شکرسرخ	$\frac{1}{3}$ "	"	بیل	۴ "	"
گھی	$\frac{1}{2}$ "	" سیر	گائے	۳ "	"
تیل میٹھا (تل کا)	$\frac{1}{3}$ "	"	بھینس	۱۰ "	"

رشوت اور منشیات

علاء الدین نے شراب کے متعلق بھی سخت سزائیں مقرر کیں۔ اس کا پینا، اس کا بنانا۔ بنانے کے آلات رکھنا سب قانونی جرم تھا۔ رشوت ستانی کے متعلق بھی مختلف قانون وضع کیے گئے تھے اور بڑی سختی سے اس پر عمل درآمد تھا۔ زناکاری کے لیے بھی سخت سے سخت سزا مقرر کی تھی بلکہ عبرت کے لیے لوگوں کو خصی تک کرادیتا تھا۔ اور چوری اور ڈاکہ زنی کا بہترین انتظام تھا۔ ہر گاؤں کے مکھیا (چودھری) اور ہر محکمہ کے ذمہ دار اشخاص قافلہ، سڑک، مسافر کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ اپنی اپنی عملداری میں ہر شخص کا فرض تھا کہ مسافر کو امن کے ساتھ گزار دے۔

ہند کی شہنشاہی کے متعلق ممکن ہے کہ غیر مسلم لوگوں کو کچھ اعتراض ہو لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے اگر دیکھو تو علاء الدین کی عاقلانہ تجاویز کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس وقت تک مسلمانوں کے قبضہ میں درۂ خیبر سے لے کر بنگال تک کا صوبہ تھا۔ گویا دوسرے لفظوں میں مسلمان اس وقت صرف شمالی ہند پر قابض تھے علاء الدین ہی پہلا شخص ہے جس نے تمام ہندستان کو ایک بادشاہ کے ماتحت دیکھنے کا خواب دیکھا جس کی تعبیر بھی خوش قسمتی سے اس کے سامنے ہی پوری ہو گئی۔

لہ ضیاء برنی۔ ص ۳۰۴۔ فرشتہ صفحہ ۳۸۳ جلد اول حیدرآباد

اور دریائے کابل یا بلوچستان سے لنکا کی حد تک اس کے زیر نگیں ہو گئے ہندوستان میں یہ پہلا سلطان بادشاہ ہے جو ہندوستان کا حقیقی طور پر شہنشاہ تھا۔ علاء الدین کے عہد میں ہندوؤں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل تھی اور کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ وہ رعایا کی حیثیت سے مندروں کے با اختیار حاکم تھے اور اس معاملہ میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا تھا۔ جنگی اوقات کو چھوڑ کر حالتِ امن میں کسی کو مذہبی معاملات کی شکایت نہیں ہوئی۔ اور اس قسم کا کوئی واقعہ تاریخ میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

فصل دوم

قطب الدین مبارک شاہ

۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء سے ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء

۶ شوال ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء (بقول بعض مورخ ۷۱۵ھ / ۱۳۱۵ء) میں علاء الدین فوت ہوا اور ملک کافور نے شہاب الدین خرد سال لڑکے کو جو راجہ رام دیو والی دولت آباد کی لڑکی کے بطن سے تھا تخت نشین کیا اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا چند ماہ کے بعد یعنی ۸۔ محرم ۷۱۷ھ مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۳۱۷ء میں قطب الدین مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔ قطب الدین مبارک شاہ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دکن کی بغاوتوں کا بذات خود دولت آباد پہنچ کر فیصلہ کر دیا۔ لیکن الپ خاں کے مرنے سے جو بد انتظامی گجرات میں پیدا ہو گئی تھی وہ ابھی تک رفع نہیں ہوئی تھی۔ علاء الدین کی موت سے پہلے ملک کافور نے سید کمال الدین گرگ کو (۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء) میں گجرات کا گورنر بنا کے بھیجا۔ لیکن گجرات پہنچ کر اس کو معلوم ہوا کہ

گندم از گندم بروید جو ز جو ‏ ‏ ‏ ‏ از مکافاتِ عمل غافل مشو

الپ خاں کے کارندے اور لشکر کے لوگ گجرات میں موجود تھے۔ اور اس کے قتل سے سخت

برافروختہ تھے اس لیے الپ خاں کے لشکر نے سخت مقابلہ کیا، آخر کمال الدین کو شکست ہوئی۔ اور ہمیشہ کے لیے گجرات میں پیوند خاک ہو گیا۔ اس شکست سے گجرات کے مفسدوں کی ہمت بڑھ گئی اور شورش انتہا کو پہنچ گئی۔ بالآخر عین الملک ملتانی کو مع ایک جرار لشکر کے گجرات بھیجا گیا۔ اور چونکہ وہ ایک تجربہ کار جنرل تھا۔ اس لیے اُس نے گجرات کا نہایت معقول انتظام کیا۔ اور ہر قسم کے فساد سے ملک کو پاک کر دیا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ لائق شخص اس عہدہ پر ابھی کچھ زیادہ نہیں رہنے پایا تھا کہ گجرات سے دہلی کو بلا لیا گیا۔ اور اس کے بجائے قطب الدین نے اپنے خسر ملک دینار کو ظفر خاں کا خطاب دے کر ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں گجرات کا ناظم مقرر کیا۔ گجرات آکر اُس نے معقول انتظام کیا اور عین الملک ملتانی کے انتظام سے اس نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ اور بقایا مال گزاری رعایا سے وصول کر کے دہلی روانہ کی لیکن الپ خان کی طرح یہ بھی ایک سازش کا شکار ہوا یعنی خسرو خاں کی سازش سے وہ دہلی میں بلا کر قتل کیا گیا۔ اس کے بعد خسرو خاں نے اپنے سوتیلے بھائی ملک حسام الدین کو ۷۱۹ھ (۱۳۱۹ء) میں گورنر گجرات بنا کر بھیجا، جس نے گجرات کے زمینداروں اور راجوں سے مل کر بغاوت کا ارادہ کیا اور چاہتا تھا کہ گجرات میں اپنی خودمختاری کا اپنی قوم بھڑوار کو پٹن میں جمع کر کے اعلان کر دے کہ مسلمان فوجی افسروں نے اس ارادہ سے مطلع ہو کر فوراً اس کو گرفتار کر لیا اور دہلی روانہ کر دیا، مگر قطب الدین فقط خسرو خاں کی خاطر سے نہ صرف اُسے چھوڑ دیا۔ بلکہ مراحم خسروانہ سے سرفراز کیا۔ اس خبر سے تمام امراء اور افسران فوجی کو جو مقیم گجرات تھے سخت افسوس ہوا۔ اور وہ سمجھے کہ اب اس خاندان کا چراغ جلد گل ہونے والا ہے۔ اس کے بعد ملک وحید الدین صدر الملک (۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء) میں ناظم گجرات ہو کر پہنچے۔ یہ شخص طبقۂ امراء میں تھا، اولوالعزم، بہادر، اور بلند حوصلہ ہونے کے سبب ملک حسام الدین کے بگاڑے ہوئے کام کو اس نے جلد بنا دیا۔ ملک میں جو ابتری پھیل گئی تھی اس کو دور کر کے فوراً امن و امان قائم کر دیا۔ اور اسی حسن خدمت کے صلہ میں خطاب تاج الملک

لہ خسرو خاں کا حال آئندہ آتا ہے۔

کا بادشاہ کی طرف سے ملا، اور نائب وزارت کے لیے دہلی طلب کرلیا گیا۔ اس کے بعد خسرو خاں نے ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء میں گجرات کی نظامت خود اپنے نام کرالی لیکن خود گجرات نہ آیا بلکہ اپنے نائب بھیج دیے۔ اور اس کے نائب اس وقت برابر کام کرتے رہے۔ جب تک ملک تاج الدین ترک نائب گجرات نہ ہوئے۔

سکہ قطب الدین سلطان خلجی

الامام الاعظم　　　السلطان بن

خلیفہ رب العالمین　　　سلطان الواثق

قطب الدنیا والدین　　　باللہ امیر المومنین

ابو المظفر مبارک شاہ

ضرب ہذہ السکۃ بقلعۃ قطب آباد فی سنۃ ثمان وعشر وسبع مائۃ ۷۱۸ھ

چاندی کا سکہ (۱)

السلطان الاعظم　　　اسکندر الزماں

قطب الدنیا والدین　　　یمین الخلافۃ ناصر

ابو المظفر مبارک شاہ　　　امیر المومنین

ضرب ہذہ سکۃ الفضۃ بحضرۃ دہلی فی سنۃ سبع عشر وسبعمائۃ ۷۱۷ھ

سکہ چاندی (۲)

الامام الاعظم　　　مبارک شاہ السلطان

قطب الدنیا والدین　　　ابن السلطان الواثق

ابو المظفر خلیفۃ اللہ　　　باللہ امیر المومنین

ضرب ہذہ الفضۃ بحضرۃ دار الخلافۃ فی سنہ سبع عشر وسبعمائۃ (۷۱۷ھ)

الامام الاعظم
خلیفۃ رب العالمین
قطب الدنیا والدین
ابوالمظفر مبارک شاہ

۷۱۸ھ

فصل سوم

خسرو خاں گجراتی ناظم گجرات

یہ شخص نہروالہ پٹن کا رہنے والا، مذہب کا ہندو اور ذات کا برواری[1] (بھرواڑ) ہے۔ جنگِ مالوہ میں اسیر ہو کر دہلی لایا گیا اور اسلام لانے کے بعد اس کا نام حسن رکھا گیا۔ اور ملک شادی حاجب سلطان علاء الدین نے اس کی پرورش کی اور آہستہ آہستہ اس نے ترقی شروع کی۔ قطب الدین کے عہد میں اس نے کئی کام کیے اور اسی لیے اس کو "خسرو خاں" کا خطاب دیا گیا۔ ۷۱۷ھ ۱۳۱۷ء میں قطب الدین جب دیوگڈھ کی بغاوت فرو کرنے گیا تو واپسی پر خسرو خاں گجراتی کو چتر اور دور باش دے کر معبر (مدراس) کی طرف روانہ کیا، اور خسرو خاں گجراتی کی بڑی عزت افزائی کی اور جس طرح سلطان علاء الدین ملک کافور کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ اسی طور پر قطب الدین خسرو خاں گجراتی کا فریفتہ ہوا، اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ مع امراء دولت کے سردار بنا کر معبر کی طرف روانہ کیا اور

---

[1] برواری بہ بائے عربی مجمہ۔ گجرات میں ایک قوم کاٹھی اور اہیر وغیرہ کی ہے جس کو "بابریہ" بھی کہتے ہیں۔ یہ سب لوگ نوکر پیشہ عموماً ہوتے ہیں۔ (دیکھو گجرات گزیٹر) یہی بدایونی نے بھی لکھا ہے۔ فرشتہ اور برنی نے پرواری بافارسی سے لکھا ہے۔ لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ لفظ گجراتی "بھرواڑ" سے معرّب ہے۔ گجرات میں بھرواڑ بکثرت ہیں۔ جس کو اُردو میں "گڈریا" کہتے ہیں۔ ان کا کام بکری بھیڑ پالنا ہے۔ ہندو ان کو نیچ ذات سمجھتے ہیں

علاءالدین نے ملک کافور کو جس طرح با اختیار کر کے ملک دکن پر حاوی کر دیا تھا قطب الدین نے بھی خسرو خاں گجراتی کو معبر کا مختار کل بنا دیا۔ خسرو خاں گجراتی بڑا ہوشیار آدمی تھا قطب الدین کی بدمستی اور عیش پرستی دیکھ کر اس کے دل میں ملک کافور کی طرح خود مختاری کی ہوس پیدا ہوئی اور اس عہد کے لحاظ سے ایسا ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ ایک ادنیٰ شخص کو اس قدر جلد بڑے بڑے عہدے اور بڑے بڑے خطابات یہاں تک کہ ملک نائب کا بھی عہدہ سپرد کر دیا گیا ہو اور پھر ایک جرار لشکر اس کے ماتحت ہو اور پایۂ تخت سے دور ایک خود مختار حاکم کی طرح رہتا ہو تو اس کے دل میں ایسی خواہش کا پیدا ہونا یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ چنانچہ بعض ہندوؤں اور ملک کافور کے بقیہ لوگوں کو ملا کر اس امر کے لیے مشورہ کرنے لگا۔

خسرو خاں گجراتی پہلے دیوگڈھ سے تلنگانہ آیا اور وہاں کے راجہ سے بعد محاصرہ سو کو ہاتھی اور دیگر بے شمار مال و دولت حاصل کر کے میتھلی کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے نو سو بیس[۹۲۰] ہاتھی اور ایک ٹکڑا الماس کا جو وزن میں چھ درم کا تھا لے کر معبر مدراس پہنچا[۱]۔ موسم برسات آگیا تھا اس لیے اس نے اسی جگہ چندے قیام کیا۔ اسی جگہ ایک مسلمان تقی نامی سوداگر بڑا مالدار تھا۔ اس نے صرف یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کا لشکر یہاں آیا ہے جو مسلمانوں کو نہ ستائیگا، کہیں نہیں بھاگا اور اسی جگہ مقیم رہا۔ خسرو خاں گجراتی نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس کا تمام مال ضبط کر کے خزانہ میں داخل کر کے اس کو مار ڈالا۔ خسرو خاں گجراتی جب تک معبر میں رہا۔ دن رات اسی دُھن میں لگا رہا کہ کسی طرح تمام امرا سلطنت کو ملا لیا جائے۔ یا خاتمہ کر کے خود مختاری کا اعلان کرے جب یہ مشورے عام طور پر مشہور ہو گئے اور لوگوں میں اس کا خاص طور پر چرچا ہونے لگا تو فوجی سرداروں میں سے ملک تمر و ملک تلبغہ یغدہ نے خسرو خاں کو پیغام بھیجا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم بغاوت کا ارادہ رکھتے ہو اور یہاں سے واپسی کا ارادہ نہیں رکھتے ہو۔ یاد رکھو کہ ہم ایسا نہیں کرنے دینگے اور قبل اس کے کہ ہم تم یک جا ہوں بہتر ہے کہ تم واپسی کا ارادہ کر لو۔ اسی طرح ڈرا دھمکا کر خسرو خاں گجراتی کو

---

[۱] بدایونی صفحہ ۲۱۲ جلد اول۔

واپسی پر مجبور کیا۔ بموجب حکم سلطانی خسرو خاں دیوگڈھ سے پالکی پر سوار ہو کر شبانہ روز جلد از جلد سات دن میں دہلی پہنچا۔ قطب الدین اس کو دیکھتے ہی نرم پڑ گیا۔ اس کے حسنِ خداداد اور چرب زبانی سے مسحور ہو گیا۔ اس نے میٹھی میٹھی زبان سے امراءِ کبار کی سخت شکایت کی اور اپنی سرکشی کے الزام کو اس طرح دور کیا کہ یہ امراءِ کبار مجھ پر بغاوت کا جھوٹا الزام لگا کر مجھے آپ کی نظروں سے گرانا چاہتے ہیں۔ اور یہ سب گواہ جھوٹے ہیں بادشاہ نے یہ سب سچ سمجھ کر گواہوں کو مروا ڈالا اور امراءِ دولت کی سخت توہین کی اور ان میں سے اکثر کی جاگیریں واپس لے کر خسرو خاں گجراتی کو دیں۔ ان باتوں سے تمام امراءِ دولت خوفزدہ ہو گئے اور بضرورت زمانہ خاموش ہو گئے۔

خسرو خاں گجراتی نے دیکھا کہ اب زمانہ ہمارے موافق ہو گیا ہے تو اس نے ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء میں بادشاہ سے شکایت بے جا کر کے ملک دینار ظفر خاں کو گجرات سے بلوایا اور قتل کروا ڈالا اور اس کے بجائے اپنے بھائی (ملک حسام الدین) کو گجرات کا گورنر بنا کر بھجوا دیا۔ یہ کارروائی ایک خاص غرض سے کی گئی تھی۔ بات یہ ہے کہ خسرو خاں گجراتی نے جب دیکھا کہ جو خود مختاری کا خواب معبر میں دیکھا تھا بدقسمتی سے اس کی تعبیر غلط نکلی۔ لیکن زمانہ کے موافق ہوتے ہی پھر جنون شروع ہوا اور اس دفعہ اس نے پہلے سے بھی زیادہ دور کی سوچی یعنی جو گجرات جو وطن ہے اس پر قبضہ کر لیا جائے کیونکہ ہموطنوں کی امداد کا پورا بھروسہ تھا اور خیال تھا کہ وہاں دولت حاصل کر کے اور فوجی بھرتی کے ذریعہ خاص وطن میں ہموطنوں کی امداد سے خود مختار سلطنت کی بنیاد رکھیں اور یہ کام باآسانی حاصل ہو جائیگا۔ اور اسی لیے بیچارہ ملک دینار کو قتل کروا دیا۔ اور پھر اپنے بھائی حسام الدین کو گجرات کی گورنری دلوائی لیکن نالائق ہونے کے سبب اس کام کو انجام نہ دے سکا۔ بلکہ سچ پوچھو تو نقصان پہنچایا۔ قطب الدین کی آنکھیں ہوتیں تو خسرو خاں گجراتی کے دونوں فریب ظاہر ہو جانے پر کافی بندوبست کر سکتا تھا لیکن وہ بادۂ غفلت میں اس طرح مست تھا کہ اس وقت بھی مدہوش رہا اور خسرو خاں گجراتی اور حسام الدین گجراتی پر ایسا ہی بھروسہ تھا۔ جیسے باپ کو لڑکے پر عاشق کو محبوب پر۔ خسرو خاں گجراتی نے دیکھا کہ یہ وار بھی خالی گیا۔

اور حسام الدین گجرات میں کوئی خود مختار سلطنت نہ قائم کر سکا جس کی خسرو خاں گجراتی کو دلی آرزو تھی۔ دونوں مرتبہ تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ پایۂ تخت سے باہر ابھی علائی سردار موجود ہیں جو کام بننے نہیں دیتے۔ اس لیے اس بار ذرا بلند پروازی سے کام لیا۔ اور غور کیا کہ اس کا حل صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ امراء دربار کو ذلیل کر کے اپنے ساتھ ملا لیا جائے، یا دلی سے باہر نکال دیا جائے اور پھر قطب الدین کو مار کر پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ کمر ہمت چست کر کے بلند حوصلگی کے ساتھ دلیرانہ اس کام کو انجام دینا شروع کر دیا۔ اور سلطان علاء الدین کے عہد کے بڑے بڑے تجربہ کار امراء مثل عین الملک ملتانی کے سر دربار روزانہ ذلیل کیے جانے لگے۔ تو یہ نامی گجراتی بھاٹ لوگوں سے مسخری کرتا۔ جس کا انجام آخر کار یہی ہوا کہ کچھ لوگ خسرو خاں سے مل گئے اور کچھ لوگ گوشہ نشین ہوگئے اور دربار کا جانا موقوف کر دیا، اور صاحب جاگیر اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ جب میدان خالی ہوگیا۔ تو دربار میں ادنیٰ درجہ کے اپنے ہم قوموں کو بھرنا شروع کیا۔ ایک دن موقع دیکھ کر بادشاہ سے عرض کیا کہ حضور کی مہربانی سے بڑے درجہ تک پہنچ گیا ہوں دور دراز ملکوں میں اپنی فتوحات کا ڈنکہ بھی بجا چکا ہوں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ امرائے دولت معہ اپنے خویش و اقرباء کے جاہ و حشم کے ساتھ باہر نکلتے ہیں۔ اجازت ہو تو میں بھی بھیل واڑا اور گجرات سے اپنے رشتہ داروں کو بلا کر حضور کی مرحمت کا سزاوار بناؤں[1]۔ اور اس بہانہ سے اس نے اپنے تمام رشتہ داروں کو بلا کر بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کر کے دربار کو اُن سے بھر دیا۔ اسی درمیان بادشاہ شکار کے لیے سرساوہ گیا۔ لوگوں کی رائے ہوئی کہ اسی شکارگاہ میں سلطان کا شکار کیا جائے، لیکن بہاء الدین دبیر، یوسف صوفی، پسر قرہ قیمار وغیرہ لوگوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ اگر بادشاہ یہاں مارا گیا تو اسلامی لشکر ہم سب لوگوں کو شکار کر لیگا اور ایک بھی زندہ نہ بچیگا۔ اور ہم لوگوں کو پناہ کی جگہ نہ ملیگی اس لیے بہتر ہے کہ بادشاہ کو کوشک ہی میں قتل کرو۔ اور بوقت ضرورت کوشک ہزار ستون کو پناہ کی جگہ

---

[1] یہ سب رشتہ دار گجراتی تھے۔ دیکھو فتوح السلاطین صفحہ ۳۶۲ مطبوعہ آگرہ

بنائیں۔ چنانچہ بادشاہ جب دہلی واپس آیا تو اس کی تیاری شروع کردی خسرو خاں گجراتی نے ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء
میں گجرات کی صوبہ داری اپنے نام کرالی بھیل واڑ اور گجرات سے فوجی بھرتی شروع کردی یہاں
تک کہ چند ہی دنوں میں فوجی طاقت جمع کرلی اور بڑے تزک احتشام کے ساتھ باہر نکلنے لگا
ایک دن بادشاہ سے عرض کیا کہ میں شب و روز حضور کی خدمت میں رہتا ہوں اور میرے
قرابت کے لوگ جو دور دراز ملک میں اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر صرف میرے لیے آئے ہوئے
ہیں، وہ نہ مجھ سے مل سکتے ہیں نہ میں اُن سے۔ کیونکہ حضور کے یہاں سے رات کو فراغت پاتا ہوں
تو محل کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اس لیے اگر حضور مناسب سمجھیں تو محل کی چابی میرے کسی
معتمد کے سپرد فرمادیں تاکہ برائے ملاقات رات کو اُن کو بلاکر مل سکوں۔ بادشاہ نے بخوشی اس
عرض کو قبول فرماکر حکم دیا کہ چابی محل کی خسرو خاں کے حوالہ کی جائے۔ خسرو خاں نے اس
کو نیک فال سمجھا۔ اب روزانہ بلاخطر گجراتی بھرواڑ محل میں آنے لگے۔ ہر رات مسلح یہ لوگ محل
میں داخل ہوکر صبح تک اسی قسم کے مشورے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ محل کا بچہ بچہ اس سے
واقف ہوگیا لیکن قطب الدین کی درشت مزاجی اور خسرو خاں پر اعتماد رکھنے کے سبب
کسی کی مجال نہ تھی کہ قطب الدین کے کانوں تک اس کی خبر پہنچائے۔ قاضی ضیاء الدین[۱]
جو قاضی خاں کہلاتا تھا، اور بادشاہ کا اُستاد بھی تھا، اس نے کمر ہمت باندھ کر ایک دن
بادشاہ سے عرض کیا کہ حضور معاملہ بہت نازک ہوگیا ہے اور خسرو خاں گجراتی دن رات
آپ کے خلاف مشورہ کرتا رہتا ہے اگر حضور تحقیقات فرماویں اور واقعہ غلط نکلے تو خسرو خاں
کا اعتماد اور زیادہ بڑھ جائیگا اور جو صحیح نکلے تو حضور کی جان سلامت رہ جائیگی۔ قطب
الدین نے اس کا جواب نہایت درشتی سے دیا اور اس وفادار اُستاد کی کوئی پروا نہ کی
بلکہ جب تھوڑی دیر کے بعد خسرو خاں گجراتی آیا تو قاضی خاں کی عرضداشت حرف بہ
حرف سُنادی۔ خسرو خاں نے دیکھا کہ معاملہ بگڑا جاتا ہے اس لیے فوراً منہ بناکر رونا

---

[۱] ان کا پورا نام قاضی خاں صدر جہاں مولانا ضیاء الدین بن مولانا شہاب الدین خطاط ہے۔

شروع کردیا اور عرض کیا کہ تمام سرداروں سے میرا درجہ چونکہ حضور نے بلند فرمادیا ہے اس لیے لوگ میرے خون کے خواہاں ہیں۔ بادشاہ نے تسلّی دہ الفاظ سے اُس کی خاطرداری کی یہ واقعہ دن کے وقت کا ہے۔ جب رات ہوئی تو تمام گجراتی بھرواڑ محل میں مسلح جمع ہوگئے اور حسب دستور رات زیادہ آجانے پر قاضی ضیاءالدین پہرہ والوں کی دیکھ بھال کررہا تھا کہ خسروخاں گجراتی کا رشتہ دار رندھول نامی معہ چند گجراتی بھرواڑوں کے مسلح ایک جگہ چھپ رہا۔ اور محل ہزار ستوں میں قاضی خاں گیا تو سامنے آکر ایک بیڑہ پان دیا۔ اور اس درمیان جاہریا نامی ایک بھرواڑ نے پیچھے سے ایک تبر قاضی خاں کو اس طرح مارا کہ وہ فوراً مرگیا۔ قاضی خاں کے مرنے سے محل ہزارستوں میں ایک شور پیدا ہوگیا اور محل تمام گجراتی بھرواڑوں سے بھرگیا۔ اس شوروغوغا کو سُن کر قطب الدین نے خسروخاں گجراتی سے دریافت کیا کہ یہ کیسا شور ہے خسروخاں گجراتی تو واقف ہی تھا نیچے دیکھ کر اوپر واپس آیا اور کہا کہ حضور گھوڑے اصطبل سے چھوٹ کر صحن میں آگئے ہیں۔ لوگ پکڑنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ابھی گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی۔ کہ بلوائی بھرواڑ قوم سب اوپر پہنچ گئی۔ اب قطب الدین کی آنکھیں کھلی اور سمجھا کہ بلوہ ہوگیا، فوراً زنان خانہ کی طرف بھاگا۔ لیکن خسروخاں گجراتی نے یہ سمجھ کر کہ اگر زنان خانہ میں بادشاہ چلاگیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا، اس لیے فوراً پیچھے سے بادشاہ کے گیسو پکڑ ہاتھوں میں مضبوط لپیٹ لیا۔ بادشاہ نے اس کو گرادیا۔ اور خسروخاں کے سینہ پر چڑھ بیٹھا لیکن مضبوطی سے خسروخاں بال پکڑے رہا تاکہ بادشاہ بھاگ نہ سکے۔ اسی اثنا میں جاہریا نامی محمد اسحاق اور ابراہیم دونوں دربان خاص کو قتل کرکے بادشاہ تک پہنچ گیا خسروخاں گجراتی نے چلاکر کہا کہ میں نیچے ہوں میرا خیال رکھنا۔ جاہریا نے فوراً ایک تبر سلطان قطب الدین کی گردن پر ماری جس سے سلطان گرپڑا پھر سر اس کا کاٹ لیا اور ہر شخص جوان کا مزاحم ہوا فوراً مارڈالا گیا ہزارستون کے نیچے اوپر غرض ہر طرف گجرات کی قوم بھرواڑ بھرپڑی تھی۔ رندھول خسروخاں کا ماموں تھا، حسام الدین گجراتی خسروخاں کا بھائی اور جاہریا گجراتی اور دوسرے گجراتی بھرواڑ

مل کر اندر حرم خانہ کے گھس گئے اور علاء الدین کی بیگم یعنی فرید خاں اور عمر خاں کی ماں کو مع بچوں کے فوراً قتل کر ڈالا۔ اور تمام حرم میں ایک غدر برپا کر دیا۔ دربار اسی وقت سجایا گیا، اور بڑے امراء اسی وقت بلائے گئے مثلاً عین الملک ملتانی۔ محمد تغلق۔ ملک وحید الدین قریشی وزیر دہلی۔ ملک بہاء الدین دبیر، اور قرہ بیگ کے دونوں لڑکے یہ سرداران ملک رات بھر نظر بند رہے اور خسرو خاں گجراتی معہ اپنی قوم کے رات بھر انتظام مملکت اور خانہ بربادی سلطان علاء الدین اور سلطان قطب الدین میں مصروف رہا۔ یہاں تک کہ ذکور میں کے شیر خوار بچے تک جوان کے ہاتھ لگے موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔ اور اس طرح ملک نائب کا فور اور ملک نائب خسرو خاں نے یکے بعد دیگرے ہمیشہ کے لیے سلاطین خلجی کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا[1]۔

جب آفتاب طلوع ہوا اور خسرو خاں گجراتی کے حسب خواہش تمام معاملات طے ہو گئے تو اس نے تخت شاہی پر قدم رکھا اور تاج شاہی سر پہ رکھ کر ناصر الدین خسرو شاہ اپنا نام رکھا اور اسی نام سے اس نے سکے ڈھلوائے اور اسی نام سے مسجدوں میں ممبروں پر اماموں نے خطبے پڑھے۔ اور اپنے بھائی حسام الدین کو خان خاناں اور اپنے ماموں رندھول گجراتی کو "رائے رایاں" اور قرہ قیمار کے لڑکے کو "شائستہ خاں" اور یوسف صوفی کو صوفی خاں۔ اور بہاء الدین دبیر کو "اعظم الملک" کا خطاب دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی قوت بازو نے اس کو تخت دہلی دلوایا تھا۔ لیکن بعض دوسرے سردار اور امراء دولت کو فقط خوش کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے کے لیے بھی خطابات اور عہدے دیے گئے۔ منجملہ اُن کے عین الملک ملتانی کو عالم خاں کا خطاب دیا اور تاج الملک وحید الدین قریشی کو وزارت اور ملک فخر الدین جونا (محمد شاہ تغلق) آخر بیگ کا عہدہ دیا (یعنی افسر اصطبل جو اس زمانہ میں ایک بڑا عہدہ تھا اور صرف بھروسہ کے لوگ اُس عہدہ پر مقرر کیے جاتے تھے) خسرو خاں گجراتی تمام احتیاطی انتظامات سے فارغ ہو کر گجراتی بھروارٹوں کو انعامات دینے شروع کیے اور علاء الدین کی طرح زر پاشی کر کے لوگوں کو بھی ہم خیال بنانا چاہتا تھا لیکن لوگ اس وقت میں تین گروہوں میں منقسم تھے۔ (۱) خسرو خاں

[1] ضیاء برنی صفحہ ۴۰۹

کے دلی ہوا خواہ (۲) وہ جو بظاہر ہوا خواہ مگر دل سے بدخواہ تھے (۳) وہ جو بالکل مخالف تھے اسی آخری گروہ میں ملک غیاث الدین تغلق شامل تھا لیکن ایسے لوگ یا تو دہلی سے دور تھے یا مثل عین الملک کے مصلحتِ زمانہ سے خاموش تھے۔ خسرو خاں گجراتی کے لوگوں نے قصر شاہی کو بڑی بیباکی سے استعمال کرنا شروع کیا۔ شاہی لوگوں کی تذلیل اور مورتی پوجا شاہی محل کے ہر گوشہ میں شروع کر دینے سے مسلمانوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اگرچہ خسرو خاں گجراتی اب ہر طرح سے مطمئن ہو گیا تھا اور ڈھائی مہینے گذر جانے پر کسی صوبہ دار نے سرکشی نہیں کی۔ تاہم وہ ملک غیاث الدین تغلق سے ہر وقت مخدوش رہا۔ اور اسی لیے اس کے لڑکے کی بڑی خاطر داری کرتا رہتا تھا لیکن محمد تغلق ملک جونا دہلی میں اور اس کا باپ ملک غیاث الدین تغلق ہمیشہ دونوں پیچ و تاب کھاتے رہے غیاث الدین تغلق نے اُچھ اور ملتان کے حاکم کو لکھا کہ ہمارا ساتھ دو اور دہلی پہنچ کر خلجی خاندان کو جو ہمارا اور تمہارا سرپرست ہے خسرو خاں کے پنجے سے نجات دلاؤ۔ حاکم ملتان مغلطی (کشلو خاں) نے جواب میں لکھا کہ میں ملتان کا اور تو دیو بالپور کا حاکم ہے، ہم دونوں کو شاہ دہلی سے مقابلہ کرنا خوب نہیں۔ ملک غازی نے بہرام ایبہ کو جو ملتان کے امرائے اُچھ میں سے تھا لکھا کہ حاکم ملتان کو درمیان سے دفع کرو۔ اور لشکر لے کر مجھ سے مل جاؤ چنانچہ اس نے حاکم ملتان کو قتل کر دیا اور معہ لشکر کے مل گیا۔ ملک بیگ لکھی، حاکم سمانہ کو بھی اسی قسم کا خط لکھا تھا، مگر اس نے اس خط کو خسرو خاں گجراتی کے پاس بھیج دیا۔ اور لشکر لے کر ملک غازی پر حملہ آور ہوا۔ ملک غازی نے اس کو شکست دی ملک محمد جونا (ملک غازی کا لڑکا) دن رات اس فکر میں رہتا کہ کسی طرح دہلی سے بھاگ جاؤں۔ غرض باپ کو ایک چٹھی لکھی اور اس نے گھوڑوں کی ڈاک چوکی مقرر کر دی اور دو سو سوار قلعہ سرستی میں بھیج کر اس پر قابض ہو گیا۔ ملک فخر الدین جونا ایک رات موقعہ دیکھ کر فرار ہوا اور سرستی پہنچ گیا اور پھر وہاں سے دیو بالپور آیا۔ صبح کو جب خسرو خاں گجراتی بستر راحت سے اُٹھا تو اس کو ملک جونا کے فرار ہو جانے سے بہت خوف ہوا۔ فوراً شائستہ خاں کو تعاقب میں روانہ کیا۔ مگر اس نے سرستی قلعہ سے واپس آکر اپنی نامرادی کا اظہار کیا۔ اب

لے بدایونی صفحہ ۲۱۸ جلد اول

ملک غازی ایک جرار فوج لے کر دہلی روانہ ہوا۔ ادھر خسرو خاں گجراتی نے بھی بیس ہزار کی فوج خانخاناں حسام الدین اپنے بھائی کو دی اور صوفی خاں وغیرہ بھی شامل ہوئے۔ جب یہ گجراتی فوج ملک غازی کی فوج سے ٹکرائی تو پاش پاش ہو کر منتشر ہو گئی۔ خسرو خاں یہ سن کر بہت گھبرایا لیکن ہمت کر کے اس نے فوج کی کمان خود لی اور ایک جدید فوج کے ساتھ دہلی سے باہر نکلا۔ مگر کچھ زیادہ دور نہ گیا بلکہ حوض خاص کے پاس ٹھہر گیا کیونکہ ملک غازی ڈبل مارچ کرتا ہوا بے درنگ آ رہا تھا۔ اس لیے خسرو خاں نے دہلی کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اس وقت خزانہ کا دروازہ کھول دیا اور ہر سپاہی کو دو دو تین تین سال کی تنخواہیں حوالہ کیں۔ فقرا اور درویشوں کو عطیے دیے گئے۔ گجراتی بھرواڑوں کو خزانہ کے جواہرات سے مالامال کر دیا، اور ملک غازی کے لیے خزانہ میں پائی تک نہ چھوڑی۔ اس نے سمجھا علاء الدین کی طرح زر پاشی سے کام نکالوں۔ غرض دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ عین الملک تو جنگ سے پہلے ہی مالوہ روانہ ہو گیا۔ اور اسی طرح علائی امرا جو ابھی تک دل سے نہ ملے تھے ایک ایک کر کے الگ ہو گئے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو دونوں نے داد مردانگی دی[۱]۔ اول تغلق کی فوج نے شکست کھائی۔ لیکن تین سو سواروں کا دستہ اچانک فوج خسروی پر آپڑا جس سے فوج خسروی میں کھلبلی مچی۔ ملک تلبغہ ناگوری جو خسرو خاں گجراتی کا بڑا طرفدار تھا، مارا گیا اور یوسف قرہ قیار شائستہ خاں نے راہ فرار اختیار کی۔ خسرو خاں گجراتی نے اپنی ذات سے بڑی بہادری دکھائی اور بے انتہا جدوجہد کی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ غرض جمعہ کا دن تھا، عصر کے وقت تک جنگ برابر جاری رہی۔ اور آخر شکست خسرو خاں گجراتی کو ہوئی اور گجراتی کثیر التعداد بے شمار مارے گئے۔ دوسرے دن جس نے جہاں بھرواڑوں کو پایا، مار ڈالا اور ہزاروں گجراتی بھرواڑ گجرات بھاگتے ہوئے راستہ میں مارے گئے۔ خود خسرو خاں گجراتی اپنے آقا ملک شادی کے باغ میں روپوش ہو گیا۔ اور گرفتار ہو کر ملک غازی کے سامنے قتل کیا گیا[۲]۔ اور چونکہ خاندان خلجی میں شاہی نسل سے کوئی مرد بالغ باقی نہ تھا اس لیے امرا و دولت کے مشورہ سے ملک غازی تغلق دہلی میں تخت نشین ہوا۔ اور یہ واقعہ ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء کا ہے[۳]۔

---

[۱] کل فوج چالیس ہزار اس کے پاس تھی (فرشتہ) [۲] بدایونی [۳] خلاصہ از فیروز شاہی برنی۔

اور چار ماہ چند دن اس کی سلطنت رہی۔ لیکن تغلق نامہ میں امیر خسرو نے قتل قطب الدین کا واقعہ جمادی الثانی ۷۲۰ھ لکھا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی سلطنت کی مدت صرف دو ماہ رہی۔

خسرو خاں گجراتی کی وفات

خسرو خاں کی وفات کے متعلق جو سنہ عام تاریخوں میں لکھا ہے وہ ۷۲۱ھ ہے سوائے سیر المتاخرین کے کہ وہ ۷۲۵ھ لکھتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں دونوں نے تاریخ غلط لکھی۔ کیونکہ عام مورخین علاء الدین کی وفات ۶۔ شوال ۷۱۶ھ پر متفق ہیں (مطابق ۲۲۔ دسمبر ۱۳۱۶ء) اور اس کے بعد چھتیس روز (تقریباً) ملک کافور حکمراں رہا۔ بعدہٗ قطب الدین اس کی جگہ آیا۔ اور یہ ماہ ذیقعدہ ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء کا تھا۔ جب قطب الدین نے شہاب الدین کو معزول کر کے خود تخت حاصل کیا اور باقاعدہ تخت نشین ہوا تو بجز ظفر والہ کے عام مورخین کے نزدیک ۸۔ محرم ۷۱۷ھ کا دن تھا (مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۳۱۷ء) پھر سلطان قطب الدین کی موت ۵۔ ربیع الاول ۷۲۱ھ (مطابق ۲۴۔ مارچ ۱۳۲۱ء) لکھتے ہیں سلطان کی موت اور خسرو خاں کی تخت نشینی گویا ایک ہی دن میں ہوئی اور اسی طرح خسرو خاں کی موت اور تغلق کی تخت نشینی بھی گویا ایک ہی تاریخ واقع ہوئی۔ غازی تغلق بقول عام مورخین یکم شعبان ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کو تخت خلجی پر جلوہ افروز ہوا اور خسرو خاں نے صرف چار ماہ سلطنت کی پس اگر قطب الدین کی موت ۵۔ ربیع الاول صحیح ہے تو ملک خسرو خاں کی موت اس حساب سے ۵۔ رجب ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کے آگے پیچھے ہونی چاہیے۔ حالانکہ یکم شعبان ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء ملک تغلق کی تخت نشینی ہوئی ہے اور اس سے دو تین روز بعد کو اس کی موت ہم کو یقینی مسلم ہے اور اگر یکم شعبان ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء خسرو کی وفات تسلیم کریں تو اس صورت میں کئی باتیں ایسی پیدا ہو جاتی ہیں جو واقعہ کے خلاف ہیں:۔

(۱) یہ کہ اس صورت میں قطب الدین کی وفات بجائے ماہِ ربیع الاول کے ماہ ربیع الثانی ہو جاتی ہے اور یہ عام مورخین کے بیان کے خلاف ہے اور کوئی معتبر تاریخ اس کی موید نہیں۔

(۲) دوم یہ کہ بدایونی اور ضیاء برنی دونوں معتبر تاریخوں نے ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء لکھا ہے خصوصاً برنی کے قریب العہد

ہونے سے اس کا بیان زیادہ معتبر اور صحیح نظر آتا ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسری شہادتیں بھی اس کی موید ہوں۔ (۳) خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی حکم دیا کہ ناصر الدنیا والدین کے نام سے سکے اور خطبے جاری کیے جائیں۔ پس اس وقت تک جو سکے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے ایک بھی ۷۲۱ھ کا نہیں ہے۔ بلکہ سب ۷۲۰ھ کے ہیں۔ اور ایسا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ خسرو خاں ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء اور ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء دونوں میں رہا ہو۔ کیونکہ خسرو خاں کے چار مہینے ۷۲۱ھ کے کسی صورت سے بھی ۷۲۰ھ میں نہیں آتے اس لیے قطعاً یہ ماننا پڑتا ہے کہ خسرو خاں کا سنہ وفات ۷۲۰ھ ہی ہے۔ میرے خیال میں عام مورخوں نے فرشتہ سے تاریخ نقل کی اور غالباً اسی جگہ سے بعد کی کتابوں میں ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کی غلطی شروع ہوئی۔

خسرو خاں کی شکست کے اسباب

خسرو خاں کو تاریخ میں لوگوں نے بہت کم وقعت دی ہے جس کا سب سے بڑا سبب ناجائز طریقے سے حصول حکومت ہے۔ یا یہ کہ بہت ہی نیچ قوم کا آدمی تھا۔ لیکن یہ دونوں جرم کچھ ایسے مہا پاپ نہیں ہیں جن کا ارتکاب صرف خسرو خاں گجراتی نے کیا ہو، بلکہ بنظر غور سے دیکھو تو دنیا کا کوئی حصہ ایسے اولوالعزم فاتح کی مثالوں سے خالی نہ ہوگا۔ خسرو خاں گجراتی نے قطب الدین کی غفلت سے جو فائدہ اٹھایا وہ یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ ذاتی حیثیت سے اپنی قوم اور ملک کے لیے جس طرح عقل و فراست سے کام لیا اس کے باعث اس کے فخر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں لیکن قابلِ سوال امر یہ ہے کہ باوجود تمام احتیاطی تدابیر کے بھی اس کو فتح کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اس کے اسباب کیا ہیں۔ میرے خیال میں مندرجہ ذیل اسباب اس کی شکست کے ہیں:-

(۱) خسرو خاں گجراتی اگرچہ اپنی ذاتی لیاقت اور ہوشیاری سے تخت سلطنت تک پہنچا تھا، لیکن ذاتی طور پر اس میں اعلیٰ اخلاق موجود نہ تھے جس کے ذریعہ بڑے بڑے امرا سلطنت اور خاص و عام کو اپنی طرف مائل کرتا۔ سلطان قطب الدین کے عہد ہی میں لوگ اس کی بداخلاقی کے بکثرت شاکی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی فوجی طاقت پر بڑا غرور تھا۔ غالباً اسی لیے عہدِ

قطب الدین میں اُس نے کسی بڑے جنرل اور ارکین دولت کو ملانے کی کوشش نہ کی۔اسی باعث امرا سلطنت خسرو خاں سے اسی وقت تک ملے رہے جب تک خسرو خاں فوجی طاقت سے ملائے رہا اور جیسے ہی خسرو خاں کا دباؤ کم ہوا فوراً لوگ الگ ہو گئے۔

(۲) جو فوجی بھرتی خسرو خاں گجراتی نے کی تھی وہ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے چالیس ہزار تھی مگر عموماً اس میں رنگروٹ بھرے تھے۔ان میں سے کسی کو بھی باقاعدہ فوجوں سے لڑنے کی عمر بھر نوبت نہ آئی تھی۔برخلاف اس کے مقابل کی فوج ایک آزمودہ جنرل کے ماتحت جنگی تعلیم یافتہ فوج تھی اور اسی لیے زیادہ تر گجراتی موت کے شکار ہوئے۔

(۳) خسرو خاں گجراتی کے فوجی لوگ جو زیادہ تر جاہل اور جنگلی بھروار تھے ان کی خاطرداری اور تالیف قلب کے خیال سے خسرو خاں نے جو مذہبی آزادی اور قومی رواداری برتی اس میں افراط سے بہت زیادہ کام کیا گیا۔مسجدوں میں مورتی پوجا ہونا اور قرآن کی توہین کرنا۔یہ ایسی باتیں تھیں جو مسلمان کسی طرح اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔اس لیے دیندار مسلمان خسرو خاں سے نفرت کرنے لگے اور اور عام پبلک کی نفرت یہ بھی اس کے ضعف کا سبب ہوا۔

(۴) دکن کی کل دولت جو علاء الدین خلجی کے زمانہ سے خزانہ میں جمع تھی خسرو خاں گجراتی نے اس کو ایسے بیہودہ طریقہ سے تقسیم کر ڈالی کہ جو بالکل کارآمد نہ ہوئی، بلکہ اس سے سخت نقصان پہنچا۔کیونکہ خزانہ خالی ہو جانے کے سبب خسرو خاں پھر دوسری فوج بھرتی نہ کر سکا اور یہ ایسی غلطی ہوئی کہ جس نے خسرو خاں کا کام بنا بنایا بگاڑ دیا۔

(۵) اس کے علاوہ خسرو خاں نے اپنی فوجی طاقت پر اس قدر بھروسہ کیا کہ انجام کار کے سوچنے کا خیال ہی دل میں نہ لایا۔تھوڑی عقل و فراست سے کام لیتا تو ممکن ہے کہ کامیاب ہو جاتا اس نے ذرا بھی خیال نہ کیا کہ ممکن ہے کہ شکست ہو اور ایسے وقت کے لیے کوئی محفوظ جگہ تیار رکھنا چاہیے وہ اگر چاہتا تو گجرات اور دکن کے علاقہ میں کوئی ایسی جگہ محفوظ کرا سکتا تھا جہاں بیٹھ کر عرصہ تک تغلق کی مدافعت میں مشغول رہتا کیونکہ اس زمانہ میں ہر جگہ بدعملی کا دور تھا۔پنجاب اور سندھ

چھوڑ کر باقی ہر صوبہ میں وہ خود مختارانہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

(۶) جیسا کہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں امراء دولت اس سے ناراض تھے۔ صرف چند مسلمان امیر شریک تھے اور یہ لوگ وہ تھے جن کو قطب الدین کے ہاتھوں تکلیف پہنچی۔ وہ صرف اس لیے خسرو خاں کے شریک ہو گئے تھے کہ قطب الدین کا یہ دشمن تھا، اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ شرکت سے فوری منافع کی اُمید تھی اور اسی لیے میدان جنگ میں صاف نظر آتا تھا کہ باوجود خسرو خاں کے ساتھی اور دوست ہونے کے بھی شکست کے وقت کتراتے ہوئے نکل گئے۔

(۷) یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ خسرو خاں کی کامیابی کے باوجود کسی ہندو راجپوت نے اس کو مدد نہ دی۔ اور یہ غالباً صرف اسی سبب سے ہوا کہ خسرو خاں بہت ہی نیچ اور ادنیٰ قوم کا آدمی تھا جس کی سرداری راجپوت کسی طرح قبول نہیں کر سکتے تھے۔

(۸) خسرو خاں نے بعد قتل قطب الدین شاہی خاندان سے ایسا سلوک برتا جیسا کوئی فاتح میدان جنگ کے قیدیوں کے ساتھ کرتا ہے اور اس بُرے برتاؤ سے کسی کو خسرو خاں سے ہمدردی نہیں رہی۔ لوگ فقط لوہے اور سونے کے دباؤ سے خاموش تھے۔ ورنہ اس وحشیانہ برتاؤ سے جو دودھ پیتے بچوں اور گود میں بچہ والی ماؤں کے ساتھ کیا لوگ متنفر ہو گئے تھے۔

گجرات کی نسبت مارکو پولو سیاح کی رائے

۶۹۵-۹۶ھ ۱۲۹۵ء

سینٹ ٹامس کے مقبرے سے مغرب کی طرف چل کر صوبہ لار یعنی گجرات آتا ہے اس ملک سے برہمن[1] دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ برہمن بڑے ہی اچھے تاجر ہوتے ہیں اور نہایت راست باز اور راست گو کیونکہ وہ دنیا کی کسی چیز کی خاطر جھوٹ نہیں بولتے اگر کسی غیر ملک کا مسافر جوان کے ملک کے طریق خرید و فروخت سے ناواقف ہو اپنا مال ان کے سپرد کر دے تو وہ اسے نہایت راست بازی کے ساتھ فروخت کرتے ہیں اور سوائے اس اُجرت کے جو وہ ان کو دیتا ہے اور کسی طریقہ میں کوئی ناجائز فائدہ نہیں اُٹھاتے وہ اپنی شرع کے بہت ہی پابند

[1] غالباً مراد اس سے بودھ مذہب کے لوگ ہیں۔

ہوتے ہیں۔ نہ وہ گوشت کھاتے ہیں اور نہ شراب پیتے ہیں اور کسی ۔۔۔۔۔۔۔
غیر ذات عورت سے مقاربت نہیں کرتے۔ وہ دوسروں کی کوئی چیز بھی نہیں لیتے وہ ایک جنیو پہنتے ہیں
اس ملک کا فرمانروا بڑا دولتمند اور طاقتور ہے، اسے جواہرات کا بڑا ہی شوق ہے وہ ان برہمن سوداگروں
کو ملک معبر (مدراس) میں جواہرات خریدنے کے لیے بھیجدیتا ہے اور جس قیمت پر وہ خرید کر لاتے ہیں ان
سے دگنی قیمت دیتا ہے اس ملک کے برہمن بدھ مت کے ماننے والے ہیں۔ وہ شگون وغیرہ کے
بڑے ہی معتقد اور پابند ہیں ان باتوں میں وہ دنیا بھر کی قوموں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے
یہاں ہر روز کے لیے انسان کے قد کے سایہ کی درازی مقرر کی گئی ہے۔ جو شخص کوئی سودا کرنا چاہتا ہے
وہ صبح اٹھ کر دھوپ میں کھڑا ہوتا ہے اور اپنے سایہ کو دیکھتا ہے اگر سایہ مقررہ سایہ کے برابر ہوتا ہے
تو وہ سودا کرتا ہے۔ اور اگر کم ہوتا ہے تو نہیں کرتا ہے۔ ان کے یہاں ہر روز دن کا ایک پہر منحوس
سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً بدھ کے دن دوپہر کا وقت، اور پیر کے دن سہ پہر کا وقت۔ اس وقت بھی
لوگ کوئی کام نہیں کرتے۔ مزید برآں اگر کوئی شخص گھر کے اندر بیٹھا ہو اور چھپکلی کو دیوار کے اس
طرف سے آتا ہوا دیکھے جو سمت سعد سمجھی جاتی ہے تو فی الفور کسی کام کو کر ڈالتا ہے اور سمت نحس
میں آتا ہوا دیکھتا ہے تو ہرگز نہیں کرتا۔ اگر کسی کے باہر جاتے وقت چھینک ہو جائے اور وہ اسے
سعد سمجھے تو جاتا ہے ورنہ وہیں ٹھہر جاتا ہے۔ اگر راستہ چلتے وقت کسی کے سامنے سے ابابیل سمت
سعد سے گزرے تو وہ آگے جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ ان برہمنوں کی عمریں بڑی ہوتی ہیں، کیونکہ وہ
کھانے پینے میں احتیاط اور اعتدال برتتے ہیں۔ ان کے دانت بھی ایک قسم کی سبزی کھانے سے
بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ اس سبزی سے ان کی صحت اچھی رہتی ہے۔ اس ملک میں مذہبی پیشواؤں
کا ایک فرقہ ہوتا ہے جسے جوگی کہتے ہیں۔ یہ جوگی ذات کے برہمن ہوتے ہیں، ان کی عمریں ڈیڑھ
ڈیڑھ سو اور دو دو سو سال کی ہوتی ہیں وہ کم خور ہوتے ہیں اور عمدہ چیزیں کھاتے ہیں۔ مثلاً چاول
اور دودھ۔ یہ لوگ پارہ اور گندھک سے ایک قسم کا سفوف تیار کرتے ہیں جسے وہ بچپن ہی سے
درازی عمر اور طاقت جسمانی وغیرہ کے لیے استعمال کرتے ہیں یہاں کے جوگیوں کا ایک فرقہ جو ریاضت

کی زندگی بسر کرتا ہے برہنہ رہتا ہے اور بیل کی پرستش کرتا ہے، وہ بیل کی شبیہ جو پیتل یا سونے کا ہوتا ہے اپنی پیشانی پر باندھے رہتے ہیں۔ وہ گائے کے گوبر کی راکھ کو جسم پر بھبوت کی طرح لگاتے ہیں، جسے بہت ہی مقدس اور پوتر سمجھتے ہیں۔ اور جب کوئی ان کا معتقد ملتا ہے تو یہ راکھ ان کی پیشانی پر لگا دیتے ہیں۔ وہ برتن میں کھانا نہیں کھاتے ہیں بلکہ درختوں کے پتہ پر وہ بھی خشک پتہ پر کیونکہ ان کا خیال ہے کہ سبز پتوں میں بھی جان ہوتی ہے اور جاندار کو ستانا اچھا نہیں چاہے کوئی ان کی جان ہی لے لے مگر وہ خلاف شرع نہیں چلتے۔ اگر کوئی ان سے برہنہ رہنے کا سبب دریافت کرے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم دنیا میں برہنہ آئے تھے اور برہنہ ہی چلے جائینگے۔ اس لیے ہمیں دنیا کی چیزوں سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا چاہیے۔ چونکہ ہم میں نفس کی خواہش ہی نہیں ہے اس لیے ہم عریاں رہتے ہیں۔ شرمگاہ تو ان کو چھپانی چاہیے جس میں نفس کی خواہش باقی ہے وہ کسی ذی روح مخلوق کو جان سے نہیں مارتے کیونکہ اسے وہ بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ سبز ترکاریاں نہیں کھاتے بلکہ خشک۔ وہ زمین پر برہنہ سوتے ہیں، نہ کچھ اوڑھتے ہیں نہ بچھاتے ہیں۔ وہ ہر روز روزہ رکھتے ہیں اور سوائے پانی کے کوئی چیز نہیں پیتے جب وہ کسی کو اپنا چیلہ بناتے ہیں تو اسے اپنے مٹھ میں ایک عرصہ تک رکھتے ہیں اور اسے اپنی سی زندگی بسر کراتے ہیں۔ اور جب اس کا امتحان لیتے ہیں تو وہ ان جوان لڑکیوں کو جو مورتیوں کی سیوک ہوتی ہیں بلاتے ہیں اور اس شخص کو ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ لڑکیاں اپنے ناز و ادا، غمزوں اور کرشموں سے لبھاتی ہیں۔ اگر وہ ان سے بے اعتنائی برتتا ہے تو اُسے چیلا بنا لیتے ہیں ورنہ نہیں۔ کیونکہ وہ کسی بدچلن شخص کو اپنے فرقہ میں شامل نہیں کرتے[1]۔ وہ اس خیال سے اپنے مُردوں کی لاش کو پھونک دیتے ہیں کہ اگر اُسے پھونکا نہ جائے تو اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور جب ان کیڑوں کو غذا نہیں ملتی تو وہ مر جاتے ہیں۔ ان کی موت کا مواخذہ مرحوم کی روح سے کیا جاتا ہے۔

---

[1] یہ تمام حالات جن کا ذکر اس نے کیا ہے وہ ننگ پجاریوں کے ہیں کیونکہ اُنہی کے یہاں عورتوں کے ساتھ رکھ کر آزمائش کراتے ہیں

گجرات ایک بڑا ملک ہے، وہاں کی زبان علیحدہ ہے اور ان کا فرمانروا خود مختار ہے اور باشندے بدھ مت کے معتقد اور بُت پرست ہیں۔ یہاں سے قطب تارہ ذرا اونچا دکھائی دیتا ہے گجرات کے باشندے بحری ڈاکو ہیں (غالباً مارکوپولو کی مراد ساحل کے لوگوں سے ہے) وہ جہازوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور اگر مالک جہاز جواہرات وغیرہ نگل جاتے ہیں تاکہ ڈاکوؤں کے ہاتھ نہ لگ سکیں تو وہ اسے سمندر کے پانی میں ایک چیز جسے تمرہندی (املی) کہتے ہیں ملا کر پلاتے ہیں جس سے اُسے دست ہونے لگتے ہیں اور جواہرات نکل آتے ہیں جن کو وہ لے لیتے ہیں۔ اس ملک میں مرچ، ادرک، نیل زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ مزید براں کپاس جسے دیو کپاس کہتے ہیں اس کے درخت بھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بڑے اونچے ہوتے ہیں اور ان میں بیس سال تک کپاس لگتی ہے۔ بارہ سال کی کپاس تو کاتنے اور کپڑا بننے کے کام میں آتی ہے۔ مگر آخری آٹھ سال کی کپاس اس کام کی نہیں ہوتی بلکہ لحاف، توشک، رضائی اور گدوں میں بھرنے کے کام آتی ہے[1] یہاں کے لوگ جانوروں کی کھال خوب کماتے ہیں اور رنگتے ہیں۔ مثلاً بھیڑ بکری، بھینس، جنگلی گائے اور گینڈے کی کھال۔ یہاں چٹائی نہایت عمدہ بنی جاتی ہے۔ جس میں عمدہ قسم کا کام کیا جاتا ہے اور چرند و پرند کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ یہ چٹائیاں بستر کا کام دیتی ہیں۔ مزید براں تکیے بھی نہایت عمدہ بنائے جاتے ہیں۔

---

[1] آج کل کی روئی کی کاشت دیکھتے ہوئے مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن میسور کے سرسمہ راج محلامیں میں نے خود روئی کا ایک درخت دیکھا جو اس بیان کے مطابق ہونے سے مجھے یقین ہے کہ اس نے صحیح لکھا ہے۔

فصل سوم
خاندانِ تغلق

"تغلق" ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی "پہاڑی" کے ہیں۔ یہ پشتو لفظ "رہیلہ" کے مرادف ہے۔ نوادر المعانی میں ہے کہ تغلق اور قتلغ ہم معنی ہیں بلکہ قتلغ مبدل ہوکر تغلق ہوگیا ہے جس کے معنی اوسط کے ہیں مگر اس کی کوئی دلیل نہیں دی تغلق کے متعلق قدیم ترین بیان ابن بطوطہ کا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق ترکی قوم میں سے "قرونہ" تھا۔ اور یہ لوگ ترکستان اور سند کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ لفظ "قرونہ" کی نسبت ساتویں صدی کا مشہور سیاح مارکوپولو اس طرح تشریح کرتا ہے کہ قرونہ اُن لوگوں کو کہتے ہیں کہ جن کے باپ تاتاری اور ماں ہندی ہوں۔ ان لوگوں کا پیشہ لوٹ اور قزاقی ہے۔ جہاں ان کا لشکر چلا جاتا ہے اس ملک کو بے چراغ کر ڈالتے ہیں۔ ان کا سردار "نکودار" ہے جو چغتائی کا بھتیجا ہے۔ یہ شخص اپنے چچا کے پاس سے بھاگ کر اور قرونہ کے لشکر کو لے کر بدخشاں کے راستے کشمیر میں گیا اور لاہور فتح کر کے وہاں بیٹھ گیا اور مغلوں سے لڑتا رہا الخ۔ دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو قرونہ کا طومان (دس ہزار آدمی) مغلوں کے لشکر کے ساتھ ہوتا تھا لیکن بعد میں اُنہوں نے لوٹ مار اپنا پیشہ بنا لیا۔ مشہور ہے کہ اصل میں یہ لوگ چین کے شمال میں قرون جیدن (یا فیدن) ایک پہاڑ ہے وہاں رہتے تھے۔ خلاصۃ التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ سلطان محمد کا باپ ترکی تغلق نامی سلطان غیاث الدین بلبن کے غلاموں میں سے تھا اور اس کی ماں پنجاب کی قوم جٹ سے تھی۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرونہ کے لفظ سے ابن بطوطہ کے راوی شیخ قریشی نے یہی مراد لیا ہے۔ اور مارکوپولو کا بیان بھی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور صاف صاف یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ تغلق قوم کا نام نہ تھا، بلکہ شخص خاص کا نام تھا۔ افسوس ہے کہ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف شمس سراج عفیف نے اپنی اس تاریخ میں اس لفظ کی کوئی تشریح نہیں کی۔ سکوں سے

بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک سکہ پر ہے "السلطان الغازی غیاث الدنیا والدین ابو المظفر تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المومنین" اور اس کے لڑکے کے سکہ پر درج ہے۔ "المجاہد فی سبیل اللہ محمد بن تغلق شاہ" پس تغلق یا تو خود ملک غازی غیاث الدین کا نام ہے یا اس کے باپ کا۔

فرشتہ[1] لکھتا ہے کہ میں جب لاہور گیا تو اہل علم سے اس معاملہ کی تحقیقات کی لیکن کسی نے تغلق کے متعلق صحیح اور قابل وثوق بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ بات کہی کہ عام طور پر مشہور ہے کہ غیاث الدین تغلق کا باپ ملک تغلق غیاث الدین بلبن کے غلاموں میں سے تھا۔ اور اس نے پنجابی جٹ کی لڑکی سے شادی کرلی جس سے غیاث الدین تغلق پیدا ہوا۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ تغلق بہت مفلس تھا۔ سندھ میں آیا تو کسی سوداگر کا گلہ بان ہوگیا جو عہد علاء الدین کا ذکر ہے۔ انہی دنوں سلطان کا بھائی الغ خاں بطور حاکم ملتان آیا ہوا تھا تغلق اس کے لشکر میں داخل ہو کر پہلے پیادوں پھر سواروں میں بھرتی ہوا، اس کی کارگزاری دیکھ کر اس کو افسر بنایا گیا، پھر میر آخور یعنی داروغہ اصطبل اور آخر کار امراء کبار میں سے ہوگیا۔

شمس سراج عفیف نے فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ غیاث الدین تغلق، رجب، ابوبکر تینوں بھائی خراسان[2] سے دہلی میں آئے۔ یہ زمانہ علاء الدین خلجی کا تھا سلطان نے دہلی ہی میں مختلف عہدوں پر ممتاز کرکے ان سے کام لیا۔ آخر کار رجب ان کی بہادری کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا تو سلطان علاء الدین نے دیپال پور[3] کا ان کو حاکم (گورنر) بنا کر بھیجا۔ ان پچھلے

---

[1] قاسم فرشتہ بہ عہد جہانگیر دکنی بادشاہ کی طرف سے سفارت لے کر جہانگیر کے پاس لاہور گیا تھا۔

[2] مورخ حسام خاں نے بھی اس خاندان کو خراسانی لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ محمود شاہ بن محمد شاہ بن فیروز شاہ الخراسانی شاہ دہلی (ظفر الوالہ ص ۳۴۲ مطبوعہ لیدن ج اول)

[3] دیپال پور (دیوپال پور) مونٹ گمری کے ضلع صوبہ پنجاب میں بیاس کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے اٹھائیس میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوکاڑھ کے اسٹیشن سے سترہ میل جنوب میں ہے۔ جنرل کننگھم کی تحقیقات کی بموجب اس کو راجہ دیوپال نے آباد کیا تھا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ راجہ کون سے زمانہ میں تھا۔ فیروز تغلق یہاں ایک نہر کاٹ کر لایا تھا، اور اس نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی تھی۔ مغلیہ سلطنت سے پہلے غلاموں اور خلجیوں کے عہد میں پنجاب کا پایۂ تخت رہا ہے۔ کیونکہ ان دنوں میں چنگیز خانی مغلوں کے پے در پے (بقیہ بر صفحہ ۳۶۳)

ان پچھلے دونوں بیانوں سے جو قریب قریب متحد ہیں یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ غیاث الدین تغلق خلجی عہد میں ہندوستان آیا۔ نہ بلبن کے عہد میں اور اگر مصنف فیروز شاہی کے متعلق یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اپنے ممدوح آقا کو غلامی سے بچانے کے لیے چشم پوشی کی تو ابن بطوطہ کو تحریر کرنے سے کون مانع تھا۔ پس اب اگر فرشتہ کی روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو تاویل صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ملک تغلق بہ عہد بلبن آیا تھا۔ لیکن بعد وفات ملک میں حسب ابتری دیکھی تو خراسان چلا گیا، اور پھر بعہد خلجی اس کے لڑکے واپس آئے۔ سراج عفیف یا امیر خسرو کا تغلق نامہ اگر ملجاتا تو بڑی آسانی سے اس کے متعلق صحیح رائے قائم ہو سکتی۔ مصنف طبقات اکبری کو تغلق نامہ ملا۔ لیکن بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے ایک لفظ اس کے متعلق نہیں لکھا اور بڑی خاموشی کے ساتھ واقعات بیان کرتا ہوا نکل گیا۔

ملک غازی غیاث الدین تغلق

الغرض یکم شعبان ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء میں غیاث الدین کے نام سے ملک غازی تغلق دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور داد حکمرانی دینے لگا۔ ہر شخص کو اس کی لیاقت کے مطابق عہدے اور انعام دیئے۔ مورخین اس بادشاہ کی نسبت مدح میں رطب اللسان ہیں اور لکھتے ہیں کہ چند ہفتے میں سلطنت کا کام اس خوبی سے انجام دیا کہ لوگوں کو ایسا گمان ہوتا تھا کہ گویا برسوں کی سلطنت جمی جمائی ہے۔ خسرو خاں کی بدانتظامیوں کو اس طرح دور کیا کہ لوگ متحیر رہ گئے۔ جب تمام کاموں

(بقیہ صفحہ ۳۶۲) حملے روکنے کے لیے لاہور اور ملتان کے مبیع میں ایک ایسے شہر کی ضرورت تھی جہاں سے دونوں طرف کا انتظام آسانی سے ہو سکے۔ پرانے شہر کے کھنڈرات اب بھی جنوب مغرب کی طرف واقع ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات کی بستیوں کے علاوہ خاص شہر تین میل کے رقبہ میں بستا تھا۔ موجودہ شہر چار ہزار آدمی کی آبادی ہے اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تیمور کے حملے کے وقت یہ شہر ملتان کی ہمسری کرتا تھا، اور اس میں چوراسی مسجدیں تھیں۔ بابر کے وقت میں بھی یہ شہر آباد تھا۔ اور لاہور سے کمتر درجہ کا نہ تھا۔

(حاشیہ سفرنامہ ابن بطوطہ اردو)

سے فرصت ملی تو صوبوں پر توجہ مبذول کی۔ سندھ کے بعد دوسرا نمبر گجرات کا تھا۔ چنانچہ ملک تاج الدین ترک بہ ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء میں گجرات کا گورنر جو خسرو خاں کے بعد آیا تھا، برقرار رکھا۔[1] گجرات آتے ہی اس نے ایسا بندوبست کیا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا۔ اور ہر طرف امن و امان نظر آنے لگا۔ تقریباً پانچ سال اس نے گجرات کی حکومت اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اگرچہ تاریخوں میں اس سے زیادہ اس کا کچھ حال مذکور نہیں ہے۔ تاہم قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ قلیل مدت اس نے زیادہ تر امن کی کوشش میں صرف کی ہوگی۔ غیاث الدین تغلق نے ربیع الاول ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء میں چھت کے گرنے سے وفات پائی۔[2]

---

[1] ضیاء برنی صفحہ ۴۲۸ لیکن فرشتہ نے گجرات کا سپہ سالار (بخشی فوج) بنانا لکھا ہے۔ جلد اول صفحہ ۱۳۸ مطبوعہ نول کشور۔

[2] وفات کے متعلق اکثر مورخین مختلف الرائے ہیں۔ ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ صاعقہ بلائے آسمانی بر زمینیاں نازل شد صفحہ ۴۵۲ بدایونی نے واقعات لکھ کر آخر میں اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے کہ "از ساختن ایں چنیں قصرے کہ ہیچ ضروری نہ بود بوئے آں می آید کہ الغ خاں (محمد تغلق) قصرے مجوف ساختہ باشد چنانچہ مشہور در عوام است مصنف طبقات اکبری اور ابوالفضل جو بدایونی کے ہمعصر ہیں، ہمخیال بھی ہیں۔ حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں ضیاء برنی کی تائید کی ہے اور بعد رد و قدح فرشتہ نے اسی روایت کو قریب صحت سمجھا ہے۔ اور صدر جہاں گجراتی نے اپنی تاریخ میں اس کو طلسم کے لفظ سے تعبیر کیا۔ یعنی یہ قصر طلسمی صنعت سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی طلسم کشائی بہترین طریقہ سے ضیاء برنی ہی کر سکتا تھا لیکن بعد کے تمام مورخین ضیاء برنی کو خوشامد کا الزام دیتے ہیں کہ فیروز شاہ تغلق کی وجہ سے جو محمد شاہ تغلق کا پروردہ تھا۔ سچی بات نہ لکھی۔ بہرحال ابن بطوطہ جو برنی کا ہمعصر ہے وہ لکھتا ہے کہ بادشاہ نے حکم بھیجا کہ میرے لیے ایک محل افغان پور میں تعمیر کرو۔ جونا خاں (محمد تغلق) نے تین دن میں تیار کرایا۔ اس کی بنا لکڑیوں کے ستونوں پر زمین سے بلندی پر رکھی اس میں اکثر لکڑی کا کام تھا۔ احمد بن ایاز نے جو بعد میں خواجہ جہاں کے لقب سے مشہور ہوا۔ ان دنوں بادشاہ کا میر عمارت (انجنیر) تھا۔ اس نے بنیاد ایسے حساب سے رکھی تھی کہ اگر اس کے ایک خاص موقع پر ہاتھی کھڑا کیا جائے تو مکان گر پڑے۔ بادشاہ اس مکان میں آکر ٹھہرا اور لوگوں کی ضیافت کی۔ جب لوگ کھانا کھا کر چلے گئے تو جونا خاں (محمد تغلق) نے بادشاہ کی اجازت طلب کی کہ میں ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایک ہاتھی جو ساز و سامان سے مرصع تھا سامنے لایا گیا۔ مجھ سے شیخ رکن الدین ملتانی ذکر کرتے ہیں کہ اس وقت میں بادشاہ کے پاس

(ابن بطوطہ صفحہ ۲۱۵)

اسی عہد (۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ب) میں پٹلاد میں ایک کنواں تیار ہوا ہے جس کے اخراجات کے لیے بیس کھنبا زمین عطا کی گئی ہے۔ اس کا کتبہ فارسی اور سنسکرت میں ہے۔ اس وقت دیوان بدرالدین ابوبکر احمد امیر کوہ پٹلاد کا حاکم تھا۔

(بقیہ صفحہ ۳۶۴) تھا۔ اور بادشاہ کا لاڈلا بیٹا محمود بھی وہیں تھا۔ جونا خاں (محمد تغلق) نے مجھ سے کہا کہ اے اخوندعالم نماز عصر کا وقت قریب ہے، آئیے نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ میں مکان سے باہر نکل آیا۔ اسی وقت ہاتھی کو لائے تھے۔ ہاتھی کا محل میں پہنچنا تھا کہ تمام مکان بادشاہ اور شہزادے کے سر پر گر پڑا۔ (جلد دوم باب فصل ۱۴) پس بجلی گرنے کا واقعہ اگر صحیح ہوتا تو شیخ رکن الدین ضرور ابن بطوطہ سے ذکر کرتے۔ کیونکہ وہ خود اس واقعہ میں شریک تھے۔ شیخ رکن الدین ہی کے متعلق سیر المتاخرین نے لکھا ہے کہ وہ بادشاہ سے ملنے گئے تھے اٹھتے وقت اشارہ سے بادشاہ کو باہر نکل جانے کی ہدایت کی مگر بادشاہ نہ سمجھ سکا۔ پس شیخ کا اٹھنا تھا کہ چھت گر پڑی (جلد اول غیاث الدین تغلق مطبوعہ نول کشور) اور مورخوں نے احمد ایاز کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر وزیر اعظم بنا لینا، اور تمام عمر اس کی عزت کرتے رہنا۔ اس کو بھی بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔ شیخ رکن الدین کے ساتھ محمد تغلق شاہ بڑا مہربان تھا۔ اپنے باپ کا مقبرہ جو ملتان میں تھا شیخ کو عطا کر دیا پھر ایک اور موقع پر سو گاؤں جاگیر میں بخشے ان عنایات شاہانہ کے باوجود ابن بطوطہ سے شیخ رکن الدین ملتانی جیسے صوفی بزرگ کا "باپ کا قاتل بیٹے کو بتانا" اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہی بات صحیح ہے۔ مگر میری ذاتی رائے یہ ہے کہ لوگوں کو اس معاملہ میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اول تو ابن بطوطہ کے قول سے غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ محمد شاہ نے خود اپنے دل سے قصر تیار کیا تھا جس کی نسبت بدایونی و طبقات اکبری کو لکھنا پڑا "کہ ساختن ایں چنیں قصرے کہ ہیچ ضروری نہ بود الخ" بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود بادشاہ نے تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ دوم یہ بات خود عیاں ہے کہ جو مکان تین دن میں بعجلت تمام بنایا گیا ہو، وہ کس قدر مضبوط ہو گا۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ریل جب کسی مکان کے قریب سے گزرتی ہے تو اس کی دھمک مکان میں بیٹھنے والا محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح جب پل پر سے آپ گزر رہے ہوں اور ساتھ ہی ایک موٹر بھی گزرے تو یقیناً آپ پل کی جنبش کو محسوس کریں گے۔ پھر اس تین دن کی نو ساختہ عمارت جو صرف لکڑی کے ستونوں پر قائم کی گئی ہو وہ ہاتھی کی دھمک سے گر جائے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ واقعہ بلا قصد محض اتفاقیہ طور پر وقوع پذیر ہوا۔ اس کی صحیح مثال عصر موجودہ میں جدید دہلی کی نو ساختہ سرکاری عمارت ہے جس پر پندرہ کروڑ روپیہ اس وقت تک خرچ ہو چکا ہے، اور مضبوطی کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن چند سال ہوئے کہ ایوان کونسل کی چھت کا کچھ حصہ عین اجلاس کونسل کے وقت گر پڑا۔ یہ بالکل اتفاقیہ تھا۔ اسی طرح محمد تغلق کی نو ساختہ عمارت کا حال ہوا۔ مگر بات یہ ہے کہ چونکہ اس کے گرنے کا اصلی سبب کسی کو معلوم نہ ہوا اور نہ اس کی تحقیقات (باقی بر صفحہ ۳۶۶)

سکہ ملک غازی غیاث الدین تغلق

(۱) السلطان الغازی غیاث — سکندر ثانی یمین الخلافۃ

الدنیا والدین ابو المظفر — ناصر امیر المومنین

(۲) السلطان الغازی — تغلق شاہ

غیاث الدنیا والدین — السلطان ناصر

ابو المظفر — امیر المومنین

ضرب ہذہ السکۃ بحضرۃ دہلی فی سنۃ احدی عشرین و تسعمائۃ

(۳) السلطان الغازی — تغلق شاہ

غیاث الدنیا والدین — السلطان ناصر

ابو المظفر — امیر المومنین

ضرب ہذہ السکۃ بقلعۃ دیوگیر فی سنۃ احدی وعشرین ۷۲۱ و سبعمائۃ

ملک غازی تغلق کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ دہلی بنگالہ اور دکن کی طرح گجرات میں بہت کچھ

(بقیہ صفحہ ۳۶۵) کرائی گئی۔ اس لیے لوگوں نے اپنے اپنے قیاس سے جو کچھ وہ سمجھ سکے بیان کر دیا۔ اور عموماً شخصی سلطنتوں میں لوگ ناجائز طریقہ سے تخت حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے محمد تغلق کی نسبت بھی لوگوں نے ایسا ہی گمان کیا۔ اور یہ خیال کہ احمد ایاز کو عمر بھر وزیر بنائے رکھنا صرف پردہ دری کے خوف سے تھا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ضیاء برنی نے فیروز شاہ کے حالات میں وزیر مذکور کی نسبت جو بات لکھی ہے اس سے خود اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ یعنی خود یہ شخص کچھ زیادہ صاحب علم یا لائق نہ تھا لیکن بلا چون و چرا بادشاہ کی مرضی کے مطابق شاہی احکام کی تعمیل کرتا تھا جس سے بادشاہ بے حد خوش رہتا تھا اور اسی وصف کی پسندیدگی کے سبب بادشاہ نے آخر عمر میں بڑے بڑے صاحب اثر امراء سے لے کر چھوٹے درجہ کے لوگوں کو صوبے عنایت کیے کیونکہ یہ لوگ بلا خیال فوائد عامہ صرف تعمیل حکم شاہی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ یہی حال اس وزیر کا تھا۔ اور اسی اطاعت کے صلہ میں عمر بھر وزارت کرتا رہا۔

اصلاح کرتا جب غیاث الدین تغلق نے دہلی کی حکومت ہاتھ میں لی تو ملک تاج الدین ترک[1] کو ۷۲۰ھ میں گجرات کا گورنر برقرار رکھا۔ تاج الدین لائق اور ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے اس خوبی سے حکومت کی کہ رعایا ہمیشہ خوش اور اطاعت گزار رہی ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء میں جھالاواڑ کے راجہ سورج مل کو باگھیلوں کے سردار لوناجی کو شکست دے کر ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ سورج مل نے حاکم گجرات سے مدد مانگی جعفر ترک نے اس کو ساتھ لے کر لوناجی کو مار بھگایا۔ مگر اس جنگ میں سورج مل مارا گیا اور جھالاواڑ کی راج دھانی سردھار پر قبضہ ہو گیا۔ دس سال تک جعفر حکمراں رہا اور اس پانچ سال میں ہر جگہ امن وامان کا دور دورہ رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکومت رعایا اور بادشاہ دونوں کے نزدیک اطمینان بخش تھی۔ اور اسی سلطان کے عہد میں بھروچ کی جامع مسجد کا آخری گنبد جانب شمال زینہ کی طرف تیار ہوا جیسا کہ کتبہ سے اس کے معلوم ہوتا ہے۔ جس میں سنہ ۷۲۱ھ کندہ ہے۔ کتبہ یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قال من بنا ..... (الحدیث) در عہد سلطان عالم غیاث الدنیا والدین والدولۃ شہ محمد برہان الدین ابن نصیر بر ہفت صد و بست و یک۔

سلطان محمد شاہ تغلق

ملک محمد فخر الدین جونا جو ولی عہد سلطنت تھا۔ باپ کے مرنے پر چالیس دن کے بعد ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ شخص بڑا ذہین تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ لوگوں کے بات کرنے سے پہلے ہی مافی الضمیر سمجھ جاتا تھا۔ علمی حیثیت سے بھی بڑا بلند پایہ رکھتا تھا۔ سلاستِ کلام، لطافتِ بیان اور انشا پردازی، جدید مضامین کی ایجاد میں یہ شخص ضرب المثل تھا۔ چنانچہ بعض بعض

---

[1] مراۃ محمدی میں ہے کہ کرنل واٹسن کا یہ خیال غلط ہے کہ تاج الملک جو بہ عہد قطب الدین وزیر دہلی ہو گیا تھا، وہ پھر ناظم گجرات مقرر ہوا۔ بلکہ یہ دوسرا شخص ہے۔ ضیا برنی صفحہ ۲۲۴ و ۲۴۸ مطبوعہ کلکتہ سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ مگر مصنف کتاب مذکور نے بھی تاج الدین جعفر کا نام غلط دیا ہے۔ یہ شخص امراء میں سے ہے، مگر گجرات کا ناظم نہ تھا بلکہ تاج الدین ترک تھا (دیکھو فہرست عہدہ داران قطبیہ۔ ضیاء برنی)

فقرے تاریخ میں موجود ہیں جس سے اس کی انشاء پردازی پر کافی روشنی پڑتی ہے نظم ونثر پر پورے طور سے حاوی تھا۔ علم تاریخ کا ماہر اور فلسفہ ومنطق کا بڑا شائق تھا سعد منطقی، عبید شاعر، مولانا علم الدین فلسفی، بہاء الدین فلکی وغیرہ قدیم مصاحب تھے۔ انہی کی صحبت سے فلسفیانہ مذاق پیدا ہوا اور عقلیات کی طرف یہ رجحان تھا کہ ہر وہ چیز جو عقل کے خلاف معلوم ہو قابل اعتنا نہ سمجھتا تھا۔ باوجود اس خیال کے سفرائے خلیفہ کا اس طرح استقبال کیا جس کو عقل سلیم کسی طرح قبول نہیں کرتی، اسی لیے مورخین اس کو "اعجوبہ روزگار لکھتے ہیں"[1]۔

سلطان محمد تغلق نے اپنے ابتداء عہد میں اس ہوشمندی کے ساتھ امور سلطنت انجام دیا کہ اس کی سلطنت بڑی مستحکم ہوگئی۔ دہلی، پنجاب وملتان کے علاوہ گجرات، مالوہ، دیوگڈھ تلنگ، مرہٹھ، دصور سمندر معبر (مدراس) ترہت، لکھنوتی، ست گام (چاٹگام) سنارگام (سنارگاؤں) وغیرہ ممالک میں اس طرح امن نظر آنے لگا کہ ان ممالک کی ڈاک وخراج دار السلطنت میں اس طرح بلا تکلف پہنچتا گویا کہ گنگا وجمنا کے مابین کی مالگذاری دہلی آئی ہے۔ اس امن کے سبب اس قدر کثیر دولت خزانہ میں جمع ہوگئی کہ باوجود بے شمار انعاموں اور شاہ خرچیوں کے بھی خزانہ میں کوئی کمی نظر نہ آتی تھی۔ میرے خیال میں اس امن کا سبب سلطان کی ہوشمندی کے علاوہ لائق گورنروں کا انتخاب بھی تھا جو اپنی لیاقت اور ہوشیاری سے ملک میں امن وامان قائم رکھتے تھے۔ انہی لوگوں میں سے گجرات کا گورنر الپ خاں تھا۔

---

[1] ضیاء برنی لکھتا ہے کہ "سلطان محمد از عجوبہ آفرینش در وجود آمدہ بود" صفحہ ۴۶۲ کلکتہ۔ طبقات اکبری میں ہے کہ سلطان محمد از عجائب مخلوقات وجامع اضداد بود صفحہ ۱۹۹ جلد اول کلکتہ۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ میں ایسی باتیں بیان کرونگا جو عجائبات معلوم ہوتی ہیں۔ جلد دوم باب ۵ فصل اوّل۔ اور اس بادشاہ کو عجائب مخلوقات میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ جامع اضداد تھا۔ جلد اول فرشتہ ص ۱۹۱ مطبوعہ نول کشور۔

بغاوتِ گجرات کے اسباب

مع حالات مسلسل

محمد تغلق کی تخت نشینی سے دو سال بعد یعنی ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء[1] میں ترم شیریں خاں بن داؤد خاں چغتائی ملتان کی راہ سے دہلی ایک جرار فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ محمد تغلق نے اچانک پہنچ جانے والے دشمن کا مقابلہ مناسب نہ سمجھ کر صلح کرلی اور خان موصوف کی توقع سے زیادہ زر و جواہر دے کر رخصت کر دیا۔ خان موصوف نے مار دھاڑ، گجرات میں لوٹ کھسوٹ کر کے سندھ کے راستہ اپنے وطن کی راہ لی[2]۔ سلطان محمد نے اس واقعہ سے کافی سبق لیا لشکر

---

[1] فرشتہ بیان محمد تغلق جلد اول لیکن بدایونی نے ۷۲۹ھ ۱۳۲۸ء میں آنا لکھا ہے۔ الفنسٹن صاحب نے ترم شیریں خاں کی جگہ تیمور شین خاں لکھا ہے۔

[2] یہ روایت فرشتہ کی ہے۔ برنی اور بدایونی نے لکھا ہے کہ اسلامی فوج نے مقابلہ کر کے اس کو بھگا دیا۔ اور کلانور تک اس کا تعاقب کیا۔ لیکن فرشتہ لکھتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق اور محمد شاہ تغلق کی رعایت سے ضیاء برنی نے عاجزانہ محمد شاہ تغلق کا پیش آنا اور نذرانہ دے کر واپس کرنا تحریر نہیں کیا ہے۔ ترم شیریں کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ عام تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ میری ذاتی رائے یہی ہے کہ محمد تغلق نے ضرور شکست دی۔ ورنہ مغل حریصانہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے، اس لیے دوبارہ ضرور آتے۔ اور اگر زر و جواہر سے ان کو واپس کیا گیا، تب تو دوبارہ آنا یقینی ہونا چاہیے، خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ ہر جگہ بغاوت اور ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ علاء الدین اور تغلق کے عہد میں باوجود بار بار شکست کھانے کے بھی مغل باز نہیں آئے تھے اور جب موقع ملتا تھا حملہ آور ہوتے رہتے تھے اور خود علاء الدین نے دولت آباد چھوڑ دیا۔ کیا اس کے انجام سے آپ واقف نہیں۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ ترم شیریں اور اس کی وحشی قوم کو خوشامد اور بے قیاس زر و جواہر کا نذرانہ دے کر واپس کر دیا گیا ہو اور ان کی حریص و طامع طبیعت اور خو نے ہندوستان آنے سے باز رکھا ہو۔ علاء الدین خلجی نے جب بار بار شکست دی اور مغلوں نے اس کی طاقت آزمالی تو پھر قطب الدین کے عہد تک وہ نہ آئے۔ میرے خیال میں محمد تغلق نے بھی شکست دی۔ اور اسی لیے تقریباً پچیس برس تک پھر مغلوں نے ادھر کا رخ نہ کیا۔ اس کے علاوہ محمد تغلق کی سخاوت اور فیاضی نے خراسان اور ایران میں بہت سے ہمدرد (باقی بر صفحہ ۳۷۰)

کی تیاری اور فوج کی درستگی میں مصروف ہوگیا۔ یہاں تک کہ بہترین فوج اس کے پاس جمع ہوگئی۔ اور اب سلطان کو فتوحات کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اپنے بھانجے ملک خسرو کی سرکردگی میں ایک لاکھ سواروں کی فوج معہ سازوسامان کے ہمالیہ کے راستہ چین فتح کرنے کے لیے روانہ کی جو بدقسمتی سے کوہ ہمالیہ کے دروں میں تباہ ہوگئی۔ پھر پردیسی مصاحبوں کے اغوا سے تین لاکھ ستر ہزار سوار خراسان فتح کرنے کے لیے ترتیب دیے لیکن سرانجام نہ پا سکا۔ پھر دہلی سے دولت آباد کو پایۂ تخت بدلنے سے اخراجات کا بار خزانہ شاہی پر بہت پڑا۔ غرض ان شاہ خرچیوں اور خیالی فتوحات کے سبب خزانہ خالی ہوگیا۔ اب آپ نے تانبہ اور چاندی کا سکہ مسکوک کرکے سکۂ زر کی برابر چلانا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو بنیوں نے خوب ہاتھ رنگا، اور سرکشوں نے سامانِ جنگ خرید خرید کر گھر بھر لیا۔ آخر انجام یہ ہوا کہ تانبے کے تمام سکے واپس لیے

(بقیہ صفحہ ۳۶۹) پیدا کر دیے تھے جس کے باعث مغلوں کی ہمت ہند پر حملہ کی نہ ہوئی۔ کیونکہ ملک میں محمد تغلق کے ہمدرد ہونے کے سبب مغلوں کو اپنے ملک میں خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ اور پھر بکثرت ایرانی اور خراسانی اس کے مصاحب بن گئے تھے اور وہ ہمیشہ محمد تغلق کو خراسان اور ایران فتح کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور ایک دفعہ تو سلطان اس کے لیے تیار بھی ہوگیا تھا۔ ان باتوں کی خبریں مغلوں کو برابر ملتی رہتی تھیں جس کے باعث خود اپنے ملک کو بچانے کی فکر میں مشغول رہے۔ اس لیے ہند پر حملہ کی ہمت نہ ہوئی اور آخری بات یہ ہے کہ یہی سبب ہے کہ جب سلطان محمد تغلق ایک زبردست فوج کے ساتھ سندھ پہنچا تو ان مغلوں نے فوراً خطرہ محسوس کیا اور سمجھے کہ شاید سندھ کے بہانہ وہ خراسان پر نہ چڑھ آئے۔ اسی لیے خراسان کے بادشاہ نے ایک فوج سلطان کے پاس بھیج دی حالانکہ سلطان نے کسی قسم کی امداد طلب نہ کی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ سلطان سے دوستی کا اظہار کیا جائے اور یقین دلایا جائے کہ ہم دوست ہیں تاکہ خراسان سلطان کے حملہ سے محفوظ رہے اور اگر سلطان نے حملہ کا قصد ہی کر لیا ہو تو یہ فوج ہراول کا کام دے۔ اور اس کی تصدیق اس طرح سے ہوتی ہے کہ محمد بن جعفر بدر عالم احمد آبادی نے تفسیر آیت "ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلة" کے تحت میں لکھتے ہیں کہ ملتان کے آس پاس مغل آ پڑے۔ شیخ رکن الدین کو خبر دی گئی۔ آپ نے مراقبہ فرمایا۔ پھر سر اٹھا کر کہا کہ دیکھو مغل فرار ہوئے۔ چنانچہ بعد کو معلوم ہوا کہ ان کو سخت شکست دی گئی اور وہ فرار پر مجبور ہوگئے۔ شیخ رکن الدین محمد تغلق کے عہد کے قطب تھے۔ (تفسیر شاہیہ جلد اول ص ۲۱ قلمی) غرض عقل اور نقل دونوں طریقوں سے معلوم ہوا کہ محمد تغلق نے مغلوں کو شکست دے کر واپس کیا نہ زرد

جواہر کا نذرانہ دے کر

گئے۔ اور تغلق آباد میں اس کے ڈھیر لگا دیے گئے۔ اب خزانہ بھرنے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں لیکن قبل اس کے کہ اس کے متعلق کوئی اسکیم بنائی جائے سرکشوں نے جمع کیے ہوئے اسلحہ کا استعمال شروع کر دیا۔ اور دہلی، ملتان، بنگال، الہ آباد وغیرہ میں بغاوت شروع ہوگئی خصوصاً دوآبہ کے ہندوؤں نے بہت تنگ کیا۔ صرف گجرات الپ خاں کے بہترین انتظامات کی بدولت وفادار رہا۔ اگرچہ یہ تمام بغاوتیں فرو کر دی گئیں۔ تاہم عام رعایا میں محمد تغلق سے بڑی بددلی پھیل گئی بلکہ نفرت ہوگئی۔

(۱) یہ کہ محمد تغلق کی عمر جوں جوں گزرتی جاتی تھی، اس کا مزاج ضدی ہوتا جاتا تھا۔ اور بُرے مشیروں کے سبب جن میں قاضی گجرات کا لڑکا بھی شامل تھا۔ وہ لوگوں کو قتل سے کم سزا دیتا ہی نہ تھا۔ اور اس طرح وہ روزانہ خونریزی کا مرتکب ہوتا تھا۔

(۲) دوآبہ میں باربار بغاوت کے سبب اس نے بطور جرمانہ خراج دوچند کر دیا۔ باصطلاح عصر موجودہ تعزیری پولس کا خرچ بھی شامل خراج کر لیا۔ خدا کی شان دیکھو اسی کے ساتھ قحط نے آدبایا[1]

---

[1] بڑے بڑے قحط جن کا حال تاریخوں میں موجود ہے جس سے ہندستان نے کافی نقصان اٹھایا۔ مندرجہ ذیل ہے:-

(۱) ۷۳۹ھ تا ۷۴۴ھ (۱۳۳۸ء تا ۱۳۴۳ء) بعہد سلطان محمد تغلق
(۲) امیر تیمور کی واپسی دہلی کے بعد ۸۰۱ھ (۱۳۹۸ء)
(۳) خضر خاں کے زمانہ میں ۸۱۱ھ (۱۴۰۸ء)
(۴) سید مبارک شاہ کے عہد میں ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء)
(۵) ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) سلطان محمد عادل سور کے عہد میں
(۶) ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) بہ عہد شاہجہاں بادشاہ
(۷) ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۱ء) بہ عہد عالمگیر اورنگ زیب
(۸) ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) ″ محمد شاہ
(۹) ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) ″ شاہ عالم ثانی
(۱۰) ۱۱۹۸-۹۹ھ (۱۷۸۳-۸۴ء) بزمانہ لارڈ ہیسٹنگز
(۱۱) ۱۲۱۸-۱۹ھ (۱۸۰۳-۰۴ء) ″ مارکوئس ویلزلی
(۱۲) ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۲-۱۳ء) ″ مارکوئس آف ہیسٹنگز
(۱۳) ۱۲۳۵ (۱۸۱۹) ″ ″ ″
(۱۴) ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) ″ لارڈ امہرسٹ
(۱۵) ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) ″ لارڈ ولیم بینٹنک
(۱۶) ۱۲۵۳-۵۴ھ (۱۸۳۷-۳۸ء) ″ لارڈ آکلینڈ
(۱۷) ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) ″ لارڈ ڈلہوزی
(۱۸) ۱۲۷۷-۷۸ھ (۱۸۶۰-۶۱ء) ″ لارڈ کیننگ

تقریباً سات سال تک بارش نہ ہوئی۔ مخلوق حیران و پریشان ہوگئی۔ آخر خود بھی عالم پریشانی میں دہلی سے نکل کر دریائے گنگا کے کنارے بہ مقام شمس آباد ضلع فرخ آباد میں ایک عارضی چھاؤنی بہ نام "سرگ دوارہ" (سرگ دوارہ مثل ہری دوارہ) بنائی۔ تقریباً ڈھائی تین سال (سنہ ۳۹۔۴۰۔۴۱ ھ / ۳۸۔۳۹۔۱۳۴۰ء) مقیم رہا۔ لب دریا کی خنک ہواؤں نے مزاج میں جو سکون پیدا کیا تو انسداد قحط کے لیے بہت بڑی بڑی اسکیمیں تیار ہونے لگیں اور امرائے دولت اس کے سرانجام دینے کے لیے مقرر ہوئے لیکن ایسی خیالی اسکیم کو کون عمل میں لا سکتا تھا۔ مثلاً ایک میل مربع زمین میں چار یا آٹھ کوئیں بنائے جائیں تو بھرپور سیراب ہوکر زمین کی قدرتی پیداوار پچاس ہزار من ہوگی، اور پھر اس کا خراج بطور عشر پانچ ہزار من سال کے آخر میں اس کی رقم خزانۂ عامرہ میں داخل ہونی چاہیے۔ کاشتکاروں کو بطور تقاوی پیشگی رقمیں بھی دی گئیں لیکن قحط کے سبب لوگ اس قدر حاجت مند تھے کہ ان رقموں کو کاشت میں لگانے کے بجائے اپنے اپنے مصرف میں لے آئے اور امرائے دولت جو ٹھیکہ لیتے تھے وہ چونکہ وقت پر عدم پیداوار کے سبب ادا نہ کرسکتے تھے اور مخلوق کی حیرانی اور مشکلات کو جان کر ظلم کرکے ان سے وصول نہ کرتے تھے۔ اس لیے جب خزانہ شاہی میں ٹیکس نہ داخل کرسکے تو سلطان نے ان کو نالائق تصور کیا اور غلطی سے سمجھا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر میرے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اس لیے سلطان نے خیال کیا کہ اگر چھوٹے درجے کے لوگوں کو بڑے عہدے دے کر اس کام پر لگایا جائے تو احسان مند ہونے کے سبب بڑے ہی فرمانبردار ہونگے۔ چنانچہ ایسے لوگوں سے بہت جگہیں پر

---

(۱۹) ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء بزمانہ لارڈ لارنس (۲۱) ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء بزمانہ لارڈ لٹن

(۲۰) ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء " " " (۲۲) ۱۵۔۱۳۱۴ھ / ۹۷۔۱۸۹۶ء " لارڈ ایلگن

اس فہرست کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سے انگریزی راج شروع ہوا ہے۔ قحط نے مستقل قیام گاہ ہند کو بنا لیا ہے۔ گویا ہر چیز کے انتظام کے ساتھ گورنمنٹ نے قحط کا بھی بندوبست کیا ہے کہ ہر دس بارہ برس پر ضرور آئے۔

(نوٹ صفحہ ہذا) لہ فرشتہ جلد اول مطبوعہ نول کشور

کی گئیں۔ جیسے عزیز خمار، بجنا مطرب، فیروز حجام، مکا طباخ، لدھا باغبان، شیخ بابو، نانک جولاہا، مقبل غلام وغیرہ۔ اور ملک کی بدقسمتی سے جہاں جہاں یہ لوگ گئے۔ رعایا پر سخت مظالم کیے، جو آخر تنگ آکر بغاوت پر آمادہ ہوگئی۔

دہلی اجاڑ کر دولت آباد جب آباد کیا جا رہا تھا تو حکم ہوا کہ امرا سلطنت اپنے مکانات وہاں بنائیں اور اہل و عیال کو بھیجیں۔ ملک بہرام ایبہ گورنر ملتان نے اس معاملہ میں تساہلی برتی۔ اس لیے خصوصیت سے بادشاہ کا ایک کارکن علی نامی اس کام کے لیے متعین ہو کر ملتان پہنچا اور بادشاہ کا حکم سنایا اور اس کی فوری تعمیل چاہی اور مغرورانہ طریقہ سے سختی برتی۔ بہرام کا داماد برداشت نہ کر سکا۔ آخر انجام کر علی مار ڈالا گیا اور پھر بہرام بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ دہلی سے فوج لے کر سلطان خود پہنچا۔ باہم جنگ ہو کر بادشاہ کی فتح ہوئی، بہرام مارا گیا اور قوام الملک کو اس کی جگہ حاکم مقرر کر کے واپس آیا۔ اور بہزاد نامی شخص اس کا نائب مقرر ہوا ۷۴۲ھ ۱۳۴۱ء شاہو افغان نے بہزاد کو مار ڈالا اور قوام الملک شکست کھا کر دہلی بھاگا۔ بادشاہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ملتان روانہ ہوا، جب قریب ملتان پہنچا تو شاہو افغان اپنی غلطی کا اقرار کر کے ملتان چھوڑ افغانستان روانہ ہوگیا۔ بادشاہ اس سے برافروختہ ہوا، اور نامعقول مشیروں نے یہ خیال دلایا کہ ملک میں بےچینی اور بغاوت کے اصلی سرچشمہ یہی افغان لوگ ہیں۔ سلطان محمد بھی اس کو صحیح خیال کر کے اس قوم سے بدظن ہوگیا اور ان کی تباہی کے درپے ہوا۔ اس وقت تک دکن اور گجرات میں امن تھا، جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ دونوں جگہوں میں دو لائق گورنر متعین تھے۔ جو ایک طرف بادشاہ کے وفادار تھے اور دوسری طرف رعایا کے بہی خواہ۔ اور اسی لیے دونوں مقاموں میں کوئی عام فتنہ نہیں ہوا۔ اور دکن میں جو چند شخصی فتنے برپا ہوئے وہ جلد سے جلد بآسانی فرو کر دیے گئے۔ گجرات میں الپ خاں شرف الملک تھا اور دکن میں قتلغ خاں استاد سلطان محمد تغلق۔

سلطان محمد کے نالائق مشیروں نے بادشاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ دکن کی آمدنی

خزانہ میں کم آتی ہے اگر کوئی اچھا گورنر مقرر کیا جائے تو آمدنی میں اضافہ ہو سکتا ہے چنانچہ ۷۴۴ھ میں بادشاہ نے قتلغ خاں کو معزول کر کے دہلی بلا لیا اور نظام الدین المخاطب بہ عالم الملک جیسے ناتجربہ کار شخص کو بھڑوچ سے قتلغ خاں کی جگہ روانہ کیا۔ جہاں اس نے اپنا انتظام شروع کیا ساتھ ہی دکن کا نیا انتظام یہ کیا کہ اس کو چار حصوں پر تقسیم کر کے چار آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ ملک سرداوند مخلص الملک، یوسف بغرا، عزیز خمار۔ رعایا قتلغ خاں جیسے لائق شخص کی معزولی سے بددل ہو گئی تھی کہاں چار حاکموں کی فرعونیت نے بیحد پریشان کر ڈالا۔ اور چونکہ بادشاہ افغانوں سے بیحد کبیدہ خاطر تھا اور ان کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتا تھا اس لیے ان حاکموں نے افغانوں کی خانہ بربادی پر کمر باندھی اور ۷۴۴ھ ۱۳۴۳ء میں ملک عزیز خمار جس کو علاقہ دھار[1] کے علاوہ باقی تمام مالوہ بھی سپرد کیا گیا تھا بوقت رخصت سلطان نے فرمایا کہ اے عزیز! سننے میں آتا ہے کہ ملک میں جو فتنہ برپا ہوتا ہے اس کے بانی امیران صدہ[2] ہوتے ہیں، اور لوٹ مار کے شوق سے دوسرے

[1] آئین اکبری میں ہے کہ دھار راجہ بھوج کا پایۂ تخت تھا۔ یہاں انگور دو دفعہ پھل دیتا ہے۔ پہلا پھل شیریں ہوتا ہے۔ پہلے پواروں کا پایۂ تخت اجین تھا لیکن راجہ بھوج نے تبدیل کر دیا۔ ۸۰۵ء کے قریب پواروں کا خاندان ضعیف ہو گیا اور دکن پونہ کی طرف چلا گیا۔ مسلمانوں کے عہد میں مالوہ کا پایۂ تخت دھار تھا۔ پھر منڈو مقرر ہوا۔ اس وقت دھار ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ شہر کی آبادی سولہ سترہ ہزار کی ہے۔ مؤ اور بڑودہ کی سڑک پر مؤ سے تینتیس میل مغرب کی جانب اور بڑودہ سے ۱۸۲ میل مشرق کی طرف ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں یہ شہر بہت بڑا تھا اب سنگ سرخ کی دو مسجدیں مرمت طلب حالت میں موجود ہیں۔

ابن بطوطہ اپنا چشم دید حال لکھتا ہے کہ یہ مالوہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ زراعت اس ملک میں بہت ہوتی ہے۔ خصوصاً گیہوں کی پیداوار اس ملک میں بکثرت ہے۔ یہاں سے پان دہلی تک جاتے ہیں جو یہاں سے چوبیس منزل ہے۔ تمام سڑک پر پتھر کے ستون نصب ہیں۔ جن پر فاصلہ کندہ ہے۔ یہ شہر شیخ ابراہیم مالدیپی کی جاگیر میں ہے۔ یہاں کا خربزہ نہایت شیریں ہوتا ہے۔ ایک ٹیلہ پر ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے جہاں سے مسافروں کو دونوں وقت کھانا ملتا ہے۔ (جلد دوم باب)

[2] مرأۃ محمدی صفحہ ۱۴۱ میں ہے کہ امیران صدہ جن کو فارس صاحب نے غلطی سے امیران جدیدہ لکھا ہے اس کی اصل یہ ہے کہ ترم شیریں کا داماد امیر نوروز بہت لوگوں کو ساتھ لے کر ہند آیا۔ اور سلطان محمد تغلق کا ملازم ہو گیا ان میں سے جو لوگ ایک ہزار پر افسری کرتے تھے ان کو ہزارہ اور جو ایک سو پر تھے ان کو صدہ کہتے تھے۔ پس یہ امراء ہزارہ و صدہ ملک میں ہر جگہ پھیل گئے۔ اور آہستہ آہستہ طاقتور ہو گئے۔ مالوہ، گجرات اور دکن میں یہ لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ امیر صدہ کو ترکی میں یوز باشی بھی کہتے ہیں۔ (لغات کشوری)

لوگ شریک ہوکر ملک میں بدامنی پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے دھار میں جو لوگ اس قسم کے فتنہ پرداز ہوں ان کو دفع کرنے میں دریغ نہ کرنا۔ عزیز خمار جب دھار پہنچا اور انتظامات ملکی سے فارغ ہوا تو ایک دفعہ تقریباً اسی امیران صدہ جو معزز ترین قوم تھے دعوت طعام کے بہانے سے طلب کرکے سب کو قتل کر ڈالا۔ اور اس کی اطلاع سلطان محمد کو دی۔ سلطان اس خونریزی سے بہت خوش ہوا، اور خلعت نہ صرف خود بھیجا بلکہ دوسرے امراء سے بھی بھجوایا۔ جب یہ خبر گجرات، مالوہ دکن میں پھیلی کہ امیر صدہ (افغان) حکومت کی طرف سے صرف اس لیے قتل کیے جا رہے ہیں کہ وہ افغان ہیں تو اس سرے سے دوسرے سرے تک ایک عام بےچینی پیدا ہو گئی۔ مالوہ اور دھار کے امیران صدہ بھاگ بھاگ کر گجرات چلے آئے اور یہاں آپس میں مشورہ کرکے علم بغاوت بلند کیا۔ یہ واقعہ ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء کا ہے۔

ملک محمد شرف الملک الپ خاں

والی (ناظم) گجرات

۷۲۵ھ
۱۳۲۴ء

سلطان محمد تغلق نے تخت شاہنشاہی پر جلوس فرما کر اپنے میر عمارت احمد ایاز کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر وزیر اعظم بنایا اور ملک محمد شرالملک (بن قتلغ خاں) کو الپ خاں کا خطاب[1] دے کر گجرات کی گورنری[2] پر ممتاز کیا۔ ملک شہاب الدین کو ملک افتخار کا خطاب دے کر نوساری کا علاقہ جاگیر میں[3] دیا۔ ملک الحکما کو جس کی شادی ملک غازی تغلق کی سوتیلی لڑکی سے ہوئی تھی، بڑودہ میں جاگیر دی[4]۔ خود الپ خاں گورنر کی بھی جاگیر گجرات ہی کے علاقہ میں مقرر ہوئی[5]۔

---

[1] موضع مالن علاقہ پالن پور کے کتبہ سے جو ۷۲۶ھ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو الغ خاں کا بھی اس کو خطاب مل گیا تھا۔ [2] ضیاء برنی لفظ "والی" کا استعمال کرتا ہے، جو عربی لفظ ہے۔ اور آج کل کے گورنر کے معنی میں مستعمل ہے۔ [3] فرشتہ سے راس مالا میں غلطی سے ملک النجار لکھا گیا ہے۔

[4] ابن بطوطہ [5] فرشتہ

تاج الدین ابن الکولمی تاجر ترکستانی کو کھنبایت کا پورٹ کمشنر (شاہ بندر) بنایا[1]۔ کچھ دنوں کے بعد ملک مقبل کو نائب وزارت[2] یعنی نائب صوبہ دار بنا کر گجرات بھیجا اور بقول فرشتہ خواجہ جہاں

---

[1] ابن بطوطہ جلد دوم باب فصل ۱۷۔

[2] یہ بات بھی تحقیق کرنی ضرور ہے کہ وزارت یا نائب وزارت سے کیا مطلب ہے چونکہ عام طور پر لوگ وزیر کے معنی جو سمجھتے ہیں اس کا استعمال یہاں بھی کر دیتے ہیں۔ اور حالانکہ وہ مفہوم قطعی غلط ہے۔ اس لیے گجرات کی تاریخ میں خصوصاً عام لوگ ملک مقبل کی نسبت زیادہ تر اس لیے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ ملک مقبل احمد ایاز وزیر اعظم کا غلام تھا پس جب اس کو نائب وزیر کہا یا لکھا گیا تو لوگ سمجھے کہ احمد ایاز وزیر اعظم کا نائب اور خود وزیر اعظم گجرات کا ناظم تھا۔ غالباً اسی بنا پر مرآۃ محمدی میں احمد ایاز کا نام ناظموں میں شمار کرایا ہے لیکن جہاں تک میری تحقیقات کا دائرہ ہے اس سے میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ احمد ایاز گجرات کا کبھی ناظم ہوا ہی نہیں۔ ضیاء برنی کا ہم عصر ابن بطوطہ بھی اس معاملہ میں غلطی فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس نے بھی ملک مقبل کو نائب وزیر اعظم سمجھا ہے۔ فرشتہ نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ احمد ایاز کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر گجرات کا سپہ سالار کیا۔ مگر تمام دوسری تاریخیں اس واقعہ سے خاموش ہیں اور وزیر اعظم ہونے کی شاہد۔ دونوں کا اجتماع ممکن ہے مگر شواہد سے خالی ہے اور کسی تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ پس میرے خیال میں کرنل واٹسن نے ملک مقبل کے ساتھ نائب وزیر کا لفظ دیکھ کر قیاس سے خواجہ جہاں کو ناظم گجرات لکھ مارا۔ اسی طرح فرشتہ کا سپہ سالار لکھنا بھی میرے خیال میں غلط ہے۔ کیونکہ سپہ سالار کا عہدہ سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایسا چھوٹا عہدہ تھا کہ وزیر اعظم کے لیے کسی طرح موزوں نظر نہیں آتا۔ ابن بطوطہ کے ہم عصر شہاب الدین دمشقی نے اپنی کتاب مسالک الابصار جلد دوم میں حالات محمد تغلق کے لکھے ہیں اس میں عہدوں کی ترتیب اس طرح بتلائی ہے۔ خان، ملک، امیر، سپہ سالار، جند۔ پھر لکھتا ہے کہ بادشاہ کے دربار میں اسی (۸۰) خان ہیں اور نو لاکھ سوار ہیں۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ خان کے ماتحت دس ہزار فوج اور ملک کے ماتحت ایک ہزار فوج اور امیر کے ماتحت سو۔ اور سپہ سالار کے ماتحت اس سے بھی کم۔ خان کی تنخواہ دو لاکھ تنکہ کی جاگیر۔ اور ملک کی جاگیر پچاس ساٹھ ہزار تنکہ کی۔ امیر کی تیس چالیس ہزار تک اور سپہ سالار کی بیس ہزار کی جاگیر ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ باقی فوج کو نقد تنخواہ ملتی۔ پس خواجہ جہاں کو سپہ سالار کا عہدہ دینا کسی طرح عقل میں نہیں آتا۔ ضیاء برنی نے جو فہرست عہدہ داروں کی دی ہے وہاں خواجہ جہاں کے نام کے ساتھ "وزیر الملک" لکھا ہے۔ جس کی دوسری تاریخیں بھی مؤید ہیں۔ اسی فہرست میں گجرات کے عہدہ داروں کے مندرجہ ذیل نام درج کرتا ہے۔ شیخ زادہ معز الدین نائب گجرات۔ ملک شرف الملک الپ خاں والی گجرات، نظام الملک جونا بہادر نائب گجرات۔ البتہ ایک اور نام (باقی بر صفحہ ۳۷۷)

وزیر اعظم کو گجرات کا سپہ سالار بنایا۔ الپ خاں نے نہایت ہوشیاری اور بیدار مغزی سے صوبۂ گجرات کو پُرامن رکھا۔ ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۲۶ء میں سلطان محمد تغلق کا بھانجہ جس کو دکن میں ساگر کا حاکم بنایا

(بقیہ صفحہ ۳۷۶) تاریخ میں بجا مطرب بچہ کا لکھتا ہے اور ملک مقبل اور ملک مظفر کو نائب کر کے لکھا ہے، مگر خواجہ جہان کا نام کہیں نہیں ملتا۔ اس لیے یہ تو قطعی بات ہے کہ احمد ایاز خواجہ جہاں وزیر سلطان، گجرات کا گورنر کبھی نہیں ہوا۔ اور جن لوگوں نے ایسا سمجھا ہے ان کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ رہی یہ بحث کہ وزارت کے معنی کیا ہیں۔ تو ہر وہ شخص جس نے ضیا برنی کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے اس کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے۔ اور آسانی سے اس کا مطلب سمجھ سکتا ہے کہ ہر جگہ اس نے وزارت کے معنی نظامت کے لیے ہیں۔ چنانچہ قطب الدین خلجی کے متعلق لکھتا ہے "ملک وحید الدین قریشی را از گجرات در شہر طلبیدہ و تاج الملکی و نائب وزارت حضرت دہلی بہ ملک داد۔ شاید دہلی کے لفظ سے مغالطہ ہو۔ اس لیے دوسری عبارت پیش کرتا ہوں۔ اسی قطب الدین کے عہد کے واقعات لکھتا ہوا تحریر کرتا ہے۔ قطب الدین وزارت دیوگیر بہ ملک یک لکھی بندۂ علائی کہ سالہا نائب برید ممالک بود، حوالہ کرد (صفحہ ۳۹۰) دوسری جگہ ہے۔ وزارت دیوگیر بہ ملک عین الملک ...... و نیابت وزارت بہ صغیر الدین ابو رجا داد و در دیوگیر فرستاد صفحہ ۳۹۸۔ پھر ایک جگہ لکھتا ہے کہ وزارت دیوگیر بہ عماد الملک سر بر سلطانی و نیابت وزارت بہ دھار ... تعین فرمودہ۔ اس سے صاف طور پر واضح ہوگیا کہ وزارت و نائب وزارت کے معنی ناظم اور نائب ناظم کے ہیں۔ اگر ملک مقبل نائب وزیر تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نائب ناظم صوبۂ گجرات تھا۔ نہ کہ خواجہ جہاں وزیر اعظم کا نائب۔ اس کے علاوہ مورخین کو ایک اور غلط فہمی ہوئی ہے یعنی ملک مقبول اور ملک مقبل دونوں کو غلطی سے ایک سمجھا ہے۔ ملک مقبول نائب وزیر تھا۔ جیسا کہ ضیا برنی نے لکھا ہے اور فرشتہ میں بھی ہے کہ ملک مقبول کو عماد الملکی کا خطاب دے کر وزیر الممالک بنایا اور احمد ایاز کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر گجرات کا سپہ سالار کیا اور ملک مقبل کو خان جہاں کا خطاب دے کر گجرات کا وزیر کیا۔ پس فرشتہ نے جہاں احمد ایاز کو بجائے نائب وزیر کے وزیر کر دیا حالانکہ تمام تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ احمد ایاز وزیر الممالک تھا اور ملک مقبل نائب وزیر گجرات اس سے اس قدر تو معلوم ہوگیا کہ دونوں دو شخص ہیں۔ باقی عہدوں کا حال تو میں ثابت کر چکا ہوں کہ فرشتہ نے اس معاملہ میں غلطی کی ہے جیسا کہ ضیا برنی، ابن بطوطہ، طبقات اکبری، مسالک الابصار اور بدایونی سے ثابت ہے۔ البتہ ابن بطوطہ کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گجرات اور کھنبایت کسی وقت خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کی جاگیر میں تھے۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] بدایونی ج اول صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ کلکتہ۔ لیکن بدایونی کے نزدیک یہ بغاوت خود دہلی میں ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "ملک بہاء الدین گرشاسپ عارض لشکر در شہر دہلی خروج کردہ فتنہ انگیخت۔ ضیاء برنی اس کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ فرشتہ اور ابن بطوطہ دونوں ہم زبان ہیں کہ یہ واقعہ دکن کا ہے اس لیے عام اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ [۲] بقیہ ص ۳۷۸

تھا اپنے حالات کا اندازہ کر کے باغی ہوگیا۔ خواجہ جہاں احمد ایاز کو مع امرائے دہلی[1] اس کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اور ساتھ ہی الپ خاں کو بھی حکم ہوا کہ گجرات کی فوج اس مہم میں شریک ہو چنانچہ یہ فوج بھیجی گئی اور فتحیاب ہوئی۔ تقریباً ۷۴۰ھ ۱۳۳۹ء[2] تک اس نے گجرات پر حکومت کی اور اس کے عہد حکومت میں کوئی شورش، فساد رونما نہ ہوا، بلکہ نہایت امن رہا۔ حالانکہ انہی دنوں ہندوستان کا کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں بغاوت اور فساد نہ ہوا ہو[3]۔ اس کے عہد ۷۲۶ھ میں

(نوٹ صفحہ ۳۷۷) [1] ملک بہاءالدین گرشاسپ کو فرشتہ نے چچیرا بھائی لکھا ہے اور مرأۃ محمدی نے اس کی اتباع کی ہے۔ دراصل محمد تغلق کے باپ غیاث الدین تغلق کی بہن کا لڑکا ہے۔ چنانچہ برنی اور ابن بطوطہ نے اس کو صاف طور پر لکھا ہے فرشتہ نے بھی عمہ زاد لکھا ہوگا۔ جس کو کاتب نے غلطی سے عم زاد کر دیا اور پھر لوگوں نے اسی طرح نقل کرنا شروع کر دیا۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] خواجہ جہاں دہلی ہی سے دکن روانہ ہوا تھا نہ کہ گجرات سے اور گجرات سے جو کمک خواجہ جہاں کو بھیجی گئی تھی ٹھیک ویسی ہی تھی جیسی ملک کافور کو الپ خاں نے (دیول دیوی کے لیے علاءالدین کے عہد میں بھیجی تھی) اور مقبل اس وقت تک نائب وزیر گجرات نہ ہوا تھا جیسا کہ مرأۃ محمدی نے غلطی سے تحریر کیا ہے۔

[2] کوئی صاف اور صریح سنہ کسی تاریخ سے معلوم نہ ہو سکا۔ ابن بطوطہ، برنی، بدایونی اور فرشتہ وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں کشلو خاں، اودھ میں عین الملک، گجرات میں الپ خاں، دکن میں قتلغ خاں جیسے لائق گورنر جب تک رہے ملک میں امن و امان رہا۔ پھر ان میں سے جس جس صوبہ کا والی مارا یا معزول کیا گیا اس میں بغاوت رونما ہوئی۔ تاریخوں میں مذکور ہے کہ بادشاہ نے سورگ دوارہ میں قیام کر کے جو جو کام کیے ان میں سے ایک کام عمال کا عزل و نصب بھی تھا۔ اس جگہ بادشاہ کا قیام تحقیقات سے سنہ ۷۳۹، ۴۰، ۴۱ھ پتہ لگتا ہے۔ اور اسی سنہ میں قتلغ خاں عزل بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز دیکھتے ہیں۔ پس اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ غالباً ۷۴۰ھ تک الپ خاں گورنر رہا۔

[3] فرشتہ کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ معبر کی بغاوت فرو کر کے بیمار ہو کر دولت آباد اور وبا پھیل جانے سے نہروالہ پٹن (گجرات) چلا آیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ تین دفعہ گجرات آیا۔ پہلی دفعہ دولت آباد سے بیمار ہو کر، اور دوسری دفعہ دہلی سے بھڑوچ آیا۔ تاکہ امیران صدہ کی بغاوت رفع کرے۔ اور تیسری دفعہ دولت آباد سے بھڑوچ تاکہ ملک طغی کی بغاوت فرو کرے۔ فرشتہ کا بیان اگر صحیح مان لیا جائے حالانکہ کسی دوسری تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ تو ماننا پڑیگا کہ سلطان کی پہلی آمد گجرات الپ خاں کے عہد میں ہوئی۔ اور غالباً الپ خاں کے انتظامات سے وہ خوش تھا۔

بمقام موضع مالن علاقہ پالن پور میں ایک جامع مسجد سنگ سفید سے تیار کی گئی جو دو منزلہ منگرول کی جامع مسجد کے طرز کی تھی۔ اس کے ساتھ مالون کا قلعہ بھی تعمیر ہوا۔ اس کا کتبہ پڑھا نہیں جاتا لیکن جو کچھ پڑھا گیا ہے درج ذیل ہے۔

مبنا کردہ مسجد جامع ۔ باکوہ حصار مالون ۔ خان الاعظم الغ خاں اطال اللہ عمرہ بالعلا والجود والاحسان ۔ بفرمائش تھانے دار کبیر ضیا و (ملک ضیاء) عمارت مرتب کردہ متعلق الغ خاں جوانمرد، عادل، سخی، شجاع چوں تھانے دار ۔ بگفت شیخ محمود تواریخ بنوشت یادگار تو ماند در جہاں ۔ بتاریخ یکشنبہ پنجم ماہ رجب ۷۲۶ھ ہفت صد بست و شش سال بُد اندازآں۔

ملک بجبانا ناظم گجرات

ملک مقبل تلنگی نائب ناظم ۷۴۲ھ ۱۳۳۹ء

ملک مقبل تلنگی نائب ناظم[1] جس کا اصلی نام کنّو ہے دراصل نومسلم ہے۔ اس سے پہلے ملتان میں رہ چکا تھا۔ اس کو قوام الملک کا خطاب تھا۔ اب خان جہاں سے ملقب کر کے گجرات بھیجا۔

---

[1] ناظم گجرات کے نام کے متعلق تاریخوں میں اختلاف ہے۔ مرأۃ احمدی کے اُردو ترجمہ مطبوعہ بمبئی میں "بجتاور" درج ہے اور اصل فارسی مطبوعہ بمبئی میں "بجتبار" لکھا ہے۔ طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۱۵۔ اور مطبوعہ نول کشور صفحہ ۸۰۔ میں "بجنا" (ب ج ن ا) تحریر ہے۔ ضیاء برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۵۰۵ میں "نجبا" (ن ج ب ا) بتاتا ہے۔ فرشتہ میں بھی قریب قریب یہی ہے یعنی "نجیان" (ن ج ی ا ن) میرے نزدیک بجتیار اور بجتاور دونوں غلط ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں نام شریفوں کے نام ہو سکتے ہیں۔ اور مورخین متفق ہیں کہ یہ شخص اراذل میں سے مطرب بچہ (یعنی دھاڑی) تھا۔ ان کے ساتھی جو سرفراز کیے گئے تھے ان کے نام بھی سن لیجیے۔ لدھا باغبان، نانک جولاہے کا لڑکا شیخ بابو، پیرا مالی۔ مکّا طباخ۔ کنّو غلام جو بعد کو ملک مقبل ہوا۔ عزیز خمار، فیروز حجام۔ ضیاء برنی نجبا لکھتا ہے اور فرشتہ نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے۔ طبقات اکبری میں تحریف نقاط کے سبب "بجنا" ہو گیا۔ ورنہ اس نے بھی غالباً یہی لکھا تھا۔ اور فرشتہ کی نسبت بھی میرا یہی خیال ہے۔ اس لیے اسی کو صحیح سمجھ کر متن میں درج کیا ہے۔ ملک مقبل کے متعلق تو عام تاریخیں (باقی بر صفحہ ۳۸۰)

ان دونوں کے تقرر سے گجرات کے بڑے بڑے شرفاء اور اعلیٰ طبقے کے لوگ ناراض ہو گئے اور اس کی ماتحتی کو ایک ناگوار فرض سمجھنے لگے۔ چنانچہ تاج الدین ابن الکولمی ایک ترکستانی تاجر تھا جو ترکستان مصر، ہند، سیلون، مدراس سے تجارت کرتا تھا۔ جب وہ مصر کے مشہور بندرگاہ اسکندریہ میں مقیم تھا تو ایک بڑا عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ ایک دفعہ ترکستان سے بہت قیمتی تحفے جن میں غلام، اونٹ اور کپڑے اور ہتھیار وغیرہ شامل تھے بادشاہ کے لیے کر آیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس کو بارہ لاکھ اشرفی (دینار) عنایت کیے۔ حالانکہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے تحفے ایک لاکھ سے زیادہ کے نہ تھے۔ بادشاہ نے اس کو کھنبایت کا حاکم مقرر کیا وہ علاقہ ملک مقبل نائب وزیر (نائب صوبدار) کے ماتحت تھا۔ ابن الکولمی کھنبایت پہنچا اور وہاں سے معبر (مدراس) اور سیلون (لنکا) میں

متفق ہیں کہ یہ شخص خواجہ جہاں احمد ایاز وزیر الممالک کا غلام ہے جس کو خان جہاں کا خطاب محمد تغلق نے دیا تھا اور ابھی ثابت کر آیا ہوں کہ ملک مقبول اور ملک مقبل دو الگ شخص ہیں۔ اب صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ شخص کس عہدہ پر گجرات آیا تھا تو ابن بطوطہ، برنی، بدایونی، مرآۃ احمدی نائب وزیر گجرات لکھتے ہیں۔ طبقات اکبری میں نائب گجرات تحریر ہے اور فرشتہ نے وزیر گجرات بتایا ہے۔ میں پچھلے حاشیہ میں تحریر کر آیا ہوں کہ وزیر اور نائب وزیر کے معنی ناظم اور نائب ناظم کے ہیں۔ نائب گجرات کے معنی بھی ناظم کے ہیں جیسا کہ ضیاء برنی اور دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ عام تاریخوں سے یہ بات مسلم ہے کہ ملک بجبا کو ناظم گجرات بنایا تھا اور گجرات کی بغاوت کے وقت ملک مقبل نائب وزیر تھا۔ اس لیے وزیر گجرات یا نائب ناظم گجرات ملک مقبل غلام احمد ایاز کبھی نہیں ہوا۔ واقعات اور سنین کی ترتیب سے یہی بات محقق نظر آتی ہے۔ کہ ملک بجبا ناظم اور ملک مقبل نائب ناظم تھا۔ ابن بطوطہ کھنبایت کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ملک مقبل تلنگی وہاں کا حاکم تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک مقبل بحیثیت ایک غلام تلنگانہ سے لایا گیا اور پھر رفتہ رفتہ اس قدر عروج حاصل کیا کہ گجرات جیسا زرخیز خطہ اس کے سپرد کیا گیا۔ مولوی ذکاء اللہ اپنی تاریخ ہند جلد چہارم صفحہ ۱۵۸ میں لکھتے ہیں کہ ملک مقبل بیس برس بعد گجرات کا حاکم مقرر ہوا اس حساب سے ۷۴۴ھ ہوتا ہے۔ لیکن میری تحقیق یہی ہے کہ ۷۴۰ھ میں ہوا۔ ابن بطوطہ جب ۷۴۳ھ میں کھنبایت پہنچا ہے تو ملک مقبل نے اس کی دعوت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ۷۴۳ھ سے پہلے وہ حاکم بن کر آچکا تھا۔

جہاز بھیجنے شروع کر دیے اور اس کے پاس عجیب عجیب چیزیں جہازوں میں آتی تھیں اور اس طرح وہ بہت بڑا مالدار ہوگیا۔ جب ملک مقبل حاکم ہوا اور اس نے زر محصول (خراج) طلب کیا تو قدرتی طور پر ابن الکولمی کو ناگوار ہوا کہ ادنیٰ درجہ کا آدمی آج ہم سے حاکمانہ انداز سے بات کرتا ہے۔ ابن الکولمی نے انکار کیا۔ اور کہا کہ یہ محصول میں خود لے کر وہاں (دہلی) دونگا۔ ملک مقبل نے وزیر خواجہ جہاں کو اس سے آگاہ کیا۔ وزیر نے جواب دیا کہ اگر تم سے علاقہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تو مستعفی ہو جاؤ۔ ملک مقبل نے سامان جنگ مہیا کر کے لڑائی شروع کر دی۔ ابن الکولمی کو شکست ہوئی اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ خصوصاً ابن کولمی کے اکثر افسر قتل کیے گئے۔ اختتام جنگ پر ملک مقبل نے کہلا بھیجا کہ اگر تو خراج اور تحائف بادشاہ ارسال کر دے تو میں تجھے امان دیتا ہوں۔ ابن کولمی نے منظور کر لیا۔ اور سب چیزیں ملک مقبل کے پاس بھیج دیں۔ اور بادشاہ کے پاس ملک مقبل کی شکایت تحریر کی۔ ملک مقبل نے بھی سب حالات لکھ بھیجے۔ بادشاہ نے ملک الحکماء کو منصف قرار دے کر فیصلہ کا حکم دیا۔ ابھی اس کا کچھ فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ بادشاہ کا حکم امیران صدہ کی گرفتاری کے متعلق آیا۔ ملک مقبل نے ملک الحکماء کو حکم دیا کہ کھنبایت جا کر قاضی جلال اور دیگر امیران صدہ کو کسی حیلہ سے لے کر آئے۔ ملک الحکماء قاضی جلال سے ملا۔ اور طلب شاہی کا اس کو حکم سنایا۔ اور چونکہ وہ دونوں ہموطن تھے اس لیے حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا۔ قاضی جلال بمشورہ ملک الحکماء تین سو زرہ پوش ہمراہیوں کے ساتھ ملک مقبل کے پاس آیا۔ ملک مقبل نے دیکھا کہ اس وقت ان کی گرفتاری مشکل ہے، اس لیے حکم دیا کہ تم بے خوف وخطر واپس چلے جاؤ۔ اسی درمیان مالوہ اور دھار کے امیران صدہ بھاگ کر گجرات آئے اور بڑودہ و ڈبھوئی کے ہم قوموں سے مل کر مشورہ کیا اور طے پایا کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ چنانچہ بڑودہ اور ڈبھوئی کے امیران صدہ نے اپنا جتھا تیار کر لیا۔ ملک مقبل گجرات کا خراج معہ تحائف لے کر دہلی جا رہا تھا اور شاید بدامنی کے سبب آبو کا راستہ چھوڑ کر بڑودہ اور ڈبھوئی کی طرف سے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کہیں اس کی خبر امیران صدہ کو لگ گئی اور انہوں نے اس کو غنیمت سمجھ کر موقع کو ہاتھ

سے جانے نہ دیا اور اچانک ملک مقبل پر آپڑے۔ مقبل مقابلہ نہ کر سکا اور نہر والہ بھاگ گیا۔ تمام خزانہ مع تحائف سلطانی پر امیرانِ صدہ نے قبضہ کیا۔ اسی کے ساتھ ابن الکولمی اور دیگر تجار کا مال بھی لٹ گیا۔ ابن کولمی بھاگ کر کھنبایت چلا گیا۔ ملک مقبل نے اس کی خبر دہلی سلطان محمد تغلق کو پہنچائی۔ آخر رمضان ۷۴۵ھ ۱۳۴۴ء میں سلطان نے یہ خبر پاکر بنفس خود گجرات پہنچ کر اس بغاوت کو فرو کرنا چاہا لیکن ارکان دولت اس رائے سے متفق نہ تھے چنانچہ قتلغ خاں نے جو استادِ شہ بھی تھا مورخ ضیاء برنی کی معرفت کہلا بھیجا کہ حضور خود بدولت ایسے معمولی فساد کے سبب گجرات جانے کا بندوبست نہ فرمائیں۔ یہ ایک معمولی شورش ہے حضور اجازت دیں تو بندہ چند روز میں اس آتش فساد کو فرو کر سکتا ہے۔ لیکن سلطان نے اس مخلص کی صلاح نہ مانی اور تیاری کا حکم دے دیا۔ عزیز خمار کو جب معلوم ہوا کہ میران صدہ فرار ہو کر گجرات پہنچے اور وہاں لوٹ مار میں مصروف ہیں اور ملک مقبل کو شکست بھی مل چکی ہے تو ملک جہان سنبل کے ساتھ سات ہزار فوج لے کر گجرات روانہ ہوا تاکہ ملک مقبل کی مدد کر کے اس بغاوت کو فرو کرے اور اس کی اطلاع بادشاہ کو دے دی۔ بادشاہ یہ خبر سُن کر گھبرایا اور کہا کہ عزیز خمار طریقہ جنگ سے ناواقف ہے کہیں وہ مارا نہ جائے۔ اس لیے خود جلد مجھے پہنچنا چاہیے۔[۱]

شیخ معز الملک معز الدین بن علاء الدین بن شیخ بدر الدین سلیمان بن شیخ الاسلامؒ اجودھیائی ناظم

ملک مظفر نائب ناظم گجرات رمضان ۷۴۵ھ

ابھی ملک مقبل کی شکست کی خبر نہیں آئی تھی کہ شیخ معز الدین کو گجرات کا ناظم مقرر کر دیا گیا اور اب جبکہ خود بادشاہ گجرات جانے کے لیے تیار ہوا تو حکم دیا کہ تین لاکھ ٹنکہ تیاری لشکر کے لیے شیخ موصوف کو دیا جائے۔ تاکہ دو تین دن میں ایک ہزار لشکر مرتب کر کے سلطان کے ساتھ روانہ ہو ادھر عزیز

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم (فساد گجرات) [۲] ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۵۳ طبع آگرہ

خار فوج لے کر گجرات پہنچ گیا۔ امیرانِ صدہ نے بھی ان کا مقابلہ ضروری سمجھا۔ قاضی جلال جو ملک مقبل سے مل کر واپس آیا تو ڈبھوئی اور بڑودہ کے امیرانِ صدہ کا حال معلوم کرکے باہمت بن گیا۔ کھنبایت کا سرکاری خزانہ زیر تصرف لایا اور پھر عام طور پر کھنبایت کو لوٹ لیا۔ اسی بلوہ میں ابن کولمی تاجر اور شیخ الشیوخ رکن الدین قاصد خلیفہ عباسی مصر بھی لٹ گئے اور دونوں بھاگ کر دہلی پہنچے۔ شیخ الشیوخ صاحب بادشاہ کے دربار میں جب حاضر ہوئے تو سلطان نے مسکرا کر کہا کہ "آمدی کہ زر بری و با صنم دلربا بخوری زر نہ بری و سر نہی" پھر کہا کہ خاطر جمع رکھو میں دشمنوں سے بدلہ لونگا اور ان شاء اللہ دو چند سہ چند دونگا۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ جب میں ہندوستان سے چل پڑا تو مجھے معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا[۱]۔ اب بغاوت کھنبایت سے لے کر بڑودہ اور ڈبھوئی سے نہروالہ تک پھیل گئی۔ امیرانِ صدہ گھوڑے، اسلحہ، زر و مال حاصل کرکے طاقتور ہو گئے۔ ادھر ادھر کے اوباش بھی فوجوں میں بھرتی ہو کر اضافہ تعداد کرتے رہے۔ غرض عزیز خمار سے جس وقت ان امیران صدہ نے مقابلہ کیا تو ان کی حالت اچھی اور پوزیشن مضبوط تھی اور افسر بھی تجربہ کار تھے۔ بخلاف عزیز خمار کے کہ وہ مردانہ ضرور تھا مگر مرد میدان نہ تھا۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی اور عزیز خمار دشمنوں میں گھر گیا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور بدحواس ہو کر زین سے زمین پر آ رہا۔ امیران صدہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور بری طرح سے اس کو قتل کیا۔ شاہی فوج نے شکست کھائی اور منتشر ہو گئی۔ بادشاہ دہلی سے پندرہ کوس دور بمقام سلطان پور مقیم تھا کہ عزیز خمار کی عرضی آئی تھی۔ سلطان ابھی اس فکر میں تھا کہ اس کی موت کی خبر آئی آخری رمضان ۷۴۵ھ میں جبکہ بادشاہ اسی جگہ مقیم تھا اس خبر نے اس کو بیحد پریشان کر ڈالا۔ معزالدین کو آگے روانہ کیا اور خود متواتر کوچ کرکے سرحد گجرات میں پہنچا، معزالدین کو معہ تمام اسٹاف (عملہ) کے نہروالہ جانے کا حکم دیا۔ اور خود معہ لشکر کے کوہ آبو کی طرف چلا اور نہروالہ کو بائیں طرف چھوڑ دیا۔ اس طرح امیران صدہ کو یہ خیال رہا کہ بادشاہ

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم فساد گجرات۔

بھی نہروالہ ہی میں ہوگا۔ حالانکہ اس راستے سے وہ بڑودہ، اور ڈبھوئی پہنچ کر ان کے مقابل آگیا۔
سلطان نے ایک سردار[1] کو لشکر کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کو روانہ کیا۔ جب یہ لشکر ڈبھوئی پہنچا
تو جنگ شروع ہوگئی اور طرفین نے دادِ مردانگی دی۔ مگر آخر کار امیرانِ صدہ کو شکست ہوئی،
قاضی جلال جو باغیوں کا راہبر تھا مع رفقا کے اہل و عیال کو لے کر کھنبایت کی طرف روانہ
ہوگیا[2]۔ بادشاہ جب بھروچ پہنچا تو ملک مقبول نائب وزیر الممالک کو ان کے تعاقب کا حکم دیا

---

[1] یہ واقعہ میں نے ضیاء برنی سے لیا ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ معز الدین کو آبو سے ہی مع لشکر کے ڈبھوئی مقابلہ کے لیے بھیجا۔ ڈبھوئی میں ملک مقبل خان جہاں بھی اس کو مل گیا۔ دونوں نے مل کر باغیوں کو شکست دی۔ لیکن اس کی تعداد کسی دوسری تاریخ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ طبقات اکبری برنی کی مؤید ہے۔ بدایونی بھی قریب قریب یہی لکھتا ہے۔

[2] ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بادشاہ کو جب کھنبایت کا حال معلوم ہوا تو خود اس طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور اس سے پہلے ملک اعظم بایزیدی کو جو سلطان کا داماد تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ روانہ کردیا۔ قاضی جلال کے لشکر میں ایک شخص "جلول" نامی بڑا بہادر تھا۔ وہ دشمنوں پر حملہ آور ہوکر بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالتا تھا۔ وہ اپنے مقابلہ کے لیے لوگوں کو بلاتا تھا۔ مگر کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک دفعہ اس کا گھوڑا اتفاقیہ مع اس کے ایک غار میں گر پڑا۔ جلول گھوڑے سے گر پڑا اور لوگوں نے اس کو قتل کردیا۔ اس کے بدن میں دو زرہیں تھیں۔ اس کا سر بادشاہ کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس کا بدن شہر بڑودہ کی فصیل پر لٹکا دیا۔ پھر آگے چل کر کھنبایت کے حال میں لکھتا ہے کہ شمس الدین کلاہ دوز کا گھر بھی بہت بڑا ہے۔ جب قاضی جلال کی بغاوت واقع ہوئی تو اس شمس الدین نے اور ناخدا الیاس نے (جو پہلے اس ملک کا ہندو تھا) اور ملک الحکماء نے اس شہر میں پناہ لی اور شہر کے گرد خندق کھودنی شروع کی کیونکہ فصیل نہ تھی۔ جب اُن کو ہزیمت ہوئی اور بادشاہی لشکر شہر میں داخل ہوا تو یہ تینوں ایک گھر میں جا گھسے اور گرفتاری سے ڈر کر ارادہ کیا کہ ایک دوسرے کو کٹار سے مار ڈالے۔ ان میں سے دو تو مر گئے اور ملک الحکماء نہ مرا۔ ملک الحکماء کی شرکتِ بغاوت کا سبب یہ لکھا ہے کہ اس شہر میں نجم الدین جیلانی ایک مقبول صورت بڑا مالدار تاجر تھا۔ ایک بڑا مکان اور مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ بادشاہ نے اس کو کھنبایت کا حاکم مقرر کردیا طبل و علم بھی اس کو بخش دیا۔ ملک الحکماء اس سے ناراض ہوکر باغی ہوگیا۔ ابن بطوطہ کے بیان سے جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ غالباً ابن الکولمی کے لٹ جانے پر ملک الحکماء کو اس جگہ کا حاکم بنانے کا ارادہ کیا گیا ہوگا، لیکن کسی مصلحت سے یہ تجویز عمل میں نہ لائی گئی جس سے ملک الحکماء ناراض ہوا اور باغیوں کے ساتھ مل کر اپنے کو تباہ و برباد کیا۔ حالانکہ اپنی جاگیر بڑودہ پر صبر و قناعت کرتا تو عیش سے زندگی بسر کرتا۔ پھر لکھتا ہے کہ اس شہر میں قاضی ناصر (باقی بر ص ۳۸۵)

اور اسرا، دہلی و امیران صدہ بھروچ کے ان کے ساتھ کر دیے۔ ملک مقبول دریائے نربدا کے کنارے ان باغیوں پر جا پڑا ان میں سے بہت مارے گئے اور اُن کے اہل و عیال گرفتار کر لیے گئے۔ اور کچھ لوگ گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر کوہ سالیر اور مالیر کے حاکم کے پاس گئے۔ مان دیو حاکم مذکور نے ان کو قید کر لیا اور ان کا تمام اثاثہ مع جواہرات وغیرہ کے ان سے چھین لیا۔ ملک مقبول نے پھر کچھ روز توقف کر کے بھروچ کے امیرانِ صدہ کو بہ یک وقت بموجب حکم سلطانی قتل کر ڈالا اور ان میں سے جو بچ گئے وہ سب دکن روانہ ہو گئے اور کچھ لوگوں نے گجرات کے غیر مسلم حاکموں کے یہاں پناہ لی۔ سلطان محمد تغلق نے بھروچ پہنچ کر کچھ دنوں توقف کیا اور مالگزاری جو کئی برسوں سے واجب الادا تھی وصول کرنے میں مصروف ہوا۔ بھروچ کھنبایت بلکہ تمام گجرات میں اپنے کارندے بھیج کر تحصیل زر کا کام بڑی تیزی سے شروع کیا۔ اسی کے ساتھ بھروچ اور کھنبایت میں جن لوگوں نے حکام اعلیٰ کے ساتھ بدسلوکی کی تھی یا باغیوں کو کسی قسم کی مدد دی تھی چن چن کر اُن کو قتل کیا۔ چنانچہ شیخ حیدری[1] کا قتل بھی اسی ضمن میں ہوا۔ شیخ علی حیدری کھنبایت میں رہتے تھے۔ ان کی بزرگی کا شہرہ دور دور تھا۔ سوداگر عموماً سمندر میں ان کے نام کی نذریں مانتے تھے اور جب ان کے سامنے آتے تھے تو اُس کو سلام کرتے تھے اور شیخ مکاشفہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۴) جو دیار بکر کے رہنے والے ہیں بڑے نیک مرد ہیں۔ وہ جامع مسجد کے ایک حجرہ میں رہتے ہیں۔ جب قاضی جلال نے بغاوت کی تو اس بزرگ کی خدمت میں بھی وہ حاضر ہوا۔ بادشاہ سے کسی نے ذکر کر دیا کہ قاضی جلال کے لیے انہوں نے بھی دعا کی تھی۔ اس لیے بادشاہ (بادشاہی فوج) کے آتے ہی اس خوف سے بھاگ گئے کہ کہیں ان کے ساتھ بھی حیدری جیسا سلوک نہ ہو۔ جس کو بادشاہ نے بڑی تکلیف دے کر قتل کیا تھا۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] ابن بطوطہ نے جلد اول میں شہر سادہ کی نسبت لکھا ہے کہ فرقہ حیدری کے بانی شیخ قطب الدین حیدر اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ ان بزرگ کا حال اور کچھ تو ملتا نہیں البتہ "دی تاسی" ایک فرنچ مورخ نے شیخ حیدر خراسانی کی بابت لکھا ہے کہ وہ درویشوں کے ایک فرقہ کے بانی ہیں اور بھنگ کے استعمال کے موجد ہیں۔ اس نے شیخ کا پورا نام اس طرح لکھا ہے۔ الشیخ الحیدر الادیب محمد بن الاعمیٰ دمشقی۔ افسوس ہے کہ اس فرقہ کے لوگ عموماً مذہب سے بیگانہ ہوتے ہیں اور عوام کے رجحان کے لیے کوئی مافوق الفطرت کام کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حیدری فرقہ کے لوگ جلتی آگ میں کود جاتے ہیں (حاشیہ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۸ مطبوعہ لاہور)

سے اکثر حالات اس کو بتلادیا کرتے تھے۔ بعض اوقات کوئی تاجر بڑی نذر مانتا اور پھر شیخ کے سامنے اس سے کم نذر رکھتا تو شیخ اس کو آگاہ کردیتے۔ غرض اس غیب دانی کے ادعا سے نہ صرف یہ کہ دور و نزدیک ہر جگہ شہرت ہوگئی تھی بلکہ لوگ مرعوب بھی تھے۔ قاضی جلال نے کھنبایت میں جب بغاوت کی تو غالباً تبرکاً وہ شیخ کے پاس بھی آیا۔ یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچی کہ شیخ نے قاضی جلال کے لیے دعا کی ہے اور اپنے سر کی کلاہ اس کو بخشی ہے۔ اور یہ بھی خبر پہنچی کہ شیخ حیدری نے قاضی جلال کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ قاضی کی شکست کے بعد بادشاہ نے شرف الملک امیر بخت کو کھنبایت میں ٹھہرنے کا حکم دیا تاکہ تمام باغیوں کا پتہ لگا کر ان کا تدارک کرے۔ کچھ فقیہ بھی اُن کے ساتھ کردیے تاکہ ان کے فتوؤں کے موافق عمل درآمد ہو۔ شرف الملک نے شیخ کو بُلا کر تحقیقات کی تو یہ ثابت ہوگیا کہ اس نے پگڑی (کلاہ) دی تھی اور دعا بھی کی تھی۔ فقہا نے شیخ کے قتل کا فتویٰ دیا۔ لیکن جب جلاد نے تلوار چلائی تو اس پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اس کرامت کو دیکھ کر اب اس کو رہا کردیا جائیگا، مگر شرف الملک نے دوسرے جلاد کو حکم دیا جس نے فوراً سر اُڑا دیا۔ گجرات کی بغاوت اب ختم ہوچکی تھی اور ہر طرف امن و امان نظر آرہا تھا۔ باغی منتشر ہوکر بہ حالت پریشانی دور دراز مقام میں پہنچ گیے تھے۔ سلطان محمد تغلق بھڑوچ میں مقیم تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب معاملہ رفع دفع ہوگیا کہ اسی اثنا میں سلطان نے زین بندہ جس کا لقب مجد الملک تھا اور پسر رکن الدین تھانیسری کو حکم دیا کہ دیوگڑھ (دولت آباد) جاکر تمام فسادی امیرانِ صدہ کا خاتمہ کردو۔ ان لوگوں کے روانہ ہونے کے بعد پھر کچھ خیال کرکے دو نامور[1] امیروں کو قتلغ خاں کے بھائی نظام الدین مخاطب بہ عالم الملک کے پاس بھیج کر یہ فرمان دیا کہ دکن کے تمام مشہور امیرانِ صدہ کو ڈیڑھ ہزار سواروں کی حفاظت میں بھڑوچ روانہ کردو۔ چنانچہ مولانا نظام الدین نے حسب الحکم ان دونوں امرا کے ساتھ ان سب کو بھڑوچ روانہ کردیا۔ جب یہ لوگ اول منزل پر پہنچے تو قدرتاً یہ خیال ان کے دل میں آیا کہ آخر ہم

---

[1] ملک علی سرجاندار۔ ملک احمد لاچین (عزیز امیر خسرو) جو افسوس ہے کہ اسی واقعہ میں قتل ہوئے

سب لوگوں کو کیوں طلب کیا ہے۔ بعض قرائن اور امیرانِ صدہ کے متعلق شنیدہ واقعات سے ان لوگوں نے نتیجہ نکالا کہ ضرور سلطان کا منشا ہم لوگوں کا قتل ہے۔ پس ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ جب مرنا ہی ہے تو کیوں بھیڑ بکریوں کی طرح مریں۔ بہتر یہ ہے کہ ایک جنگ ضرور کر کے قسمت آزمائی کی جائے۔ چنانچہ اس مشورہ پر عمل کر کے بغاوت اختیار کی اور دونوں سرداروں کو مار ڈالا۔ اور دولت آباد واپس آ کر مولانا نظام کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور بقیہ جس قدر حکام سرکاری تھے۔ ان کو گرفتار کر کے جو موافق بن سکے اپنے ساتھ ملا لیا بقیہ کو قتل کر ڈالا۔ اور بالائے قلعہ دھاراگیر (دھاراگڑھ) سے خزانہ سرکاری کو تصرف میں لائے اور اسماعیل مخ افغان برادر ملک یل افغان جو امیرانِ صدہ میں سے زیادہ ہوشمند تھا اس کو سردار بنا کر تخت نشین کیا اور نصیر الدین اس کا لقب مقرر کیا اور تمام علاقہ دکن کو ہر امیر صدہ پر تقسیم کر دیا۔ یہ خبر سُن کر ڈبھوئی اور بڑودہ وغیرہ کے امیران صدہ جو ادھر اُدھر پریشان اور مخفی پھر رہے تھے سب یہاں آ کر جمع ہو گئے اور ان کی قوت کو ترقی دی۔ یہ خبر جب بادشاہ کو بھڑوچ میں ملی تو نہایت برافروختہ ہوا اور نہایت تیزی سے کوچ در کوچ کرتے ہوئے دکن پہنچا۔ باغیوں نے بھی خوب جم کر مقابلہ کیا: مگر آخر شکست کھا کر بھاگے اور دولت آباد کے قلعہ سے دھاراگیر قلعہ بند ہو گئے اور بڑے بڑے سرداران امیر صدہ گلبرگہ، بیدر وغیرہ کی طرف نکل گئے۔ بادشاہ نے محاصرہ کر لیا اور تین ماہ تک محاصرہ قائم رہا[۱]۔ اور عماد الملک سرتیز کو فراریوں کے تعاقب میں روانہ کیا اور دہلی میں فتح نامہ ارسال کیا۔ جہاں وزیر الممالک نے بڑی خوشی منائی۔ شاعر بدر چاچی نے اس پر جو قصیدہ لکھا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے:-

بسالِ دولتِ شہ بود غرّہ شعباں | کہ سوئے مملکت دیوگیر شد فرماں

اس کے دولت شہ سے ۷۴۵ھ تاریخ نکلتی ہے[۲]۔

خود بادشاہ شاہی محل میں مقیم تھا اور دکن کے علاقوں کے انتظام میں مصروف تھا۔ اس سے

---

[۱] فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ نول کشور [۲] دیوان بدر چاچی۔ مطبوعہ نول کشور۔

فراغت بھی نہ پائی تھی کہ اُسے گجرات کی بغاوت کی پھر خبر ملی جس نے اُسے بعید پریشان کر دیا۔ یہ ماہ ذی الحجہ ۷۴۵ھ ۱۳۴۴ء کا واقعہ تھا۔ اس خبر سے قلعہ دھار جس کا سلطان محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ بعض امرا نامی مثلاً خداوندزادہ قوام الدین وغیرہ کے سپرد کر کے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ گجرات میں یہ واقعہ ہوا کہ ملک طغی جو غلام تھا کسی سبب سے رنجیدہ ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا امیرانِ صدہ جو اس وقت تک منتشر تھے، اور دکن سے بھاگ آئے تھے اس کے ساتھ متحد ہو گئے۔ اور ہندو زمینداران گجرات بھی ان سے مل گئے۔ پس ملک طغی نے اس متحدہ طاقت سے لوٹ مار شروع کر دی اور اچانک نہروالہ پہنچ کر ملک مظفر کو قتل کر ڈالا اور شیخ معزالدین کو مقید کر کے اور مختلف کارکنان و حکام کو بطور قیدی ساتھ لے کر کھنبایت پہنچا۔ اور کھنبایت کو جو بحیثیت بندرگاہ کے ایک مالدار شہر تھا لوٹ لیا۔ اور اس پر قبضہ کر کے بھروچ کی طرف چلا۔ بھروچ کے لوگوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے جنگ مدافعانہ شروع کر دی۔ سلطان دولت آباد سے روانہ ہو کر بھروچ جانے کے لیے ابھی چند منزل چلا ہو گا کہ ضیا برنی (مؤلف تاریخ فیروز شاہی) جو شہر دہلی کی طرف سے فتح دولت آباد کی مبارکباد پیش کرنے آیا تھا ملاقی ہوا۔ راستہ میں بادشاہ نے ذکر کیا۔ کہ دیکھتے ہو ملک میں کیسا فساد برپا ہے، ایک طرف سے فرو کرتا ہوں تو دوسری طرف سے نمایاں ہوتا ہے۔ گجرات اور دکن کے امیرانِ صدہ کو اگر ایک ہی دفعہ نابود کر دیا ہوتا تو یہ پریشانی نہ ہوتی۔ اور اس میرے غلام طغی حرام[1] خور کو دیکھو کہ اگر اس کو میں نے مار ڈالا ہوتا، یا شاہِ عدن کے پاس بھیج دیا ہوتا تو یہ فتنہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ ضیا برنی کہتا ہے کہ اس کے جواب کی

---

[1] طغی غلام "طغی" غلام کی نسبت تاریخوں میں کوئی مزید بات نہیں ملتی جس سے اُس کے حالات زندگی پر روشنی پڑے۔ ضیا برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں ایک جگہ صفدر الملک سلطانی کا غلام لکھا ہے۔ فرشتہ نے (صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ نول کشور) میں لکھا ہے کہ یہ غلام ہے صفدر الملک کا جو خود غلام احمد ایاز کا تھا۔ طبقات اکبری میں خود سلطان کا غلام لکھا ہے اور اس کی تائید ضیا برنی (صفحہ ۵۰۷ مطبوعہ کلکتہ) کے ایک قول سے ہوتی ہے۔ خود ضیا برنی سے سلطان نے گفتگو کرتے وقت ایک فقرہ یہ استعمال کیا ہے کہ طغی غلام من ست۔ ان متضاد بیانوں سے کچھ صحیح حال معلوم نہیں ہوتا۔ بہر حال وقت بغاوت وہ ایک ذی مرتبہ امرا میں شامل تھا اور ملک کا خطاب رکھتا تھا۔ اور سلطان محمد جیسے بادشاہ کے مقابل میں بغاوت کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے (باقی بر صفحہ ۳۸۹)

ہمت نہ پڑی۔ بادشاہ متواتر کوچ کرتا ہوا بھروچ کے پاس دریائے نربدا کے کنارے اُترا۔ ملک
طغی سلطان کی آمد معلوم کر کے تین سو سواروں کے ساتھ کھنبایت واپس آگیا سلطان نے ملک
یوسف بغرا کے ماتحت دو ہزار سوار دے کر کھنبایت کی طرف روانہ کیا۔ چار پانچ روز میں کھنبایت
کے قریب پہنچا۔ ملک طغی نے جم کر خوب مقابلہ کیا۔ آخر ملک یوسف بغرا مارا گیا اور شاہی لشکر
شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ کچھ لوگ بھروچ سلطان کے پاس واپس آئے۔ اس شکست سے امیران
صدہ کا زور بڑھ گیا۔ سلطان کو جب اس کی خبر ہوئی تو نربدا کو عبور کر کے بھروچ آیا اور چند
دن قیام کر کے سرعت کے ساتھ کھنبایت کی طرف روانہ ہو گیا۔ غالباً انہی ایام میں جب کہ بادشاہ
بھروچ اور کھنبایت میں مقیم تھا دو دفعہ خلیفہ عباسی مصری کا قاصد آیا۔ جس کی بڑی عزت کی اور
بیش بہا تحف کے ساتھ واپس کیا۔ اس وقت کے خلیفہ کا نام الحاکم بامر اللہ احمد ابو العباس
تھا (۷۴۲ھ تا ۷۵۳ھ / ۱۳۴۱ء تا ۱۳۵۲ء) ملک طغی نے جب دیکھا کہ سلطان اس طرف کا ارادہ رکھتا ہے اور اسیران
جنگ کا ساتھ لیجانا مشکل ہے تو اس نے سب کو قتل کر ڈالا جن میں گجرات کا گورنر شیخ معز
الدین بھی شامل ہے۔ اور پھر وہاں سے اساول[1] چلا آیا سلطان نے بھی اپنے گھوڑے کی عنان
اساول کی طرف پھیری۔ یہ سُن کر ملک طغی نہروالا چلا گیا اور سلطان نے اساول پہنچ کر اقامت
کر لی۔ تقریباً ایک ماہ مقیم رہا تاکہ فوج بھی تازہ دم ہو جائے۔ اور گھوڑے جو بہت دُبلے ہو گئے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۸) کہ وہ صاحب اثر تھا۔ وہ امیران صدہ میں سے نہ تھا، بلکہ مغل تھا۔ پھر بھی اس
نے بغاوت کی اور اس کے کیا اسباب تھے۔ اس کی ذات کی طرح ان تمام واقعات پر لاعلمی کا پردہ پڑا ہے

(نوٹ صفحہ ہٰذا) [1] اساول دریائے سابرمتی کے کنارے احمد آباد سے متصل ایک قصبہ تھا۔
اس کو آسا بھیل نے اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔ البیرونی کے زمانہ میں اس کو بڑی رونق تھی۔ آسا بھیل
کے باشندے وقتاً فوقتاً گجرات پر چھاپے مارا کرتے تھے۔ احمد شاہ اوّل نے اس کی پوری گوشمالی کر کے
اس کے متصل احمد آباد آباد کر دیا۔ جب سے اساول کی ترقی رُک گئی۔ پھر بھی ایک بڑا آباد مقام تھا پھر
جمال پور کا محلہ جب آباد ہوا تو اس میں ضم ہو گیا۔ اب صرف آسا بھیل کے ٹیکر کے نام سے ایک مقام وہاں
مشہور ہے۔ اس کا اصلی نام آسا پلے ہے جو کثرت استعمال سے آساول ہو گیا۔

تھے، آرام لے کر فرحہ ہو جائیں۔ بارش کا بھی موسم تھا۔ غرض اس عرصہ میں بادشاہ کو خبر ملی کہ ملک طغی فوجی تیاری کر کے نہروالہ سے روانہ ہو کر اساول کی طرف آرہا ہے اور کڑی تک پہنچ گیا ہے۔ باغیوں نے بھی سر بکف اور شمشیر بدست ہو کر بڑی پامردی سے جنگ کی مگر شاہی جنگی ہاتھیوں کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر بھاگے۔ کچھ جنگل میں چھپ رہے اور کچھ نہروالہ چلے گئے اور تقریباً چار سو یا پانچ سو آدمی گرفتار ہوئے جو سب مارے گئے۔

نظام الملک جونا بہادر ترک گورنر گجرات

۷۴۶ھ ۱۳۴۵ع — ۷۶۴ھ ۱۳۶۲ع

اس کا اصلی نام حسین بن میراں ہے، سنہ مذکور میں گجرات آیا اور انتظامی اعلیٰ قابلیت کے سبب بڑا معقول انتظام کیا، اسی لیے عرصۂ دراز تک یہاں کا حاکم رہا۔ غرض سلطان نے ملک یوسف بغرا کے لڑکے کو ایک فوج دے کر ملک طغی کے تعاقب میں نہروالہ روانہ کیا دور تک وہ تعاقب کرتا ہوا چلا گیا، مگر رات ہو جانے کے سبب ایک جگہ شب باش ہو گیا۔ ملک طغی نے اس کو غنیمت جانا وہ چند سواروں کو ساتھ لے کر نہروالہ پہنچ گیا، اور اپنے اہل وعیال موینقا کے کچھ، کنتھ کوٹ چلا گیا۔ چند دن قیام کر کے وہاں سے کرنال (گرنار) چلا گیا۔ اور راجہ گرنار سے اس بارہ میں مشورہ لیا۔ کچھ دنوں تک پناہ گزیں کی حیثیت سے مقیم رہا۔ پھر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ لوگ برابر اس کا تعاقب کرتے ہوئے گرنار پہنچ گئے۔ اور اپنی جان کو خطرہ میں دیکھ کر وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور ٹھیہ اور دمریلہ[1] کی پناہ میں چلا گیا۔ ادھر بادشاہ بھی دو چار روز کے بعد نہروالہ پہنچ گیا۔ اور حوض سہسلنگ پر اترا اور ملک گجرات کی تنظیم واصلاح و پرداخت میں مشغول ہوا۔ ملک کے زمیندار آ آ کر وفاداری کا یقین دلاتے اور احکام کی بجا آوری سے بادشاہ کو خوش کر کے سرفراز ہوتے تھے۔ رعایا بھی لوٹ مار سے باغیوں کی نجات پا کر اپنے اپنے کام میں مشغول

---

[1] کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مقام کہاں پر ہے۔ یا کس کا نام ہے

ہو گئی اور ہر طرح سے امن و امان قائم ہو گیا۔ راجہ منڈل (رامنڈل) وتیری گجرات میں امن و امان ہو جانے اور بادشاہ کے ساتھ تمام اہل گجرات کا عقیدتمندی ظاہر کرنے سے اس کو بھی خیال آیا کہ بادشاہ کے پاس حاضر ہو کر سرخروئی حاصل کرنی چاہیے۔ اس لیے ملک طغی نے کچھ آدمی جو اس کے قابو آ گئے ان کو مار ڈالا اور ان کا سر بادشاہ کے پاس نہروالا بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۷۴۶ھ ۱۳۴۵ء کا ہے سلطان نے بھی مصلحت وقت دیکھ کر خلعت و انعام سے سرفراز فرمایا۔ اس سے راجہ کو امید بندھی اور ہمت کر کے بادشاہ کے دربار میں آکر شرط نیازمندی بجالایا۔ بادشاہ اطمینانِ قلب سے گجرات کے متعلق اصلاح امور کرنے میں مشغول تھا کہ اچانک دکن کی بغاوت کی خبر آئی۔ دولت آباد کا شاہی لشکر شکست پاکر مالوہ پہنچا۔ اور حسن گنگو گلبرگہ کی فوج کو شکست دے کر دولت آباد پہنچ گیا۔ اور دکن شاہی لشکر سے خالی ہونے کے سبب تمام دکن پر حسن گنگو کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے بھی اپنا خطاب علاء الدین رکھ کر تخت شاہی پر جلوس کیا۔ جب سلطان کو یہ مفصل حال معلوم ہوا تو بہت پیچ و تاب کھا کر دہلی سے احمد ایاز، ملک بہرام غزنیں اور امیر قتیبہ کو مع ایک جرار لشکر کے طلب کیا۔ یہ لوگ بھی پوری تیاری کے ساتھ نہروالہ پہنچ گئے لیکن اسی کے ساتھ سلطان کو خبر پہنچی کہ علاء الدین حسن کے پاس ایک ایسی بڑی جمعیت بہم پہنچ گئی ہے کہ جس کا تدارک معمولی طور سے بیحد مشکل ہے۔ اس لیے سلطان نے مناسب سمجھا کہ فی الحال فتح دکن ملتوی کر کے گرنار کا قلعہ فتح کر لیا جائے جس نے کہ شاہی باغی کو اس وقت تک پناہ دے رکھی ہے۔ برنی مورخ کہتا ہے کہ اسی نہروالہ میں جبکہ جوش مذکور کے پاس سلطان مقیم تھا۔ ایک دن مجھے طلب کیا۔ کہنے لگا کہ دیکھتے ہو میرا ملک کس طرح مریض ہو گیا ہے۔ بخار سے اچھا ہوتا ہے تو معدہ خراب ہو جاتا ہے اور معدہ کی دوا کرتا ہوں تو درد سر پیدا ہو جاتا ہے۔ تم نے تاریخ کی بہت ورق گردانی کی ہے۔ اس کا کوئی علاج تم نے کسی کتاب میں پڑھا ہے برنی نے جواب دیا کہ جب کسی بادشاہ پر ایسا وقت آئے کہ رعایا کا اعتماد اٹھ جائے تو بادشاہ کو تخت سے دست بردار ہو کر گوشہ نشیں ہونا چاہیے اور اپنی اولاد میں سے جس کو

لائق سمجھے تخت نشین کردے۔ ورنہ امور مملکت معتمد علیہ لوگوں کے سپرد کرکے خود عیش و عشرت میں وقت صرف کرے۔ سلطان نے کہا کہ اگر میں مطمئن خاطر ہوگیا تو ملک فیروز اور احمد ایاز اور ملک کبیر کے سپرد امور مملکت کرکے خود حج کو چلا جاؤنگا۔ لیکن افسوس کہ بادشاہ کو اس کا موقع نہ ملا۔ سلطان جب تک نہروالہ میں رہا قتل و خونریزی سے اپنے ہاتھ کو رنگین نہ کیا۔ ممکن ہے پٹن کی عمدہ آب و ہوا کا یا اثر ہو۔ غرض سلطان نے لشکر کی تیاری شروع کردی اور برسات کا موسم (۷۴۷ھ ۱۳۴۶ء) ماندل اور نیری میں گزرا اور جب ہر طرح سے مطمئن ہوگیا تو لشکر کو قلعہ گرنار کی طرف کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لشکر کوچ کرتا ہوا قلعہ گرنار تک پہنچ گیا۔ راجہ نے پھر یہ دیکھ کر کہ کھلے میدان میں مقابلہ دشوار ہے۔ قلعہ بند گیا اور فوج نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ جب ایک عرصہ تک محاصرہ قائم رہا تو راجہ نے مناسب سمجھا کہ ملک طغی کو پکڑ کر سلطان کے حوالہ کردے۔ یہ بات ملک طغی کو بھی معلوم ہوگئی۔ وہ وہاں سے بھاگ کر (سندھ) جام ٹھٹھ کے پاس چلا گیا۔ سلطان نے تقریباً ایک سال اس کا محاصرہ قائم رکھا، اور اس دیار کے تمام علاقوں کو زیر تصرف لایا۔ آخر بعد برسات (۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء) قلعہ گرنار فتح ہوگیا[1]۔ اور اسی سال کچھ بھی مفتوح ہوا سلطان کی طرف سے ایک ہندو مہتہ نامی کو گرنار کا گورنر بنایا گیا (یا یہ قلعہ اس کو بخش دیا گیا) اور راجہ کھنگار چہارم گرنار اور کچھ کا راجہ

[1] میرا خیال ہے کہ محمد تغلق نے اس کو فتح کرکے اپنے نام پر اس قلعہ کا نام جوناگڑھ رکھا، کیونکہ سلطان کا نام محمد جونا تھا۔ محمد تغلق کو اس کا شوق تھا، جیسا کہ دیوگڑھ کو دولت آباد بنانے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک اور چھاونی گنگا کے کنارے بسائی تھی جس کا نام "سورگ دوارہ" رکھا تھا۔ اور میرے خیال میں جوناگڑھ کے نام کی مقبولیت کا سبب ایک یہ بھی ہے کہ لفظ جونا اور گڑھ دونوں گجراتی زبان میں موجود ہیں۔ جونا کے معنی قدیم اور گڑھ کے معنی قلعہ کے ہیں۔ لوگوں نے پرانا قلعہ کے مفہوم سے آشنا ہوکر عام طور پر استعمال کیا۔ کیونکہ جوناگڑھ کا نام تاریخوں میں ہمیشہ قلعہ گرنار کے نام سے آتا ہے۔ لفظ جوناگڑھ کا استعمال سب سے پہلے طبقات اکبری میں ہوا۔ مرآۃ سکندری میں اس کی جو توجیہ کی گئی ہے بہت ممکن ہے کہ وہی صحیح ہو۔ نیز ظفر الوالہ میں فتح جوناگڑھ کا سنہ ۷۰۵ھ لکھا ہے۔ مرآۃ مصطفیٰ میں لکھا ہے کہ گرنار کے راجہ نے سومناتھ سے مسلمانوں کو نکال دیا تھا، اور راجپوتوں کا قبضہ کرادیا تھا اس لیے محمد تغلق نے راجہ گرنار سے لڑائی کی۔ میرے خیال میں راجہ نے محمد تغلق کے گجرات سے چلے جانے کے بعد سومناتھ چھین لیا، ورنہ حملہ گرنار کی وجہ تو صاف صاف برنی نے ملک طغی کی پناہ دہی تحریر کی ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ دونوں واقعے بہ یک وقت ہوئے ہوں۔

دونوں سلطان کے دربار میں لائے گئے۔ پھر بادشاہ نے ازراہ کرم معاف کرکے اُن کے ملک واپس کردیئے۔ غالباً عہد تغلق کا پہلا باغی ہے جس کو معافی دی گئی ہو (فرشتہ اور طبقات اکبری، تاریخ سورٹھ)

سلطان نے اب اطمینان کا ایک سانس لے کر سمجھا کہ گجرات و کاٹھیاواڑ باغیوں سے پاک ہوا۔ اور نظم ونسق مملکت کاٹھیاواڑ میں مصروف ہوا۔ چنانچہ سواحل سومناتھ، مانگرول وغیرہ وجزائر دیو وغیرہ کا پورا بندوبست کیا۔ اس فتح کا ملک پر بہت اچھا اثر پڑا۔ تمام بڑے بڑے زمیندار اور چھوٹے بڑے رانا جوق جوق دربار میں آکر اپنی وفاداری کا یقین دلاتے اور نذریں پیش کرتے رہے۔ سلطان نے بھی خلعت اور انعامات سے مالامال کیا۔ اسی زمانہ میں ملک کبیر کے دہلی میں انتقال کی خبر ملی جس سے اس کو دلی صدمہ ہوا۔ اور اسی لیے احمد ایاز اور ملک مقبول کو دہلی کے انتظام کے لیے روانہ کردیا۔ ان دنوں بادشاہ کو خبر لگی کہ ملک طغی گرنار سے فرار ہوکر سندھ کے علاقے ٹھٹھ میں جام کے پاس مقیم ہے۔ اس لیے بادشاہ نے سندھ جانے کا ارادہ کیا اور اس خیال سے ۷۴۹ھ ۱۳۴۸ء میں گرنار سے روانہ ہوکر گونڈل پہنچا جو گرنار سے پندرہ کوس پر ہے اور آج کل جیتل سر اور راج کوٹ ریلوے لائن کے بیچ میں واقع ہے اور برٹش گورنمنٹ کے ماتحت ایک ہندو راجہ اس پر حکومت کرتا ہے جو اندرونی طور پر خود مختار ہے۔ سلطان جب گونڈل پہنچا تو تپ دق میں مبتلا ہوگیا۔ اس نے دہلی سے خداوندزادہ[1]، مخدوم زادہ، اکابرین دولت اور حرم ہائے ملوک، معہ سوار و پیادہ جو طلب کیا تھا وہ سب گونڈل پہنچے۔ سلطان نے کچھ تو اپنی بیماری اور کچھ فوجوں کی تیاری کے سبب پوری برسات کو (۷۵۰ھ ۱۳۴۹ء) اسی جگہ گزار دیا[2]۔ اور ہر جگہ سے جن جن لوگوں کو طلب کیا تھا سب پہنچ گئے۔

---

[1] اس زمانہ میں اصطلاح مقرر کی گئی تھی کہ جو خاندان غور سے ہو وہ خداوندزادہ کہلاتا، اور جو خاندان خلیفہ عباسی سے ہو وہ مخدوم زادہ کہلاتا تھا۔

[2] ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ تین برساتیں گجرات میں صرف کیں۔ ایک مانڈل میں دوسری گرنار میں تیسری گونڈل میں۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ گجرات میں صرف تین سال رہا (باقی بر صفحہ ۳۹۴)

اور ہر چیز خواہش کے مطابق تیار ہوگئی ۔ ایک بڑی جرار اور زبردست فوج گونڈل میں جمع ہوگ
ادھر بادشاہ کو بھی افاقہ ہوگیا ۔ اور کوچ کا حکم دیا ۔ یہ بھی بادشاہ کو خیال آیا کہ ٹھٹھہ ایک بندر
اس لیے صرف خشکی سے لشکر کشی یا محاصرہ کافی نہ ہوگا ، اس لیے حکم دیا کہ دیو بال پو
اُچھ اور سیوستان سے کشتیاں ٹھٹھہ روانہ کر دی جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی سلطا
تغلق بیماری سے صحت یاب ہو کر گونڈل سے تمام امرا و ارکان دولت کو ساتھ لے کر ر
۷۵۱ھ / ۱۳۵۰ء کے آخری ایام میں سندھو ندی کو عبور کیا ۔ اسی جگہ یعنی دریائے سندھو کے اس پا
میں فروکش ہوا ۔ اسی جگہ بلخ کا بادشاہ التون بہادر نے چار پانچ ہزار مغل سوار امیر فر
ماتحتی میں جو سلطان کی مدد کے لیے بھیجے تھے بادشاہ سے ملاقی ہوئے سلطان نے ان
نوازش اور عنایت کی اور انعامات سے خوش کیا ۔ یہاں سے بادشاہ بیشمار فوج لے کر
(ان کے جانشین بعد میں جام کہلانے لگے) ٹھٹھہ کی گوشمالی کے لیے جس کے یہاں
طغی نے پناہ لی تھی جلد جلد کوچ کرتا ہوا روانہ ہوا ۔ جب ٹھٹھہ کی جانب تیس کوس
تو وہ ماہِ محرم یوم عاشورہ ۷۵۲ھ کا وقت تھا ۔ سلطان نے دن بھر روزہ رکھا اور شا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۹۳) حالانکہ ایک برسات اساول میں بھی گزار چکا ہے ۔ ابن بطوطہ کے حاشیہ میں ہے کہ چا
گجرات میں مقیم رہا لیکن میرے ذاتی رائے یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق گجرات میں چھ سال رہا ۔ کیونکہ عزیز خم
شکست کا سال ضیاء برنی نے رمضان ۷۴۵ھ / ۱۳۴۴ء لکھا ہے جس کے بعد ہی سلطان گجرات پہنچ کر قاضی جلال
کو فرو کرتا ہے ۔ اس کے بعد دکن کی بغاوت کے سبب سلطان نے دولت آباد پہنچ کر فتحیابی حاصل کی ۔
چاچی نے اس فتح کی تاریخ "دولت شد" سے ۷۴۵ھ / ۱۳۴۴ء نکالی ۔ فرشتہ نے دولت آباد کا محاصرہ تین ماہ
ہی ۔ اس حساب سے فتح ماہ ذی الحجہ میں ہونی چاہیے ۔ اس کے بعد طغی کی بغاوت کے سبب بادشاہ
آیا ، اور برسات کے سبب اساول میں ٹھہرا رہا ۔ یہ ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء میں ہوا ۔ اس کے بعد ماندل آیا ۔ پھر گرنار گیا
اس کے بعد ٹھٹھہ (سندھ) چلا گیا ۔ جہاں محرم ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء میں انتقال کر گیا ۔ اب غور کرو کہ ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء سے
پر گجرات میں رہا اور گجرات سے باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا ۔ تو لامحالہ ماننا پڑیگا کہ بادشاہ ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء
۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء ، ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸ء ، ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء ، ۷۵۱ھ / ۱۳۵۰ء تک گجرات میں رہا اس حساب سے تقریباً چھ برس ہوئے
مان لو کہ آخری سال سفر سندھ میں صرف ہوا تو پانچ سال میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ۔

کے وقت مچھلی کھائی جو مزاج کے خلاف پڑی اور اس سبب سے پھر تپ میں مبتلا ہوگیا۔ اس علالت کے باوجود کشتی میں سوار ہو کر ٹھٹھ سے چودہ کوس پر پہنچ کر مقیم ہوگیا، یہاں اس کی علالت ترقی کر گئی اور سارا لشکر متحیر ہوگیا۔ علالت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ آخر ۲۱ محرم ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں سلطان محمد تغلق اس دنیا سے رخصت ہوا۔[۱]

سلطان محمد تغلق کے مختلف حالات

فتح جزیرہ پیرم[۲]

اس جزیرہ کی نسبت مسلمانوں نے اپنی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ہندوؤں کے کسی بھاٹ نے مبالغہ کے ساتھ محمد تغلق کی جنگ کا نقشہ کھینچا ہے جس کو مولوی ذکاء اللہ صاحب نے اپنی تاریخ ہند میں نقل کیا ہے۔ اس کا خلاصہ مضمون تحریر کرتا ہوں۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ ورنہ ممکن تھا کہ سنہ کا بھی پتہ مل جاتا۔ گوہیل راجاؤں میں سے راجہ لکھمی نامی[۳] نے پیرم کا شہر آباد کر کے اپنی راجدھانی بنائی وہ بڑا بارونق اور آباد شہر ہوگیا۔ دہلی کے سوداگر ایک دفعہ سولہ جہاز "زرخاک" کے پیرم لائے۔ پیرم کے راجہ نے پانی دیوتا کی قسم کھا کر وعدہ کیا تھا کہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا جائیگا۔ مگر پھر بھی جب وہ پیرم آئے تو اُن کو لوٹ لیا گیا۔ جس کی خبر محمد تغلق کو ہوئی اور اُس نے ایک جرار لشکر سے اس پر حملہ کیا۔ جزیرہ ہونے کے سبب ایک عرصہ تک فوج گھوگھہ[۴] بندر پر پڑی رہی۔ آخر کشتیوں کا بندوبست کر کے جزیرہ پیرم

---

[۱] ضیاء برنی مطبوعہ کلکتہ [۲] جزیرہ پیرم یا بیرم ایک میل طویل اور ۳۰۰ سے ۵۰۰ گز تک چوڑا خلیج کھنبات میں گھوگھہ سے ۴½ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ سمندر کے درمیان ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ پہلے حاکم نشین جگہ تھی ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ ہند نے ایک مینارہ روشنی (لائٹ ہاؤس) بنایا ہے جس پر سمندر کی سطح سے سو فٹ کی بلندی پر آٹھ لالٹینیں جلتی ہیں۔ فی الحال ایک ویران جگہ ہے۔ [۳] مرآۃ مصطفےٰ آباد میں اس کا سنہ[illegible] لکھا ہے اور راجہ کا نام موکھرا ابن راناجی ابن سی جک لکھا ہے۔ ص ۵۶ حصہ دوم [۴] کاٹھیاواڑ میں سمندر کے کنارے بمبئی سے ۱۹۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ دس ہزار کے قریب اس جگہ کی آبادی ہے۔ یہاں کے باشندے جہازوں پر خلاصی یا لشکر کے طور پر ملازم ہیں اور جہاز رانی ہیں۔ (باقی بر صفحہ ۳۹۶)

میں فوج اُتار دی گئی (یا راجہ محاصرہ سے تنگ آکر خود جہاز پر سوار ہو کر گھوگھہ پہنچ گیا) راجہ نے ایک بہادر شیر کی طرح مقابلہ کیا۔ طرفین کے بہت آدمی کام آئے خود سلطان کا بھانجہ بھی راجہ کے ہاتھ سے زخمی ہوا۔ رانا کے لڑکے نے مسلمانوں کی فوج کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ بالآخر بڑی جدوجہد کے بعد راجہ مارا گیا اور جزیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور تمام گوہیل واڑ پر ویل واڑہ تک سلطان کا قبضہ ہو گیا، مگر وفات کے بعد پھر راجہ کا لڑکا ڈونگر نے جو جنگ کے بعد فرار ہو گیا تھا۔ اپنے آبائی ملک پر قبضہ کر لیا۔ اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو غالباً یہ واقعہ اس وقت کا ہو گا جبکہ محمد تغلق شاہ کھنبایت یا بھڑوچ میں مقیم تھا۔

ابن بطوطہ راوی ہے کہ گاؤذروں (شیراز کے پاس ایک شہر کا نام ہے) کا ایک ملک التجار پرویز نامی تھا اور شہاب الدین اس کا دوست تھا۔ ملک پرویز کی جاگیر میں بادشاہ نے کھنبایت کا شہر دیا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اس کو وزارت کا عہدہ دیگا۔ اس نے اپنے دوست شہاب الدین کو بلا بھیجا۔ اور جب وہ آیا تو اس کو حکم دیا کہ بادشاہ کے لیے نذر تیار کرکے۔ اس نے جو نذر تیار کی اس میں ایک سراچہ (ڈیرہ) مشجر بنا ہوا تھا۔ ایک خیمہ مع قنات وغیرہ کے ایک آرام گاہ تھا۔ یہ سب چیزیں مشجر کمخواب کی بنی ہوئی تھیں اور بہت سے خچر بھی تھے جب شہاب الدین یہ سب چیزیں تیار کرکے لایا تو ملک التجار بھی ملک کا خراج اور نذر لے کر ساتھ ہو گیا۔ وزیر خواجہ جہاں کو یہ معلوم ہو گیا کہ وزارت کا وعدہ ملک التجار سے کیا گیا ہے یہ بات اس کو بے حد ناگوار گزری۔ چونکہ گجرات اور کھنبایت اس سے پہلے اس کی جاگیر میں تھے۔ اس لیے وہاں کے باشندوں سے اس کے گہرے تعلقات تھے جن میں اکثر ہندو تھے اور بعض

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۹۵) بڑے ماہر ہیں۔ اب اس بندرگاہ کی تجارت ٹوٹ گئی اور اکثر تاجر بھاؤنگر چلے گئے ہیں جو وہاں سے بہت قریب ہے۔ آئین اکبری میں اس کو سرکار بھڑوچ کا ایک بندر لکھا ہے لیکن دراصل یہ بندر کھنبایت کے توابع میں شمار کیا جاتا تھا۔ فی الحال گورنمنٹ (برٹش) نے ملکی انتظام کی سہولت کی خاطر ضلع احمد آباد میں داخل کر دیا ہے۔ مرآۃ مصطفےٰ آباد میں ہے کہ یہ بندر علاء الدین کے وقت سے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، راجہ گوہیل موکھرا نامی نے اس پر قبضہ کر لیا اس لئے سلطان محمد تغلق کو اس کے ساتھ جنگ کرنا پڑی

بادشاہ سے سرکشی بھی تھی۔ خواجہ جہاں نے اُن میں سے کسی کو کہہ دیا کہ ملک التجار کو راستہ میں مار ڈالو چنانچہ ملک التجار جب تحفہ اور خراج لے کر دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوا تو ایک روز چاشت کے وقت ایک جگہ اترا لوگ اپنی اپنی ضرورتوں کے سبب ادھر اُدھر متفرق ہو گئے اس وقت ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت آن پڑی ملک التجار کو قتل کر ڈالا۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ خوش قسمتی سے شہاب الدین زندہ بچ گیا۔ اخبار نویسوں کے ذریعہ بادشاہ کو بھی علم ہو گیا۔ حکم ہوا کہ نہروالہ کے خراج سے تیس ہزار دینار (اشرفی) اس کو دیے جائیں اور وہ اپنے ملک کو واپس جائے۔ شہاب الدین نے کہا کہ میں تو فقط آستانہ بوسی کے لیے بادشاہ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اجازت ملنے پر وہ دہلی پہنچ گیا۔ دربار میں پیش ہو کر بہت کچھ انعام پایا۔ ایک دن بادشاہ نے دریافت کیا۔ کہ شہاب الدین کا وزرونی کہاں ہے؟ بہار الدین فلکی نے پہلے تو کہا کہ مجھے نہیں معلوم پھر کہا کہ شاید وہ بیمار ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ جاؤ ابھی ایک لاکھ ٹنکہ خزانہ سے لے کر اس کو دے آؤ تاکہ وہ خوش ہو۔ چنانچہ بہار الدین نے اس کی فوراً تعمیل کی۔ سلطان نے حکم دیا کہ شہاب الدین جس قدر مال خریدنا چاہے اور جب تک اس کی خریداری بند نہ ہو جائے کوئی دوسرا نہ خریدے۔ اس کو تین جہاز مع اسباب و زاد راہ کے ملے۔ جن کو لے کر وہ ہرمزؔ[1] چلا گیا۔ اور ایک عظیم الشان مکان وہاں تعمیر کیا۔ یہ شخص مجھے پھر شیراز میں ملا۔ سلطان ابو اسحاق کے عطیہ کا خواستگار تھا۔ وہ تمام مال خرچ کر چکا تھا۔ ہندوستان کی دولت کا یہی حال ہے۔ اول تو بادشاہ ہند کی دولت باہر جانے نہیں دیتا، اور اگر چلی بھی جاتی ہے تو خدا لینے والے پر کوئی نہ کوئی آفت بھیج دیتا ہے۔ چنانچہ شہاب الدین کی دولت اُس جھگڑے میں جو اس کے بھتیجوں کا بادشاہ ہرمز کے ساتھ تھا، کل کی جاتی رہی (جلد دوم صفحہ ۵ ف ۱)

ابن بطوطہ نے ہند کی دولت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے کاش اس کی دعا قبول ہوتی اور آج ڈیڑھ سو برس سے ہند کی دولت باہر لیجانے والوں پر قہر خدا نازل ہوتا۔

---

[1] نام ایک جزیرہ کا جو خلیج فارس میں واقع ہے۔

ایک دوسری جگہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ امیر سیف الدین غدا امیر شام جب ہند آیا، تو بادشاہ نے اپنی بہن فیروزہ کے ساتھ شادی کردی اور مالوہ، نہروالہ اور کھنبایت جاگیر میں عطا کی اور ملک فتح اللہ کو اس کا نائب مقرر کیا۔ لیکن یہ شخص بادیہ عرب کا بالکل بدو تھا۔ اس کی بعض حرکتوں سے بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کردیا اور جاگیر واپس لے لی۔ (ج ۲ باب ۱۵)

محاصل کے متعلق لکھتا ہے کہ ۷۴۱ھ میں بادشاہ نے حکم دیا کہ سوائے زکوٰۃ اور عشر کے باقی سب محصول اور ڈنڈ معاف کر دیے جائیں، اور خود ہفتہ میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کے دن انصاف رسانی کی غرض سے دیوانخانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ دائر کیا کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بلا وجہ مار ڈالا۔ بادشاہ بغیر ہتھیار لگائے پیدل قاضی کے محکمہ میں گیا، اور وہاں جا کر سلام و تعظیم کی۔ قاضی نے بعد سُننے دعاوی کے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کرے۔ ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اس کو راضی کر لیا۔

سلطان محمد تغلق کے عہد میں غلہ کا نرخ مسالک الابصار جلد دوم میں مندرجہ ذیل لکھا ہے۔

		(نوٹ)
گندم	۱۲ جیتل فی من	
جو	۸ 〃 〃	جیتل کو موجودہ پیسہ اور ٹنکہ سفید روپیہ
شالی	۱۵ 〃 〃	اور من کو ساڑھے چودہ سیر پختہ کا سمجھو۔
نخود	۴ 〃 〃	لیکن فرشتہ نے اُس وقت کے سیر کو ۲۴
شکر	ایک ٹنکہ سفید فی من	تولہ کا لکھا ہے۔ اس حساب سے من
مصری	۱؍ 〃 〃 〃	بارہ سیر پختہ کا ہوا۔
میش فربہ	۸؍ فی راس	
بیل	دو روپیہ فی راس	

سلطان محمد تغلق ہندو جوگیوں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بادشاہ اُن لوگوں کی بڑی تعظیم کرتا ہے اور ان کو اپنی صحبت میں رکھتا ہے۔ بعضے فقط سبزی کھاتے ہیں اور بعض گوشت بھی۔ مگر اکثر گوشت نہ کھانے والے ہوتے ہیں۔ پھر آگے چل کر اپنا چشم دید واقعہ لکھتا ہے کہ ایک دن بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ میں ان دنوں پایۂ تخت ہی میں تھا۔ میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اس وقت خلوت میں تھا اور خاص خاص وزیر موجود تھے۔ اور دو جوگی بھی موجود تھے۔ یہ جوگی رضائی اوڑھے رہتے ہیں اور سر کو بھی ڈھکا رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ سر کے بالوں کو راکھ سے نوچ لیتے ہیں جیسا کہ اور لوگ بغل کے بالوں کو نوچ لیتے ہیں۔ جب الحکم بادشاہ میں بیٹھ گیا بادشاہ نے ان سے فرمایا کہ یہ شخص بڑے دور دراز سے آیا ہے تم اس کو کوئی ایسی چیز دکھاؤ جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو۔ انہوں نے بہت اچھا کہا۔ ان میں سے ایک جوگی آسن مار کر چوکڑی بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ زمین سے بلند ہوگیا اور ہمارے اوپر ہوا میں معلق نظر آنے لگا۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور مجھ پر وہم غالب ہوگیا، یہاں تک کہ میں زمین پر گر پڑا۔ جب بادشاہ نے مجھے دوا پلوائی تو کچھ افاقہ ہوا۔ میں بیٹھ گیا اور وہ جوگی اسی طرح ہوا میں معلق بیٹھا تھا۔ دوسرے جوگی نے اپنی کھڑاؤں ہاتھ میں لی اور غصہ میں آکر کئی دفعہ زمین پر دے ماری۔ وہ کھڑاؤں ہوا میں اوپر چڑھ گئی اور جو جوگی ہوا میں بیٹھا تھا اس کی گردن میں جاکر لگنے لگی۔ وہ تھوڑا تھوڑا اُترتا جاتا تھا۔ آخر کار ہمارے پاس آبیٹھا۔ بادشاہ نے مجھے بتایا کہ کھڑاؤں بھیجنے والا اُستاد اور ہوا میں اُڑنے والا شاگرد ہے۔ اور یہ بھی بادشاہ نے کہا کہ اگر تیری عقل سلب ہو جانے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تم کو اس سے زیادہ تماشا دکھاتے۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ مجھے خفقان سا ہوگیا۔ جب بادشاہ نے ایک شربت بھیجا تو اس کے پینے سے اچھا ہوا۔ (ج ۲ باب ۸)

سلطان محمد تغلق کے عہد میں ڈاک کے انتظام کے متعلق ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ڈاک کو اس ملک میں برید کہتے ہیں۔ ڈاک دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک سواروں کی دوسرے پیادوں کی۔ گھوڑے کی ڈاک کو الاق کہتے ہیں۔ ہر چار کوس پر گھوڑا بدلتا ہے۔ پیدلوں کی ڈاک کا انتظام

یہ ہے کہ ایک منزل میں ہرکاروں کی تین چوکیاں ہوتی ہیں۔ اس چوکی کو دھاوا کہتے ہیں۔ ہر تہائی میل کے فاصلہ پر گاؤں آباد ہوتا ہے گاؤں کے باہر ہرکاروں کے لیے برجیاں بنی ہوتی ہیں ہر برجی میں ہرکارے کمر کسے مستعد بیٹھے رہتے ہیں۔ ہر ہرکارے کے پاس ایک لمبی چھڑی ہوتی ہے اور اس کے سرے پر گھنگھرو لگا رہتا ہے جس کی آواز سن کر دوسرے گھنگھرو والے ہرکارے تیار ہو جاتے ہیں اور اس کے پہنچنے پر فوراً اس سے ڈاک لے کر آگے چل پڑتے ہیں۔ اس طرح یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی جلدی جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی اس ڈاک کے ذریعہ خراسان کے تازہ میوے بھی تھالیوں میں رکھ کر بادشاہ کے لیے پہنچائے جاتے ہیں۔ اور گاہ گاہ سنگین مجرم کو بھی اسی طرح پہنچاتے ہیں۔ بادشاہ جب دولت آباد میں تھا تو اس کے لیے گنگا کا پانی (جو ہندوؤں کا مقدس دریا ہے) ڈاک کے ذریعہ لے جاتے تھے۔ حالانکہ گنگا دولت آباد سے چالیس دن کے فاصلہ پر واقع ہے[1]۔

مسالک الابصار کا مصنف جو ابن بطوطہ کا ہمعصر ہے ابن بطوطہ کے بیان کی تائید کرتا ہوا اس قدر اور اضافہ کرتا ہے کہ ہر چوکی پر مسجد اور تالاب اور دکانیں بھی ہوتی ہیں۔ دولت آباد سے دہلی تک بڑے بڑے دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کا وقت، اور کسی غیر معمولی واقعہ کا حال اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر ایک چوکی پر نقارے رکھے ہوئے ہیں اور ایسے اوقات میں ایک کی آواز سن کر دوسرا آواز دیتا ہے۔ اسی طرح دہلی تک خبر پہنچ جاتی ہے۔

محمد شاہ تغلق کے عہد میں سونے اور چاندی کے دینار کے علاوہ ٹنکہ بھی ہوتا تھا۔ ٹنکہ دراصل ہندی زبان کا لفظ ہے بعض لوگوں نے غلطی سے ترکی سمجھا ہے طلائی ٹنکہ تین مثقال کا ہوتا تھا اور نقرئی ٹنکہ کی آٹھ ہشتگانیاں، اور ایک ہشتگانی کی چار سلطانی (دوگانی) اور ایک دوگانی کے دو جیتل اور ایک جیتل کے چار فلوس۔ موجودہ انگریزی رائج الوقت سکے جو ہندوستان میں چلتے ہیں ان کے مطابق یوں ہونگے کہ چار فلوس (پیسے کے حصے) یعنی پائی کا ایک جیتل یا پیسہ

[1] جلد دوم باب دوم۔

اور ۲ پیسہ (جیتل) کا ایک دوگانی یا ادھنا اور چار ادھنا (دوگانی) کی ایک ہشتگانی یا دوانی اور آٹھ دوانی (ہشتگانی) کا ایک ٹنکہ یا موجودہ روپیہ۔ یعنی پائی، پیسہ، ادھنہ، دوانی، روپیہ مگر روپیہ (ٹنکہ) موجودہ روپیہ کے برابر اور بعض اڑھائی گونہ (۲½) ہوتا تھا۔

سکہ ہائے محمد بن تغلق

دینار طلائی وزن ½۱۹۸ گرین

اشہدان لاالٰہ الااللہ
واشہدان محمداً عبدہٗ ورسولہ
الواثق بتائید الرحمٰن محمد شاہ السلطان
حاشیہ: ضرب ہذا الدینار بحضرۃ دہلی
سنۃ سبع وعشرین وسبعمائۃ

اشہد ان لا
الٰہ الا اللہ واشہد
ان محمداً عبدہٗ ورسولہ

الدینار بحضرۃ
الواثق بتائید
الرحمٰن محمد
شاہ سلطان

۷۲۵ھ و ۷۲۶ھ و ۷۲۷ھ بھی اسی طرح کے ہیں

(۲)

دینار طلائی وزن ½۱۹۸ گرین دہلی ۷۲۷ھ

ضرب فی زمن العبد
الراجی رحمۃ اللہ محمد
بن تغلق

لاالٰہ الااللہ
محمد رسول اللہ

(۳)

(طلائی دینار) نصفی

محیی سنن
خاتم النبیین

محمد بن تغلق
شاہ

(۴)

ٹنکہ پنجاہ گانی وزن ۳۲ گرین
یہ سکہ پیتل کا تھا جو چاندی کے عوض چلا گیا تھا

مہر شد ٹنکہ پنجاہ گانی
در روزگار بندہ امیدوار
محمد تغلق

من اطاع السلطان
فقد اطاع الرحمٰن در تخت
گاہ دولت آباد سال
ہفت صد سی یک

(۵)

ٹنکہ نصفی وزن ۱۰۳ گرین
۷۳۰ھ میں تانبہ کا بنا کر بجائے چاندی کے سکے کے رواج دینا چاہا۔

ضرب ہذہ النصفی
فی زمن عبد الراجی
رحمۃ اللہ

محمد تغلق بحضرت
دولت آباد سنۃ
ثلثین وسبعمائۃ

ف یہ سکہ میرے پاس موجود ہے۔

(۶)

سکہ دوگانی وزن ۲۵ گرین

(۷)

جیتل تانبہ وزن ۴۷ گرین[1]
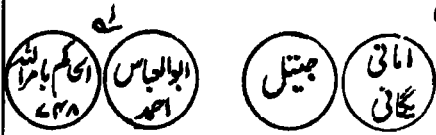
نقل از برٹش میوزیم

اسی عہد میں بھروچ کی عیدگاہ تیار ہوئی جس پر یہ کتبہ ہے "بنا و عمارت ایں نمازگاہ در عہد دولت بادشاہ جہاں پناہ ابوالمجاہد محمد بن تغلق شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ از خالص مال ملک الشرق فخر الدنیا والدین والدولہ محمد ابو تہاری بتاریخ بست و پنجم ماہ ربیع الاول سنہ ستہ وعشرین وسبعمائۃ۔

اور اسی عہد کی کھنبایت کی جامع مسجد ہے۔ صدر دروازہ پر ایک کتبہ ہے جس میں لکھا ہے۔ "فی عہد السلطان العادل العالم سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ السلطان" صدر دروازہ معمولی سنگ مرمر کا ہے۔ قدیم طرز کی سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے۔ اندرون مسجد سب سے پہلے ایک وسیع صحن ہے۔ اس میں ایک حوض بنا ہوا ہے جو عہد جہانگیر کا ہے اس کو علی بن عبد النبی بغدادی نے ۱۰۳۰ھ میں تیار کیا ہے۔ اور اس پر چند اشعار بھی درج ہیں۔ وسیع صحن کے بعد اصل مسجد ہے اس میں شاندار تین در ہیں۔ گنبد کلاں منقش مثل احمد آباد کے ہے۔ ان کی تعداد ۴۳ ہے اور چھوٹے ۷۵ ہیں۔ شمال جنوب اور مشرق میں سائبان ہے، اس کی چھت

[1] یہ سکہ بڑودہ میوزیم میں موجود ہے۔ باقی سکے ابن بطوطہ مطبوعہ رفاہ عام لاہور سے منقول ہیں۔

سنگین ہے۔ اندرون حصہ مسجد (دالان) کا وسیع ہے، مصلے کا محراب سنگ مرمر سے خوبصورت بنا ہوا ہے اور وسط میں سورج مکھی ہے۔ منبر زینہ دار عمدہ سنگ مرمر کا خوب ہے۔ اس کے نیچے امام کے لیے نماز نفل کی جگہ ہے۔ دائیں جانب ملوک خانہ ہے۔ مشہور ہے کہ مسجد کے دونوں جانب مدرسہ کے طلبار کے لیے قیام گاہ تھا۔ جنوب کی طرف ایک وسیع ہال ہے جس کا گنبد اب گر گیا ہے۔ وہاں چند قبریں ہیں ان میں سے ایک پر کندہ ہے "رکن الدولۃ والدنیا والدین عمر ابن احمد گاوزرونی المخاطب پرویز ملک، چہارشنبہ ۹۔ صفر ۷۳۴ھ۔ اس کے ساتھ میں ایک قبر ہے اس پر تحریر ہے" زوجہ حسن گیلانی بی بی فاطمہ ۷۸۳ھ دوسری قبر پر شرف الدین ابوشرف ۶۴۲ھ اور ایک قبر پر شہاب الدین احمد بن محمد ۶۹۰ھ دوسری پر عمر بن سعد الدین ۶۹۱ھ درج ہے۔ ان قبروں پر قرآنی آیات منبت کاری کے سنگ مرمر نہایت خوشخط اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مشہور ہے کہ یہ مسجد بھی کسی تاجر کی تعمیر کردہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ مسجد ملک پرویز گاوزرونی ہی کی تعمیر کردہ ہو کیونکہ وہ بڑا دولتمند اور دانشمند تھا۔ اسی سے محمد تغلق نے عہدہ وزارت کا وعدہ کیا تھا۔ جس کو خواجہ جہاں نے قتل کرا دیا۔ اس کے دالاں کے اوپر کا گنبد گر گیا ہے۔ ریاست نے تقریباً پچاس ہزار خرچ کر کے درست کرا دیا ہے مگر گنبد کی تعمیر نہ ہو سکی۔ اس کے بغل میں جماعت خانہ ہے اور اس کے نیچے تہ خانہ۔ آج کل تعزیہ اور اس کے سامان رکھنے کے کام میں آتا ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق

۷۵۲ھ
۱۳۵۱ء

محمد تغلق کی وفات کے بعد تیسرے دن حضرت نصیر الدین محمود اودھی (چراغ دہلی) کی تحریک اور مخدوم زادہ عباسی کی تائید سے ۲۴۔ محرم ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء کو باتفاق امرار دولت شاہزادہ فیروز تخت سلطنت پر متمکن ہوا[1]۔ ٹھٹھہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور مغلوں کی فوج کو انعام دے کر مراجعت وطن

[1] لیکن فرشتہ ۲۳۔ محرم ۷۵۲ھ لکھتا ہے۔

کا مشورہ دیا۔ مغل اسلامی کیمپ سے الگ ہو گئے۔ لیکن ترم شیریں کے داماد نے جو نو مسلم تھا مغلوں کو طمع دلا کر شاہی لشکر پر شب خوں مارنے کا مشورہ دیا۔ جس کا فیروز شاہ نے معقول انتظام کیا۔ فیروز شاہ کا باپ سپہ سالار رجب برادر غیاث الدین تغلق علاء الدین خلجی کے عہد میں وارد ہند ہوا۔ اور غیاث الدین تغلق کے مشورہ سے رجب کی شادی دیبال پور کے ہندو ٹھاکر رانا بھٹی مل کی لڑکی سے ہوئی۔ جس کا نام نائلہ رکھا گیا تھا۔ لیکن سسرال آنے کے بعد سلطان تغلق نے بی بی کدبانو سے موسوم کیا۔ فیروز شاہ کی ولادت ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء میں ہوئی۔ یہ محمد شاہ کا ہم سن تھا۔ دونوں کا بچپن ساتھ ہی گزرا۔ ۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء میں رجب کا انتقال ہو گیا تو غیاث الدین نے پرورش کی۔ غیاث الدین کی وفات پر محمد شاہ نے اس کو باربک[۵۱] کا خطاب دیا اور بقول مورخ ضیاء برنی اور عفیف سراج کے آخر میں نائب اور ولی عہد بھی بنایا گیا۔ الغرض فیروز شاہ ٹھٹھہ سے روانہ ہو کر ۲۔ رجب ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں دہلی پہنچ کر باقاعدہ تخت نشین ہوا، اور حکومت عدل و انصاف کے ساتھ کرنے لگا۔[۵۲] ٹھٹھہ والوں نے جب دیکھا کہ بلا ٹلی اور یہ تمام طوفان ملک طغی کا لایا ہوا ہے تو غالباً اس کو سندھ سے نکال دیا، یا خود طغی گجرات کو خالی میدان سمجھ کر سندھ سے گجرات چلا آیا تاکہ انتقامی کارروائی کرے۔ لیکن نظام الملک جونا بہادر ترک جو گجرات کا گورنر تھا، اس نے بڑی ہوشیاری سے اس پر فتح پائی اور بالآخر وہ مارا گیا۔ یہ واقعہ ۷۵۱ھ ہے اور اسی وقت بادشاہ کو شاہزادہ فتح خاں کے تولد کی بھی خبر ملی۔ بادشاہ ۲۔ رجب ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء کو دہلی پہنچا[۵۳] اور مختلف کاموں میں مشغول ہو گیا۔ شعبان ۷۵۸ھ ۱۳۵۶ء میں دکن کے جدید تاجدار علاء الدین حسن گنگو بہمنی نے مالوہ فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ گلبرگہ سے روانہ ہو کر دولت آباد پہنچا۔ بالاگھاٹ میں لشکر کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ پچاس ہزار سوار موجود ہیں۔ شاہ دکن نے چاہا کہ ندیاد اور سلطان پور ہو کر مالوہ پہنچے کہ رائے

---

[۵۱] "باربک" امیر اعظم (امیر الامراء) کا مرادف ہے جو بادشاہ کے پاس بغیر اجازت کے جا سکتا ہے اور لوگوں کی درخواستیں اُس تک پہنچائے۔ (لغات کشوری باب با فصل الف)

[۵۲] بدایونی جلد (۱) صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ کلکتہ۔

[۵۳] بدایونی جلد (۱) صفحہ ۲۴۳ لیکن برنی نے آخر جمادی الثانی لکھا ہے۔

ہرن کا سفیر حاضر دربار ہوا۔ رائے ہرن بگلانہ میں مقیم تھا۔ یہ راجہ کرن باگھیلا (سابق مہاراجہ گجرات) کی اولاد میں تھا۔ (شاید پوتا یا نواسہ ہوگا) وہ چاہتا تھا کہ اپنا ملک موروثی واپس لے لیکن ایک طرف دکنی سپاہ اور دوسری طرف گجرات کے لشکر کا اس قدر خوف غالب تھا کہ کسی طرح اندروں ملک داخل ہونے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ بادشاہ سے سفیر نے عرض کیا کہ شاہان دکن اور گجرات میں ہمیشہ دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ بادشاہ سب سے پہلے گجرات کا قصد کرے اور اس سدابہار زمین کو جو میرے باپ دادوں کی ملکیت ہے اور جس کی رعایا زمینداروں کے ظلم سے تنگ آ کر جان سے بیزار ہوگئی ہے قبضہ میں لاکر اس بندہ کو اپنے حلقہ بگوشوں میں داخل کرے اور پھر مالوہ پر حملہ آور ہو (تاکہ ایک طرف سے آپ اور دوسری طرف یعنی گجرات سے میں مدد کروں، اور اس طرح بآسانی مالوہ بہت جلد فتح ہو جائے) راجہ کے علاوہ گجرات کے زمینداروں نے بھی بادشاہ کے پاس فتح گجرات کے لیے عرضیاں بھیجیں (غالباً شمالی گجرات کے پہاڑی زمیندار ہونگے جو ہمیشہ بدامنی کے خواہاں رہتے تھے) علاء الدین شاہ اپنے امراء سے اس معاملہ میں مشورہ کرکے تیار ہوگیا۔ چنانچہ شاہزادہ محمد کو بیس ہزار فوج بطور ہراول دے کر آگے روانہ کیا جو نوساری پہنچ کر مقیم ہوگیا۔ اس نے نوساری کو بہت ہی سرسبز پایا اور بکثرت جانور پائے خود شکار کھیلنے میں مشغول ہوا اور اپنے باپ کو بھی اس سے آگاہ کیا جو خود بھی شکار کا بے حد شائق تھا۔ چنانچہ بادشاہ بھی جلد از جلد وہاں پہنچا اور ایک ماہ تک شکار کھیلتا رہا۔ نوساری کی مرطوب آب و ہوا نے اس پر بڑا برا اثر ڈالا۔ وہ بخار میں اس طرح مبتلا ہوگیا کہ بستر سے اٹھ نہ سکا اور ناچار نوساری سے بحسرت و یاس گلبرگہ کو واپس آیا۔ جہاں کچھ دنوں کے بعد دنیا سے رحلت کرگیا[1]۔

۷۵۹ھ ۱۳۵۷ء میں مغلوں نے میدان خالی سمجھ کر گجرات کا قصد کیا لیکن اکثر ان میں سے کچھ کے رن میں تباہ ہوگئے اور بہت آدمی اسلامی لشکر کے ہاتھوں مارے گئے اور ان میں جو

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ حیدرآباد۔

بچے اُن کو کولیوں اور کاٹھیاواڑ کے زمینداروں نے شبخون مار مار کر تباہ کردیا۔ اور دسواں حصہ فوج کا بڑی مشکل سے جان بچا کر سرحد پر پہنچا۔ غالباً نظام الملک ناظم گجرات نے بڑی ہوشیاری سے اس بلا کو دفع کیا۔ اور بڑی دلیری سے ان وحشیوں کا منہ پھیر دیا جس باعث گجرات لوٹ سے بچ گیا۔[۵]

سنہ ۷۶۳ھ (۱۳۶۱ء) میں سلطان فتح ٹھٹھہ کے لیے دہلی سے روانہ ہوکر سندھ پہنچا۔[۶] اور ٹھٹھہ کا محاصرہ

---

[۵] ضیاء برنی صفحہ ۶۰۱ لیکن سنہ نہیں بتایا ہے۔ مگر جس ترتیب سے وہ ذکر کرتا ہوا چلا آتا ہے اُس لحاظ سے سنہ ۷۵۹ھ ہی ہونا چاہیے۔

[۶] محاصرہ ٹھٹھہ کی تاریخ و سنہ افسوس ہے کہ کسی کتاب سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ مختلف کتب تاریخی کے تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۷۶۳ھ (۱۳۶۱ء) ہے چنانچہ مندرجہ ذیل سطور سے واقعات کا پتہ لگیگا۔ اور اسی سے سنہ بھی معلوم ہوجائیگا۔

شوال سنہ ۷۵۴ھ (سنہ ۱۳۵۳ء) اول حملہ بنگالہ ضیاء برنی صفحہ ۵۸۷

۲ شعبان سنہ ۷۵۵ھ (سنہ ۱۳۵۴ء) واپسی دہلی و بناء فیروزآباد طبقات اکبری صفحہ ۱۱۵ و برنی صفحہ ۵۹۶

ذی الحجہ سنہ ۷۵۶ھ (سنہ ۱۳۵۵ء) خلعت خلافت مصری کی آمد اور بدایونی سنہ ۷۵۷ھ لکھتا ہے صفحہ ۲۴۵ مطبوعہ کلکتہ

سنہ ۷۵۸ھ (سنہ ۱۳۵۶ء) ظفر خاں بنگالہ سے دہلی آکر نائب وزیر ہوا۔ فرشتہ و بدایونی و طبقات وغیرہ

سنہ ۷۵۹ھ (سنہ ۱۳۵۷ء) حملہ مغل صفحہ ۲۳۰ طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ۔ ضیاء برنی نے سنہ نہیں لکھا مگر ترتیب واقعہ سے سنہ معلوم ہوتا ہے

سنہ ۷۶۰ھ (سنہ ۱۳۵۸ء) دوم حملہ بنگالہ و خلعت خلافت مکرر بدایونی جلد اول وغیرہ طبقات اکبری کلکتہ صفحہ ۲۳۱

۲۰ جمادی الاول سنہ ۷۶۰ھ (سنہ ۱۳۵۸ء) قیام جونپور طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۳۲

ذی الحجہ سنہ ۷۶۰ھ (سنہ ۱۳۵۸ء) قیام بہار۔ طبقات صفحہ ۲۳۲ عفیف نے لکھا ہے کہ ۲½ برس کے بعد دہلی واپسی ہوئی صفحہ ۲۱۴

سنہ ۷۶۱ھ (سنہ ۱۳۵۹ء) شکار فیل جاج نگر

رجب سنہ ۷۶۲ھ (سنہ ۱۳۶۰ء) مراجعت دہلی بدایونی صفحہ ۲۴۶ و طبقات اکبری صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ کلکتہ

ذوالحجہ سنہ ۷۶۲ھ (سنہ ۱۳۶۰ء) صلح نگرکوٹ و مراجعت دہلی سراج عفیف صفحہ ۱۸۹ بعد از شش ماہ فیروز شاہ را جہاں فتح الخ حضرت شاہ عنان مراجعت سمت دارالسلطنت

سنہ ۷۶۳ھ (سنہ ۱۳۶۱ء) محاصرہ ٹھٹھہ فرشتہ نے سنہ ۷۶۲ھ لکھا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ نولکشور

شش ماہ (دشت) کچھ رن میں فوج رہی صفحہ ۲۱۳ سراج عفیف

سنہ ۷۶۴ھ (۱۳۶۲ء) گجرات میں سلطان فیروز آیا

شروع کر دیا۔ نوے ہزار سوار اور چار سو اسی ہاتھی جنگی اس کے ساتھ تھے اور دشمنوں کے پاس بیس ہزار سوار اور چار لاکھ پیادے تھے۔ تقریباً چھ ماہ محاصرہ رہا لیکن فتح کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اس درمیان قحط نے اپنا مُنہ دکھایا، فوجی گھوڑوں میں بھی ایک بیماری پھیل گئی جس سے گھوڑے بکثرت مرنے لگے یہاں تک کہ فوج کا چہارم حصہ بھی سواروں میں نہ رہا۔[۵] فیروز شاہ تغلق نے جب یہ حال دیکھا تو بمشورۂ امرا، دولت محاصرہ اُٹھا کر گجرات کا ارادہ کیا تا کہ فوج کی حالت درست کر کے پھر ٹھٹھ کا محاصرہ کیا جائے۔ اس مشورہ کے بعد سلطان فیروز شاہ مع فوج کے سندھ سے روانہ ہو گیا اور ظفر خاں کو جو نائب وزیر تھا اور جس کے پاس بنگالیوں کی کافی تعداد تھی اپنے پیچھے حفاظت کے لیے چھوڑا۔ سندھیوں کو جب اس کی خبر لگی تو انھوں نے لوٹ کے خیال سے فوج کا پیچھا کیا مگر ظفر خاں نے اپنی حسن تدبیر اور بہادری سے سندھیوں کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ بلکہ مقابلہ کر کے متعدد سندھی سرداروں کو قتل کیا۔ سلطان فیروز شاہ کوچ در کوچ کرتا ہوا سمت گجرات روانہ ہوا۔ اور ایک سندھی راہبر رہبری کے لیے لے لیا لیکن گرانی غلہ کے سبب تمام مخلوق حیران تھی۔ مردار اور کچا چمڑا بلکہ پُرانا چمڑا بھی ابال ابال کر لوگوں نے کھایا۔ عام طور پر لوگ پیادہ ہو گئے تھے، بلکہ بڑے بڑے سردار بھی پاپیادہ چل رہے تھے۔ رہبروں نے مغالطہ سے بجائے گجرات لے چلنے کے دشتِ کچھ پہنچا دیا۔ جب یہ راز لوگوں پر کھلا تو ایک کی گردن مار دی اور دوسرے نے سچ سچ حال بیان کر دیا کہ ہم جان کر تم کو اس دشتِ کچھ میں لائے ہیں تا کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔ شیریں پانی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ ہر جگہ ریت ہی ریت نظر آتی تھی اور ہر چیز شور معلوم ہوتی تھی۔ سلطان نے حکم دیا کہ جس قدر شیریں پانی ہے اس کو بحفاظت تمام رکھو اور اس رن کو طے کرو۔ اگرچہ بادشاہ منزل بہ منزل کوچ کرتا تھا مگر اپنے لشکر کی یہ مصیبت دیکھ کر کہ ہر منزل میں ہزاروں مرتے ہیں وہ روتا تھا۔ پانی کی کمیابی اور تشنگی کے سبب لوگ حیران تھے۔ بارش کی دعا مانگتا تھا۔ خدا نے اس کی دعا قبول کی۔ پانی خوب برسا۔ جس سے پانی

---

[۵] سراج عفیف صفحہ ۲۰۱۔

کی مصیبت تو کم ہوگئی مگر رن کا چکر ابھی تک تھا۔ چھ ماہ تک ٹکر مارتا پھرا آخر ایک راہ اس دشت بیابان سے نکلنے کی ملی۔ اور اسی راستہ پر قدم مارتے ہوئے گجرات پہنچا اور اپنی سلامتی کا فرمان خان جہاں وزیر کو دہلی بھیجا۔ جہاں گھر گھر سلطان مع لشکر کے گم ہو جانے کی خبر سے ماتم بپا تھا فوجیوں کے اہل و عیال نے اس خوشی بڑا حصہ لیا۔ اور تمام دہلی میں گویا عید منائی گئی۔ غرض بادشاہ نے ۷۶۴ھ ۱۳۶۲ء میں گجرات پہنچ کر دم لیا۔ لشکر کو ہر طرح کا آرام دیا۔ غیر جاگیر دار فوجیوں کو نقد دیا۔ اور بقایا سب ادا کر دیا جس سے لوگوں میں فراغ دستی پیدا ہوگئی اور سب لوگوں کے پاس گھوڑے بھی ہو گئے اور جاگیر دار فوجیوں کو خزانہ سے بطور قرض دلوایا۔ اور دہلی خان جہاں کو فرمان لکھ بھیجا کہ جب تک ہم دہلی نہ پہنچ لیں ان کی جاگیروں میں سے کچھ وضع نہ کیا جائے اور خود بھی گجرات کے خزانہ سے روپیہ لے کر سامان و اسلحہ وغیرہ مہیا کیا اور خانِ جہاں سے بھی سامانِ رسد اور اسلحہ وغیرہ طلب کیے۔ خانِ جہاں نے اس کثرت سے سامان روانہ کیا کہ ان کے بار کرنے کے لیے جانور نہ ملتے تھے۔ صرف ایک قسم کے ہتھیار سات لاکھ ٹنکے کے تھے۔ باقی کو اسی پر قیاس کرو۔ اس تمام ساز و سامان کے ساتھ سندھ روانہ ہونے ہی کو تھا کہ بہرام خاں داماد حسن گنگو (حسن گنگو بہمنی خاندان کا دکن کا پہلا بادشاہ) کے آدمی دربار فیروز شاہی میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ حسن گنگو کا لڑکا مجھ سے خلاف ہو گیا ہے۔ اس لیے اگر حضور فوج گراں لے کر ادھر تشریف لے جائیں تو دولت آباد حضور کے سپرد کر دوں اور پھر پورا دکن فتح ہو جائے سلطان نے جواب دیا کہ فی الحال ہم ٹھٹھہ کی فتح پر تلے ہوئے ہیں اس سے فارغ ہو جائیں تو پھر دیکھا جائیگا۔ اس جواب سے مایوس ہو کر بہرام خاں کے سفرا واپس چلے گئے۔

فیروز شاہ نے اب کوچ کا نقارہ بجوایا تو لوگ فوج سے مال و اسباب لے کر بھاگنے لگے کیونکہ کچھ کے رن میں جو مصیبتیں انہوں نے جھیلی تھیں وہ انہیں ابھی تک یاد تھیں۔ وہ ڈرے کہ کہیں پھر اُن کا سامنا نہ ہو جائے۔ جب بادشاہ کو اس کی خبر پہنچی اور امراء نے مشورہ دیا کہ اس کی روک تھام کرنی چاہیے۔ تو فیروز شاہ رحم دلی سے مانع آیا کہ بیچارے مصیبت زدہ تکلیف

سے ڈرتے ہیں جانے دو۔ پھر بادشاہ کوچ کر کے ٹھٹھہ پہنچ گیا۔

نظام الملک جونا جو ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) سے اس صوبہ گجرات کا گورنر تھا وہ اس سال یعنی ۷۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں معزول ہوا جس کی وجہ یہ ہے کہ فیروز شاہ تغلق جب ٹھٹھہ سے گجرات پہنچا تو نظام الملک سے سوال کیا کہ تم نے گجرات سے کیوں سامان رسد نہ بھیجا اگر تم بھیجتے رہتے تو ٹھٹھہ میں فوج بھوکی نہ مرتی۔ اور کچھ کارن طے کر کے ہم کو گجرات نہ آنا پڑتا۔ نظام الملک نے جو کچھ بھی جواب دیا ہو مگر مقبول شاہی نہ ہوا۔ اور بالآخر معزول کر دیا گیا۔ عفیف سراج نے یہی سبب لکھا ہے۔ مگر میرا

---

[1] سراج عفیف مراۃ محمدی (ص۲۳) کے مصنف نے اس معاملہ میں متعدد غلطیاں کی ہیں۔ اول تو ضیاء برنی نے اس معاملہ میں کچھ لکھا ہی نہیں اس لیے اس کا حوالہ دینا سرے سے غلط ہے۔ کیونکہ ضیاء برنی نے فیروز شاہ کا حال صرف چھ برس تک کا لکھا ہے اور شاید اس کے بعد وہ خود بھی زندہ نہ رہا کیونکہ وہ چوہتر سال کا ہو چکا تھا۔ دوسرے، مان لو کہ اگر غلطی سے ضیاء برنی کا نام لکھا ہے اور دراصل فیروز شاہی عفیف سراج لکھنا چاہیے تھا۔ تو بھی اس اعتراض باقی رہتا ہے یعنی سراج عفیف نے معزول ہونے یا گجرات پہنچنے کا کوئی سنہ و سال نہیں لکھا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ۷۶۲ھ (۱۳۶۰ء) میں اس واقعہ کا ہونا تاریخ فرشتہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ فرشتہ نے فتح نگرکوٹ اور ٹھٹھہ اور آمد گجرات کا کوئی سنہ تحریر ہی نہیں کیا ہے بلکہ بلا تحریر سنہ اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ۷۶۲ھ (۱۳۶۰ء) کے تحت میں فرشتہ نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس سنہ میں ہوا ہو تو یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ فرشتہ نے لکھا ہے کہ ۷۶۲ھ (۱۳۶۰ء) میں بادشاہ جاج نگر سے شکار فیل کر کے دہلی پہنچا (جلد ۱، ص ۲۱۲) اس کے بعد نگرکوٹ جانا اور صلح سے فتح کرنا لکھا ہے۔ اس کے بعد ٹھٹھہ جا کر محاصرہ کرنا لکھا ہے۔ پھر محاصرہ ترک کر کے گجرات پہنچنا تحریر کیا ہے۔ اب غور کرو کہ اس زمانہ کے وسائل آمد و رفت کو دیکھتے ہوئے کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کام ایک سال میں ہو سکتے ہیں اس کے علاوہ اس کے خلاف دوسری تاریخوں میں واقعات موجود ہیں۔ یعنی چھ ماہ نگرکوٹ کا محاصرہ رہا اور ذوالحجہ کے ماہ میں صلح ہوئی۔ پھر فیروز شاہ دہلی آکر خانِ جہاں وزیر سے مشورہ کر کے ٹھٹھہ گیا۔ اور کم از کم ٹھٹھہ کا محاصرہ چھ ماہ تو کیا ہوگا۔ ورنہ ایک ہی دو ماہ میں فوج کا قحط زدہ ہو جانا اور محکمہ کمسریٹ کا (محکمہ رسد رسانی) دیوالیہ ہو جانا بعید از عقل ہے پھر سراج عفیف کی فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان مع فوج چھ ماہ تک کچھ کے رن میں مارا مارا پھرتا رہا تب کہیں جا کر گجرات پہنچا۔ ان تمام متذکرہ بالا تحریر کو مدنظر رکھ کر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ۷۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں بادشاہ گجرات پہنچا۔ اسی سال ناظم گجرات نظام الملک معزول ہوا۔

خیال یہ ہے کہ اس میں نظام الملک کا کچھ قصور نہیں ہے کیونکہ وہ تقریباً بیس برس سے گجرات پر حکومت کر رہا تھا، اور آج تک اس کی کوئی شکایت نہیں ہوئی اور شخصی سلطنتوں میں کسی صوبہ پر بیس برس حکومت کرنا ہی اس کے وفادار، ہوشیار، لائق ہونے کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ پھر اسی شخص کو بادشاہ نے کچھ دنوں کے بعد نائب وزارت ممالک کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ سراج عفیف بھی اس کی ایک مقام پر تعریف کرتا ہے۔

دراں ایام ملک الشرق نظام الملک نیک	ان دنوں ملک الشرق نظام الملک امیر
نام یعنی امیر حسین بن امیر میراں مستوفی ممالک	حسین بن امیر میراں مستوفی ممالک
علیہ الرحمۃ والغفران ولایت گجرات داشت	گجرات کا حاکم تھا۔ آبادی اور سلامت
در عمارت و استقامت و استمالت اقطاع	روی اور صوبہ کی دل دہی میں بڑی
کوشش بیش گماشت	کوشش کی۔

ضیاء برنی لکھتا ہے کہ از بندگان و مخصصان قدیم درگاہ اعلیٰ است۔

ملک مستوفی افتخار الملک نائب گجرات	ملک مستوفی افتخار الملک ناظم گجرات ہے کہ
است کہ سالہا بندگی درگاہ اعلیٰ را بندگی و	عرصہ دراز سے ملازمان شاہی میں داخل
چاکری کردہ است و در حق گزاری و حق	ہے حق شناسی اور کارگزاری اور صحیح رائے
شناسی و کاردانی و کم آزاری و ہنرمندی و	قائم کرنے اور لوگوں کو کم تکلیف دینے میں
رائے صواب از نوادر عہد است و از وفور	زمانہ کے عجائبات میں سے ہے اور سلطان
مراحم خدایگانی چند سال است کہ نائب	کی مہربانی سے کئی برس سے ناظم گجرات ہے
عرصۂ گجرات شدہ است بہ حسن کفایت و	کفایت شعاری، عقلمندی، مہربانی، اور
فرط درایت و وفور مہر و شفقت و از کمال	انصاف کے سبب اس طول طویل مدت
انصاف و داددہی آنچناں عرصہ طویل و	میں جہاں فتنہ و فساد پریشان کن ہوا اس
عریض کہ از بسیاری بلغاکہا و فتنہا بتر و	طرح منتظم رہتا کہ جس سے بڑھ کر رہنا

پریشاں گشتہ چناں منتظم و ملتئم گردانید کہ براں مزید صورت نہ بندد و خراج آں عرصہ را بر نہجے مستقیم کرد کہ ہر سال چندیں لکھوک بہ خزانۂ اعلیٰ میرسد۔ (ص ۵۸۳)

ناممکن ہے۔ اسی کا کام ہے۔ پھر خراج سلطنت کو اس ڈھنگ پر لے آیا کہ بلا توقف ہر سال لاکھوں روپیے خزانہ میں آتے رہے۔

بات یہ ہے کہ نظام الملک کو کسی قسم کا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور اسی لیے اپنے دل سے اس نے کچھ نہیں کیا۔ فیروز شاہ کے دل میں تھا کہ اگرچہ حکم نہیں دیا مگر تم کو خود عقل سے معلوم کرکے مدد پہنچانی چاہیے تھی۔ یہ خواہش کوئی جدید نہ تھی۔ شخصی سلطنتوں میں عموماً ماتحتوں سے ایسے توقعات حاکم رکھتے ہیں اور اسی میں اکثر لوگوں نے انعام پایا ہے اور بہت سے لوگوں نے تکلیف اٹھائی ہے۔ نظام الملک کے عہد میں گجرات کی آمدنی دو کروڑ تنکہ کی تھی۔ محمد شاہ تغلق کے عہد میں بغاوت عام کے سبب ملک ویران ہو گیا تھا، آمدنی کم ہو گئی تھی۔ لوگ مظالم کے سبب اور حکام کی سختیوں سے تنگ آکر ادھر ادھر بھاگ گئے تھے۔ غرض صرف نظام الملک کے حسن تدبیر سے گجرات میں سرسبزی ہوئی اور دو کروڑ تنک آمدنی ہو گئی۔ ٹنکہ اس زمانہ میں سونے اور چاندی دونوں کا ہوا کرتا تھا لیکن یہاں غالباً ٹنکہ سفید یعنی چاندی کا سکہ مراد ہے جو ۲½ روپیہ کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے گجرات کی آمدنی موجودہ انگریزی سکہ سے پانچ کروڑ ہوئی۔[1] لیکن راقم الحروف نے سلطان محمود کے ٹنکہ کو وزن کیا تو ایک تولہ سے کچھ زیادہ تھا۔ پس فیروز شاہ کا ٹنکہ بھی اگر اسی وزن کا تھا تو صحیح آمدنی دو ہی کروڑ ہوئی۔

اسی عہد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جام خیر الدین بادشاہ سندھ سیر کے لیے نکلا۔ ایک غار میں مردہ انسانوں کی ہڈیاں دیکھ کر تفتیش کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ چند سال قبل فلاں جماعت نے اس کارواں پر جو گجرات سے آرہا تھا ڈاکہ ڈال کر تمام مال پر قبضہ کر لیا، اور لوگوں کو تہ تیغ کیا۔

---

[1] تاریخ ہند جلد دوم صفحہ ۱۹۱ میں مولوی ذکاء اللہ صاحب نے آمدنی دس کروڑ بتائی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ سراج عفیف صفحہ ۲۲۱۔

جام نے حکم دیا کہ سب مال جمع کیے جائیں اور وہ سب مال گجرات کے حاکم کے پاس بھیج دیا کہ تلاش کرکے وارثوں کو دے دیا جائے اور قاتلوں کو سخت سزا دی۔[1]

اسی عہد میں ایک شاعر جس کا نام محمد شرف الدین (بدر الدین) اور تخلص مطہر تھا۔ ابن قوام الدین بن رستم بن محمود بلخ کا باشندہ تھا لیکن اس کا باپ کڑہ (الہ آباد) میں رہ پڑا۔ شاعر اسی جگہ پیدا ہوا۔ ۷۹۵ھ تک زندہ تھا۔ اس کی تصنیف شرح مخزن اسرار ہے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ اس کا دیوان غیر مرتب تھا۔ مولا محمد صوفی مازندرانی نے گجرات میں اس کا ایک نسخہ غیر مرتب پایا اس کو انھوں نے مرتب کرکے شائع کیا (معارف اعظم گڑھ اگست ۱۹۴۱ء) فیروز شاہ کے مداحوں میں ہے۔ اس کو کھنبایت میں جاگیر ملی تھی۔ مگر ایک کوڑی وصول نہیں ہوتی تھی۔ آخر جھلا کر ایک منظم عرضداشت لکھی جس میں کھنبایت کے ہندو دیوان کی سخت ہجو کی ہے پھر اپنا افلاس دکھلا کر یہ تحریر کیا ہے کہ کم از کم متوسط طبقہ کے مندرجہ ذیل اشیاء تو ہونی چاہییں ایک مکان جس میں ایک حجرہ ایک صفہ، ایک دالان ایک مطبخ ہو۔ مکان کے سامان میں سے طشت، آفتابہ، شمع کرسی، کمبل، تھال، پیالہ، پیالی، بڑا پیالا۔ طبقچہ، دیگ، توا، صراحی، تختہ طغارا، کفچہ، چھلنی، چمچہ، ہاون دستہ، چکی، خم، چھپر کھٹ، صندوق، طبل یعنی پٹاری ہونی چاہیے۔ غذا میں حلوا، چاول، شوربہ تو ہو۔ اور کچھ نہ سہی تو دار الشفا (ہوسپٹل) کے مریضوں کی غذا تو میسر ہو۔ مثلاً برائے قوت صبح کے وقت قلیہ، برنج باروغن مع ترشی۔ شام کو روٹی یخنی، کباب چلاؤ، مغز بز، ہریسہ گندم یا جو کا۔ لباس میں جبہ، فرجہ (قبائے بے بند) دوتہ لوئی اونی شامی یا مکی۔ مصری یا حجازی عمامہ۔[2]

شاعر کے اس بیان سے عہد تغلق کے معاشرتی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی عہد میں حسام الملک شاہی دیوان تھا۔ اس کی جاگیر چھ لاکھ تنکہ سرخ کی تھی یعنی چھ لاکھ اشرفی سونے کی۔

---

[1] تاریخ معصومی ص۶۰ بمبئی   [2] معارف جولائی ۱۹۳۵ء

ظفر خاں ناظمِ گجرات

۷۶۴ھ
۱۳۶۲ء

سلطان فیروز شاہ جب گجرات آیا تو نظام الملک کو معزول کر کے اس نے چاہا کہ ملک نائب باربک کو اس صوبہ کا ناظم بنائے۔ چنانچہ جامہ (خلعت) و مراتب وغیرہ سب سامان حاضر کر دیا گیا۔ مگر خیال آیا کہ قرآن سے فال لینا چاہیے۔ چنانچہ فال ظفر خاں کے نام نکلا پس بے شان و گمان ظفر خاں روبرو تخت شاہی کے بلائے گئے اور خلعت سے سرفراز کر کے صوبہ ہذا کے ناظم مقرر کیے گئے[1]۔ ظفر خاں فارسی دراصل بنگالہ کا رہنے والا تھا۔ بنگالہ غیاث الدین بلبن کے وقت سے گویا آزاد تھا۔ غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق نے اس پر فوج کشی کی مگر کچھ دنوں کے بعد اس کا بھی انجام یہی نکلا کہ آخر پھر آزاد ہو گیا۔ فیروز شاہ کے عہد میں بنگالہ کے دو حصے تھے ایک کا پایۂ تخت پنڈوا تھا جو مالدہ کے پاس ہے جس پر حاجی الیاس شمس الدین حاکم تھا۔ دوسرے حصہ کا پایۂ تخت سنارگاؤں تھا اور اس کا حاکم فخر الدین تھا جس کو عوام فخرا کہتے تھے۔ ظفر خاں فارسی اسی فخر الدین کا داماد تھا۔ حاجی الیاس کو شکست دے کر جب فیروز شاہ واپس آیا تو حاجی الیاس نے اپنا غصہ فخر الدین پر اس طرح نکالا کہ اچانک پہنچ کر اس کو گرفتار کر لیا اور پھر اس کو قتل کر کے سارے ملک پر قابض ہو گیا[2]۔ ظفر خاں اس وقت مضافات میں تحصیل مالگزاری کے لیے گیا ہوا تھا، اس لیے بچ گیا۔ ظفر خاں نے اب سنارگاؤں جانا مناسب نہ سمجھا اور کشتی پر سوار ہو کر بھاگا۔ تقریباً سارے ہند کے گرد گھوم کر سندھ کے بندرگاہ ٹھٹھہ میں پہنچا اور براہِ خشکی پھر دہلی آ کر فیروز شاہ کے دربار میں مستغیث ہوا۔ سلطان فیروز نے اس کی بڑی دلدہی کی اور اول

---

[1] سراج عفیف صفحہ ۲۲۵

[2] ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ میں ہے کہ فخر الدین کو ۷۴۱ھ (۱۳۴۰ء) میں سلطان علاء الدین علی مبارک نے قتل کیا اور فیروز شاہ تغلق نے حاجی الیاس شمس الدین پر فوج کشی کی اس لیے کہ جب ایام شاہزادگی میں اس کا نوکر تھا تو ایک جرم کر کے بھاگ گیا تھا۔ اس وقت جستجو سے نہ ملا اور جب دونوں قدرت خدا سے شاہ ہو گئے تو فیروز شاہ نے انتقام لیا۔ (کتاب مذکور ص ۹۲ تا ۱۰۵)

ہی روز اس کو تین ہزار تنکہ (۴۸ ہزار روپیہ) تبدیلِ لباس[1] کے عنوان سے عنایت ہوا۔ پھر چار لاکھ تنکہ (دس لاکھ روپیہ) مرحمت ہوا، اور ایک ہزار سوار اور پیادے اس کے لیے مقرر ہوئے اور نائب وزیر بنایا لیکن اس سے وہ کچھ زیادہ خوش نہ ہوا۔ اس لیے فیروز شاہ نے خاں جہاں ملک مقبول وزیر سے اس بارہ میں مشورہ کیا۔ طے پایا کہ دادرسی کی جائے اور اس لیے ایک زبردست فوج کے ساتھ فیروز شاہ بنگالہ پہنچا۔ اس عرصہ میں خود شمس الدین مر چکا تھا اور اب اس کا بیٹا سکندر جانشین تھا۔ سکندر نے بھاگ کر جزیرہ اکدالہ میں پناہ لی، اور فیروز شاہ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ سکندر نے یہ دیکھ کر کہ غلّہ چارہ کا قحط ہو گیا مجبوراً بادشاہ سے صلح کر لی۔ سکندر کو تاج بخشا گیا اور سنارگاؤں ظفر خاں کو واپس دیا گیا لیکن ظفر خاں نے دیکھا کہ اس کے خاندان کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہا ہے۔ اس لیے اس نے وہاں قیام نامناسب سمجھ کر بادشاہ کے ساتھ واپس آنا ہی مناسب سمجھا۔ دہلی پہنچ کر بادشاہ نے ظفر خاں کو نائب وزیر برقرار رکھا اور وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ سنارگاؤں سے زیادہ اچھی جگہ تم کو دونگا چنانچہ یہ وعدہ گجرات کی نظامت دے کر شاہ نے پورا کر دیا[2]۔ ظفر خاں کا اصلی نام نہ معلوم ہو سکا۔ ظفر خاں کا خطاب اس کے خسر کا دیا ہوا تھا جس کو فیروز شاہ نے برقرار رکھا۔ مؤلف طبقات اکبری نے ظفر خاں فارسی لکھا ہے جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ غالباً وہ غیر ملکی (ایرانی) آدمی تھا۔ شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں ایک جگہ لکھا ہے کہ شمس الدین دامغانی ظفر خاں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ اس سے خفیف سا شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ ظفر خاں بھی دامغانی ہو۔ ایران کے پاس قُہستان کا جو مشہور صوبہ ہے اس کا بڑا شہر دامغان ہے۔ وہ کب اور کس عہد میں ہند آیا۔ کچھ معلوم نہیں اور پھر کس طرح بنگالہ پہنچ کر فخر الدین کا داماد بنا۔ تاریخ اس سے خاموش ہے[3]۔

---

[1] سراج عفیف نے "جامہ شستن" یعنی کپڑا دھونا لکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسافرت سے آئے ہو کپڑے میلے ہو گئے ہیں دھو کر تبدیل لباس کر ڈالو۔ اسی لیے میں نے تبدیل لباس اس کا ترجمہ کیا ہے۔

[2] تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف صفحہ ۱۳۷۔ مقدمہ ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲۔

[3] تعجب ہے کہ ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ میں بھی اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔

غالباً ظفر خاں ہند میں تنہا ہی آیا تھا اور اسی لیے شمس الدین نے جب فخر الدین کے خاندان کو گرفتار کر لیا تو اس کا کوئی وارث نہ رہا۔ غرض ظفر خاں ۷۶۳ھ/۱۳۶۱ء تک فیروز شاہ کے ہمراہ رہا اور نائب وزیر کا کام کرتا رہا۔ وہ اس عہدہ پر قانع اور ہر طرح مطمئن تھا۔ ناظم گجرات ہونے کے بعد بھی "اپنا نائب رکھ کر وہ فیروز شاہ کے ساتھ جنگ ٹھٹھہ ثانی میں شریک رہا۔ جب فیروز شاہ دہلی واپس گیا تو ظفر خاں گجرات واپس آیا۔[۱]

ظفر خاں گجرات کا ایک لائق گورنر تھا۔ ضیا برنی لکھتا ہے کہ

از برآوردگان درگاہ اعلیٰ خان معظم ظفر خان	بادشاہ کے اراکین دولت میں سے خان معظم
است کہ بشغل نیابت وزارت از اعاظم	ظفر خاں بھی ہیں جو نائب وزیر کے عہدہ پر متمکن
اشغال دیوان اعلیٰ اعلاہ اللہ است	ہیں اور یہ عہدہ بعد وزارت کے سب سے بڑے
مشرف و مکرم گشتہ است و باری تعالیٰ ظفر خان	عہدوں میں سے مانا جاتا ہے اور خدا نے
مذکور را بہ عفت و صلاح آراستہ و بدیانت	ظفر خاں کو عفت اور نیکی، دیانت داری اور
و صیانت پیراستہ و حافظ کلام اللہ است	عقل کے زیورات سے آراستہ کیا ہے وہ حافظ
و در قرأت قرآن عدیم المثال است و قرآن	قرآن بھی ہے اور بے مثل قرآن پڑھتا ہے اور قرآن
در نماز و غیر نماز چناں می خواند کہ سامعان را	اس طرح پڑھتا ہے کہ سننے والوں پر رقت
رقت روئے نماید و چشمہا از گریہ رواں میشود	طاری ہو کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ کاروبار
۔۔۔۔۔ و در کاردانی و کفایت و ہمت و شجاعت	بار، کفایت شعاری، ہمت اور بہادری اور
و سخاوت نظیر خود نہ دارد۔ (ص ۵۸۳)	سخاوت میں بے مثل ہے۔

ظفر خاں کی لیاقت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب خان جہاں مقبول وزیر اعظم ضعیف اور پیر ہو گیا اور بادشاہ نے چاہا کہ عہدۂ وزارت سے الگ کر دیا جائے اور امرائے دولت میں سے کسی کو وزیر بنایا جائے تو نظر انتخاب سب کی ظفر خاں ہی پر پڑی۔[۲]

---

[۱] سراج عفیف ص ۲۳۴ [۲] ایضاً ص ۴۰۵۔

سنہ ۷۶۹ھ (۱۳۶۸ء) میں فیروز شاہ نے ایک فوج کاٹھیاواڑ بھیجی جس میں شمس خاں اور ملک عزالدین یحییٰ دو کارآزمودہ جنرل تھے۔ شمس خاں جوناگڈھ کا محاصرہ کرکے فتحیاب ہوا اور دوسری فوج بہ سر کردگی عزالدین راجہ کنور پال کی تنبیہ کے لیے منگلور (منگرول) پہنچی۔[۱] جو کاٹھیاواڑ میں ایک ساحلی مقام ہے۔ یہ فوج جب دہلی سے روانہ ہوکر مانگرول پہنچی تو راجہ نے صلح کے مقابل جنگ کو زیادہ پسند کیا۔ اسی فوج کے ساتھ سید سکندر مسعود بھی[۲] تھے۔ آپ خود مع عقیدتمندوں کے اس جنگ میں شریک ہوکر حتی الامکان داد شجاعت دیتے رہے۔ دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا۔

---

۱ میں نے لفظ تنبیہ اس لیے لکھا ہے کہ اس جنگ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے اور نہ بظاہر کوئی سبب اشتعال کا نظر آتا ہے جس سے فوج کشی کی جائے۔ پس قرین قیاس یہ ہے کہ اس سے پہلے محمد تغلق جوناگڑھ فتح کرچکا تھا اور اس کے مضافات مع سواحل اس کے تابع فرمان تھے۔ انہی میں منگرول کا راجہ بھی تھا۔ محمد تغلق کے مرنے پر فیروز شاہ دہلی کے جھگڑوں میں لگا رہا اور اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاکر دونوں خود مختار رہ گئے اور غالباً قلعہ جوناگڑھ کی قدرتی مضبوطی کو دیکھ کر ناظم گجرات نے مقابلہ کی ہمت نہ کی۔ سنہ ۷۶۹ھ کے دوران میں فیروز شاہ جب گجرات آیا تو غالباً اس کا خیال اس طرف رجوع ہوا اور بعد فتح ٹھٹھہ دہلی جاکر وہاں سے فوج بھیجی۔ دیوان رنچھوڑجی نے اپنی تاریخ سورٹھ میں اس واقعہ کا ذکر تو کیا ہے لیکن کوئی سبب وہ بھی نہیں لکھتے (ص ۸۴ قلمی بخط مصنف) ایک دوسری بات یہ ہوسکتی ہے کہ مانگرول بندرگاہ ہونے کے سبب ہمیشہ سے مختلف المذاہب تاجروں کا مسکن رہا ہے۔ ممکن ہے کہ راجہ کے تعلقات مسلمان تاجروں سے کشیدہ ہوگئے ہوں اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ایک مختصر فوج بھیجنی پڑی ہو۔ غرض راجہ نے محمد تغلق کے بعد خود مختار ہوکر خراج دینا بند کردیا ہو، یا مسلمانوں کی حفاظت مطلوب ہو۔ ہر دو صورت میں کوئی بڑی فوج کشی نہ تھی۔ ورنہ کسی معروف و مشہور جنرل کو اس کام کے لیے فیروز شاہ روانہ کرتا۔ کیونکہ شمس خاں اور عزالدین غیر معروف لوگ ہیں۔ تاریخ میں ان کا کوئی کارنامہ مذکور نہیں ہے۔ البتہ ضیاء برنی نے جہاں امراء فیروز شاہی کی فہرست لکھی ہے۔ وہاں ایک امیر کا نام ملک عزالدین بھی ہے۔ شاید وہی ہو۔ جامع مسجد کے کتبہ سے اس کے باپ کا نام ہے آرام شاہ معلوم ہوا۔ بدایونی جلد اول صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ کلکتہ میں ہے کہ "بعد محمد تغلق ملک عزالدین یحییٰ اعظم الملک خطاب یافت" غالباً اسی فتح کے صلہ میں یہ خطاب ملا ہوگا۔

۲ تذکرۃ الانساب میں ہے کہ آپ کا اسم گرامی سید سکندر بن مسعود حسینی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ سید سکندر بن مسعود بن عمر بن قاسم بن شاہ جی بن علی بن موسیٰ بن علی بن حسن بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ کاظم۔ مولد آپ کا ترمذ ہے جو ترکستان کا مشہور شہر ہے۔ اوائل عمر میں ترمذ سے (باقی بر صفحہ ۴۱۷)

راجہ مارا گیا، اور مسلمانوں کو کامل فتح ہوئی۔ فتح کی یادگار میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی جو ۷۸۵ھ ۱۳۸۳ء
میں مکمل بن کر تیار ہوئی جیسا کہ جامع مسجد کے مندرجہ ذیل کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے جو فی الحال جامع
مسجد کے مندرجہ ذیل کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، جو فی الحال جامع مسجد سے تھوڑی دور پر بوڑھ (۵)
واڑ (بوہرہ واڑ) کی مسجد میں بہ خیال حفاظت لگا دیا گیا ہے۔ کیونکہ جامع مسجد کی عدم مرمت
وحفاظت کے سبب یہ کتبہ الگ ہو کر گر پڑا تھا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱۶) اُچھ (سندھ) چلے آئے اور عرصہ تک حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت
کے زمرہ مریدان میں رہ کر علم سلوک کی تعلیم لیتے رہے۔ تقریباً بیس برس کی عمر میں آپ نے اپنی خلافت دے
کر خرقہ عطا فرمایا، اور منگلور (مانگرول) کاٹھیاواڑ میں ارشاد وتلقین کی خدمت سپرد کر کے رخصت کیا آپ
سندھ سے پہلے دہلی تشریف لائے اور فیروز شاہ سے ملاقات کر کے عزالدین کی فوج کے ساتھ مانگرول پہنچ
گئے الخ اس سے معلوم ہوا کہ آپ براہ خشکی مانگرول پہنچے۔ اوچھ سے براہ دریا مانگرول نہیں آئے۔ جیسا کہ مشہور
ہے اسی طرح یہ بات بھی مشہور ہے کہ جناب سید موصوف بہ بہانہ بارات شادی معہ مسلح سپاہیوں (امردان (۶)
خاص) کے پردہ دار گاڑی میں بیٹھ کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ میرے خیال میں بلند پایہ بزرگوں کی ذات ایسے
مکروہ اسباب دنیاوی سے مبرا اور بالا تر ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ غیر محتاط لوگوں نے دوسروں کا واقعہ آپ
کی طرف منسوب کر دیا۔

مصنف مرأۃ مصطفےٰ آباد نے سید سکندرؒ کو فیروز شاہ کے سرداروں میں شمار کیا ہے اور بعد فتح منگرول آپ
کو وہاں کا حاکم قرار دیا ہے۔ لیکن اس دعویٰ کے متعلق کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ زید کے عالم ہو جانے
سے بکر کا عالم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر سید غیاث الدین ترمذی کسی عہد میں کوئی امیر تھا تو
اس سے سید سکندرؒ کا بھی سرداروں میں ہونا کہاں سے معلوم ہوا۔ سید احمد نامی ایک بزرگوار کے کتبہ سے
یہ معلوم ہوا کہ سید سکندرؒ شمس الدین کے ماتحت تھے۔ یہ تو ان کی سرداری کی کوئی دلیل نہیں ہوئی۔ سید
موصوف یقیناً گروہ مجاہدین کے سردار تھے لیکن ان کی سرداری ایک دینی عہدہ کے طور پر تھی نہ کہ دنیاوی (۷)
افسری۔ کاش سید احمد کا پورا کتبہ تحریر کیا ہوتا۔ مشکل یہ ہے کہ بعض لوگ آپ کو طارق، موسیٰ، محمد بن قاسم
کی طرح ایک فاتح سمجھتے ہیں حالانکہ آپ کی اصلی حیثیت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، خواجہ
معین الدین اجمیری، نظام الدین اولیاء اور جہانیاں جہاں گشتؒ جیسی ہے۔ مصنف مرأۃ مصطفےٰ آباد نے
آپ کو فاتح کے ساتھ حاکم مانگرول بھی تسلیم کیا ہے، بلکہ آپ کے لڑکے کو بھی حاکم قرار دیا ہے۔ حالانکہ میرے
نزدیک یہ قطعی غلط ہے۔ آپ کے پوتے نے جو خط حضرت شاہ عالم کو لکھا ہے جو ابھی تک منگلور میں محفوظ ہے
اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے متعلق محض رشد وہدایت تھی نہ کہ حکومت۔ (باقی بر صفحہ ۴۱۸) (۲۷)

کتبہ ذیل میں درج ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدًا

درعہد خسروے کہ شہاں پیش درگہش — سر بر زمیں نہادہ چو خاکینہ در رہش
فیروز شاہ شاہ جہانگیر دیں پناہ — بنیاد کفر زو شدہ اندر نگل تباہ
نور چراغ شرع ازو یافتہ ضیا — در عہد دولتش کہ مبادا ش انزوا
بنیاد ایں مقام شد از فضلِ کردگار — از سعی عزالدین بن آرام شہ بکار
اتمام ہم بدولت عہدش شد ایں مقام — امید آنکہ عفو گناہش بود تمام

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱۷) چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں
سکونت قصبہ منگلور بحکم حوالت بندگی قطب اقطاب عالم قدس سرہ العزیز سید سکندر مرحوم اختیار کردہ اند قصبہ مذکور خاصہ اسلام نصب کردہ سید موصوف چوں بہ مغرب فنا فرو شدند، والد ماجد مرحوم نیز تشبہ طریق وسع امکان با تمام رسانیدہ اند، بعد وفات والد مرحوم بندہ خاکروب آشیانہ بصورت لنگان وکوران و ضعیفاں برحسب طاقت بشری بامید حشر من تشبہ بقوم فھو منھم وان لم یعمل بعلمھم دراں رہ می شتابد۔

سید سکندر مرحوم نے قصبہ منگلور کی سکونت قط[illegible]
اقطاب عالم حضرت مخدوم جلال الدین کے حکم سے ا[illegible]
کی تھی اور اسلام کا جھنڈا اس قصبہ میں گاڑا۔ [illegible]
موصوف جب وفات پا گئے تو والد مرحوم حتی الا[مکان]
سید سکندر کے طریقہ پر چل کر انجام دیتے رہے۔ و[illegible]
کی وفات پر یہ بندہ ناچیز اپنی طاقت کے مطابق
کی مشابہت کے خیال سے اس کام میں سرگرم

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سید رکن الدین نے اپنے والد بزرگوار کے طریقہ پر کار فرمائی [illegible] اور سید آدم اپنے باپ سید سکندر کے قدم بقدم چلتے رہے اور ہر مورخ کو معلوم ہے کہ سید رکن الدین منگ[لور] کے حاکم نہ تھے۔ بلکہ مسلمانوں کے مقتدا اور ہادی تھے۔ پس ان کے باپ دادا بھی اسی طرح تھے۔ ا[illegible] آپ کا یہ فرمانا کہ "سید السادات چنانچہ فرمان بود سرانجام رسانیدہ اند" کا مطلب یہ ہے کہ مخدوم جلال [illegible] کا جیسا حکم اقامت منگلور اور اشاعت اسلام کا تھا، ویسا بجا لاتے یعنی اقامت کرکے تبلیغ کرتے رہے ج[یسے] کہ حضرت معین الدین چشتی نے اجمیر میں اقامت کی۔ جامع مسجد کے کتبہ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] کا حاکم عزالدین تھا۔ مصنف مرأۃ مصطفےٰ آباد نے تکمیل مسجد کی تاریخ غلط لکھی ہے۔ اصل کتبہ میں اس [کی] تاریخ اتمام ۷۵۸ھ ہے۔ یہ پورا کتبہ میں نے آگے لکھ دیا ہے۔

از سال ہجری نبوی بود ہفت صدہ ہشتاد پنج گشتہ برو زائد از عدد
یارب زفضل وعون خودش عفو کن تمام بانیش را گناہ بکونین والسلام

بخط العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ اللہ طاہر عثمان جعفری

یہ مسجد بارہ پندرہ سال میں بن کر تیار ہوئی۔ اور اسی کتبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عزالدین اس جگہ کامل پندرہ برس تک گورنر رہا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس جگہ کی حکومت کا تعلق اس کو براہ راست دہلی سے تھا۔ یا ناظم گجرات کی ماتحتی میں حکومت کرتا تھا۔ سیدنا سکندر مسعودؒ اسی جگہ مقیم ہو گئے اور آپ کی خانقاہ کے لیے ایک گاؤں سلطان کی طرف سے عنایت ہوا جس کا نام دیول پور تھا اُس کو تبدیل کر کے مخدوم پور رکھا گیا۔ جو آج تک ان کے خاندان کا مقبوضہ ہے۔ آپ کی ولادت ۷۵۰ھ ۱۳۴۹ء میں ہوئی اور پچھتر برس زندہ رہ کر ۸۲۵ھ ۱۴۲۱ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ سادات منگلور عموماً اسی خانوادہ کے گل نوبہار ہیں۔ آپ کا مزار اسی جگہ ہے، سالانہ عرس ہوتا ہے۔ تبرکات میں سے بعض اشیاء اپنی خصوصیت کی بدولت قابل ذکر ہیں مثلاً راجو قتال کی لنگی اپنی ملتانی صنعت کے لحاظ سے قابل توجہ ہے۔ حضرت رکن الدینؒ کی کنگھی، سیدنا سکندر مسعودؒ کا عمامہ بھی صنعت کے لحاظ سے قابل یادگار ہے۔ ایک عجیب چیز اور ہے یعنی غالباً مکمل قرآن ایک کپڑے پر ہے۔ میرے خیال میں اس کو تو تبرکات کے ساتھ رکھنے کے بجائے ایک شیشہ کی الماری میں ذرا پھیلا کر رکھ دیتے تاکہ ہر وقت لوگ اس کی زیارت کر سکتے۔ سیدنا سکندرؒ کا جُبہ بھی ہے جواب صرف تبرک ہی تبرک ہے۔ ایک مطلا قرآن پاک بھی نظر سے گزرا جو حضرت مخدوم کی والدہ کی طرف منسوب ہے۔ متعدد بیرقیں بھی ہیں جو فتح منگرول بعہد مخدوم سید سکندر کی یادگار بتائی جاتی ہیں۔ ایک اور جاذب نظر چیز سنگین پیالہ ہے جو اپنی شفافیت کے سبب اندرونی اشیاء کا سایہ باہر ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ پیالہ درحقیقت کسی سفید پتھر کا ہے جو سنگ مرمر نہیں ہے، غالباً بلور ہو اور کسی ماہر استاد نے اندر اور باہر سے بہترین طریقہ پر پالش کی ہے۔ عہد قدیم کی ہندی صنعت

کا قابلِ دید نمونہ ہے۔ حضرت نظام الدینؒ، نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھی کچھ کپڑے تھے۔

جہانگیر کے عہد میں سادات بخاری بھی اس جگہ آکر بسے جن کا مورث اعلیٰ سید مرتضیٰ فرید خاں تھا۔

ظفر خاں نے گجرات میں تقریباً آٹھ دس برس حکومت کی اور آخر ۷۷۰ھ میں اس دارِ فانی سے چل بسا۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ کچھ حالات ظفر خاں کے نہ معلوم ہوئے خصوصاً گجرات میں اس نے کس طرح حکومت کی۔ کیا کیا بندوبست کیا۔ امرائے گجرات کے ساتھ اس کے تعلقات کیسے تھے۔ یہ سب پردۂ خفا میں ہے۔

دریا خاں ملقب بہ ظفر خاں دوم

ناظمِ گجرات ۷۷۰ھ ۱۳۶۹ء

ظفر خاں اول کے انتقال کے بعد فیروز شاہ تغلق نے اس کے بڑے لڑکے دریا خاں کو ظفر خاں کا خطاب دے کر باپ کی جگہ گجرات کا ناظم مقرر کیا۔ باپ کی وراثت پاکر ہر طرح اطمینان کے ساتھ انتظام میں مشغول رہنے لگا۔ چونکہ ہر طرف سلطنت جمی جمائی تھی اس کو کچھ زیادہ تکلیف کرنی نہ پڑی۔ ظفر خاں دوم اپنے باپ کا ایک لائق فرزند تھا۔ تختِ نظامت پر قدم رکھتے ہی اس نے ہر چیز پر نظر ڈالی اور سلطنت کے ہر کل پُرزے کو جانچ کر اس طرح عمدہ انتظام کیا کہ گجرات میں ہر طرف امن ہی امن نظر آنے لگا اس کے علاوہ آس پاس کی سلطنت پر بھی خاصہ رعب طاری ہو گیا۔ چنانچہ جب تک وہ اس عہدہ پر رہا دولت آباد (دکن) والے ہمیشہ خوف زدہ رہے۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ کو یہ خیال دلایا کہ ظفر خاں کو دربار میں بادشاہ کے پاس رہنا چاہیے (میرے خیال میں اس کے رعب داب سے خوف زدہ ہو کر بادشاہ اور امرائے دولت نے اس بہانہ سے بلا لیا کہ تمہارا دربار میں رہنا زیادہ ضروری ہے) اس لیے بادشاہ کے دربار میں چلا آیا۔

[1] ۷۷۶ھ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا[1]۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ نے علاء الدین خلجی کے وقت سے اپنے خلفاء کو گجرات بھیجنا شروع کر دیا تھا جو یہاں آ کر تبلیغ میں مصروف تھے۔ پٹن، دھولکہ، دھندھوکہ، کھنبایت، بھروچ۔ غرض گجرات کے تمام اطراف میں یہ لوگ پھیل گئے۔ اور پھر ان خلفاء کے خلفاء ہوتے رہے۔ یہ لوگ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ چونکہ یہ لوگ ترک دنیا کر کے صوفیانہ لباس میں ہدایت خلق میں مصروف رہتے اس لیے مخلوق بھی ان کی دل سے عزت کرتی۔ یہ دیکھ کر بعض دنیا دار لوگ بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ۷۷۶ھ میں ملازادوں میں ایک صاحب جن کا نام عین ماہرو تھا اپنے کو مرشد کے روپ میں دکھا کر مرید اکٹھے کرنے شروع کر دیے۔ خود انا الحق کہتے تو مرید تو ئی تو ئی فوراً کہنے لگتے۔ کبھی "انا الملک الذی لایموت" (میں ایک ایسا بادشاہ ہوں جو مریگا نہیں) کہتے ہیں ایک رسالہ بھی اسی معاملہ کے متعلق تحریر کیا تھا۔ جب فیروز شاہ تغلق کو اس کی خبر ہوئی تو فوراً گرفتار کر لیے گئے اور پابزنجیر دہلی لائے گئے۔ تمام واقعات کی تحقیقات کے بعد ان کو قتل کر دیا گیا اور کتابیں جلا دی گئیں۔ اور اس سیاسی اور دینی فتنہ سے گجرات کو بہت جلد نجات دلائی[2]۔

اب ملک شمس الدین ابورجا کو ۷۸۱ھ/۱۳۷۸ء میں نائب ناظم مقرر کیا گیا جو پہلے سامانہ کا نائب ناظم تھا اور ابھی معزول ہوا تھا۔ ملک شمس الدین ابورجا ایک شوریدہ سر آدمی تھا۔ اس نے سامانہ کی طرح گجرات میں بھی ہزاروں بدعت ظلم و ستم کے ایجاد کیے اور مخلوق کو بہت تنگ کیا۔ اسی باعث آمدنی میں بھی کمی آ گئی۔ سراج عفیف لکھتا ہے:-

ملک شمس[3] الدین را از نیابت اقطاع سامانہ — ملک شمس الدین کو صوبہ سامانہ کی نیابت سے

---

[1] فیروز شاہی سراج عفیف ص ۳۷۲ کلکتہ [2] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۰ کلکتہ

[3] مراۃ احمدی میں کاتب کی تحریف سے اور مراۃ احمدی میں غلطی سے انور خاں لکھا ہے۔ درحقیقت ابورجا ان لوگوں کو کہتے ہیں جو "ابورجایان" گروہ سے ہوتے ہیں۔ سراج عفیف ص ۴۵۴۔ کلکتہ

[4] کتاب مذکور ص ۴۵۵ مطبوعہ کلکتہ۔

معزول کنانیده۔ بعدہ ملک شمس الدین	معزول کرایا۔ اس کے بعد ملک مذکور صوبہ گجرات
نیابت اقطاع گجرات یافت بہ سوئے اقطاع	کی نیابت حاصل کرکے گجرات پہنچا۔ اس زمانہ میں
گجرات شتافت۔ دراں ایام از پیش تخت	سلطان فیروز شاہ کی طرف سے صوبہ گجرات کا
شہریار عظام اقطاع گجرات ظفر خاں بن	ناظم ظفر خاں بن ظفر خاں یعنی دریا خاں رحمۃ
ظفر خاں یعنی دریا خاں علیہ الرحمۃ والغفران	اس پر رحم کرے تھا۔ غرض جب ملک شمس الدین
داشت المقصود ملک شمس الدین چوں در	گجرات آیا تو اس نے یہاں بھی جدید طریقے بہت
اقطاع گجرات رفت در گجرات نیز چیزہائے	سے ایجاد کیے اور نئی باتوں کا رواج دیا۔ چنانچہ
بسیار بنیاد نہاد و ابواب عملہائے باریک	باوجود اس بات کے کہ صوبہ کی حالت میں
کشاد۔ چناں کہ مقطع را باوجود نصب حالت	کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی تو بھی ہر طرح سے
عزل پیش آمد۔ بعد از چندگاہ ملک شمس از	اگلی ویرانی پھر چھا گئی۔ کچھ دنوں کے بعد ملک
اقطاع گجرات نیز معزول شد و خلق گجرات	مذکور یہاں سے بھی معزول ہوا اور گجرات کی مخلوق
خلاص یافت۔	نے اس سے نجات پائی۔

ضیاء الملک ابو رجا (ملک شمس الدین) یوں تو بڑا فاضل، عالم، مدبر شخص تھا لیکن ساتھ ہی بڑا متکبر بھی تھا۔ بادشاہ کے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ یہ شاعر بھی تھا۔ چنانچہ کئی دیوان اشعار کے بادشاہ کے سامنے پیش بھی کیے تھے، مگر سعدی شیرازی سے اپنے کو کم نہ سمجھتا تھا[۱]۔ اسی سبب سے لوگ اس سے متنفر تھے معاملات میں بھی یہ شخص کھرا نہ تھا۔ چنانچہ جب گجرات آنے لگا تو خزانہ شاہی سے نوے ہزار سکہ (غالباً ٹنکہ سے مراد ہوگا) بطور قرض تیاری سامان کے دیا گیا جو اس نے آخر تک ادا نہ کیا[۲]۔ رشوت لینے کا بھی عادی تھا، اور غبن کرنا بھی اس کے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ چنانچہ جب ان دنوں بادشاہ کا فرمان آیا کہ جو سوداگر دریائے نیل کے جزیرہ (مراد افریقہ) سے ہاتھی لائے تو جو ہاتھی راستہ میں مرجائے اس کی بھی قیمت خ

---

[۱] سراج عفیف ص ۴۶۰ مطبوعہ کلکتہ [۲] کتاب مذکور ص ۴۸۵۔

سے دے دی جائے۔ ملک شمس الدین ابو رجا نے چند ہاتھیوں کے دام خزانہ سے یہ کہہ کر وصول کر لیے کہ وہ مر گئے۔ حالانکہ یہ بالکل فرضی بل تھا۔ ان حالات و واقعات کے سبب گجرات کے امن اور محاصل میں کمی آگئی۔ بادشاہ کو خیال ہوا کہ کسی معقول شخص کو گجرات بھیجا جائے تاکہ معاملات روبراہ ہو جائیں شمس الدین دامغانی جو ظفر خاں کا رشتہ دار تھا، اس نے کچھ سن پایا اور اپنے لیے جد و جہد کرنے لگا۔ وہ صاحب اثر تھا اور دربار میں خاصہ رسوخ رکھتا تھا۔ اُس نے عماد الملک کے واسطہ سے درخواست کی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ آدمی تو لائق ہے مگر بڑا فتنی ہے، اس سے ہر وقت فتنہ کا خوف ہے۔ باوجودیکہ یہ ایک قسم کا انکار تھا، مگر پھر بھی عماد الملک مایوس نہ ہوا۔ اور لگاتار اس کے لیے کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے اس کو قبول کر لیا اور اس کو حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ جب حاضر ہوا تو ارشاد ہوا کہ شمس الدین دامغانی تم کوئی ضمانت پیش کرو۔ دامغانی نے عرض کیا کہ ارکانِ دولت میں سے جس شخص کو ارشاد ہو بطور ضامن پیش کر سکتا ہوں۔ حکم ہوا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کو بطور ضامن دو۔ اس نے اس کو قبول کیا۔ چنانچہ دوسرے دن بادشاہ مع شمس الدین دامغانی کے حضرت نظام الدینؒ کے مزار اقدس پر گیا اور اپنے برابر قبلہ رو کھڑا کر کے اقرار لیا۔[۵۱] مگر عام تاریخوں میں مذکور ہے کہ شمس الدین دامغانی نے بادشاہ سے عرض کیا کہ صوبہ گجرات کی آمدنی بہت زیادہ ہے۔ مگر دیوان کے محکمہ میں لوگ صاف طور پر صحیح بات نہیں بتلاتے۔ اگر یہ صوبہ میرے حوالہ کیا جائے تو سالانہ آمدنی دو کروڑ کے علاوہ ایک سو ہاتھی چالیس لاکھ ٹنکہ اور چار سو غلام ہندی و حبشی اور دو سو گھوڑے عربی و عراقی خزانہ شاہی میں ہمیشہ داخل کرتا رہونگا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ظفر خاں دوم کا نائب شمس الدین ابو رجا جو اس وقت گجرات میں کام کر رہا ہے اس کو آگاہ کیا جائے اگر وہ بھی اس مزید رقم کو دینا قبول کرے تو وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ شمس الدین ابو رجا کو جب یہ خبر دی گئی تو اس نے نامنظور کیا اس لیے دامغانی دربار میں طلب کیا گیا۔ مگر زرین

---

۵۱ سراج عفیف ص ۴۸۶ ۵۲ ایضاً ص ۵۰۰۔

نیزہ اور چوڈول اس کو عنایت کر کے گجرات کی نظامت اس کو سپرد کی گئی - یہ واقعہ ۷۸۱ھ ۱۳۷۹ء کا ہے۔[1]

شمس الدین وامغانی

ناظم گجرات ۷۸۱ھ ۱۳۷۹ء

وامغان ایک شہر کا نام ہے جو قہستان میں واقع ہے اور قہستان ایک صوبہ ایران کا سمجھا جاتا ہے۔[2] شمس الدین وامغانی اسی جگہ کا رہنے والا ہے۔ شمس الدین تزک و احتشام کے ساتھ گجرات پہنچا اور انتظام ملک داری میں مشغول ہو گیا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اس کو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ وعدہ کیا تھا اس کا ایفا مشکل ہے، پھر تو اس نے ہر طرف سے مال و دولت سمیٹنی شروع کر دی اور بہ جبر لوگوں سے وصول کرنے لگا۔ بڑے بڑے سردار خصوصاً امیران صدہ ناراض ہو گئے پس اس نے غیر ملکی لوگوں کو چھوڑ کر ملکی باشندوں سے ارتباط قائم کیا۔ ٹھاکروں اور دیسی راجاؤں سے ساز باز کر کے وہ خود مختاری کا خواب دیکھنے لگا۔ اسی خیال سے اس نے سالانہ خراج بھی دہلی نہ بھیجا اور بالآخر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا گجرات کی مسلم آبادی خصوصاً امیران صدہ پہلے ہی سے ناراض تھی، اس اعلان سے اور زیادہ برافروختہ ہوئے۔ ملک شیخ فخر مال اور شیخ فرید الدین وغیرہ صبح صادق کے وقت دربان کو قتل کر کے نیزہ لیے ہوئے مکان میں داخل ہوئے اور وامغانی کو قتل کر ڈالا۔ اس سے قبل

---

[1] عام مورخین نے یہ واقعہ ۷۷۸ھ ۱۳۷۶ء کا تحریر کیا ہے لیکن فیروز شاہی مصنف لکھتا ہے کہ ۷۸۲ھ ۱۳۸۰ء میں وامغانی نے بغاوت کی ص ۴۹۷۔ اور یہ مسلم ہے کہ وامغانی صرف ایک سال گجرات کا ناظم رہا۔ اس حساب سے ابورجا کا عزل اور وامغانی کا تقرر ۷۸۱ھ ۱۳۷۹ء میں ہوا۔ مصنف مراۃ مصطفےٰ آباد نے ابورجا کو ظفر خاں اول کے عہد میں لکھا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ (دیکھو سراج عفیف ص ۴۵۴ کلکتہ و مراۃ احمدی ص ۳۹ جلد اول مطبوعہ کلکتہ) ابورجا بہ عہد دریا خاں الملقب بہ ظفر خاں دوم نائب ناظم تھا۔ ظفر خاں اول کا انتقال ۷۷۳ھ میں ہوا ہے (دیکھو سراج عفیف ص ۴۰۵) اس لیے جوناگڈھ پر اگر اس نے حملہ کیا ہوگا تو ظفر خاں دوم کے عہد میں نہ کہ سید سکندر کے ساتھ جیسا کہ مصنف نے تحریر کیا ہے۔ مراۃ احمدی کا حوالہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس نے جوناگڈھ کے حملہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ حملہ آور کا نام شمس خاں تھا نہ کہ شمس الدین۔

[2] فرہنگ رشیدی ص ۳۰۴۔ مطبوعہ کلکتہ۔

[3] فیروز شاہی سراج عفیف ص ۵۰۲ مطبوعہ کلکتہ۔ مصنف طبقات اکبری نے اس کے برخلاف لکھا ہے یعنی وامغانی امیران صدہ سے مل کر باغی ہوا۔ اور دہلی سے سلطانی لشکر نے آ کر اس کو قتل کیا یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس کا ہمعصر بدایونی بھی اس کا ہم زبان نہیں ہے، بلکہ فرشتہ فیروز شاہی کا مؤید ہے۔

لوگ ایک درخواست دہلی بادشاہ کے پاس روانہ کرچکے تھے جس میں وامغانی کی شکایت کی گئی تھی۔ یہ عرضی ابھی بادشاہ کے آگے پیش بھی نہ ہوئی تھی کہ امیران صدہ کے تیز رو قاصد نے باغی وامغانی کا سر بادشاہ کے آگے پیش کیا۔ لوگوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ بغاوت بغیر دہلی سے فوج بھیجے اس آسانی سے فرو ہوگئی۔

اس عہد میں گجرات کی آمدنی بیس لاکھ ٹنکہ سالانہ تھی۔ (تاریخ الیٹ ص ۳۳۵، ۳۸۸۔ جلد ۳)

ملک مفرح سلطانی ملقب بہ فرحۃ الملک

ناظم گجرات ۷۸۲ھ ۱۳۸۰ء

شمس الدین وامغانی کے قتل کے بعد ملک مفرح نظام شاہ سلطانی کو فرحۃ الملک کا خطاب دے کر گجرات کا گورنر بنایا گیا۔ فرحۃ الملک کا اصل نام راستی خاں بن ملک فتح الملک ہے اس نے گجرات آکر ملک کا معقول انتظام کیا۔ امیران صدہ کو راضی کرکے خوب دوستی پیدا کرلی کولیوں کی بھی معقول گوشمالی کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہر طرف امن وامان نظر آنے لگا اور ملک مفرح چین سے زندگی بسر کرنے لگا۔ اسی عہد میں حضرت جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بندر منگلور (موجودہ مانگرول) جو سومناتھ کے متصل واقع ہے تشریف لائے، غالباً حضرت سید سکندرؒ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے ہونگے۔ اس وقت تک جامع مسجد مکمل نہیں ہوئی تھی، اس لیے میرا خیال ہے کہ آنجناب نے ایک دوسری چھوٹی سی مسجد کی بنا رکھی ہے آج کل وہ مسجد رحمت مسجد کے نام سے موسوم ہے اور شکستہ حالت میں ہے اور آبادی سے بھی ذرا دور ہوگئی ہے اس پر جو کتبہ ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔ جو نقوش محو ہوگئے یا نہیں پڑھے جاسکے ان کی بجائے نقاط دیدیے ہیں:

"بنا کرد این مسجد رحمت اقضی القضاۃ.... قاضی..... سید السادات شیخ المشائخ قطب الدنیا جلال الحق والشرع والدین فی عہد سلطان الاعظم المعظم مالک الجود والکرم الموفق بتائید الرحمٰن ابو المظفر فیروز شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ بتاریخ شہور سنہ ۷۸۴ھ اربع وثمانین وسبع مائۃ۔"

اسی زمانہ میں ایڈر کا راجہ رنمل نامی تھا۔ ملک مفرح نے اس سے خراج طلب کیا ہوگا اور اس نے حسب عادت انکار کردیا ہوگا۔ اور یہی بات دونوں میں باعث جنگ ہوئی ہوگی۔ رنمل کے مصنف شری دھر ویاس (دن شمما)

نے بڑے مبالغہ سے اس کے حالات تحریر کیے ہیں جو اسی عہد کا مشہور درباری شاعر ہی اس نے لکھا ہی کہ ملک مفرح نے ایڈر پر چڑھائی کی مگر راجہ نے اس کو شکست فاش دی اور اس سے پہلے شمس الدین وامغانی (ص۳) کو شکست دی۔ اور ظفر خاں دوم یعنی دریا خاں کو بھی شکست دے چکا تھا (ص۶)

ملک مفرح سے اگرچہ جنگ ہوئی اور اس کو شکست بھی ہوئی تو یہ آخری زمانہ غالباً ۷۹۳ھ کا ہوگا جبکہ وہ بہت پریشان تھا اس لڑائی میں موڑاسہ کا تھانہ دار میر رحمان (ص۳) اور لشکر کا سردار خواص خاں (ص۹) اس کے ساتھ تھے۔ سپاہیوں میں بنگالی مغل، ملک ترک سب قسم کے لوگ تھے (ص۹) جھجو کمال اور خدمت خاں بھی کوئی مشہور افسر تھے (ص۱۰) راجہ کی مدد کے لیے راجہ کانڑسون گرا بھی ساتھ تھا جو راجپوتانہ کے سنبھر شہر کا حکمراں تھا۔ شاعر کا بیان ہی کہ مسلمان ہار گئے اور سترہ ہزار آدمی مارڈالے گئے (ص۱۲) اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہی کہ مسلمان سپاہی اس وقت نماز کے پابند تھے یعنی عین معرکہ جنگ میں بھی وہ نماز کو نہ بھولتے تھے (ص۹) جنگ میں تلوار، تیر، بھالا کے علاوہ مگدروں کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ اس کے متعلق مفصل بیان میں نے اس رسالہ میں تحریر کیا ہی جو رنمل چھند پر بطور تنقید تحریر کیا ہی اور گجراتی زبان میں شائع ہوگیا ہی۔

اب فیروز شاہ تغلق پیر ضعیف ہوگیا، امورِ سلطنت سب خان جہاں وزیر کے سپرد کر دیے تب ہر کام وزیر اپنی منشاء کے مطابق انجام دینے لگا اور اس سبب سے شاہزادہ محمد شاہ بن فیروز شاہ اور وزیر کی ان بن ہو گئی۔ وزیر نے اپنی طاقت کا اندازہ کرکے یہ خیال کیا کہ اگر بیچ سے شاہزادہ کو نکال دیا جائے تو اس گلستانِ سلطنت میں خار نہ رہیگا۔ چنانچہ بادشاہ سے عرض کیا کہ محمد شاہ اپنے بعض امراء سے مل کر خود تخت سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہی۔ یہ سُن کر بادشاہ کو افسوس ہوا حکم دیا کہ ان لوگوں کو گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ خانِ جہاں وزیر نے بہت سے امراء کو بحیلہ و حجت گرفتار کر لیا۔ منجملہ ان کے ظفر خاں دوم سابق ناظم گجرات بھی تھا جس کو وزیر نے اسی ہنگامہ میں بالآخر قتل کر ڈالا لیکن شاہزادہ محمد شاہ کسی طرح ہاتھ نہ آیا۔ اور چونکہ اس کو وزیر کی بدنیتی معلوم ہوگئی تھی اس لیے اس نے اپنی حفاظت کا مکمل انتظام کر لیا تھا۔ چند دن کے بعد محافہ میں بیٹھ کر فیروز شاہ کے پاس پہنچ گیا، اور چوبداروں سے کہہ دیا کہ کوئی روک ٹوک کرے تو کہہ دینا کہ محمد شاہ کی بیگم سلطان سے

لے کتاب رنمل سنسکرت مصنفہ شری دھرویاس۔

ملتے جاتی ہے۔ غرض محمد شاہ مسلح بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ وزیر خان جہاں خود سلطنت پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اسی لیے آپ کو مجھ سے بدگمان کرادیا۔ حکم ہوا کہ خان جہاں کو قتل کرڈالو۔ چنانچہ ایک جمعیت لے کر اس کے مکان پر حملہ آور ہوئے، وہ بھی خوب لڑا اور آخر زخمی ہو کر گھر کے اندر چلا گیا اور جب دیکھا کہ حالات ناموافق ہوگئے تو مکان کے پچھلے دروازہ سے نکل کر کوکا چوہان کے یہاں جو میوات کا راجہ تھا پناہ لی محمد شاہ کے لشکر نے وزیر کا گھر مع مال و اسباب لوٹ لیا اور طرفدار امراء کو بھی تہ تیغ کیا۔ ان باتوں سے مطمئن ہو کر محمد شاہ فیروز شاہ کے پاس گیا، سلطان فیروز شاہ نے اس کو وزیر مطلق کے عہدہ پر سرفراز کر کے ناصر الدنیا والدین کا خطاب دیا اور سلطنت کے تمام امور اس کے سپرد کر کے خود یاد الٰہی میں مشغول ہوگیا۔ جمعہ کے دن خطبہ میں دونوں کے نام پڑھے گئے۔ یہ واقعہ شعبان ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء کا ہے۔

ملک یعقوب سکندر خاں

ناظم گجرات ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء

جب محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق سلطنت پر قابض ہوگیا تو اپنے طرفدار امراء کو خطابات اور جاگیریں عطا کیں منجملہ ان کے ملک یعقوب محمد حاجی بھی تھا جس کو سکندر خاں کا خطاب دے کر گجرات کا گورنر بنایا سکندر خاں کو ایک فوج دے کر گجرات روانہ کیا اور تاکید کی کہ خان جہاں کا میوات سے بندوبست کرتے جانا۔ چنانچہ سکندر خاں نے میوات پہنچ کر جنگ کی طرح ڈالی۔ راجہ میوات نے دیکھا کہ دوسروں کے سبب مفت بلا سر پر آتی ہے اس لیے خان جہاں کو پکڑ کر سکندر خاں کے پاس بھیج دیا۔ اور سکندر خاں نے قتل کر کے اس کا سر محمد شاہ کے پاس بھیجا۔ سکندر خاں نے ان باتوں سے فراغت پا کر گجرات کا ارادہ کیا اور منزل بمنزل راہ طے کرتا ہوا گجرات پہنچا، مگر فرحۃ الملک نے صوبہ کا چارج دینے سے انکار کر دیا اور جنگ کے لیے آمادہ ہوگیا۔ غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ فرحۃ الملک خان جہاں کے طرفداروں میں تھا اور اسی لیے سکندر خاں کا آنا اس کو ناگوار ہوا۔ فرحۃ الملک کا انتظام پختہ تھا اور امیران صدہ اس کے طرفدار تھے اور رعایا اس کی پشت پر تھی۔ اس لیے دونوں میں باہم جنگ ہونے پر فرحۃ الملک کامیاب رہا اور سکندر خاں مارا گیا۔ اس واقعہ کی خبر محمد شاہ کو اس وقت ملی جب وہ سیر و شکار میں

مشغول تھا۔ دہلی واپس آکر اُس نے فرحۃ الملک سے انتقام لینے کی کوئی کوشش نہ کی، بلکہ عیش وطرب میں مشغول ہوگیا۔ اس سے امراء دولت میں بددلی پیدا ہوگئی اور اس کے خلاف سازش کی گئی۔ اور یہ سازش ایک بلوہ کی صورت میں نمودار ہوئی۔ صورت حال سے واقف ہوکر محمد شاہ نے فوجی رعب داب سے اس کو فرو کرنا چاہا، مگر پانی سر سے گزر چکا تھا، ناچار فوجی طاقت کا استعمال شروع کیا۔ جنگ ہوئی اور مخالفین کو شکست ہوئی اور فیروز شاہ تغلق کے پاس جاکر پناہ لی۔ دو روز تک مخالفین جس میں غلامان فیروز شاہی زیادہ تر تھے جنگ مغلوبانہ کرتے رہے۔ اور آخر کار تنگ آکر فیروز شاہ تغلق کو بہ جبر تخت پر بٹھاکر باہر لے آئے اور میدان جنگ میں جب بادشاہ کو لوگوں نے دیکھا کہ چتر لگائے مع لوازمات شاہی کھڑا ہے تو محمد شاہ کو چھوڑکر سب بادشاہ کے طرفدار بن گئے۔ اور اس طرح فاتح مفتوح ہوگیا۔ محمد شاہ چند ساتھیوں کے ہمراہ کوہ سرمور کی طرف بھاگ گیا۔ بادشاہ دہلی واپس آیا اور تغلق شاہ بن فتح خاں بن فیروز شاہ تغلق یعنی اپنے پوتے کو غیاث الدین کا خطاب دے کر ولی عہد کرکے تخت شاہی پر بٹھلایا۔ یہ واقعہ ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء کا ہے[۱]۔ ۱۸۔ رمضان ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء[۲] کو فیروز شاہ تغلق نے اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ اور تغلق شاہ مستقل بادشاہ دہلی کا ہوا۔ فیروز شاہ کا عہد ایک مبارک عہد تھا۔ جب تک زمام سلطنت خود اس کے ہاتھ میں رہی، بہت کم ملک میں بدامنی رونما ہوئی، وہ حتی الامکان کوشش کرتا تھا کہ کسی شخص کو میری طرف سے تکلیف ناحق نہ پہنچے۔ اس نے اپنے عہد میں سلطنت کے مختلف شعبوں پر بذات خود توجہ کی۔ فتوحات فیروزی کے مطالعہ سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے نرخ غلّہ وغیرہ کے متعلق بھی اس نے ایک قانون بنایا تھا۔ اور مندرجہ ذیل نرخ اس نے مقرر کیا تھا۔

گندم	۸ جیتل	فی من	جو، جوار	۴ جیتل	فی من
نخود	۴ "	"	دلیہ	۴ "	"

[۱] طبقات اکبری ص ۱۱۹ مطبوعہ نولکشور [۲] بعض لوگوں نے ۱۴۔ رمضان لکھا ہے۔

گھی	۲½ جیتل	سیر	نوٹ
شکر	۳½ "	"	جیتل کو موجودہ پیسہ اور من چودہ سیر پختہ
انگور	۱ "	"	کا سمجھو۔

اسی طرح ملک کی آبادی کے لیے بھی ہمیشہ کوشاں رہا خصوصاً جبکہ غلاموں کی ایک بڑی تعداد اس کے پاس جمع ہوگئی تو اور ملکوں کی طرح گجرات کے مختلف شہروں میں بھی ان کو بسایا، اور ان کو جاگیریں دیں اور وجہ معاش کا معقول بندوبست کردیا۔ جس سے گجرات کی آبادی میں بڑا اضافہ ہوا۔ چنانچہ فیروز شاہی میں ہے کہ "وبعضے را در سامانہ وبعضے را در گجرات وہم چنیں در اقطاعے برائے سکونت فرستادو ہم دراں اقطاعات استقامت ایشاں ہر یکے کردہ۔ برائے پروردن ایشاں دست احساں برآوردہ بعضے بندگاں راہم در اقطاعات مذکور میان حشم نان پرداخت، تعین کردہ و دیہا در وجہ دادؔ[1] کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو ماہوار نقد ملتا تھا۔ چنانچہ کسی کو ایک سو اور کسی کو پچاس بعضے کو ۲۵ ٹنکے ملتے تھے[2]۔ اور کسی کو دس ٹنکے سے کم نہ ملتا تھا۔ اس حساب سے گویا ادنی سے ادنی آدمی کو بھی پچیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔

عہد فیروز شاہ کے سکے حسب ذیل ہیں :۔

(۱) ایک رخ	دوسرا رخ	(۲)
السلطان الاعظم	فی زمن الامام	واثق بتائید یزدانی فیروز سلطانی
سیف امیر المومنین	امیر المومنین ابو الفتح	ضربت ہذہ السکۃ فی زمان الامام ابو العباس احمد
ابو المظفر فیروز شاہ	خلدت خلافتہ	خلدت خلافتہ
السلطان خلدت ملکہ		
ضرب ہذہ السکۃ بحضر..... ین وسبعمائتہ		

[1] سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی ص ۲۷۰ (ترجمہ:۔ بعضے کو سامانہ اور بعضے کو گجرات اسی طرح دوسرے صوبوں میں جاگیریں اور وظیفے دے کر آباد کیا)

[2] کتاب مذکور۔

(۳)

السلطان الاعظم سیف امیر المومنین ابو المظفر فیروز شاہ السلطان۔ ضرب ہذہ السکۃ فی زمن الامام امیر المومنین ابو الفتح المعتضد باللہ خلد ملکہ۔

(۴)

السلطان الاعظم سیف امیر المومنین ابو المظفر فیروز شاہ سلطانی خلد اللہ ملکہ فی زمن الامام امیر المومنین ابی عبد اللہ خلدت خلافتہ۔ ضرب ہذا

(۵)

فیروز شاہ سلطانی
نائب امیر المومنین ۷۶۰ھ

(۶)

فیروز شاہ سلطانی ضرب بحضرۃ دہلی
الخلیفۃ امیر المومنین خلدت خلافتہ
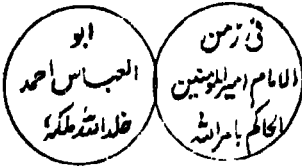
(۷)

فیروز شاہ سلطانی خلد ملکہ
الخلیفۃ ابو الفتح خلدت خلافتہ

(۸)

الخلیفہ ابو عبد اللہ خلدت خلافتہ
۷۸۴ھ

(۹)

فیروز شاہ سلطانی
ابو العباس احمد

(۱۰)

فیروز شاہ سلطانی
خلیفہ ابو الفتح

(۱۱)

فیروز شاہ
ابو عبد اللہ خلدت خلافتہ

(۱۲)

فی زمن
الامام امیر المومنین
الحاکم بامر اللہ

ابو
العباس احمد
خلد اللہ ملکہ

نوٹ: فیروز شاہ کے عہد میں مندرجہ ذیل خلفاء عباسی مصر میں تھے:۔
(۱) ابو العباس احمد الحاکم بامر اللہ (۲) ابو الفتح (۳) ابو عبد اللہ المعتضد باللہ
سکوں کے نام:۔ (۱) چہل وہشت گانی (۲) بست و پنج گانی (۳) بست و چہار گانی
(۴) دوازدہ گانی (۵) ہشت گانی (۶) شش گانی (۷) جیتل (۸) ادھا (نصف جیتل)
(۹) بیکہ (ربع جیتل) (۱۰) ٹنکہ جو سونے اور چاندی دونوں کا ہوتا تھا۔

غیاث الدین تغلق شاہ بن فتح خاں بن فیروز شاہ تغلق

شوال ۷۹۰ھ
۱۳۸۸ء

تغلق شاہ ایک نوجوان ناتجربہ کار تھا۔ اپنے وقت کو عیش وعشرت میں زیادہ صرف کیا۔ کاروبار سلطنت سے بے پروائی برتی۔ یہ دیکھ کر اس کے برادر زادہ (بھتیجے) نے ابوبکر بن ظفر خاں نے سازش شروع کی اور ملک رکن الدین نائب وزیر و دیگر امرا سے مل کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ کئی امرا کبار کو قتل کر ڈالا اور بالآخر تغلق شاہ کی باری آئی۔ خاں جہاں اور تغلق شاہ نے جب معلوم کر لیا کہ وقت ہاتھ سے نکل گیا، تو دریائے جمنا کے رُخ والے دروازے سے بھاگ نکلے۔ مگر ملک رکن الدین نائب وزیر بشکل ملک الموت آ مسلط ہوا اور دونوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور عبرت کے لیے ان کا سر دروازہ پر لٹکا دیا۔ یہ واقعہ ۲۱ ماہ صفر ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء کا ہے۔ غیاث الدین نے عمال میں کچھ تغیرات تو کیے مگر صوبہ گجرات پر فرحت الملک کو بحال رکھا۔ جس سے اُس نے بے پروائی کے ساتھ اہل کارانِ شاہی سے سلوک کرنا شروع کیا۔

سکۂ تغلق شاہ

(۱)

تغلق شاہ سلطانی — نائب

ضرب بحضرۃ دہلی — امیر المومنین ۷۹۰ھ

(۲)

تغلق شاہ — ابو عبداللہ

سلطانی — ۷۹۰

سلطان ابو بکر بن ظفر خاں تغلق بن فیروز شاہ

۷۹۱ھ
۱۳۸۸ء

تغلق شاہ کے مارے جانے کے بعد ابو بکر بن ظفر خاں تخت نشین ہوا، اور رکن الدین نے قلمدان وزارت سنبھالا۔ اگرچہ اس کی سلطنت دہلی میں مضبوط ہوگئی لیکن سامانہ کے امیران صدہ نے بغاوت کی اور محمد شاہ کو نگرکوٹ سے جہاں وہ پناہ گزین تھا۔ باصرار بلاکر بادشاہ بنایا۔ محمد شاہ نے کئی دفعہ فوجی تیاری کرکے حملہ کیا۔ لیکن ہر دفعہ ابو بکر نے شکست دے کر اس کی فوج کو منتشر کردیا۔ آخر سلطانی حاجب کی دغابازی سے محمد شاہ تخت پر قابض ہوگیا۔ اور ابو بکر میوات بھاگ گیا۔ سلطان محمد شاہ نے اس کا تعاقب کرکے اس کو گرفتار کرلیا، اور وہ میرٹھ کے قید خانہ ہی میں مرگیا۔ یہ واقعہ ۲۰۔ ذی الحجہ ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء کا ہے۔ اس عرصہ میں بھی راستی خاں فرحۃ الملک ہی گجرات کا گورنر رہا۔ اس نے اس خانہ جنگی سے خوب فائدہ اٹھایا اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اب اس کے دماغ میں خودمختاری کی ہوا سمائی۔ بڑے بڑے امراء اور خصوصاً امیران صدہ کو رضامند کرلینے کے لیے عام طبقہ کے لوگوں کو بھی خوش کرنے کی اس نے کوشش شروع کی۔ چنانچہ عوام مخلوق کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے غیر مسلموں کی بیجا طرفداری شروع کردی۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس میں اس قدر غلو کیا کہ ہندو رعایا کی خاطر مسلمان رعایا کو ناراض کردیا۔

سکہ ابو بکر بن ظفر خاں بن فیروز شاہ تغلق

(۱)		(۲)	
ابو بکر شاہ	الخلیفہ ابو عبداللہ	ابو بکر شاہ	نائب
بن ظفر بن فیروز شاہ	خلدت خلافتہ	بن ظفر بن فیروز شاہ	امیر المومنین
سلطانی	۷۹۱	سلطانی	خلدت خلافتہ ۷۹۲

(۳)

ابوبکر شاہ　　　نائب

ظفر بن فیروز شاہ سلطانی　　امیر المومنین ۹۱ء

سکہ فیروز شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ تغلق

(۱)　　　　　(۲)

السلطان الاعظم　　فی زمن الامام　　فیروز شاہ السلطانی ..... دہلی

فیروز شاہ بن ظفر خاں　　امیر المومنین　　الخلیفہ امیر المومنین خلدت خلافتہ

بن فیروز شاہ　　ابو عبد اللہ　　(۳)

السلطانی　　خلدت خلافتہ　　فیروز شاہ ظفر سلطانی ضرب بحضرۃ دہلی

الخلیفۃ ابو عبد اللہ خلدت خلافتہ ۹۱ء

نوٹ:۔ دو سکے میری نظر سے اور گزرے ایک فتح خاں بن فیروز شاہ کا۔ اور دوسرا فیروز شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ تغلق کا۔ لیکن تاریخوں میں ان دونوں کی سلطنت کی نسبت ایک لفظ بھی مرقوم نہیں ہے۔ فتح خاں تو پچیس برس کی عمر میں باپ کے سامنے ہی مر گیا۔ اور فیروز شاہ بن ظفر خاں تو اس قدر غیر معروف ہے کہ تاریخ میں اس کا نام تک نہیں آتا مرأۃ احمدی نے غیاث الدین تغلق بن فتح خاں کی نسبت لکھا ہے کہ اس کو بھی فیروز شاہ کہتے تھے۔ لیکن کسی تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ فتح خاں کے سکّہ پر کوئی سنہ نہیں ہے۔ لیکن فیروز شاہ بن ظفر کے سکہ پر ایک جگہ ۷۹۱ھ درج ہے۔ اور یہی سنہ ابوبکر بن ظفر خاں کا بھی ہے۔ اس لیے یا تو یہ ماننا پڑیگا کہ فیروز بن ظفر بھی کچھ دنوں کے لیے بادشاہ بنادیا گیا تھا اور یا ابوبکر ہی کا دوسرا نام بعد تخت نشینی فیروز شاہ رکھا گیا ہو۔ اور یہی زیادہ تر اغلب ہے۔

شاہ فتح خاں فیروز　　فی زمن الامام امیر المومنین ابو الفتح

خلد اللہ ظلالہ و جلالہ　　المعتضد باللہ خلدت خلافتہ

(۲

فتح خاں کے سکہ کی تاویل بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ چونکہ ولی عہد تھا، اور کاروبار سلطنت میں بہت دخیل تھا اس لیے سکہ و خطبہ اس کے نام کا بھی فیروز شاہ تغلق نے جاری کروا دیا ہوگا۔ جیسا کہ آخر عمر میں محمد شاہ بن فیروز شاہ کے ساتھ ہوا۔ مولوی ذکاء اللہ نے اپنی تاریخ ہند میں بھی یہی لکھا ہے۔

ناصر الدین محمد شاہ تغلق

سنہ ۷۹۲ھ
۱۳۸۹ء

ناصر الدین محمد شاہ نے جب ہر طرح سے اطمینان حاصل کر لیا تو امور سلطنت پر توجہ کی سب سے پہلے غلامان فیروز شاہی کی بیخ کنی پر کمر باندھی جو بیحد شریر اور فتنہ انگیز ہو گئے تھے۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو دیگر امور کی طرف اس نے توجہ کی۔ گجرات کی نظامت اس وقت تک فرحۃ الملک راستی خاں کے ہاتھ میں تھی۔ اسی کے عہد میں بغرض حج و زیارت بیت اللہ حضرت مخدوم شیخ احمد کھٹو[1] وارد پٹن (انہلواڑا) ہوئے اور ملک فتح الملک سے جو راستی خاں کا باپ تھا مل کر کھنبایت تشریف لے گئے[2] اور وہاں سے براہ دریا مکہ معظمہ۔ راستی خاں نے گجرات پر بارہ برس حکومت کی اور فیروز شاہی خاندان کی خانہ جنگی سے بیحد فائدہ اٹھا کر خود سر ہو گیا۔ اس نے یہاں کے ٹھاکروں اور راجوں سے مل کر خود مختاری کا خواب دیکھا۔ اور چونکہ ملک یعقوب سکندر خاں کو شکست دے چکا تھا اور اس کا انتقام لینے کے لیے دہلی سے بوجہ خانہ جنگی کوئی تنبیہی فوج نہیں آئی تو اس نے ایسا خیال کیا کہ مرکزی حکومت میں اب میرے مقابلہ کی طاقت نہیں رہی پس اسی وقت سے خراج مقررہ دہلی بھیجنا بند کر دیا، اور وہاں کے احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ اور چونکہ گجرات کے عام مسلمان اس خود مختاری سے خوش نہ تھے بلکہ اپنی جانی و مالی حفاظت کے لیے دہلی کے ماتحت

[1] کھٹو ضلع ناگور میں ایک مقام ہے [2] ضمیمہ مرآۃ احمدی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۲

رہنا پسند کرتے تھے۔ اسی سبب سے فرحت الملک نے ان پر سختی کرنا شروع کر دی، خصوصاً کھنبایت کے تجار کو بہت ستایا۔ اور ان کے مقابلہ میں ہندوؤں (گجراتیوں) کی دل دہی پر کمر باندھی اسی سبب سے مسلمان بہت زیادہ برافروختہ ہوئے اور آخر کار انہوں نے ایک عرضی محمد شاہ تغلق بن فیروز شاہ کی خدمت میں دہلی روانہ کی جس میں فرحت الملک کے مظالم سے دادرسی کے خواہاں ہوئے۔ مظلومان گجرات نے جو اس عرضداشت کو لے کر آئے تھے زبانی بھی بہت کچھ حقیقت امر سے آگاہ کیا۔ آخر بادشاہ نے غور و فکر کے بعد اپنے امرار کبار میں سے ظفر خاں کو منتخب کیا تاکہ گجرات کی نظامت اس کے سپرد کی جائے اور فرحت الملک کو کافی سزا دے کر ملک میں امن قائم کرے۔ یہ واقعہ دوم یا سوم ربیع الاول سنہ ۷۹۳ھ / ۱۳۹۰ء کا ہے۔[1]

ظفر خاں ناظم گجرات

سنہ ۷۹۳ھ
۱۳۹۰ء

سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق نے ظفر خاں کو "اعظم ہمایوں" کا خطاب دے کر چتر سفید، سراپردۂ سرخ جو علامات شاہی میں شمار ہوتا تھا عنایت فرمایا۔ اور گجرات کی نظامت کا بار اس کے مضبوط کاندھے پر رکھ کر رخصت کیا۔ ظفر خاں نے دہلی سے نکل کر باہر شہر متصل حوض خاص خیمہ استادہ کیا اور درستی سامان میں مشغول ہوا دوسرے روز بادشاہ نے اپنی ملاقات کا شرف بخشا، اور خود حوض خاص میں آکر تنہائی میں گفتگو کرتا رہا پھر خلعت خاص عنایت فرما کر سفر گجرات کی رخصت دی، اور اس کے لڑکے تاتار خاں کو متبنیٰ کے بہانہ بطور (اول ضمانت) کے اپنے پاس رکھ لیا۔ ظفر خاں متواتر کوچ کرتا ہوا گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ اثنائے سفر میں اس کو معلوم ہوا کہ تاتار خاں کے گھر لڑکا پیدا ہوا جس کا نام احمد خاں رکھا گیا۔ اس

---

[1] صرف فرشتہ نے سوم ربیع الثانی تحریر کیا ہے جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ نول کشور۔ مراۃ محمدی میں (صفحہ ۳۶) غلطی سے فرشتہ کے بجائے طبقات اکبری کی طرف نسبت کر دی۔

خبر مسرت اثر سے ظفر خاں بہت خوش ہوا، اور مجلس جشن ترتیب دے کر بڑی خوشی منائی اور لشکر کے سپاہیوں کو انعام اور خلعت سے سرفراز کیا۔ جب ناگور پہنچا۔ تو بندر کھنبایت کے لوگ ظفر خاں کو ملے جو فرحۃ الملک راستی خاں کے ظلم کی فریاد لے کر آئے تھے۔ ظفر خاں نے ان کو بعد تسلی اور تشفی دی، اور کوچ در کوچ کرتا ہوا سرحد گجرات سے تجاوز کر کے نہروالہ پٹن پر پہنچا اور یہاں سے ایک خط راستی خاں کو لکھا جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے:۔

"محمد شاہ کے دربار میں ایسا ذکر ہوا ہے کہ ملک مفرح نظام صوبہ گجرات کا خراج وصول کر کے خود اپنے قبضہ میں لے آیا ہے، اور ایک پائی بھی خزانۂ شاہی میں داخل نہیں کی باوجود اس دلیری کے پھر بھی اہالیان گجرات کو راضی نہیں رکھا۔ بلکہ ان پر ہر طرح سے ظلم روا رکھا ہے اور ناحق ان کو ستاتا ہے۔ چنانچہ کئی بار لوگ گجرات سے فریادی بن کر دہلی پہنچے۔ پس اب چونکہ اس ملک کا انتظام میرے سپرد کیا گیا ہے اس لیے بہتر ہے کہ چند سال کا بقیہ خراج فوراً دہلی اپنی طرف سے روانہ کر دو اور مظلوموں کی تشفی اور تسلی کر کے خود بھی دہلی کی طرف کوچ کر جاؤ"

فرحۃ الملک نے جواب دیا کہ جہاں اتنی دور چل کر آپ آئے ہیں، آپ وہیں ٹھہرے رہیں اور آگے بڑھنے کی تکلیف نہ کریں میں اسی جگہ آکر حساب پیش کرونگا۔ بشرطیکہ آپ مؤکلوں کو میرے حوالہ کر دیں۔

فرحۃ الملک چونکہ خاں جہاں پارٹی کا آدمی تھا۔ اور محمد شاہ سے اُسے کوئی ہمدردی نہ تھی اور اس سے قبل اسی محمد شاہ کے ایک امیر سکندر خاں کو مار چکا تھا اور خانہ جنگی کے سبب محمد شاہ نے اس کا انتقام نہ لیا تھا۔ اس لیے فرحۃ الملک کو یہ دھوکا ہوا کہ ظفر خاں کو بھی اسی طرح مار لونگا۔ اسی باعث اس نے ظفر خاں کے خط کا صحیح جواب دینے سے گریز کیا اور اس کے خط کا گول مول الفاظ میں جواب دیا جس میں اطاعت اور سرکشی دونوں باتیں موجود تھیں۔ حساب بے باق کرنے یعنی خراج ادا کر دینے کا وعدہ کرتا ہے اور ساتھ ہی دھمکی بھی دیتا ہے کہ اب خبردار آگے نہ بڑھنا، اور پھر ایک قسم کا مطالبہ بھی کرتا ہے کہ فریادی خیول

نے میرے خلاف استغاثہ کیا، وہ میرے حوالہ کر دیے جائیں۔ گویا ان مظلوموں کو اس بات
کی کافی سزا دینا چاہتا ہے کہ دہلی جاکر فریادکیوں کی۔ فرحۃ الملک غالباً اس وقت ملک
کے دورے پر تھا۔ وہ بارہ ہزار کا ایک لشکر لے کر ظفر خاں سے ملنے کے بہانہ چلا۔ ادھر ظفر خاں
بھی کوچ کرتا ہوا اساول پہنچا۔ دو چار دن نہ گزرے تھے کہ ظفر خاں کو معلوم ہو گیا کہ ایک لشکر
لے کر بغرض جنگ فرحۃ الملک روانہ ہو گیا ہے۔ ظفر خاں نے پھر ایک سفیر بہ غرض صلح پٹن
(نہروالا) روانہ کیا۔ جہاں نظام مفرح پہنچ کر جنگی انتظام میں مصروف تھا۔ سفیر کی معرفت
یہ پیغام دیا کہ اپنے آقا اور ولی نعمت سے سرکشی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ گجراتی لشکر پر بھروسہ
کر کے تم اپنے آپ کو فریب نہ دو۔ وقت جنگ یہ بے کار آمد نہ ہوں گے اور اس طرح اپنی زندگی
خراب نہ کرو۔ بہتر یہ ہے کہ تم دہلی جاکر سلطان محمد کے دربار میں حاضر ہو جاؤ یا میرے پاس چلے
آؤ۔ تاکہ درجۂ امارت پر تم کو مقرر کر دوں اور کسی طرح کا دل میں کوئی وسوسہ آپ نہ لائیں۔ فرحۃ
الملک نے سفیر کو جواب سخت دیا اور نا ملائم الفاظ سے مخاطب کیا۔ ناچار ظفر خاں نے بھی
تیاری کی۔ اس وقت اس کے پاس صرف چار ہزار سوار تھے۔ ظفر خاں ان کو لے کر چلا
فرحۃ الملک بھی آپہنچا۔ غرض دونوں فوجیں مقام کانبھو[1] پر ایک دوسرے کے مقابل مقیم ہوئیں
جو پٹن (نہروالہ) سے بارہ کوس پر واقع ہے۔ ۷، صفر ۷۹۴ھ/۱۳۹۱ء کو جنگ ہوئی۔ دونوں فوجیں خوب
جم کر لڑیں۔ اثنائے جنگ میں فرحۃ الملک نے چیدہ سواروں کا ایک دستہ لے کر ظفر خاں کو
تلاش کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ ظفر خاں کو قتل کر کے جنگ کا خاتمہ جلد کر دے لیکن حسن اتفاق دیکھیے
کہ ظفر خاں کے ایک سپاہی نے اس کا تعاقب کیا اور پشت سے ایسا زخمی کیا کہ گھوڑے کی

---

[1] اس مقام کا اصلی نام کیا ہے کچھ صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ مرآۃ سکندری نے سنھو لکھا ہے۔ فرشتے نے کانتھو
پروفیسر دہلوی نے تاریخ اسلام میں کیتھو تحریر کیا ہے۔ مصنف مرآۃ محمدی نے (کنبو) لکھ دیا ہے۔ طبقات اکبری اور مرآۃ
احمدی کا نبھو لکھا ہے۔ اور چونکہ صاحب مرآۃ احمدی دیوان شاہی تھا اس لیے وصولی خراج کے سبب گاؤں کے
صحیح نام سے بہ نسبت دوسرے مورخین کے زیادہ واقف ہے بدیں سبب اس کے نام کو میں نے ترجیح دی میرے
خیال میں فرشتہ میں کاتب کی غلطی سے نقطوں کا پھیر ہو گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ مرآۃ سکندری کے زمانہ میں اس کا
نام وہی ہو اور مرآۃ احمدی کے عہد میں بدل گیا ہو۔

زین سے زمین پر آپہنچا۔ سپاہی فوراً سر تن سے جُدا کرکے ظفر خاں کے پاس لے آیا[۱]۔ اس سے فوج پر بڑا اثر پڑا اور نظام مفرح یعنی راستی خاں کی فوج شکست کھا کر منتشر ہو گئی اور ظفر خاں مظفر و منصور نہروالا پٹن میں داخل ہوا جس جگہ ظفر خاں نے فتح حاصل کی۔ اس مقام پر ایک گاؤں آباد کیا، اور اس کا نام جیت پور رکھا۔ یہ گاؤں مصنف مرآۃ سکندری کے عہد تک (۱۰۲۷ھ) تھا۔ ظفر خاں نے پٹن پہنچ کر انتظام سلطنت شروع کر دیا۔ ہر جگہ گماشتے بھیجے اور موقع موقع کی چوکی مقرر کی۔ جب اس طرح ایک گونہ اطمینان ہو گیا تو ۷۹۵ھ ۱۳۹۲ء میں کھنبایت کی طرف کوچ کیا۔ کیونکہ اس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر نا اہل لوگوں نے تجار اور عام رعایا کو بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ وہاں پہنچ کر مظلوموں کی داد رسی کی۔ اور لوگوں کی شکایات کو رفع کیا۔ عام رعایا کو تسلی و تشفی دی اور ایک لائق حاکم انتظام کے لیے چھوڑ کر لوٹا۔ اور اساول میں کچھ دنوں قیام کرکے اُس طرف کا بھی معقول بندوبست کیا۔ یہاں سے مطمئن ہو کر نہروالا پٹن واپس آیا ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء میں خبر ملی کہ راجہ ایڈر نے بغاوت اختیار کی ہے[۲]۔ ظفر خاں نے ایک جرار لشکر اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ ایڈر پر حملہ کیا۔ ظفر خاں اس تیزی سے اس پر آپڑا کہ زیادہ جنگی تیاری کا اس کو موقع نہ مل سکا۔ کئی روز جنگ ہوتی رہی اور آخر مجبور ہو کر قلعہ میں پناہ لی۔ ظفر خاں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور محاصرہ میں ایسی سختی کی کہ چند ہی دنوں میں اہل قلعہ عاجز آ گئے۔ کتا، بلی تک لوگوں نے نہ چھوڑا۔ آخر عاجز آ کر اپنے لڑکے کی معرفت پیغام اطاعت بھیجا اور ہر طرح سے معذرت کی اور معافی اور رحم کی درخواست کی اور صفائی سے کہا کہ ہم اپنے ہمعصروں میں ذلیل شمار ہوتے، اگر اپنے ناموس اور عزت کے لیے آپ سے جنگ نہ کرتے۔ اب جبکہ ہم مجبور ہو گئے آپ عوض لینا

---

[۱] فرشتہ کے بیان کے مطابق راستی خاں مارا نہیں گیا بلکہ شکست کھا کر پٹن چلا گیا، تاکہ قلعہ بند ہو جائے۔ مگر کسی تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔

[۲] راجہ راؤ رن مل ایڈر کا راجہ تھا۔ شیواجی راٹھور بانی راج مارواڑ کے دوسرے بیٹے سونگ جی کی نسل سے بڑا بہادر راجپوت گزرا ہے، اسی نے جالور کے راجہ بیسل دیو کی بیوہ رانی اور دونوں لڑکوں کو پناہ دے کر جاگیر دی تھی۔ دونوں میں کچھ رشتہ بھی تھا۔ (تاریخ پالن پور ص ۵۶)

چاہیں تو گردنیں حاضر ہیں، اور معاف کرنا چاہیں تو یہ آپ کی رحم دلی اور فیاضی ہے غرض ظفر خاں نے کھلے دل سے سب کو معاف کردیا اور خراج و نذرانہ لے کر کامیابی کے ساتھ واپس لوٹا۔ اسی سال یعنی ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء میں محمد شاہ تغلق کا انتقال ہوگیا۔

سکہ سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق

(۲)	(۱)
السلطان الاعظم ابوائی[۱] مد محمد شاہ فیروز شاہ سلطانی	محمد شاہ فیروز شاہ سلطانی
فی زمن الامام امیر المومنین خلدت خلافتہ	ابوعبداللہ خلدت خلافتہ
سنہ ۷۹۳ھ	ضرب بحضرۃ دہلی سنہ ۷۹

(۴)		(۳)
فی زمن	السلطان الاعظم	محمد شاہ
امیر المومنین	ابوالمجاہد محمد شاہ	ضرب بحضرت دہلی
خلدت خلافتہ	فیروز شاہ سلطانی	نائب امیر المومنین سنہ ۷۹۲

سکندر شاہ تغلق

۱۹۔ ربیع الاول ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء کو سلطان محمد شاہ تغلق کا بڑا لڑکا ہمایوں خاں، علاء الدین سکندر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں تقریباً ہر صوبہ کے حکام اپنی جگہ پر بحال رہے۔ افسوس کہ سکندر شاہ ایسے مرضوں میں مبتلا تھا کہ ان سے جانبر نہ ہوسکا۔ اور ۵۔ جمادی الاول ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء کو اس نے وفات پائی۔

---

[۱] میرے خیال میں ابوالمجاہد ہوگا جیساکہ دوسرے سکّہ میں موجود ہے۔

سلطان ناصرالدین محمود تغلق

۷۹۶ھ
۱۳۹۳ء

۱۹۔ جمادی الاول ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء میں محمد شاہ کا خرد سال لڑکا محمود ناصرالدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی عمال گجرات میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا۔ ظفر خاں بدستور حاکم گجرات رہا اور اس کا لڑکا تاتار خاں دہلی میں سلطان کے امراء کبار میں شمار ہوتا تھا۔

تاتار خاں کے گجرات بھاگ آنے کے اسباب

سلطان ناصرالدین محمود تغلق کی تخت نشینی سے اگرچہ امراء دولت میں ایک قسم کا سکون ہو گیا تھا لیکن یہ بڑے کمزور دل کا بادشاہ تھا۔ اس سبب سے بعد کو ملک میں بڑا انتشار پیدا ہو گیا کسی قسم کا رعب اس کا کسی امیر پر نہ رہا تھا۔ اسی باعث سے ہر امیر کی یہ دلی خواہش تھی کہ بادشاہ کو اپنے قبضہ میں رکھ کر خود تمام امور سلطنت اپنی خواہش کے مطابق انجام دے۔ اس بادشاہ کے عہد میں سب سے پہلے مشرقی صوبوں میں بغاوت رونما ہوئی۔ چنانچہ خواجہ جہاں وزیر کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا گیا۔ اور اس نے جونپور قنوج، بہار وغیرہ کو مسخر کیا۔ اور حسب دستور سابق بنگالہ سے خراج وصول کیا۔ بادشاہ نے اس کو ملک الشرق کا خطاب دے کر اس صوبہ کا گورنر بنایا۔ اس نے جونپور کو پایۂ تخت قرار دے کر ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی۔ اور اپنے خیال کے مطابق مطلق العنان ہو کر حکومت کرنے لگا۔

سکہ سکندر شاہ تغلق

سکندر شاہ محمد شاہ سلطانی

الخلیفہ ابو عبداللہ خلدت خلافتہ

نوٹ:۔ ایک سکہ کا نقشہ بڑودہ کے عجائب خانہ سے نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوائف الملوکی میں چند دنوں کے لیے سکندر شاہ کا لڑکا محمد شاہ بھی تخت دہلی پر بیٹھا تھا۔ لیکن تاریخ میں اس کا مطلق ذکر نہیں "المعتضد باللہ ابو المظفر شمس الدنیا والدین۔ محمد شاہ بن ہمایوں شاہ السلطان خلد ملکہ"

اب قبل اس کے کہ واقعات مسلسل تحریر کروں امراء دربار جو مختلف صوبوں پر قابض تھے ان کے نام کی ایک فہرست لکھتا ہوں۔ تاکہ آسانی کے ساتھ پڑھتے وقت ہر ایک کے حالات ذہن نشین رہیں کیونکہ انہی کے سبب بادشاہ بے اختیار اور خانہ جنگی برپا تھی اور ملک سے امن مفقود تھا۔

(۱) ملک الشرق خواجہ جہاں وزیر۔
(۲) مقرب الملک مقرب خاں امیر الامراء نائب ملک
(۳) عبدالرشید سعادت خاں باربک
(۴) ملک سارنگ۔ سارنگ خاں حاکم دیبال پور (دیپال پور)
(۵) ملک دولت خاں دبیر سلطنت
(۶) عادل خاں (یا عالی خاں) برادر سارنگ خاں حاکم لاہور
(۷) ملک اقبال خاں۔ ملو خاں " " حاکم قلعہ سیری (متصل دہلی قدیم)
(۸) ملک علاء الدین حاکم دھاروار
(۹) ملک تاج الدین نائب حاکم دیبال پور
(۱۰) ملک علی حاکم اُچھ (سندھ)
(۱۱) غالب خاں حاکم سامانہ
(۱۲) خواص خاں " کرنال (متصل پانی پت)
(۱۳) خضر خاں " ملتان
(۱۴) مبارک خاں ہلاجون بن ملک راجو
(۱۵) ملک الماس (یا الیاس)
(۱۶) فضل اللہ خاں قتلغ خاں بلخی
(۱۷) شہاب ناہر
(۱۸) بہادر ناہر

(۱۹) رائے کمال (۲۰) مخلص خان

(۲۱) تاتار خاں حاکم پانی پت (۲۲) ظفر خان حاکم گجرات

(۲۳) نصیر الملک (رشتہ دار تاتار خاں)

سلطان محمود تغلق مقرب الملک کو دہلی میں چھوڑ کر خود گوالیار اور بیانہ کی طرف چلا آیا۔ اور سعادت خاں کو ساتھ لیا جب گوالیار پہنچا تو ملک علاء الدین اور ملو خاں کے ساتھ مل کر مبارک خاں نے سعادت خاں کو قتل کر ڈالنے کی سازش کی لیکن سعادت خاں کو اس کا علم ہو گیا۔ اور اس نے علاء الدین اور مبارک خاں کو مار ڈالا۔ اور ملو خاں بھاگ کر دہلی مقرب الملک کے پاس پناہ گزین ہوا۔ جب بادشاہ دہلی آیا تو مقرب الملک نے شاندار استقبال کیا مگر مقرب الملک کو یہ معلوم کر کے بڑی تشویش پیدا ہوئی کہ ملو خاں کی پناہ دہی بادشاہ کو سخت ناگوار گزری ہے۔ چنانچہ شہر میں آکر قلعہ بند ہو گیا اور جنگ شروع کر دی تین ماہ تک فریقین میں جنگ برپا رہی۔ آخر کار مصاحبوں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ یہ جنگ آپ کے برخلاف نہیں ہے۔ اس لیے جنگ میں سعادت خاں کی بیعت آپ کے لیے بیکار ہے۔ بادشاہ نے بھی اسی میں مصلحت دیکھی۔ محرم ۷۹۷ھ (۱۳۹۴ء) میں موقعہ دیکھ کر بادشاہ مقرب الملک کے پاس دہلی چلا گیا۔ قلعہ کی مضبوطی اور برسات کے سبب سعادت خاں مع اپنی فوج کے فیروز آباد چلا گیا اور دوسرے امرا کی صلاح سے نصرت خاں بن فتح خاں بن فیروز شاہ کو میوات سے طلب کر کے (جو وہاں پناہ گزین تھا) بادشاہ بنایا۔ اور خود تمام امور سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر انجام دینے لگا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد سعادت خاں کی سختی اور غیر مآل اندیشی سے تنگ آگئے۔ اور بادشاہ نصرت شاہ کو بھی آزردہ کر دیا۔ یہاں تک کہ موقع پاکر سعادت خاں پر حملہ کر دیا۔ وہ چونکہ اس آفت ناگہانی سے ناواقف تھا، مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ کر اپنے دشمن مقرب الملک سے امان لے کر دہلی میں رہنے لگا۔ لیکن چند ہی دن کے بعد مقرب الملک نے اس کو قتل کرا دیا۔ امراء فیروز آباد نے نصرت شاہ سے دوبارہ بیعت (حلف وفاداری) کی۔ اور مختلف ممالک پر قابض ہو گئے۔ اس وقت

دو بادشاہ تھے۔ ناصر الدین محمود تغلق۔ زیر حمایت مقرب الملک اور نصرت شاہ بن فتح خاں تغلق زیر حمایت تاتار خاں۔ اول دہلی۔ اور دوسرا فیروز آباد میں رونق افروز تخت تھا امراء دربار بھی دو فریق میں منقسم ہو گئے تھے۔ نصرت شاہ کے موافقین مندرجہ ذیل امراء تھے۔

(۱) محمد تاتار خاں۔ وزیر۔ حاکم پانی پت (۲) شہاب ناہر۔ شہاب خاں

(۳) فضل اللہ قتلغ خاں بلخی (۴) مختص خاں

(۵) سعادت خاں (جس کو مقرب الملک نے مار ڈالا)

(۶) غالب خاں حاکم سامانہ (۷) ملک الماس (یا الیاس) (۸) رائے کمال

باقی امراء محمود تغلق کے طرفدار تھے۔ ملو خاں اقبال خاں حاکم سیری اور بہادر ناہر حاکم دہلی قدیم کا طرفدار رہے۔ تین برس تک دونوں تاجداروں میں جنگ رہی اور کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ ۷۹۸ھ میں ملک سارنگ حاکم دیپالپور نے خضر خاں سے ملتان چھین لیا اور ۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) میں عالی خاں (عادل خاں) سے لڑ کر سامانہ پر قابض ہو گیا۔ سامانہ کا حاکم نصرت شاہ کے تحت تھا۔ راہ فرار اختیار کر کے پانی پت تاتار خاں سے جا ملا۔ نصرت شاہ نے امداد دی۔ فوج تنبیح کر تاتار خاں کو سالار فوج بنا کر روانہ کیا۔ تاتار خاں مع ملک الیاس (الماس) نے ۵ محرم ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں موضع کوٹلہ کے قریب سارنگ خاں سے جنگ کی۔ ملک سارنگ نے شکست کھائی اور ملتان کی طرف بھاگا۔ تاتار خاں تلونڈی تک تعاقب کرتا ہوا گیا۔ پھر رائے کمال کو تعاقب کے لیے چھوڑ کر خود واپس آیا۔ عین اس موقع پر اگر امیر تیمور کی آمد نہ ہو گئی ہوتی تو یقین تھا کہ تاتار خاں سارا پنجاب و سندھ پر قابض ہو جاتا۔ اور اس طرح مضبوط ہو کر دہلی پر عملی طرف کر کے نصرت شاہ کو تخت پر قائم کر دیتا۔ اور حریف کو کامل شکست ہو جاتی۔ ملو اقبال خاں ابھی تک طرفدار تھا لیکن اب اس نے دیکھا کہ نصرت شاہ کا پلہ بھاری ہوتا ہوا نظر آتا ہے تو شوال ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں نصرت شاہ کے پاس آیا۔ اور شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر قرآن سامنے رکھ کر اطاعت و محبت کا اقرار کیا اور پھر نصرت شاہ کو ساتھ لے کر قلعہ جہاں پناہ (دہلی میں)

آیا لیکن تیسرے ہی دن اس نمک حرام نے قرآن کو بالائے طاق رکھ کر نصرت شاہ پر حملہ کر دیا نصرت شاہ اپنے میں طاقت نہ دیکھ کر وہاں سے فیروز آباد چلا آیا لیکن تمام ساز و سامان چھوڑ دینا پڑا اقبال خاں نے فیروز آباد میں بھی جا کر جنگ کی آخر بادشاہ نے تاتار خاں کے پاس پانی پت میں جا کر پناہ لی۔ اقبال خاں فیروز آباد پر بھی قبضہ کر کے اب دہلی کی طرف متوجہ ہوا اور مقرب الملک کا کانٹا نکال دینا چاہا۔ ۶۰ھ دو ماہ تک جنگ کرتا رہا۔ مگر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آخر چند امراء نے بیچ میں پڑ کر دونوں میں صلح کرا دی، اور اب ایک دوسرے کے دوست ہو گئے اور گاہے ماہے دہلی آنے جانے لگا۔ ایک دن دغاباز اقبال خاں نے موقعہ دیکھ کر مقرب الملک پر حملہ کر کے مار ڈالا اور اب محمود تغلق مجبوراً اقبال خاں کے ہاتھ میں شاہ شطرنج تھا۔ اقبال خاں نے دیکھا کہ دہلی اور اس کے اطراف سے ایک گونہ اطمینان ہو گیا۔ اور بڑے بڑے دعویدار امراء تقریباً سب قتل ہو چکے۔ نصرت شاہ کے طرفداروں میں اب صرف تاتار خاں رہ گیا ہے، اس لیے اس کو بھی دفع کرنا چاہیے۔ چنانچہ محمود تغلق کے ساتھ ایک فوج لے کر پانی پت پہنچ گیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ تاتار خاں نے دیکھا کہ اس اچانک بلا کو ٹالنا مشکل ہے تو اس نے ایک دوسری جنگی چال یہ کی کہ ایک فوج کے ساتھ پانی پت کو چھوڑ کر وہ دہلی پر آ پڑا تاکہ دہلی کو بچانے کے لیے اقبال خاں ادھر واپس آ جائے تو پھر سامانہ وغیرہ سے مدد لے کر اقبال خاں کا تدارک کرے لیکن افسوس کہ یہ خیالی دوراندیشی بہ کار آمد ثابت نہ ہوئی اقبال خاں نے پانی پت سر کر لیا۔ اور تمام اثاثہ تاتار خاں کا لٹ گیا۔ اقبال خاں نے پانی پت کا معقول انتظام کر کے دہلی لوٹنا مناسب سمجھا۔ ادھر تاتار خاں نے بڑا زور لگایا مگر دہلی کا قلعہ بوجہ مضبوطی و اقبال خاں کے مکمل انتظام کے فتح نہ ہو سکا۔ جب اقبال خاں دہلی آیا تو مجبوراً تاتار خاں کو محاصرہ اٹھانا پڑا۔ یہ وقت تاتار خاں کے لیے بڑی مصیبت کا تھا۔ اقبال خاں کا دور دورہ تھا۔ اور اگر تیموری فوجوں نے پنجاب اور ملتان کو پامال نہ کیا ہوتا تو کچھ تعجب نہیں کہ سندھ تک فتح کا ڈنکا بجا کر خود بادشاہ دہلی ہو گیا ہوتا۔ تاتار خاں ہر طرح سے مایوس اور پریشان ہو کر گجرات کی طرف آیا تاکہ اپنے باپ ظفر خاں سے مدد لے کر اقبال خان کو شکست دے اور پھر دہلی کا تاج سر پر رکھے۔

نصرت خاں نے بھاگ کر کسی جگہ پناہ لی اور تیمور سلطان کے چلے جانے پر دہلی قدیم پر قابض ہوا لیکن اقبال خاں نے اس کو وہاں سے نکال ڈالا۔ پھر گمنامی کی حالت میں کہیں وفات پائی یہی قرینہ قیاس بھی ہے۔ یہ واقعہ ۸۰۰ھ ۱۳۹۸ء کا ہے۔

نصرت شاہ کا صرف ایک سکہ دستیاب ہوا ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

سکہ نصرت شاہ تغلق

نصرت شاہ سلطانی

نائب امیر المومنین

امیر تیمور گورگانی ۸۰۰ھ ۱۳۹۷ء میں اپنے دارالسلطنت سے بقصد تسخیر ہند روانہ ہوا۔ ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء میں سندھ ندی کو عبور کر کے ملتان میں وارد ہوا۔ ۵۔ جمادی الاول ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء میں جمنا ندی عبور کر کے دہلی کی طرف بڑھا اور ۷۔ جمادی الاول ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء میں ملو اقبال خاں کو شکست دے کر دہلی میں داخل ہوا۔ اور ۱۶۔ جمادی الاول ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء کو دہلی لوٹ کر تباہ کر دیا[1] اور پھر اسی طرح لوٹ مار کرتا ہوا ہندوستان سے واپس چلا گیا۔ ملو اقبال خاں برن کی طرف بھاگ گیا۔ اور محمود تغلق بغرض طلب امداد گجرات ظفر خاں کے یہاں آیا۔ مگر ظفر خاں نے ہر طرح لوازم مہماں نوازی ادا کرنے کے باوجود امیر تیمور کے مقابل امداد دینے سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء کا ہے۔ محمود مایوس ہو کر مالوہ چلا گیا اور اقبال کی التجا پر دہلی آیا۔ خواجہ جہاں کے مرنے سے اقبال خاں نے جونپور کی سلطنت پر قابض ہو جانا چاہا۔ چنانچہ محمود کو لے کر قنوج پر قابض ہو گیا۔ شاہ جونپور مقابلہ پر آیا۔ محمود تغلق نے یہ سوچ کر کہ شاہ جونپور میرے قدیم نمک خواروں میں سے ہے۔ اس سے ملجاؤں تو بادشاہی مجھے اختیارات دلادیگا۔ شکار کے بہانہ اس کے لشکر میں چلا گیا۔ اقبال خاں یہ دیکھ کر واپس آگیا اور شاہ جونپور نے محمود کی مہمان نوازی تک نہ کی یہ دیکھ کر محمود واپس ہوا اور قنوج پر قابض ہو گیا۔ اور اس پر قناعت اختیار کر لی۔ اس وقت ہندوستان پر مختلف امراء خود مختارانہ حکومت کر رہے تھے۔ اور باہمی جنگ و جدال سے ایک دوسرے کو نگل جانے

[1] نوٹ صفحہ ۴۴۶ پر ملاحظہ ہو

کی کوشش میں مشغول تھے۔

امیر تیمور کی واپسی کے بعد ہندوستان کے خودمختار امراء

دہلی ومیان دوآب	اقبال خاں	گجرات	ظفر خاں
ملتان، سندھ، دیوبال پور، لاہور	خضر خاں	کالپی	محمود خاں
جون پور، اودھ، بہار	خواجہ جہاں	مالوہ	دلاور خاں
سامانہ	غالب خاں	بیانہ	شمس خاں
گوالیار	رائے نرسنگھ		

چلتے وقت امیر تیمور نے خضر خاں سابق حاکم ملتان کو لاہور سے سندھ تک کا حاکم بنا دیا تھا۔ اسی استحقاق سے وہ اس علاقہ پر قابض ہو کر مضبوط اور مستحکم ہوگیا تھا۔ اقبال خاں ۸۰۸ھ/۱۴۰۵ء تک دہلی، گوالیار، اٹاوہ، سامانہ وغیرہ سے مطمئن ہو کر لاہور اور ملتان کو قبضہ میں لانے کے خیال سے آگے بڑھا۔ خضر خاں نے بھی پورے جوش کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ ۱۹ جمادی الاول ۸۰۸ھ/۱۴۰۵ء کو اقبال خاں مارا گیا اور اس فتنہ روزگار سے محمود نے نجات پائی۔

محمود قنوج سے دولت خاں لودھی کی درخواست پر دہلی آیا اور کچھ دنوں بعد جونپور کی سلطنت پر حملہ آور ہوا۔ جون پور کا سلطان قنوج پر حملہ کر کے متواتر شکستیں دیتا ہوا دہلی تک پہنچ گیا لیکن اس افواہ سے متوحش ہو کر کہ ظفر خاں حاکم گجرات جون پور پر حملہ کرنے کی غرض سے آ رہا ہے، جون پور واپس چلا گیا۔ ادھر سلطان محمود شکار اور خانہ جنگی میں مصروف رہا مگر پنجاب و سندھ کا حاکم خضر خاں اقبال خاں کو شکست دینے کے بعد اپنی طاقت برابر بڑھاتا ہوا آہستہ آہستہ دہلی کی طرف بڑھا۔ یہاں تک کہ کئی بار دہلی کا محاصرہ کیا اور محمود تغلق کی

(نوٹ صفحہ ۴۴۵) سلطان شہاب الدین محمد غوری کے وقت سے اس وقت تک ہند کی دولت برابر ہند ہی میں رہی۔ دو سو برس کے عرصہ میں مغلوں نے بار بار حملے کیے مگر سلاطین ہند کی بہادری اور حب وطنی نے ان مغلوں کے قدم جمنے نہ دیے۔ دو سو برس کے بعد تغلق امیروں کی خانہ جنگی نے تیمور کو ہندوستان پر حملہ کا موقعہ دیا اور افسوس کہ اس نامراد خانہ جنگی کی بدولت ہندوستان کی بڑی دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی۔

خوش قسمتی سے بعض وجوہ سے محاصرہ اُٹھا لینا پڑا۔ ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء میں محمود تغلق شکار سے واپسی پر بیمار ہوا اور ذوالقعدہ کے مہینہ میں دنیائے دنی سے رحلت کر گیا۔ اور اس دن سے خاندان تغلق کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا، اور گجرات پر دہلی کی شہنشاہی کے جو حقوق قائم تھے وہ جاتے رہے اور ظفر خاں کا خاندان گجرات کا خود مختار حاکم ہو گیا۔

محمود شاہ تغلق کے سکے

(۱)

محمود شاہ محمد شاہ سلطانی

الخلیفہ ابو عبداللہ خلدت خلافتہ

۷۹۶ھ

(۲)

محمود شاہ

سلطان ضرب بحضرت دہلی

نائب امیر المومنین ۸۱۳ھ

تغلق کا نسب نامہ

ترک قوم
- قرونہ (اس کی ایک شاخ)
  - تغلق قرونہ
    - ابوبکر تغلق
    - ملک غازی تغلق (جو بعد میں سلطان غیاث الدین تغلق مشہور ہوا)
      - محمود (شاہزادہ محمود باپ کے ساتھ چھت گرنے سے مر گیا)
      - فخرالدین جونا محمد شاہ تغلق
        - لڑکی
    - سپہ سالار رجب تغلق
      - فیروز شاہ تغلق
        - ناصرالدین محمد شاہ
          - ناصرالدین محمود شاہ
          - ہمایوں خاں سکندر شاہ
        - فتح خاں
          - غیاث الدین تغلق شاہ ثانی
          - نصرت خاں
        - ظفر خاں
          - ابوبکر شاہ
          - فیروز شاہ
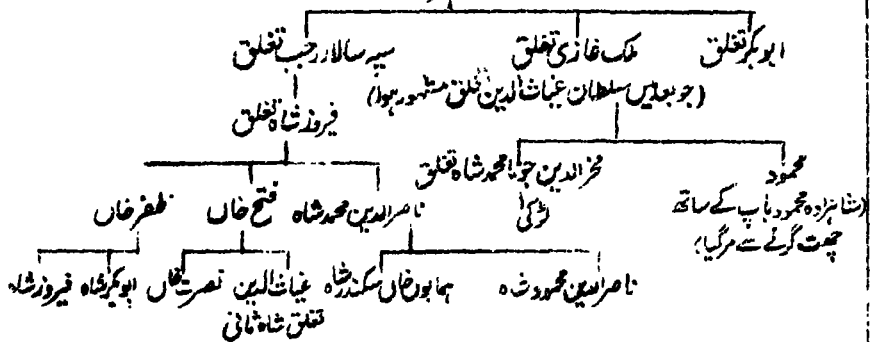
نوٹ: لیکن ظفر خاں کو مورخ بدایونی فتح خاں بن فیروز شاہ تغلق کا لڑکا لکھا ہے۔

نام بادشاہ	سنہ
۱۔ غیاث الدین تغلق (اول)	۷۲۰ھ
۲۔ محمد شاہ تغلق (اول)	۷۲۵ھ
۳۔ فیروز شاہ	۷۵۲ھ
۴۔ تغلق شاہ بن فتح خاں بن فیروز شاہ	۷۹۰ھ
۵۔ ابوبکر بن ظفر خاں بن فیروز شاہ	۷۹۱ھ
۶۔ محمد شاہ ثانی بن فیروز شاہ تغلق	۷۹۲ھ
۷۔ سکندر شاہ بن محمد شاہ ثانی	۷۹۶ھ
۸۔ نصرت شاہ	چند ماہ
۹۔ محمود شاہ تغلق	۷۹۶ھ تا ۸۱۵ھ

نقشہ ریاستہائے عہد ناصر الدین محمود تغلق